حیاتِ اقبال — عہد بہ عہد

(حصہ اوّل)

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین

حیاتِ اقبال — عہد بہ عہد

(حصہ اوّل)

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

ناشر

پروفیسر ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

ناظم

اقبال اکادمی پاکستان

حکومت پاکستان

قومی ورثہ وثقافت ڈویژن

چھٹی منزل، ایوان اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

Tel: [+92-42] 36314510, 99203573
Fax: [+92-42] 36314496
Email: info@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN 978-969-416-489-2

طبع اول	:	۲۰۱۵ء
طبع دوم	:	۲۰۲۲ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۱۳۲۰/-روپے
مطبع	:	ایچ آئی ٹریڈرز، لاہور

محل فروخت: گراؤنڈ فلور، ایوان اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

فہرست

پیش لفظ ۷

۱۸۹۵ء......لاہور میں آمد ۹

۱۸۹۶ء......کالج کے شب و روز ۱۳

۱۸۹۷ء......کالج کا نصاب اور ساتھی ۱۵

نصاب ۱۹

گورنمنٹ کالج لاہور کے اساتذہ ۲۰

۱۸۹۸ء......لا کالج میں داخلہ ۲۳

۱۸۹۹ء......اقبال کے اساتذہ ۲۸

ایم اے فلاسفی کے اساتذہ ۳۰

لا اسکول لاہور ۳۱

۱۹۰۰ء......''نالۂ یتیم'' کی تخلیق ۳۴

۱۹۰۱ء......گورنمنٹ کالج میں عارضی تقرر ۳۸

۱۹۰۲ء......پنجاب کے ملک الشعراء ۴۱

۱۹۰۳ء......سعدی اور شیکسپیئر سے تشبیہ ۴۵

۱۹۰۴ء......کلام کی مقبولیت ۵۰

۱۹۰۵ء......انگلستان روانگی ۵۶

۱۹۰۶ء......فارسی شاعری کی طرف میلان ۷۰

۱۹۰۷ء......عطیہ بیگم سے ملاقات ۷۳

ٹرنٹی کالج کیمبرج یونی ورسٹی میں اقبال کے اساتذہ ۸۴

جرمنی کے اساتذہ ۸۶

۱۹۰۸ء......قانون کے امتحان میں کامیابی ۸۹

لنکنز ان کے ریڈرز اور اسسٹنٹ ریڈرز ۹۶

ایوننگ لیکچرز آن سپیشل سبجیکٹ ۹۸

۱۹۰۹ء......گورنمنٹ کالج میں پروفیسری ۱۰۲

۱۹۱۰ء......حیدر آباد دکن کا دورہ ۱۰۸

۱۹۱۱ء......شاعری نئی بلندی پر ۱۱۶

۱۹۱۲ء......فاطمہ___ آبروئے اُمت مرحوم ۱۲۳

۱۹۱۳ء......سردار بیگم سے نکاح ۱۳۰

۱۹۱۴ء......والدہ کی وفات ۱۳۸

۱۹۱۵ء......مثنوی اسرارِ خودی ۱۴۵

۱۹۱۶ء......اسلام اور تصوف ۱۵۶

۱۹۱۷ء......مشاہیر وقت سے خط کتابت ۱۶۸

۱۹۱۸ء......مشکلات کا سامنا ۱۸۴

۱۹۱۹ء......وولٹ ایکٹ کا ہنگامہ ۱۹۵

۱۹۲۰ء......بارگاہِ رسولؐ میں حاضری	۲۱۴
۱۹۲۱ء......اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ	۲۳۰
۱۹۲۲ء......بیماریوں کی زد میں	۲۴۲
۱۹۲۳ء......سر کا خطاب	۲۶۳
۱۹۲۴ء......خوشی اور غم ساتھ ساتھ	۲۸۰
۱۹۲۵ء......مدراس سے دعوت	۲۹۶
۱۹۲۶ء......انتخابات میں کامیابی	۳۰۶
۱۹۲۷ء......مولانا گرامی کی وفات	۳۱۸
۱۹۲۸ء......مسلم لیگ میں اختلافات	۳۴۰
۱۹۲۹ء......خطبات مدراس	۳۵۵
۱۹۳۰ء......خطبہ الٰہ آباد	۳۷۶
۱۹۳۱ء......گول میز کانفرنس، لندن	۳۹۸
۱۹۳۲ء......تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت	۴۳۳
۱۹۳۳ء......فرانس، ہسپانیہ اور افغانستان	۴۵۵

پیش لفظ

علامہ محمد اقبال کی سوانح حیات کا دوسرا اور آخری دور ۱۸۹۵ء سے ۱۹۳۸ء تک بہ عنوان حیاتِ اقبال ــــ عہد بہ عہد پیشِ خدمت ہے۔ اس سے پہلے کا دورِ حیات راقم اپنی تصنیف اقبال کی ابتدائی زندگی میں بیان کر چکا ہے۔

علامہ محمد اقبال کے سوانح حیات سے متعلق کئی کتب دستیاب ہیں۔ ان میں قابلِ ذکر اور قابلِ قدر کتاب آپ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال کی زندہ رود ہے۔ حنیف شاہد کی کتاب مفکر پاکستان بھی اچھی کاوش ہے، لیکن افسوس ان سوانحی کتب میں تشنگی پائی جاتی ہے اور جامعیت نہیں ملتی۔ مثلاً لکھا گیا ہے کہ اقبال نے ایم اے تھرڈ ڈویژن میں کیا تھا، لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ کن حالات میں؟ کسی محفل میں ہم جب فخر سے اپنے قومی شاعر کا ذکر کریں، تو ایم اے فلسفہ تھرڈ ڈویژن کے اظہار پر ہماری نظریں جھک جاتی ہیں۔ اسی طرح ''لنکنز ان'' سے بار ایٹ لا کی قانونی ڈگری لینے کا ذکر ہر سوانح میں ملتا ہے، لیکن کسی مصنف نے اس ادارے کے پس منظر، تاریخ، طریقہ تعلیم، نصاب اور اساتذہ اور قانون دانوں کا ذکر نہیں کیا۔

اقبال انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں حصول تعلیم کی خاطر سیالکوٹ سے لاہور آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسوں میں کلام پیش کر کے وہ شاعری کی دنیا میں متعارف ہوئے اور بلند پایہ اُردو و فارسی شاعر کی حیثیت سے ابھرے۔ لاہور ہی میں آپ نے سیاست کے خارزار میں قدم رکھا۔ یہاں تک کہ پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جگر پاش واقعات و حادثات کے مواقع پر خصوصاً مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔

حیاتِ اقبال ــــ عہد بہ عہد، سال بہ سال کے لحاظ سے قلم بند کی گئی ہے۔ اس میں ہر وہ بات بیان کی گئی ہے جو دوسری سوانحی کتب میں نہیں ملتی۔ مثلاً:

بی اے اور ایم اے میں اقبال کے زیر مطالعہ کون سے مضامین رہے، امتحانات کے سوالیہ

پرچے، نتائج، بارایٹ لا کا طریقہ تعلیم، نصاب، امتحانی پرچے اور نتائج وغیرہ۔ مزید براں شاعر مشرق سے وابستہ، بی اے، ایم اے، بارایٹ لا اور ڈاکٹریٹ کے پروفیسر صاحبان کے حالات زندگی پہلی بار اس کتاب میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

راقم نے ان تمام معروف شخصیات کے مختصر حالات مرتب کرنے کی سعی کی ہے، جن سے اقبال کے تعلقات اور روابط رہے۔ ان اخبارات و رسائل کا بھی تذکرہ ہے، جن میں آپ کا کلام شائع ہوا، اس پر تبصرے ہوئے اور بیانات چھپے۔

اقبال کے مکاتیب سے مجھے آپ کی ۶۴ سالہ زندگی مرتب کرنے میں بڑی مدد ملی۔ نصابی کتاب کی نقول حاصل کرنے کے لیے درج ذیل کتب سے مدد لی گئی:

اس کے علاوہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، اورینٹل کالج لائبریری، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، اسلامیہ کالج سول لائنز، ایم اے او کالج اور فارمن کرسچن کالج لاہور۔ علامہ اقبال لائبریری سیالکوٹ اور اقبال اکادمی پاکستان لاہور سے بھی حوالے کی کئی کتب دستیاب ہوئیں۔

لنکنز ان لائبریری کے لائبریرین جناب جی۔ ایف۔ ہولبورن اور اسسٹنٹ لائبریرین مسز بیلس نے علامہ محمد اقبال سے متعلق اہم دستاویزات فراہم کیں، یوں کتاب کی وقعت دوچند ہوگئی۔

کراچی سے میرے استاد پروفیسر ڈاکٹر سردار احمد خان نے حوالے کی دو کتب عطا فرمائیں اور مفید مشورے بھی دیے۔ چند دیگر احباب نے بھی حوالے کی کتب جمع کرنے میں مدد دی اور بعض ضروری معلومات بہم پہنچائیں۔ میں ان سب کا ممنون ہوں۔ اُمید ہے میری یہ کاوش اقبالیات میں اہم اضافہ ثابت ہوگی اور اقبال پر تحقیق کرنے والوں کے لیے بڑی سودمند رہے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین

۵۰۷ نرگس بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

۲۶ جولائی ۲۰۰۳ء

۱۸۹۵ء......لاہور میں آمد

علامہ محمد اقبال نے سکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ۱۸۹۵ء میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے زیر اہتمام ہونے والے انٹرمیڈیٹ امتحان میں سیکنڈ ڈویژن لے کر کامیابی پائی۔ یونی ورسٹی نے امتحانی نتائج کا اعلان ۲۷/اپریل ۱۸۹۵ء کو کیا تھا۔ سکاچ مشن کالج سے صرف چار طلبہ کامیاب ہوئے۔ اقبال نے ۵۷۰ نمبر میں سے ۲۷۶ نمبر حاصل کیے۔ لازمی مضامین انگریزی، ریاضی اور عربی تھے۔ اختیاری مضمون فلسفہ تھا۔ میرٹ میں اقبال کا ۴۷واں نمبر آیا۔ جگن ناتھ، لچھمن داس نیرّ اور فضل الٰہی (بیگم سلمیٰ تصدق کے والد ماجد) کامیاب ہونے والے بقیہ تین طلبا تھے۔ کالج کا کوئی طالب علم وظیفہ حاصل نہ کر سکا۔[1]

اقبال کے والد ماجد شیخ نور محمد (۱۸۳۷ء-۱۹۳۰ء) نے مولوی سید میر حسن (۱۸۴۴ء-۱۹۲۹ء) اور دوسرے احباب کے مشورے سے اپنے بیٹے کو بغرض اعلیٰ تعلیم گورنمنٹ کالج، لاہور میں داخل کرانے کا فیصلہ کیا۔ اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد (۱۸۶۲ء-۱۹۴۰ء) نے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کی ہامی بھر لی۔ اقبال کے خسر مکرم، ڈاکٹر شیخ عطا محمد (۱۸۵۰ء-۱۹۲۳ء) نے بھی داماد کو مزید تعلیم کے لیے لاہور بھیجنے کا مشورہ دیا ہوگا۔

موسم گرما کی تعطیلات ۱۵/اکتوبر کو ختم ہو گئیں۔[2] پنجاب یونی ورسٹی اور لاہور کے دیگر تعلیمی ادارے ۱۶/اکتوبر کو کھل گئے۔ اقبال ریل گاڑی کے ذریعے سیالکوٹ سے لاہور پہنچے۔ یہ ان کا دوسرا سفرِ لاہور تھا۔ پہلی بار وہ انٹرمیڈیٹ کا امتحان دینے آئے تھے۔ اقبال اکتوبر کی ۱۴ یا ۱۵ تاریخ کو لاہور پہنچے۔

سیالکوٹ تا وزیر آباد یکم جنوری ۱۸۸۴ء[3] اور وزیر آباد تا لاہور کے لیے ۱۵/اگست ۱۸۷۴ء[4] سے ریل گاڑی چلنے لگی تھی۔ اقبال کے ساتھ ان کے والد ماجد اور استاد محترم مولوی سید میر حسن لاہور آئے ہوں گے، کیوں کہ آخر الذکر کے دوست، مولانا محمد حسین آزاد گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر عربی کی حیثیت سے کام کر چکے تھے۔ جب گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی اور سنسکرت کے شعبے بند ہوئے تو مولانا آزاد تبدیل ہو کر اورینٹل کالج چلے گئے۔ وہاں آپ نے یکم

اکتوبر ۱۸۸۴ء تا ۱۸۹۰ء شعبہ عربی میں بحیثیت ناظم تالیف وتصنیف خدمات انجام دیں۔[۵] انھیں سے آپ ۱۶ دسمبر کو ملازمت سے پنشن پر ریٹائر ہوئے تھے۔ لاہور ہی میں رہائش اختیار کی۔

ریلوے اسٹیشن، لاہور پر شیخ گلاب دین مہمانوں کو لینے آئے۔ آپ مولوی میر حسن کے شاگرد اور اقبال کے دوست تھے۔ شیخ صاحب انھیں اپنے گھر واقع بھاٹی گیٹ لے گئے۔ اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور کے تیسرے سال میں داخلہ لیا اور مضامین منتخب کیے: انگریزی، عربی اور فلسفہ۔

کالج ہوسٹل میں داخلہ ملنے کے بعد اقبال اپنا سامان لے کر وہاں منتقل ہو گئے۔ اقبال کو کوآرڈرینگل ہوسٹل کا کمرہ نمبر ۱ ملا۔ یہ ہوسٹل ۱۸۹۱ء میں تعمیر ہوا تھا۔ اسی سال انبالہ سے سید غلام بھیک نیرنگ انٹرنس (میٹرک) پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور کے پہلے سال میں داخل ہوئے۔ اقبال کے ایک ہم جماعت مولوی ضیاء الدین احمد لاہور کے کوچہ ہنومان، گمٹی بازار میں رہتے تھے۔ اقبال اکثر ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔[۶]

۱۸۹۵ء میں یونی ورسٹی کے انٹرمیڈیٹ امتحان کا نتیجہ اچھا رہا۔ اس لیے تیسرے سال زیادہ تعداد میں طلبہ داخل ہوئے۔ کالج میں طلبہ کی کل تعداد ۲۳۶ تھی۔ کالج کے پرنسپل ڈبلیو بیل (W. Bell) تھے، جو بی اے کے طلبہ کو انگریزی پڑھاتے تھے، وہ طلبہ کو انگریزی میں مضمون نویسی (Essay Writing) میں مہارت بہم پہنچاتے اور اپنی جیب سے طلبہ کو انعام بھی دیتے۔ ان کی رہائش کالج کے ایک کوارٹر میں تھی۔ ۱۸۸۷ء میں آپ پروفیسر فلسفہ کی حیثیت سے اس کالج میں آئے تھے۔ ان سے پہلے ایرک رابرٹ سن ایم اے ایڈن برگ پرنسپل تھے۔ رابرٹ سن ۱۸۹۲ء میں خرابی صحت کی وجہ سے واپس وطن چلے گئے تو ان کی جگہ مسٹر بیل کا تقرر ہوا۔ مسٹر بیل نے دوران پرنسپل شپ طلبہ کے لیے یہ لازمی قرار دیا کہ وہ سال کے آخر میں پروفیسر صاحبان سے متعلقہ مضمون سے متعلق اپنی کارکردگی کا سرٹیفکیٹ حاصل کریں۔ مسٹر بیل کھیلوں میں بھی بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ ایک دفعہ کالج کی فٹ بال ٹیم کو پولیس ٹیم سے میچ جیتنے پر دس روپے بطور انعام دیے۔ فلسفہ پروفیسر بی۔ ای اوشر (B. E. Ussher) پڑھاتے تھے۔ آپ ۱۸۹۲ء میں انگلستان سے آئے تھے۔ پروفیسر صاحب نے کالج میں ایک فلاسفیکل سوسائٹی قائم کر رکھی تھی، جس کے تحت طلبہ علمی و فلسفیانہ موضوعات پر بحث ومباحثے کرتے تھے۔ پروفیسر اوشر سوسائٹی کے صدر تھے۔ اقبال بھی اس علمی سوسائٹی کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرنے لگے۔ عربی کی تعلیم آپ نے مولوی محمد دین (MOL) سے پائی۔ یہ مضمون اورینٹل کالج میں پڑھایا جاتا تھا۔ ان دنوں اورینٹل کالج کی جماعتیں گورنمنٹ کالج ہی میں ہوتی تھیں۔ مولوی محمد دین فارسی اور عربی میں اعلیٰ قابلیت رکھنے

کے علاوہ طب کی کتب درسیہ کے بھی فارغ التحصیل تھے۔ اسی سال کالج نے کتب خانے کا ایک حصہ برائے طلبہ مخصوص کر دیا۔ کھیلوں اور بحث مباحثے کی سوسائٹیاں الگ الگ کر دی گئیں۔ کالج میں ایک لٹریری کلب موجود تھا۔ ہفتہ یا دو ہفتہ بعد اس کا اجلاس منعقد ہوتا۔ ابتدا میں اسے مقبولیت حاصل نہیں تھی، لیکن بعد میں اسے اہمیت حاصل ہوگئی۔ گزشتہ برس اس کے سیکریٹری کا انتخاب بڑے اچھے طریقے سے ہوا تھا۔ اس سال گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک طالب علم، شادی لال سرکاری وظیفے پر حصول تعلیم کی غرض سے انگلستان گئے۔[7]

اقبال سکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں دوران تعلیم شاعری کرنے لگے تھے لیکن انھوں نے کس عمر میں پہلا موزوں شعر کہا، اس ضمن میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سید نذیر نیازی کا یہ کہنا درست نہیں کہ شاعری کا باقاعدہ آغاز ۱۸۸۵ء یا شاید اس سے پہلے ہوا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اقبال نے ۱۸۸۵ء میں تو پہلی جماعت پاس کی تھی۔ پہلی جماعت کے لڑکے میں اتنا شعور نہیں ہوتا کہ وہ کوئی شعر مناسب کہہ سکے یا سمجھ سکے۔ امکان ہے کہ اقبال کی شاعری کا باقاعدہ آغاز چھٹی یا ساتویں جماعت سے ہوا۔ انھوں نے ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۰ء کے درمیان موزوں شعر کہنے شروع کیے ہوں گے۔ آٹھویں جماعت میں وہ سیالکوٹ کی شعری محفلوں میں شرکت کرنے لگے تھے۔ انھوں نے پھر اقبال تخلص اختیار کیا اور ۱۸۹۳ء میں بذریعہ خط کتابت داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کر لی۔ نومبر ۱۸۹۳ء میں رسالہ زبان دہلی جلد ا شمارہ ۵ کے صفحہ ۳ پر اقبال کی ایک غزل شائع ہوئی۔ اقبال ان دنوں فرسٹ ایئر کے طالب علم تھے۔ غزل کے لیے طرح مصرع یہ تھا:

خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

قافیہ باد، فریاد تھا۔ اقبال نے اس طرح مصرع پر آٹھ اشعار پر مشتمل ایک غزل کہی جس کا پہلا شعر ہے:

کیا مزا بلبل کو آیا شیوہ بیداد کا
ڈھونڈتی پھرتی ہے اڑ اڑ کر جو گھر صیاد کا

اسی رسالے کی جلد ۴ شمارہ ۲ بابت فروری ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۲ پر اقبال کی دوسری غزل شائع ہوئی جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے:

جان دے کر تمھیں جینے کی دعا دیتے ہیں
پھر بھی کہتے ہو کہ عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

اس شمارے میں اقبال کو بلبل ہند حضرت داغ دہلوی کا شاگرد لکھا گیا۔[8]

اقبال جب لاہور آئے تو دورانِ تعلیم رفتہ رفتہ ان کی شاعری کے جوہر کھل گئے۔ وہ انجمن اتحاد، اندرون بھاٹی دروازہ کے مشاعروں میں باقاعدگی سے شرکت کرنے لگے۔ ۳۰ر نومبر ۱۸۹۵ء کو حکیم امین الدین بارایٹ لا کی رہائش گاہ پر شام چھ بجے ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔ اقبال بھی اپنے احباب کے ساتھ شریک ہوئے اور اپنا کلام پیش کیا۔ غزل کے مقطع میں انھوں نے داغ کی شاگردی پر یوں فخر کا اظہار کیا:

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ نازاں نہیں اس پر
مجھے بھی فخر ہے شاگردی داغ سخن داں کا

اس محفل مشاعرہ کی روداد شور محشر دسمبر ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔ انجمن اتحاد کے اسی مشاعرے میں تقریباً تین سو شائقین شریک تھے۔ مشاعرہ کے مہتمم اور میر مشاعرہ حکیم شجاع الدین تھے۔ لالہ موہن لعل مطلب نائب میر مشاعرہ تھے۔ مذکورہ مشاعرے میں امیر مینائی نے بھی شرکت فرمائی تھی۔[9]

اس سال اقبال کے ہاں ایک دختر، معراج بیگم تولد ہوئیں۔ ان دنوں آپ کی زوجہ، کریم بی بی کے والد ڈاکٹر شیخ عطا محمد پنڈ دادن خان کی گورنمنٹ ڈسپنسری میں تعینات تھے۔ رواج کے مطابق پہلے بچے کی پیدائش میکے یعنی پنڈ دادن خان ہی میں ہوئی۔[10]

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، اقبال کی ابتدائی زندگی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۶ء، صفحہ ۱۴۹

2- Punjab University Calendar 1897-98.

3- Sialkot District Gazetteer 1894-95- P.137

۴۔ لارنس گزٹ، میرٹھ نمبر ۲۱، جلد ۱۱۔ ۲۷ مئی ۱۸۷۴ء

۵۔ اورینٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۶۲۔ ص ۲۱۲

۶۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، اقبال کی صحبت میں، ص ۳۰

۷۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے متعلق تمام معلومات اس کتاب سے حاصل کی گئیں:

A History of the Government College Lahore. 1864.1964.

۸۔ اقبال کی ابتدائی زندگی، ص ۶۹

۹۔ محمد عبداللہ قریشی، حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں، بزمِ اقبال لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۶۶۔۷۰

۱۰۔ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال، علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال ص ۲۷۸

۱۸۹۶ء......کالج کے شب وروز

اس سال مسٹر ڈالنگر (P.G. Dallinger) گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے کیوں کہ حکومت نے مسٹر بیل کو انسپکٹر آف اسکولز تعینات کر دیا۔ پروفیسر جے سی اومان (J.C. Oman) ۲۰ سال ملازمت کے بعد ریٹائر ہو گئے۔ وہ ۱۸۷۷ء میں کالج میں پروفیسر فزیکل سائنسز تعینات ہوئے تھے۔ کالج کی تاریخ میں انھیں ان الفاظ سے یاد کیا گیا:

A Distinguished Physicist and a Pioneer of Popular Science in the Punjab.

کالج کے ایک طالب علم لالہ کنورسین ایم اے انگریزی کے طالب علم تھے۔ انھیں پروفیسر لالہ جیا رام کی جگہ قائم مقام اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی اور تاریخ تعینات کیا گیا۔ بعدازاں جب آپ نے ایم اے انگریزی فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا تو قائم مقام اسسٹنٹ پروفیسر فزیکل سائنسز مقرر ہوئے۔

اس سال پنجاب یونی ورسٹی کے تحت اسپورٹس ٹورنامنٹ منعقد ہوئے۔ انعام میں چار ٹرافیاں موجود تھیں۔ ان میں سے تین ٹرافیاں گورنمنٹ کالج لاہور نے جیت لیں۔[۱] ان کھیل کے مقابلوں میں اقبال بھی شریک ہوئے ہوں گے کیوں کہ آپ سیالکوٹ میں دوران تعلیم کھیلوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔

فروری میں لاہور کی کشمیری برادری کے چند بزرگوں نے انجمن کشمیری مسلمانان لاہور قائم کر لی۔[۲] چوں کہ اقبال کے آباؤ اجداد کا تعلق کشمیر سے تھا، اس لیے اقبال بھی اس انجمن کے سرگرم رکن بن گئے۔ اس انجمن کے باقاعدہ اجلاس ہونے لگے۔ کشمیر سے تعلق رکھنے والے شعراء نظمیں پڑھ کر داد وصول کرتے۔ فروری کے اجلاس میں اقبال بھی شریک ہوئے اور ۲۷ اشعار پر مشتمل ایک نظم، فلاحِ قوم پڑھی۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:[۳]

ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقین ہے راہ پہ آئے گا طالع واژوں

اس سال لاہور کے کسی اور مشاعرے میں اقبال نے ایک غزل پڑھی جس کا ایک مصرع یہ ہے:[۴]

جادو عجب نگاہ خریدار دل میں تھا

کالج کے سالانہ امتحان میں اقبال تھرڈ ایئر میں کامیاب ہوئے اور چوتھے سال میں ترقی پا گئے۔

اسی سال گورنمنٹ کالج میں بھی ایک شعری کلب (Poetical Club) قائم ہوا۔ شیر امراؤ سنگھ اس کے روح رواں تھے۔[۵]

اقبال بھی یقیناً اس کے بانیوں میں شامل ہوں گے۔ کلب کے اجلاس میں مروجہ زبانوں میں فی البدیہہ شعر کہے جاتے تھے۔ اس دوران پروفیسر اوشر نے فلاسفیکل سوسائٹی قائم کر دی اور اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ اقبال بھی اس سوسائٹی کے سرگرم رکن ہوں گے۔

کالج کے اسسٹنٹ پروفیسر فزیکل سائنسز لالہ کنورسین کا تعلق بھی سیالکوٹ شہر سے تھا۔ کنورسین کے والد لالہ بھیم سین سیالکوٹ کے ایک بڑے وکیل اور مولوی سید میر حسن کے عزیز دوست تھے۔ کنورسین سکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں میر حسن کے شاگرد تھے۔ سکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے فرسٹ ایئر میں بھی آپ میر صاحب کے شاگرد تھے۔ اس حوالے سے ان کا اقبال سے بھی قریبی تعلق ہوگا۔[۶]

❁......❁......❁

حواشی

1- *A History of the Government College Lahore*. P.89....

۲۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۶۸

۳۔ جعفر بلوچ، اقبال اور ظفر علی خاں، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۹۳

۴۔ روز گار فقیر، جلد دوم، ص ۵۳۲

5- *A History of the Government College Lahore*. P.103....

۶۔ اقبال کی ابتدائی زندگی، ص ۲۶۸

❁......❁......❁

۱۸۹۷ء......کالج کا نصاب اور ساتھی

کالج کے پرنسپل مسٹر ڈارلنگر نے اس سال ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ پروفیسر فلسفہ، مسٹر اوشر بھی اس سال مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ سے مسٹر ٹی ڈبلیو آرنلڈ تشریف لے آئے۔ ان تبدیلیوں نے کالج کی تدریسی فضا میں کچھ منفی اثرات ڈالے۔ اور طلبہ کی تعداد کم ہو کر ۲۳۵ رہ گئی۔ تاہم کالج نے دوسری سرگرمیوں میں ترقی پائی۔ مثلاً کالج نے یونی ورسٹی کی کھیلوں میں فٹ بال اور جمناسٹک میں ٹرافیاں جیت لیں۔[1]

اکتوبر ۱۸۹۷ء میں لالہ کنور سین، اسسٹنٹ پروفیسر فزیکل سائنسز کالج کو خیر آباد کہہ گئے۔ اسی ماہ وہ حصول تعلیم کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے۔ موسم گرما کی تعطیلات کے بعد ۱۶/اکتوبر کو کالج کھل گیا۔[2]

بی اے کا امتحان دینے کے لیے درخواست دینے کی آخری تاریخ ۱۸/جنوری ۱۸۹۷ء تھی۔ امتحانی فیس ۳۰ روپے تھی۔ امتحانی فارم کی ساخت کچھ اس طرح تھی:

1. Age 2. Race 3. Religion 4. Caste 5. Present Occupation 6. Residence 7. Father's Name 8. Father's Occupation 9. Where Educated 10. Date of Passing the Intermediate or Equivalent Examination 11. Subject in which to be Examined

پنجاب یونی ورسٹی میں انٹرنس، انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے امتحانات ۱۵/مارچ کو شروع ہوئے۔[3]

علامہ محمد اقبال نے پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے تحت بی اے کا امتحان دیا۔ آپ کا رول نمبر ۱۹۶ تھا۔ ۷/مئی ۱۸۹۷ء کو یونی ورسٹی نے بی اے کے نتیجے کا اعلان کر دیا۔ اقبال نے ۲۶۰ نمبر حاصل کیے اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیابی پائی۔ آپ کے کل نمبر ۴۲۰ تھے۔ یونی ورسٹی میرٹ پر صرف دو لڑکے آئے......اگروالہ مدن گوپال رول نمبر ۱۹۴، اور شیخ محمد اقبال رول نمبر ۱۹۶۔ اس وقت ۲۹۰ یا اس سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والا طالب علم فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوتا تھا۔ یونی

ورسٹی میں صرف چار طلبہ فرسٹ ڈویژن حاصل کر سکے...... گوپال سنگھ چاولہ، من متھانتھ مکرجی، برکت علی خان اور مراری لال کھوسلہ۔ گوپال سنگھ چاولہ ۳۶۶ نمبر لے کر اوّل آئے۔ یہ گورنمنٹ کالج کے طالب علم تھے۔ ۲۸۹ اور ۱۹۰ کے درمیان نمبر لینے والا طالب علم سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب قرار پاتا تھا اور ۱۹۰ نمبر سے کم تھرڈ ڈویژن لیتا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے ۳۳ طلبہ بی اے میں کامیاب ہوئے۔ فرسٹ ڈویژن ۳ طلبہ ہی حاصل کر سکے۔ سیکنڈ ڈویژن میں ۲۷ اور تھرڈ ڈویژن میں ۳ طلبہ کامیاب ہوئے۔ لاہور میں فارمین کرسچن دوسرا کالج تھا جہاں ڈگری سطح پر تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کالج کے طلبہ میں سے فرسٹ ڈویژن میں ایک، سیکنڈ ڈویژن میں ۱۲ اور تھرڈ ڈویژن میں ۷ طلبہ کامیاب ہوئے۔ کامیاب ہونے والے چند مسلمان طلبہ کے نام درج ذیل ہیں:

گورنمنٹ کالج لاہور: شیخ محمد اقبال، فضل حسین، مرزا اعجاز حسین، احمد دین، نجم الدین، قاضی علاؤ الدین۔

ایف سی کالج لاہور: برکت علی خان، احمد یار خان، محمد حسن، محمد نور عالم، غلام محمد خان، مرزا ناصر علی، چودھری محمد امین

سیالکوٹ سے قائم دین اور ٹونک سے مرزا محمد سعید (پرائیویٹ تھے)

بی اے میں لازمی مضامین یہ تھے:

(i) انگریزی: کل نمبر ۱۵۰

(ii) کلاسیکل زبان: سنسکرت، عربی، یونانی یا لاطینی، عبرانی، فارسی، ابتدائی عربی۔

کل نمبر ۱۵۰۔ اقبال نے ان میں سے عربی زبان کا انتخاب کیا تھا۔

اختیاری مضامین ۵ تھے۔ ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا:

(i) ریاضی کا ایک کورس

(ii) تاریخ اور سیاسی معاشیات: کل نمبر ۱۲۰

(iii) فلسفہ، کل نمبر ۱۲۰

(iv) فزیکل سائنس کی ایک شاخ (Branch)

(v) دوسری کلاسیکل زبان یا فارسی

ان میں سے اقبال نے فلسفہ منتخب کیا۔ کلاسیکل زبان کے پرچے میں ایک پرچہ ۱۰ نمبر والا زبانی امتحان ہوتا تھا۔ طالب علم کو اس کا جواب انگریزی میں دینا پڑتا۔

انگریزی کا پرچہ کچھ یوں تھا: A:۷۰ نمبر۔ پرچہ B:۷۰ نمبر۔ زبانی امتحان: ۱۰ نمبر
پہلے پرچے میں آٹھ سوال تھے اور سب لازمی، دوسرا پرچہ بھی سات لازمی سوالات پر مشتمل تھا۔
دوسرے پرچے کا آخری سوال مختصر مضمون (Short Essay) لکھنا ہوتا تھا۔ یہ سوال ۱۸ نمبر کا تھا۔

غزل کے بھی دو پرچے A اور B: ہر پرچہ ۷۵ نمبر کا ہوتا۔ دونوں پرچے پانچ پانچ لازمی سوالات پر مشتمل ہوتے۔

فلسفے کے بھی دو پرچے تھے: پرچہ A: آٹھ سوال لازمی اور کل نمبر ۵۰۔ پرچہ B: اس دس سوال تھے: ان میں پہلے پانچ سوال لازمی ہوتے بعد کے پانچ سوال کے علاوہ مزید پانچ سوال دیے جاتے، جن میں سے ایک حصہ کا انتخاب کرنا ہوتا۔ یہ پرچہ ۷۰ نمبرں پر مشتمل تھا۔

یونی ورسٹی میں سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہونے والے ابتدائی طلبہ:

میرٹ	رول نمبر	نام امیدوار	مذہب	عمر	حاصل کردہ نمبر	ادارہ	پاس شدہ مضامین
۱	۹۳	احمد یار خان	محمدن	۲۱	۲۸۹	فارمن کرسچن کالج لاہور	E.M.(A) Phy.
۶	۳۳	ہری چند	ہندو	۲۲	۲۶۶	ڈی اے وی کالج لاہور	انگریزی، ریاضی، ریاضی
۷	۱۷۴	حاکم سنگھ	سکھ	۲۳	۲۶۳	گورنمنٹ کالج لاہور	انگریزی، فزیکل سائنس، ریاضی
۸	۱۷۱	شوداس بدھی راجا	ہندو	۲۱	۲۶۲	گورنمنٹ کالج لاہور	انگریزی سنسکرت، فلسفہ
۸	۱۸۱	شش بھکسن	ہندو	۱۸	۲۶۲	گورنمنٹ کالج لاہور	انگریزی، ریاضی فزیکل سائنس
۸	۱۹۱	جسونت راج تینجا	ہندو	۱۹	۲۶۲	گورنمنٹ کالج لاہور	انگریزی، کیمسٹری، فلسفہ
۱۱	۱۹۴	اگروال مدن گوپال کے	ہندو	۲۱	۲۶۰	گورنمنٹ کالج لاہور	انگریزی، فزیکل سائنس، فلسفہ
۱۱	۱۹۶	شیخ محمد اقبال	محمدن	۱۹	۲۶۰	گورنمنٹ کالج لاہور	انگریزی، عربی، فلسفہ
۱۳	۱۸۴	شادی رام	ہندو	۲۰	۲۵۷	گورنمنٹ کالج لاہور	انگریزی، ریاضی، فزیکل سائنس

انگریزی، ریاضی کیمسٹری	ڈی اے وی کالج لاہور	۲۵۴	۲۳	ہندو	پنڈت جس لال تریکھا	۳۶	۱۶
انگریزی، فزیکل سائنس، کیمسٹری	گورنمنٹ کالج لاہور	۲۵۴	۲۲	ہندو	سندر لال	۱۶۵	۱۶

پرچے اور نمبروں کی تقسیم کچھ اس طرح تھی:

ENGLISH

1. Oral Examination 10

2. Two written Papers of 3 Hours Each

(a) Explanation and Analysis of Passages in Prose ad Poetry with Question in Grammar. 70

(b) Outlines of the History of the English Languages and Literature; Composition - An Eassay 70

Total Marks 150

ARABIC

Two Written Papers of 3 Hours Each.

(a) Poetry: Translation from the Classical Language into English and Explanation of Passage, Grammar and Prosody 57

(b) (1) Prose Translation from the Classical Languages into English and Explanation of Passage = 40

(2) Translation from English into Classical Language =35 75

150

PHILOSOPHY

Two written Papers of 3 Hours Each.

(a) Psychology 50

(b) 1. Moral Science	35	
2, Inductive logic and Natural Theology	35	=70
		120

نصاب

ENGLISH

1. Shakespeare	Richard II
2.Shakespeare	Winter's tale
3. M. Arnold	Selection (Gold Treasury Series)
4. Gold Smith	Essays (Younge)
5. Dickens	David Copper Field
6. Kaye	Indian Officers Vol II 386 pp.
7. Forster	Life of Gold Smith (Dr. Lock & co.)
8. Meikle John	English Language Part II.
9. Smith	Smeller's History of English lit.

ARABIC

1. BA Course of the Punjab University
2. Saba-i-Muallaqa

PHILOSOPHY

1. Sully's outlines of Psychology (Latest Edition)
2. Janet's Theory of Morals
3. Inductive Logic As in Fowler.
4. Natural Theology As in Flint's Theism

بی اے میں اچھے نمبروں میں کامیابی کے بعد اقبال نے آگے تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے ہامی بھری۔ان دنوں گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے سطح پر درج ذیل ۵ مضامین کی تعلیم دی جاتی تھی۔

(1) Languages (2)History (3)Mathematics

(4) Mental and Moral Philosophy (5)Physical Science.

اقبال نے نمبر ۴۔ مینٹل اینڈ مورل فلاسفی کا انتخاب کیا۔ انگریزی اور عربی لینے والے طلبہ میں سے آپ نے سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے تھے۔ خصوصاً عربی کے مضمون میں یونی ورسٹی بھر میں اوّل رہے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب آپ نے کیوں نہ کیا؟ اس کی وجہ فلسفہ کے پروفیسر آرنلڈ اور آپ کا فلسفہ کی جانب ذہنی رجحان تھا۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے اساتذہ

ا: بی اے ۱۸۹۵ء۔۱۸۹۷ء

(i) ولیم بیل: (W. Bell)

۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔ آپ ۱۸۸۸ء میں بحیثیت پروفیسر فلاسفی آئے تھے۔ کالج کے ایک قدیم طالب علم نرائن داس گپتا نے ۱۸۸۸ء میں داخلہ لیا تھا، وہ مسٹر بیل کی تدریس کے سلسلے میں کہتے ہیں:

> Mr. W. Bell Convince his Pupils with his Lucid and Learned Argument.

فلسفے کے علاوہ آپ بی اے کے طلبہ کو انگریزی بھی پڑھاتے تھے۔ ۱۸۹۱ء مسٹر رابرٹ سن، قائم مقام پرنسپل خرابیٔ صحت کی بنا پر رخصت پر چلے گئے۔ ان کے بعد سینئر پروفیسر مسٹر بیل وقتی طور پر پرنسپل مقرر ہوئے۔ اگلے سال آپ مستقل پرنسپل تعینات ہوگئے اور پروفیسر انگریزی مقرر ہوئے۔ لاہور کے ایک جج لالہ دیوان چندان کے متعلق کہتے ہیں:

> He was very sympathetic towards his Pupils, and used always to see that they got through their examinations. He used to coach students in essay writing and encourage them by paying prizes from his own pocket, for best essays.

مسٹر بیل کی رہائش کالج کمپاؤنڈ کے رہائشی کوارٹروں میں تھی۔ اس لیے آپ بورڈنگ ہاؤس میں قیام کرنے والے ہر طالب علم کے کردار و اخلاق سے بخوبی واقف تھے۔ ۱۸۹۵ء میں آپ طویل رخصت پر چلے گئے۔ (A History of Government College Lahore 1864 - 1964 P - 84-104)

بیل ولیم ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔۱۸۸۷ء میں ازبیلا نامی خاتون سے شادی ہوئی۔۱۸۸۵ء میں انڈین ایجوکیشن سروس میں شامل ہوکر سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ یہاں سے تبدیل ہوکر آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور پرنسپل آئے۔۱۸۹۵ء میں یورپین اسکولوں کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔ ہندوستان میں سکھوں کے خالصہ کالجوں قائم کرنے میں بطور سیکریٹری خدمات انجام دیں۔اس کے بعد ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن پنجاب رہے۔۱۹۰۳تا۱۹۰۷ء تک ہندوستان میں چیفس کالجوں کے انسپکٹر رہے پنجاب یونی ورسٹی ٹیکسٹ بکس کمیٹی میں بھی ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۷ء خدمات انجام دیں۔الہ آباد یونی ورسٹی اور پنجاب یونی ورسٹی میں فلسفہ کے ممتحن رہے۔اسکول کی پچاس سے زائد نصابی کتب کے مصنف ہیں۔ (Who's Who-1923-P= 200)

بیل نے ۱۶/اکتوبر ۱۸۸۷ء کو انڈین ایجوکیشن سروس میں شمولیت اختیار کی تھی۔۱۵/نومبر ۱۹۰۵ء کو DPO مقرر ہوگئے۔حکومت نے ہندوستانی ریاستوں کے شہزادوں کی تعلیم کی غرض سے ملک میں تین کالج قائم کرر کھے تھے۔مسٹر بیل کو ان کالجوں کا معاینہ افسر مقرر کیا گیا۔

(بحوالہ مولوی فیروز دین، یاد گار دربار، مطبع لاہور ۱۹۰۳ء، حصہ اوّل ص ۱۵۰۸)

مسٹر ولیم بیل گورنمنٹ' کالج سے رخصت ہوئے، ان کی جگہ نئے آنے والے پرنسپل، مسٹر ڈالنگر طلبہ کو انگریزی پڑھانے لگے۔

(ii) ڈالنگر پرسی گف (Percy Gough Dallinger)

آپ کے والد ولیم ایچ ویزلین (Wesleyan) پادری تھے۔ڈالنگر ۱۸۶۷ء میں برسل، انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ویزلے کالج شیفلڈ سے پائی۔ مزید تعلیم کے لیے بعمر ۱۹ سال ۲۳/اکتوبر ۱۸۸۶ء کو ٹرنٹی کالج ڈبلن میں داخل ہوئے۔آپ باقاعدہ سالانہ فیس ادا کرتے تھے، اس لیے پنشنر کہلاتے۔مسٹر کیتھ کارٹ آپ کے استاد تھے۔۱۸۹۰ء کے موسم سرما میں آپ نے ڈبلن یونی ورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرلی۔ڈالنگر کا مذہبی تعلق چرچ آف انگلینڈ سے تھا۔

(بحوالہ راقم کے نام اسسٹنٹ لائبریرین، شعبہ مخطوطات، ارسلا مچل کا خط، ٹرنٹی کالج لائبریری، ڈبلن یونی ورسٹی آف ڈبلن، آئرلینڈ مورخہ ۲۷/اگست ۲۰۰۳ء)

(iii) بی ای اوشر (B. E. Ussher)

فلسفہ کے پروفیسر۔۱۸۹۲ء میں انگلستان سے ہندوستان آئے۔ مسٹر بیل کے آخری دور (۱۸۹۶ء) میں کالج میں ''فلاسفیکل سوسائٹی'' کی بنیاد رکھی۔ اس کے پہلے صدر اوشر ہی تھے اور مسٹر حسین پہلے سیکریٹری مقرر ہوئے۔۹۷۔۱۸۹۶ء میں پروفیسر اوشر نے Savage Customs پر ایک لیکچر دیا۔۱۸۹۷ء میں مستعفی ہو گئے۔ (بحوالہ اے ہسٹری آف گورنمنٹ کالج لاہور)

(iv) مفتی مولوی عبداللہ ٹونکی، شمس العلماء

ممتاز عالم دین۔ اقبال نے مفتی صاحب سے بی اے میں عربی پڑھی۔ ان دنوں عربی کی جماعتیں اورینٹل کالج میں ہوا کرتی تھیں۔ ۷/نومبر ۱۹۲۰ء کو بعارضہ فالج بھوپال میں انتقال فرمایا۔

مفتی صاحب عربی درس گاہوں کی قدیم تعلیم کے بہترین نمونہ تھے۔ ادب میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور دینیات میں مولانا احمد علی محدث کے شاگرد تھے۔ مولانا فیض الحسن نے انتقال فرمایا تو اورینٹل کالج لاہور کے شعبہ عربی میں یکم مئی ۱۸۸۳ء کو مدرس مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ۱۸۸۹ء تا ۱۹۱۷ء مدرس اوّل و ناظم تصنیف و تالیف ۱۹۱۷ء تک رہے۔ یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو حکومت نے بہ موقع دربار دہلی آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ آخر زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس بھی رہے۔ بیمار ہوئے تو اپنے فرزند، مفتی انوار الحق ایم اے، ناظم تعلیمات بھوپال کے پاس تشریف لے گئے۔ وہیں وفات پائی۔

(بحوالہ اورینٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۶۲ء ص ۲۱۲، یادگار دربار دہلی ۱۹۰۳ء جلد اوّل ص ۳۷۲)

حواشی

1- *A History of the Government College Lahore*. P.90-91....
2- P.U Calendar. 1895-96, P. 96-97
3- *Punjab Gazette* 1897, Part III, P.1098-1100
(ii)- P.U Calendar.1895-96,1905-1906
4- P.U Calendar.1897-98

۱۸۹۸ء......لا کالج میں داخلہ

اس سال فروری[۱] میں نئے پرنسپل مسٹر رابسن (Robson) اپنی ذمہ داریاں انجام دینے لگے۔آپ ڈھاکہ کالج سے یہاں تشریف لائے اور انگریزی کے پروفیسر تھے۔اس وقت صدر شعبہ فلسفہ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ تھے۔لالہ جیارام شعبہ فلسفہ میں قائم مقام پروفیسر تھے۔مولوی عمرالدین شعبہ انگریزی کے علاوہ شعبہ فلسفہ میں بھی قائم مقام اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔

۳۱ جولائی کو ریاضی کے پروفیسر ایس بی مکرجی رائے بہادر کا انتقال ہو گیا۔آپ ۳۸ برس سے سرکاری ملازمت میں تھے اور ریٹائرمنٹ کے قریب تھے۔ان کی یاد میں ریاضی میں ''مکرجی پرائز'' دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

ماہ نومبر میں ایک لائبریرین کا تقرر ہوا۔اس وقت تک شعبوں کے پروفیسر صاحبان ہی اپنے اپنے مضامین کی کتب جمع رکھتے تھے۔اب ان سب کتب کو یکجا کر کے کالج ہال میں لائبریری قائم کی گئی۔اصول وضوابط بنا کر کتب کے کارڈ طبع کیے گئے۔ضروری کتب کی خریداری کے لیے ایک ہزار روپیہ کی خصوصی گرانٹ منظور کی گئی۔

کالج کے طلبہ میں نظم وضبط کی بھی کمی تھی۔انگریزی کے پیریڈ میں کالج کا ایک کلرک طلبہ کی حاضری لیا کرتا تھا۔یونی ورسٹی امتحان کے لیے حاضری کا مخصوص تناسب ضروری نہیں تھا۔ماہوار فیس کے لیے بھی کوئی مخصوص تاریخ یا دن مقرر نہ تھا۔ایک کالج چھوڑ کر دوسرے کالج میں داخلہ لینے کا کوئی ضابطہ نہیں تھا۔ان خرابیوں کے باعث کئی طلبہ تو یونی ورسٹی امتحان سے ایک ماہ قبل یا اس سے بھی کم عرصے میں کالج میں داخلہ لیتے تھے۔سائنس کے عملی امتحان نہیں ہوتے تھے،صرف چند منٹ پر مشتمل زبانی امتحان ہوا کرتا تھا۔

اس سال ۳۱ جنوری سے قبل علامہ محمد اقبال نے لاہور کے لا اسکول میں داخلہ لے لیا۔[۲] اسکول کے انچارج پی مارٹن بارایٹ لا تھے۔عملہ ان اصحاب پر مشتمل تھا:

۱: لالہ لال چند، ایم اے، پلیڈر چیف کورٹ، اسسٹنٹ لا لیکچرار

۲: سی گولک ناتھ، بی اے ایل ایل بی، ایڈیشنل لا ریڈر، (بار ایٹ لا)

۳: لالہ سرداری لال، ایل ایل پلیڈر، سیکنڈ اسسٹنٹ لا لیکچرار

۴: لالہ سنگم لال، ایل ایل، پلیڈر، لا ریڈر

۵: پنڈت رادھا کشن کول، پلیڈر، چیف کورٹ پنجاب قائم مقام لا ریڈر

یہ لا اسکول ۱۸۷۰ء میں قائم ہوا تھا اور گورنمنٹ کالج لاہور ہی کی عمارت اس کا مسکن تھی۔ پرنسپل کے دفتر کے نزدیک چھوٹے سے کونے میں تدریس ہوا کرتی۔ کالج کے شمال مشرقی گوشے میں اورینٹل کالج واقع تھا۔ ایم اے کے طلبہ ایک سال میں ایم اے کرتے اور ساتھ ہی لا اسکول میں داخلہ لے لیتے۔ لا میں تین سال زیر تعلیم رہنا لازمی تھا۔ امتحان کے لیے اسکول میں حاضری لازمی تھی، اسکول کا نظام تعلیم اس طرح تھا:

فرسٹ ایئر کلاس: یہ لا کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ داخلے کے لیے انٹرنس (میٹرک) کم از کم تعلیمی قابلیت تھی۔ پرچے میں دس سوال ہوتے اور سب لازمی۔ ہر سوال بارہ نمبر کا ہوتا۔ امیدوار انگریزی یا اردو میں جواب دے سکتا تھا۔ کامیاب امیدوار کو لا لیکچرر سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا۔ اس کا حاصل مختار کار (تحصیل دار) اور ریونیو ایجنٹ بن سکتا تھا۔ سرٹیفکیٹ پانے کے لیے درج ذیل پانچ پرچے پاس کرنے لازمی تھے:

Paper I (a)	Outlines of General Jurisprudence
(b)	Outlines of Constitutional Law.
Paper II:	Elements of Contract Law and of the Law to Torts.
Paper III:	Principles of Criminal Liability.
Paper IV:	The law of Evidence

سیکنڈ ایئر کلاس: فرسٹ ایئر میں کامیاب ہونے والا امیدوار اس جماعت میں داخلے کا اہل تھا۔ اس مرحلے میں چھ کورس کرائے جاتے تھے۔ کامیاب ہونے والے کو ڈپلومہ دیا جاتا تھا۔ ڈپلومہ پانے والا پلیڈر آف سیکنڈ گریڈ کہلاتا تھا۔

تھرڈ ایئر: سیکنڈ ایئر جماعت میں کامیاب ہونے والا یا ''انٹرمیڈیٹ ان لا'' اس مرحلے میں داخلے کا اہل تھا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ امیدوار آرٹس میں بی اے ہونا چاہیے۔ پرچے صرف انگریزی میں حل کیے جاتے تھے۔ کامیاب ہونے والے کو L L B کی ڈگری ملنے کا اعزاز حاصل ہو جاتا۔

اس مرحلے میں پانچ کورس کرائے جاتے تھے۔امتحان میں چار پرچے ہوتے۔ ہر پرچہ دس سوالات پر مشتمل ہوتا۔ ہر پرچے ۱۰۰ نمبر ہوتے۔کامیابی کے لیے ۴۰ فیصد نمبر حاصل کرنے لازمی تھے۔

لا اسکول میں داخلے کے وقت علامہ محمد اقبال نے ۲۵ روپیہ فیس ادا کی تھی۔ ماہوار فیس ۵ روپیہ تھی۔فرسٹ ایئر کی امتحانی درخواست دینے کی آخری تاریخ ۵/نومبر ۱۸۹۸ء تھی۔امتحان ۵/ دسمبر ۱۸۹۸ء کو شروع ہوا۔

۴/جنوری ۱۸۹۸ء کو منگل کے روز گورنمنٹ کالج لاہور کے ہال میں ایک جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔[۳] اسنادو انعامات دینے کا وقت بارہ بجے دوپہر تھا۔انعامات حاصل کرنے والے طلبہ گاؤن پہن کر پونے بارہ بجے پرنسپل صاحب کے کمرے میں جمع ہوئے۔وہاں درج ذیل طلبہ نے بی اے کی اسنادوصول کیں:

فارمن کرسچن کالج لاہور کے محمد برکت علی خان:	فرسٹ ڈویژن
احمد یار خان:	سیکنڈ ڈویژن
مولوی محمد حسن:	سیکنڈ ڈویژن
گورنمنٹ کالج لاہور کے شیخ محمد اقبال:	سیکنڈ ڈویژن
فضل حسین:	سیکنڈ ڈویژن
مرزا اعجاز حسین:	سیکنڈ ڈویژن
نجم الدین:	سیکنڈ ڈویژن
برکت رام کھوسلہ:	سیکنڈ ڈویژن

امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ میں سے شیخ محمد اقبال، بی اے نے عربی میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے فقیر سید جمال الدین میڈل حاصل کیا۔اس کے علاوہ وہ مضامین انگریزی اور عربی رکھنے والے طلبہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے سرفہرست رہے۔یہ کارنامہ انجام دینے پر اقبال کو خلیفہ محمد حسین ایچی سن میڈل بھی ملا۔اس ضمن میں یونی ورسٹی ریکارڈ میں موجود اصل عبارت ملاخطہ فرمائیں:

> Standing first on the list of successful candidates at the B.A. Examination whose first language was English and second language Arabic

یہ اجلاس پنجاب یونی ورسٹی کے وائس چانسلر سرسی اے رو (ROE) کی صدارت میں

ہوا تھا۔ اعلیٰ سرکاری حکام اور ریاستی نمائندوں کے علاوہ معززین شہر بھی حاضر تھے۔ رائے بہادر لالہ گنگارام اور خان بہادر شیخ نانک بخش بھی اجلاس میں موجود تھے۔ خلیفہ محمد حسین ایچی سن میڈل ۳۰۰۰ روپے اور میکلوڈ پنجاب عربک ریڈرشپ ۶/۱۵/۲۴۹۲۰ روپے مالیت سے شروع کیے گئے تھے۔

اس سال بہ تاریخ ۲۸/ مارچ اقبال سیالکوٹ گئے ہوئے تھے کہ علی گڑھ میں سر سید احمد خان کا انتقال ہوگیا۔ مولوی سید میر حسن سر سید کے قریبی دوست تھے، انھیں بھی خبر ایک تار کے ذریعے ملی۔ میر صاحب اس وقت کالج جا رہے تھے۔ راستے میں اقبال مل گئے۔ انھوں نے اپنے دیرینہ شاگرد کو بتایا کہ سر سید وفات پا گئے ہیں، مادہ تاریخ نکالنے کی فکر کرنا۔ اقبال اس وقت رحیم بخش کی دکان پر بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد محمد ذکی سے کہنے لگے "تاریخ کا مادہ نکل آیا ہے:

انی متوفیك ورافعك الی و مطهرك

"ابھی کالج جا کر میر صاحب کو بتا دو"۔ ذکی صاحب نے کالج جا کر والد بزرگوار کو یہ مادہ تاریخ بتایا تو میر صاحب نے فرمایا "بہت خوب میں نے بھی ایک مادہ نکالا ہے اور وہ یہ ہے: "غفرلہ"۔[۴]

۹/ ستمبر کی سہ پہر دیال سنگھ کالج، لاہور کے بانی سردار دیال سنگھ مجیٹھیہ چل بسے۔[۵]

اورینٹل کالج لاہور کے مولوی محمد الدین، پروفیسر دوم ۲۶/ نومبر کو بارہ دن بعد وفات پا گئے۔[۶]

اقبال کے خسر مکرم ڈاکٹر شیخ عطا محمد ۲۲/ دسمبر ۱۸۹۲ء سے پنڈ دادن خان کی ڈسپنسری میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی بیٹی کریم بی بی زوجہ شیخ محمد اقبال بھی ان کے پاس مقیم تھی۔ ۲۳/ جون ۱۸۹۸ء کو اقبال کے بڑے فرزند آفتاب اقبال وہیں تولد ہوئے۔[۷]

لا اسکول کے پہلے سال کا امتحان یعنی Preliminary Examination in Law دینے کے لیے اقبال نے ۵/ نومبر سے قبل درخواست دے دی۔[۸]

۵/ دسمبر کو اس جماعت کا امتحان شروع ہوا۔[۹]

❀......❀......❀

حواشی

1- *A History of the Govt College Lahore.* P.90-105-110-116-119

2- P.U Calendar.1897-90

۳۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۵۸
(ii)- P.U Calendar.1898-99.P. 162-174

۴۔ ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، علامہ اقبال کے استاد، شمس العلما مولوی سید میر حسن، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۱ء

۵۔ سراج الاخبار، جہلم، ۱۲ ستمبر ۱۸۹۸ء

۶۔ ایضاً، ۲۹ نومبر ۱۸۹۸ء

۷۔ بیگم رشیدہ آفتاب، علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال، کراچی، ۲۹۸۔۳۱۱

8-9- P.U Calendar.1898-99. P-17

۱۸۹۹ء......اقبال کے اساتذہ

۲/جنوری ۱۸۹۹ء کولا اسکول کا نتیجہ نکلا۔[۱] اقبال فرسٹ ایئر کلاس کے امتحان میں کامیاب نہ ہوسکے۔Outlines of General Jurisprudence کے پرچے میں ناکام رہے۔[۲]

اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک سال میں دو امتحان پاس کرنا بہت مشکل امر تھا۔ ۲۰/مارچ کو اقبال نے ایم اے فلسفہ کا امتحان دیا۔ ۱۷/اپریل کو نتائج کا اعلان ہوا۔[۳]

آپ امتحان میں کامیاب قرار پائے۔[۴] ڈویژن تھرڈ تھی۔ اقبال امتحان دینے والے یونی ورسٹی کے واحد طالب علم تھے، اسی لیے یونی ورسٹی میں اوّل آنے پر طلائی تمغہ کے حق دار ٹھہرے۔ اس سال یونی ورسٹی میں ایم اے ریاضی، عربی اور سنسکرت میں بھی ایک ایک طالب علم امتحان میں کامیاب ہوا اور وہ بھی تھرڈ ڈویژن میں۔ جبکہ طبیعیات میں ایک طالب علم سیکنڈ ڈویژن میں، انگریزی میں گورنمنٹ کالج لاہور کے دو طلبہ تھرڈ ڈویژن، سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی کا ایک طالب علم فرسٹ ڈویژن جبکہ دوسرا سیکنڈ ڈویژن اور جالندھر کا ایک پرائیویٹ طالب علم تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوا۔ واضح رہے کہ اس دور میں طالب علم کا تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ تعلیمی لحاظ سے کمزور تھا۔ دراصل ان دنوں ڈویژن کے لیے نمبروں کی تقسیم آج کے دور سے بہت مختلف تھی، ملاحظہ فرمایئے:

فرسٹ ڈویژن	۸۰ فیصد نمبر یا اس سے زیادہ
سیکنڈ ڈویژن	۶۵ فیصد نمبر سے زیادہ
تھرڈ ڈویژن	۶۵ فیصد سے کم۔

ایم اے فلسفہ میں چھ پرچے ہوتے تھے۔[۵] آخری پرچہ Essay کا ہوتا تھا۔ ہر پرچے میں آٹھ سوال جواب طلب ہوتے۔ پاس ہونے کے لیے ۳۳ فی صد نمبر حاصل کرنے لازمی تھے۔

ساتھ ساتھ مجموعی طور پر ۵۰ فی صد نمبر حاصل کرنا بھی کامیابی کے لیے شرط تھی۔ ان حقائق سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہونے والا طالب علم در حقیقت لیاقت و ذہانت میں آج کے فرسٹ ڈویژن طالب علم سے کسی طور کم نہ تھا۔ اقبال نے ۵۰ اور ۶۵ فیصد نمبروں کے درمیان نمبر حاصل کر کے ایم اے فلسفہ میں کامیابی حاصل کی تھی۔ ۱۸۹۸ء میں بھی گورنمنٹ کالج لاہور کا ایک طالب علم جسونت رائے ایم اے فلسفہ میں تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوا۔ اسی کالج کے شعبہ طبعیات میں دو طلبہ اور انگریزی میں ایک طالب علم تھرڈ ڈویژن ہی میں کامیاب ہوئے۔[۶]

اقبال ۱۳؍ مئی کو اورینٹل کالج میں میکلوڈ عربک ریڈر مقرر ہو گئے۔ آپ کی تقرری چودھری علی گوہر ایم اے کی جگہ پر ہوئی تھی جو طبی بنیاد پر ۳۷ دن کی رخصت پر چلے گئے تھے۔ ماہوار تنخواہ ۷۲ روپے ۱۴ آنے اور ۸ پائی مقرر ہوئی۔ انھی دنوں اسلامیہ کالج میں انگریزی کے استاد شیخ عبدالقادر چند روز کی رخصت پر گئے، تو ان کی جگہ اقبال نے تدریسی خدمات انجام دیں۔[۷]

اورینٹل کالج کے پرنسپل ایم اے سٹائین (M.A.Stein) ۲۸؍ اپریل ۱۸۹۹ء کو مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ پروفیسر آرنلڈ نے قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کالج کا انتظام سنبھال لیا۔[۸]

آرنلڈ ہی نے اقبال کو ریڈر مقرر کیا تھا، کیوں کہ وہ گورنمنٹ کالج لاہور ہی میں اپنے شاگرد کی ذہانت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ میکلوڈ عربک ریڈر سنڈیکٹ کے تحت شائع شدہ عربی نصابی کتب کی تدوین کے کام کی نگرانی کرتا تھا۔ سنڈیکٹ کی نگرانی میں انگریزی یا عربی کتب اردو میں ترجمہ کرنا بھی اس کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ وہ بہ ضرورت اورینٹل کالج میں تدریسی فرائض بھی انجام دے سکتا تھا۔[۹]

جب اقبال اورینٹل کالج میں ملازم ہوئے تو آپ بھاٹی دروازہ میں کرایے کے ایک مکان میں رہنے لگے۔ انھوں نے گھر کے کام کاج اور کھانا پکانے کے لیے ایک ملازم، محمد حسین رکھ لیا۔ محمد حسین باورچی خانے کا سارا کام کرتا تھا۔ اقبال باورچی خانے کے خرچ کا پورا حساب رکھتے۔ تنخواہ معقول تھی۔ تاہم باورچی خانے کا خرچ اوسطاً چار پانچ آنے یومیہ سے تجاوز نہ کرتا۔ روزانہ سبزی گوشت پکتا اور دودھ آتا۔ گرمیوں میں آم بھی بازار سے خریدے جاتے۔ ۷؍ جون ۱۸۹۹ء کو محمد حسین بازار سے یہ اشیا خرید کر لایا:

دال: دو پیسہ، املی: دو پیسہ، گوشت: ایک آنہ دو پیسے، دہی: دو پیسہ، لہسن: دو پیسہ، دھنیہ اور سونف: ایک پیسہ، ـــــ دو پیسہ، کل میزان: ۴ آنے دو پیسے۔

ان اشیا میں املی، لہسن، دھنیہ اور سونف وغیرہ ۷؍جون کے بعد بھی کئی روز تک استعمال ہوتی رہیں۔[۱۰]

اورینٹل کالج میں اقبال B.O.L کے فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کے طلبہ کو تاریخ اور اقتصادیات پڑھاتے تھے۔ اس کے علاوہ انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کو فلسفہ بھی پڑھاتے رہے۔[۱۱]

اقبال داغ دہلوی کے بڑے مداح تھے اور ان کی تصویر حاصل کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں اقبال نے بہ تاریخ ۲۸؍فروری ۱۸۹۹ء کو مولانا احسن مارہروی کو خط لکھا۔ ''اگر آپ کے پاس استاذی حضرت مرزا داغ کی تصویر موجود ہو تو ارسال فرمایئے گا، بہت ممنون ہوں گا۔ نہ ہو تو مطلع فرمایئے کہ کہاں سے مل سکتی ہے......''[۱۲]

مولانا احسن مارہروی نے اقبال کو دو رسالے ارسال کیے تھے۔ درج بالا خط میں اقبال نے ان کے ملنے کی اطلاع بھی دی تھی۔ ان دنوں اقبال کی رہائش گورنمنٹ کالج کے ہوسٹل میں تھی۔ یہ خط وہیں سے لکھا گیا۔

انجمن حمایت اسلام کی مجلس منتظمہ کا ایک اجلاس ۱۲؍نومبر ۱۸۹۹ء کو منعقد ہوا۔ اقبال بھی اس میں شریک تھے۔ انجمن نے اقبال کو مذکورہ مجلس کا رکن منتخب کر لیا۔ خواجہ ضیاء الدین بی اے کی زیر صدارت انجمن حمایت اسلام ایک اور اجلاس ۱۷؍دسمبر ۱۸۹۹ء کو منعقد ہوا۔ اس میں اقبال کو رکن مجلس ناظم التعلیم منتخب کیا گیا۔[۱۳]

اورینٹل کالج میں پروفیسر آرنلڈ نے ۲۳؍نومبر ۱۸۹۹ء تک قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا۔ ۲۴؍نومبر کو کالج کے مستقل پرنسپل ڈاکٹر اے ڈبلیو سٹراٹن (Stratton) نے پھر اپنی ذمے داریاں سنبھال لیں۔ موصوف سنسکرت کے پروفیسر تھے۔[۱۴]

۱۲؍جنوری کو اقبال کے بھتیجے، شیخ اعجاز احمد سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام اقبال ہی نے تجویز کیا۔[۱۵]

ایم اے فلاسفی کے اساتذہ

۱۔ مسٹر بیل نے کچھ عرصہ اقبال کو فلسفہ پڑھایا تھا۔ ان کے بعد علی گڑھ کالج سے پروفیسر آرنلڈ تشریف لے آئے۔

۲۔ تھامس واکر آرنلڈ (۱۸۶۴ـ۱۹۳۰ء)

آپ ۱۹؍اپریل ۱۸۶۴ء کو جنوبی انگلستان میں بمقام ڈیون پورٹ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم

سٹی آف لندن اسکول میں پائی جہاں انہوں نے سنسکرت زبان سیکھی۔ ۱۸۸۳ء میں میگڈا یسن کالج، کیمبرج میں حصول تعلیم کے لیے داخلہ لیا۔ کیمبرج کا ٹرائی پوس امتحان ۱۸۸۶ء میں پاس کیا۔ ۱۸۸۸ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ سرسید کی وفات کے بعد ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر فلسفہ کی حیثیت سے چلے آئے۔ اسی تعلیمی ادارے میں اقبال کو آپ سے پڑھنے کا موقع ملا۔ بعدازاں لندن کی انڈیا آفس لائبریری وغیرہ میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۱ء میں سر کا خطاب ملا۔ آپ ہی نے اقبال کو اردو شاعری جاری رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ لندن میں ۹ رجون ۱۹۳۰ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ اورینٹل کالج میں بھی قائم مقام پرنسپل اور پرنسپل کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ (بحوالہ: اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۶۲ء۔ اے ہسٹری آف گورنمنٹ کالج، اقبال یورپ میں ۲۵)

۳۔ بی اے اوشر، پروفیسر فلسفہ۔ کچھ عرصہ آپ نے بھی ایم اے فلسفہ کی جماعت کو پڑھایا۔

۴۔ لالہ جیارام

امرتسر کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ ۱۸۸۴ء میں پرائیویٹ طور پر ایم اے انگریزی سیکنڈ ڈویژن میں کیا۔ ۱۸۹۴ء میں قائم مقام پروفیسر فلسفہ مقرر ہوئے۔ آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے تبدیل ہوکر آئے تھے۔ حلیم الطبع اور نہایت شریف آدمی تھے۔ لالہ جیارام ۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ کالج آئے اور ۱۹۰۷ء تک خدمات انجام دیں۔ اصل میں آپ شعبہ انگریزی میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ شعبہ تاریخ سے بھی وابستہ رہے۔ اقبال نے اپنی کتاب علم الاقتصاد میں لالہ جیارام کو اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ٹیکسٹ بک کمیٹی کے رکن، نصابی کتاب کے مصنف، پنجاب یونی ورسٹی کے فیلو اور گریجویٹس یونین کے سیکریٹری تھے۔ ۱۹۰۸ء میں چل بسے۔

(اے ہسٹری آف گورنمنٹ کالج لاہور ۱۹۶۴ء ص ۸۷۔ ۹۵۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴ پنجاب یونی ورسٹی کیلنڈر ۹۹۔۱۸۹۸ء ص ۲۹۱)

لا اسکول لاہور

قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اقبال نے ۱۸۹۸ء میں لا اسکول لاہور میں داخلہ لیا۔ اس زمانے میں اسکول میں یہ اساتذہ قانون کی تعلیم دینے پر مامور تھے:

۱- پی مارٹن (P. Morton)

بارایٹ لا اور اسکول کے پرنسپل تھے۔ جنوری ۱۸۸۷ء میں اسکول میں قانون کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں جب سبکدوش ہوئے تو جز وقتی طور پر لیکچرار کے طور پر لا اسکول میں پڑھاتے رہے۔

(بحوالہ: صد سالہ تاریخ جامعہ پنجاب ۱۹۸۲ء ص ۱۱۰، پنجاب یونی ورسٹی کیلنڈر ۹۹-۱۸۹۸ء ص ۴۰۵)

۲- لالہ لال چند

تعلیمی قابلیت ایم اے تھی۔ چیف کورٹ پنجاب کے وکیل اور اسسٹنٹ لا لیکچرار تھے۔ بعد میں چیف کورٹ پنجاب میں جج ہو گئے۔ حکومت نے رائے بہادر کے خطاب سے نوازا۔ ۱۸۸۴ء تا ۱۸۹۹ء برس چھوڑ کر لاہور کے ڈی اے وی کالج کی کالج کمیٹی کے سربراہ رہے۔

(بحوالہ پنجاب یونی ورسٹی کیلنڈر ۹۹-۱۸۹۸ء ص ۴۰۵، روزنامہ ملاپ، لاہور، ۲۴/اکتوبر ۱۹۳۶ء)

۳- گولک ناتھ

بارایٹ لا اور ایڈیشنل لا ریڈر تھے۔ بی اے ایل ایل بی کر رکھا تھا۔

۴- سرداری لال

ایل ایل اور پلیڈر تھے۔ اسکول میں اسسٹنٹ لیکچرار تھے۔ سرداری لال نے لا اسکول لاہور سے ۱۸۸۲ء میں لا میں ڈپلومہ کیا تھا۔

۵- پنڈت رادھا کشن کول

پنجاب چیف کورٹ میں پلیڈر اور لا اسکول میں قائم مقام لا ریڈر تھے۔

۶- لالہ سنگم لال

تعلیمی قابلیت ایل ایل تھی۔ لا ریڈر تھے۔ لا اسکول لاہور سے ۱۸۸۴ء میں لا میں ڈپلومہ حاصل کیا تھا۔ (پنجاب یونی ورسٹی کیلنڈر ۹۹-۱۸۹۸ء ص ۴۰۵)

❁......❁......❁

حواشی

1- P.U Calendar.1898-99. P-17

۲۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ۵۸

3- P.U Calendar.1898-99. P.17

4- P.U Calendar.1900-1901- P.373

5- P.U Calendar.1898-1899. Class ix-Class x iii. and P.U Calendar. 1900-1901. P.399

6- P.U Calendar.1899-1900

۷۔ جاوید اقبال، زندہ رود، ص ۹۰

۸۔ اورینٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۶۲ء، ص ۲۰۹

۹۔ ایضاً، اگست ۱۹۶۲ء، ص ۲۳۴

۱۰۔ مظلوم اقبال، ص ۱۶۲۔۱۶۳

۱۱۔ مفکر پاکستان۔ ص ۸۱

۱۲۔ روح مکاتیب اقبال، ص ۶۹

۱۳۔ حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۴

۱۴۔ اورینٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۶۲ء، ص ۲۰۹

۱۵۔ مظلوم اقبال، ص ۱۸۶

۱۹۰۰ء......''نالہ یتیم'' کی تخلیق

اس سال گورنمنٹ کالج ہوسٹل چھوڑ کر اقبال بھاٹی دروازے میں کرایے کے مکان میں رہنے لگے۔ یہ مکان میاں احمد بخش کی ملکیت تھا۔ اس کے ایک طرف مولوی محمد باقر، پروفیسر فارسی مشن کالج رہائش پذیر تھے۔ ذرا فاصلے پر شمس العلما مولوی محمد حسین پروفیسر عربی مشن کالج رہتے تھے۔ مولوی حاکم علی، پروفیسر اسلامیہ کالج اور مفتی عبداللہ ٹونکی، مدرس اوّل و ناظم تالیف و تصنیف اورینٹل کالج کا قیام بھی اسی بازار میں تھا۔[۱]

۴ جنوری منگل کے روز بارہ بجے دوپہر گورنمنٹ کالج لاہور کے ہال میں جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ اسی جلسے میں اقبال کو ایم اے فلسفہ میں خان بہادر شیخ نانک بخش طلائی میڈل ملا۔ اس موقع پر یہ جملہ کہا گیا:

Taking highest place in Philosophy in MA Examination.

مذکورہ میڈل ایک ہزار روپے سے شروع کیا گیا تھا۔ شیخ نانک صاحب پنجاب یونی ورسٹی کے فیلو تھے۔ انہوں نے فلسفہ میں اوّل آنے والے طالب علم کو طلائی تمغہ دینے کے لیے چودہ سو روپے یونی ورسٹی کو دیے تھے۔

اسی تقریب میں سیالکوٹ کے پرائیویٹ امیدوار قائم دین کو بھی یونی ورسٹی میں عربی میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر میکلوڈ عربک گولڈ میڈل دیا گیا۔[۲]

۲۴ رفروری کو انجمن حمایت اسلام کا سالانہ اجلاس ہوا۔ مولوی علی محمد جب جلسے کا پروگرام مرتب کرنے لگے تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ انگریزی داں نوجوان انگریزی ہی میں کوئی نظم پڑھے گا، انہوں نے شیخ محمد اقبال ایم اے کے نام کے سامنے ''انگلش پوئٹری'' لکھ دیا۔ لیکن جلسے میں اقبال نے اپنی مشہور نظم ''نالہ یتیم'' ایسے پُر اثر لہجے میں پڑھی کہ حاضرین جلسہ ہمہ تن گوش رہے اور نظم کے نفس مضمون سے ان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ یہ نظم سراپا گداز اور مجسم درد ہونے کے باعث اس

قدر مقبول ہوئی کہ حاضرین نے اکثر بند بار بار پڑھوائے۔نظم کے خاتمے پر ڈپٹی نذیر احمد نے فرمایا:

میرے کانوں نے انیس و دبیر کے مرثیے سن رکھے ہیں، مگر جس پایے کی نظم آج سننے میں آئی اور جو اثر اس نے میرے دل پر کیا، وہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

ممتاز ماہر ریاضیات خواجہ دل محمد ان دنوں شیرانوالہ اسکول میں پڑھتے تھے۔وہ بھی اس جلسے میں موجود تھے اور انہوں نے بھی یہ نظم سنی۔ یہ نظم انجمن کے جلسے کی تیسری نشست میں پڑھی گئی۔صدر جلسہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی تھے۔اقبال نے جلسے میں شرکت کرنے سے قبل یہ نظم شائع کرالی تھی۔حاضرین پر اس المیہ نظم کا اتنا اثر ہوا کہ جب وہ ختم ہوئی تو تین سو روپے سے کچھ اوپر نقد چندہ ہو گیا اور اس کی ساری کاپیاں فروخت ہو گئیں۔ یہاں تک کہ چار چار روپے بھی ایک ایک کاپی خریدی گئی۔اقبال نے بھی اپنی جیب سے انجمن کو چندہ دیا۔''نالہ یتیم'' ۱۰۲،اشعار پر مشتمل تھی۔اس کا پہلا شعر ملاحظہ فرمائیں:

آہ! کیا کہیے کہ اب پہلو میں اپنا دل نہیں
بجھ گئی جب شمع روشن در خور محفل نہیں

اقبال کے والد شیخ نور محمد بھی اس جلسے میں موجود تھے۔[۳]

۲۲/اپریل اور ۳ مئی کو خلیفہ عماد الدین کی صدارت میں انجمن کی جنرل کونسل کے اجلاس ہوئے۔اقبال بھی شریک ہوئے۔ ۶/مئی کے اجلاس میں زیر صدارت مولوی محمد عبداللہ ٹونکی اسلامیہ کالج میں بی اے کی جماعت جاری کرنے کی نسبت فیصلے پر مکرر غور کیا گیا۔اس ضمن میں اقبال اور دوسرے ارکان کی قرارداد زیر بحث آئی۔ ۲۸/مارچ کے اجلاس میں خلیفہ عماد الدین، انسپکٹر کالج کو دو ماہ کی رخصت دی گئی۔ان کی جگہ اقبال انسپکٹر مقرر ہوئے۔خلیفہ صاحب رخصت گزار کر واپس آئے تو ۱۸/جولائی کو اقبال سے چارج لے لیا۔[۴]

۲۵/مئی کو اسلامیہ کالج کے وسیع صحن میں خان بہادر محمد برکت علی خان صاحب سیکریٹری انجمن اسلامیہ کی زیر صدارت لاہور کے معززین کا اجلاس ہوا۔[۵] تقریباً پندرہ ہزار کا مجمع تھا۔پیسہ اخبار کے مالک و مدیر منشی محبوب عالم پیرس میں منعقدہ ایک عالمی نمائش میں سرکاری نمائندے کی حیثیت سے شرکت کرنے روانہ ہو رہے تھے۔ان کے اعزاز میں یہ تقریب منعقد ہوئی۔شیخ عبدالقادر نے بھی تقریر فرمائی۔اختتام جلسہ جب پندرہ بیس اصحاب رہ گئے تو اقبال نے ۱۳۸ اشعار پر مشتمل ایک نظم پڑھی جس کا آخری شعر یہ ہے:

دوستوں کی رہے دعا حافظ
ہو سفر میں ترا خدا حافظ

منشی صاحب ۲۷مئی کو بذریعہ ریل گاڑی لاہور اسٹیشن سے روانہ ہوئے۔ الوداع کرنے والوں میں اقبال بھی یقیناً شامل ہوں گے۔

۶جون کو اقبال نے رجسٹرار چیف کورٹ لاہور کو یہ درخواست دی کہ لا کے امتحان میں شرکت کرنے کے لیے انھیں مزید لیکچروں میں حاضری سے مستثنٰی قرار دیا جائے، لیکن اجازت نہ مل سکی۔[۶]

انگریزی رسالہ *Indian Antiquary* کے شمارہ ماہ ستمبر میں آپ کا درج ذیل مقالہ شائع ہوا:[۷]

The Doctrine of the Absolute Unity as Expressed by Al-Jilani

محمد الدین فوق کی ایک چھوٹی سی کتاب امتحان میں پاس ہونے کا گر شائع ہوئی۔ اس پر اقبال نے نظرِ ثانی کی تھی اور بہت سے مفید باتوں کا اضافہ بھی کیا۔ انھوں نے کتاب پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا، یہ مختصر رسالہ ان ضروری ہدایات کا مجموعہ ہے، جن کا جاننا طلبہ کے لیے ازبس ضروری ہے۔ مؤلف نے اپنے رسالے کو انگریزی مصنفین کے بعض قابل قدر مقولوں سے آراستہ کیا ہے، جس سے اس چھوٹی سی کتاب کی وقعت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

۱۷نومبر کو امیر مینائی کا انتقال ہوگیا۔ اقبال نے قرآن مجید کی آیت سے یہ تاریخ نکالی:[۸]

لسان صدق فی الاخرین

اس سال آپ نے دسویں جماعت کے لیے فارسی کا پرچہ مرتب کیا۔[۹]

مولوی حاکم علی کا ملازم علی بخش ایک کام کے سلسلے میں اقبال کے گھر گیا۔ علی بخش کی بول چال اور شرافت نے اقبال کو بہت متاثر کیا۔ آپ نے اسے مولوی حاکم علی سے اپنے لیے مانگ لیا۔ یوں علی بخش اقبال کے ہاں چلا آیا۔[۱۰]

❀......❀......❀

حواشی

۱۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، اقبال کی صحبت میں، ص۳۰

2- P.U Calendar.1900-1901

۳۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۶۹، ۷۲

۳۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۹۳

۴۔ ایضاً، ص ۸۶

۵۔ منشی محبوب عالم کا پہلا سفرنامہ، ۱۹۰۰ء۔لاہور ۱۹۰۸ء

۶۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۸۹ء، جلد اول، ص ۶۳

۷۔ مفکر پاکستان، ص ۷۱

7- Latif Ahmed Sherwani, *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, Lahore 1995. P-77

۸۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، اقبال کی صحبت میں، ۲۳۱

۹۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۱۷۸

۱۰۔ فقیر سید وحیدالدین، روز گار فقیر، کراچی۔۱۹۶۶ء۔ص ۶۵

۱۹۰۱ء......گورنمنٹ کالج میں عارضی تقرر

اس سال ۴/جنوری کو اقبال گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ انگریزی میں قائم مقام اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ آپ کا تقرر پروفیسر لالہ جیارام کی جگہ ہوا تھا۔ اورینٹل کالج سے آپ نے چھ ماہ کی رخصت لی تھی۔ یہ رخصت بلا تنخواہ تھی۔[۱]

۲۲/جنوری کو ملکہ وکٹوریہ دارِ فانی سے کوچ کر گئی۔ برصغیر کے چھوٹے بڑے شہروں میں تعزیتی جلسے ہوئے۔ لاہور کے مسلمانوں نے بھی اس روز ایک ماتمی جلسہ برپا کیا۔ اقبال نے دس بند کا ایک ترکیب بند ''اشک خون'' کے نام سے پڑھا۔ ایک مصرع ملاحظہ فرمایئے:[۲]

اسے آہ آج برق سر کہسار ہو

۲۶/جنوری کو سیالکوٹ میں بھی شام چار بجے ایک جلسہ ہوا۔ اس ماتمی جلسے میں بھی اقبال شریک ہوئے اور بڑی پُرسوز اور پُر درد تقریر فرمائی۔ جلسے میں سیالکوٹ کے مشہور شاعر منشی میران بخش جلوہ نے ایک پُر اثر تقریر کے بعد پُر درد نوحہ پڑھا۔ صدر جلسہ پسرور کے مولوی نیاز علی، ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے۔ ان کے علاوہ مولوی فیروز الدین ڈسکوی نے بھی تقریر کی تھی۔[۳]

انجمن حمایت اسلام کا سولہواں سالانہ اجلاس شیخ انعام علی بی اے ڈویژنل جج سیالکوٹ کی صدارت میں منعقد ہوا۔[۴] اس کے دوسرے ذیلی اجلاس میں ۲۴/جنوری کو اقبال نے اپنی نظم ''دردِ دل'' پڑھی۔ اسی اجلاس میں آپ نے ۱۵ بند پر مشتمل ایک اور نظم ''یتیم کا خطاب ہلال عید سے'' بھی حاضرین کی خدمت میں پیش کی:

اے مہ عید، بے حجاب ہے تو
حسن خورشید کا جواب ہے تو

انجمن کے اسی اجلاس میں اقبال نے ایک اور نظم ''ہمالہ'' بھی پڑھی۔ اجلاس میں شیخ عبدالقادر موجود تھے۔ وہ اس نظم سے بڑے متاثر ہوئے۔ وہ اردو کا ایک رسالہ جاری کرنا چاہتے

تھے۔ انہوں نے فرمائش کی کہ انھیں نظم دے دی جائے۔ اقبال نے بتایا کہ ابھی اس میں کچھ ترمیم و اضافہ کرنے کی ضرورت ہے، لیکن شیخ عبدالقادر نے وہ نظم اسی حالت میں لے لی اور ماہ اپریل میں مخزن کے پہلے شمارے میں اسے شائع کر دیا۔[۵]

عوام نے اس نظم کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔ بعدازاں شیخ عبدالقادر نے اپنے علمی و ادبی میگزین کے مختلف شماروں میں اقبال کی یہ نظمیں شائع کیں:[۶]

گلِ رنگین = مئی، عہدِ طفلی = جولائی، مرزا غالب = ستمبر، ابرِ کہسار = نومبر

منشی محمد الدین فوق نے لاہور سے ایک ہفتہ وار پرچہ پنجۂ فولاد جاری کر رکھا تھا۔ منشی صاحب کی خواہش پر اقبال نے ۲۴ اشعار پر ایک نظم کہی۔[۷]

پنجۂ فولاد اک اخبار ہے
جس سے سارا ہند واقف کار ہے

فوق نے شالامار باغ پر ایک کتاب لکھی۔ اقبال نے اس کا قطعہ تاریخ یوں کہا:

میسزد تصویرِ باغ جانفزا

اس سے ۱۹۰۱ء کا سال برآمد ہوتا ہے۔[۸]

مخزن کے شمارہ اکتوبر میں جسٹس ہمایوں کی پہلی نظم ''چمن کی سیر'' شایع ہوئی۔ اس میں اقبال سے متعلق کہا گیا:

اقبال، تیری سحر بیانی کہاں ہے آج
ناظر! کمان فکر سے مار ایک دو فرنگ[۹]

ماہ جولائی میں چھ ماہ گورنمنٹ کالج کی ملازمت کرنے کے بعد اقبال اورینٹل کالج میں اپنے اصل منصب، میکلوڈ عربک ریڈر پر واپس آ گئے۔[۱۰]

یکم دسمبر کو اسلامیہ کالج کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ صدر جلسہ خواجہ ضیاء الدین تھے۔ اجلاس میں کالج کے انسپکٹر کے عہدے کے لیے انتخاب ہوا۔ اس سلسلے میں دو امیدوار تھے: منشی احمد اور اقبال، اوّل الذکر ۱۱۱ ووٹ حاصل کر کے انسپکٹر اسلامیہ کالج منتخب ہو گئے۔ اقبال کو صرف ۳۰ ووٹ ملے۔[۱۱]

اس سال اقبال نے رہائش تبدیل کر لی۔ وہ محلّہ جلوٹیاں میں ایک مکان کی بالائی منزل پر چند ماہ مقیم رہے پھر اسی مکان کے نزدیک مکان نمبر ۵۹۷ بی میں رہائشی اختیار کر لی۔ وہاں پہلے

مولوی حاکم علی مقیم تھے۔[۱۲]

اس سال امرتسر میں کشمیری کانفرنس منعقد ہوئی۔ نواب سر سلیم اللہ خان مہمان خصوصی تھے۔ اقبال بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔[۱۳]

اسی سال اقبال ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے مقابلے کے امتحان میں بھی شریک ہوئے۔ وہ تحریری امتحان میں تو کامیاب ہوگئے، لیکن میڈیکل امتحان میں فیل ہوگئے۔[۱۴] وجہ یہ ہے کہ ان کی داہنی آنکھ کی بینائی چھوٹی عمر ہی میں جاتی رہی تھی۔[۱۵]

حواشی

۱۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۷۷۔۷۸

۲۔ ایضاً، ص ۹۰

۳۔ سراج الاخبار، جہلم، ص ۹۸۔۴۹۔ بحوالہ مجلّہ تحقیق پنجاب یونی ورسٹی لاہور، جلد ۴ شمارہ ۴

۴۔ حنیف شاہد۔ اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۷۴، ۷۵

۵۔ اقبال، بانگ درا، دیباچہ، سر عبدالقادر

۶۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۹۴

۷۔ باقیات اقبال، ص ۱۰۱

۸۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، اقبال کی صحبت میں، ص ۲۳۱

۹۔ ملفوظات اقبال، ص ۴۳

۱۰۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۷۷۔۷۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۸۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۹۶

۱۳۔ فقیر سید وحید الدین، روز گار فقیر، ۱۹۸۸ء، ص ۶۵۷

۱۴۔ اعجاز احمد، مظلوم اقبال۔ کراچی، ص ۳۷۵

۱۵۔ ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، اقبال کی ابتدائی زندگی، ص ۲۴

۱۹۰۲ء......پنجاب کے ملک الشعراء

۱۱/مارچ، عید کا دن تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔ اقبال کے ہاں شعر و سخن کی محفل گرم ہوئی۔ گرامی اور سید بشیر حیدر محفل میں موجود تھے۔ اسی محفل میں اقبال نے نو اشعار پر مشتمل ایک غزل کہی:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

اسی روز آپ نے منشی سراج الدین کو خط لکھا اور اس محفل کا ذکر کیا۔ محفل میں اقبال نے غزل کے علاوہ ایک نظم ''بلبل کی فریاد'' بھی پڑھی اور حاضرین سے کہا کہ اس کی بندش ملاحظہ فرمایئے۔[۱]

۱۴/جولائی کو پنجاب یونی ورسٹی کے سینٹ نے میکلوڈ عربک ریڈر کے عہدے پر اقبال کا دوبارہ تقرر کر دیا۔[۲]

۱۶/اکتوبر کو آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں دو سو روپیہ ماہوار پر مستقل اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی مقرر ہو گئے۔[۳]

انجمن حمایت اسلام کا سترہواں اجلاس ۲۱ فروری سے ۲۳ فروری تک جاری رہا۔[۴] اس موقع پر سبھی اجلاس اسلامیہ کالج کے صحن میں ہوئے۔ ۲۲/فروری کو دوسری نشست میں اقبال نے اپنی نظم ''خیر مقدم'' پڑھی۔ اس نشست کی صدارت خان بہادر محمد برکت علی خان ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے کی تھی۔ جلسے میں پنجاب کے سابق لیفٹیننٹ گورنر سر میگورتھ بینگ اور ڈائریکٹ پبلک انسٹرکٹر (ڈی پی آئی) پنجاب ڈبلیو بیل (Beal) موجود تھے۔ سب سے پہلے شیخ محمد اقبال نے اس موقع کے لیے لکھی گئی نظم ''خیر مقدم'' نہایت ہی پُر درد اور دل گداز لہجے میں پڑھی۔ یہ نظم ۱۲ اشعار پر مشتمل تھی:۔

خوشا نصیب وہ گوہر ہے آج زینت بزم
کہ جس کی شان سے ہے آبروئے تاج و سریر

وہ کون زیب دہ تخت صوبہ پنجاب
کہ جس کے ہاتھ نے کی قصرِ عدل کی تعمیر

اسی روز رات کے اجلاس کی صدارت خان بہادر شیخ حاجی خدا بخش ڈسٹرکٹ جج گورداس پور نے فرمائی۔ شیخ عبدالقادر بی اے کے بعد شیخ محمد اقبال نے اپنی نظم ''دین و دنیا'' دلآویز لہجے میں پڑھی۔ حاضرین بہت مسرور اور متاثر ہوئے۔ ۱۵۴ اشعار پر مشتمل نظم کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

دہلی دروازے کی جانب اک دن جاتا تھا میں
شام کو گھر بیٹھے رہنا قابل الزام ہے

اس نظم سے بعض لوگوں کو محض ذاتی خوش فہمی کے باعث کچھ بدگمانی اور ناراضی پیدا ہوگئی، حالاں کہ نظم میں ان چند واقعات کا ذکر ہے، جو اقبال کو پیش آئے۔ تاہم آپ نے نہایت دُور اندیشی اور دانائی سے اس بدگمانی کو دوسرے دن رفع کر دیا۔ یوں سب کے دل صاف ہوگئے۔

جلسے کے آخری دن بروز اتوار دوسرے اجلاس کی صدارت میاں نظام الدین سب جج راولپنڈی نے فرمائی۔ اقبال نے اپنی ایک قومی نظم ''اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں کو'' سے حاضرین کو محظوظ کیا۔

ہم سخن ہونے کو ہے معمار سے تعمیر آج
آئینے کو ہے سکندر سے سر تقریر آج

اس نظم سے پہلے آپ نے ایک مختصر مگر پُر مغز نظم ڈپٹی کمشنر کا خیر مقدم کرتے ہوئے پڑھی۔ نظم اسلامیہ کالج کا خطاب ذوق و شوق سے سنی گئی۔ اُسے بھی چھپوا لیا گیا تھا۔ حاضرین نے اس کی خریداری میں اس قدر دلچسپی لی کہ نظم کی ایک ایک کاپی دس دس روپے میں فروخت ہوئی۔ اس طرح انجمن کو معقول رقم چندہ میں مل گئی۔ صدر جلسہ اس نظم سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اقبال کو پنجاب کا ''ملک الشعرا'' قرار دیا۔[۵]

انجمن کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ۲۲ر نومبر کو خواجہ ضیاء الدین کی صدارت میں ہوا۔ اقبال بطور رکن اس میں شرکت ہوئے۔[۶]

مخزن میں اس سال آپ کی یہ نظمیں شایع ہوئیں:[۷]

جنوری ۱۹۰۲	=	بچوں کی تعلیم و تربیت

فروری	=	خفتگان خاک سے استفسار
اپریل	=	شمع و پروانہ
مئی	=	عقل و دل
جون	=	صدائے درد
جولائی	=	ماتم پسر
اگست	=	آفتاب معہ شذرہ تمہیدی
دسمبر	=	شمع، ایک آرزو

سید حامد شاہ مولوی میر حسن کے برادر، حکیم حسام الدین کے بیٹے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو کار تھے۔ حامد شاہ نے اقبال کو مرزا غلام احمد کی بیعت کرنے کے سلسلے میں ایک خط تحریر کیا تھا۔ اقبال نے ۴۰ اشعار پر مشتمل انھیں جواب لکھا اور بیعت لینے سے انکار دیا۔ یہ مخزن کے شمارہ مئی میں شایع ہوا۔ یہ جواب دو بندوں پر مشتمل تھا۔[8]

خواجہ عبدالصمد ککڑو، رئیس بارہ مولا کے فرزند خواجہ غلام حسن وفات پا گئے ۔ اس موقع پر اقبال نے ''ماتم پسر'' کے نام سے ایک مرثیہ تخلیق کیا:

اندھیرا صمد کا مکاں ہوگیا
وہ خورشید روشن نہاں ہوگیا[9]

منشی سراج الدین، کشمیر ریزیڈنسی نے اقبال کو ایک انگوٹھی بطور تحفہ ارسال کی۔ اقبال نے تحفہ قبول کر لیا اور جواب میں ایک طویل نظم بہ عنوان ''شکریہ انگشتری''، لکھی، جو مخزن میں شایع ہوئی۔ اس نظم کا مطلع یہ ہے:

آپ نے مجھ کو جو بھیجی ارمغان انگشتری
دے رہی ہے مہر و الفت کا نشان انگشتری[10]

اردو زبان سے متعلق انگریزی میں کسی صاحب کا مضمون شائع ہوا۔ مدیر مخزن کی خواہش پر اقبال نے مضمون کا اردو ترجمہ کیا، جو مخزن کے شمارہ ستمبر میں شائع ہوا۔ عنوان یہ ہے: اردو زبان پنجاب میں۔[11]

ایک شخص نے نام ظاہر کیے بغیر اپنے ایک مضمون میں اقبال اور ناظر کے کلام پر اعتراضات کیے۔ اقبال نے اس بے نام اہل زبان کو مدلل طریقہ سے جواب دیے، جو مخزن کے شمارہ اکتوبر میں شائع ہوئے۔[12]

خدنگ نظر رسالہ کے شمارہ مئی میں شیخ عبدالقادر کا مضمون ''سوانح عمری شیخ محمد اقبال'' چھپا۔[13]

اقبال نے اپنے بھتیجے، شیخ اعجاز احمد کے لیے ایک نظم ''محنت'' تحریر فرمائی جو منشی محبوب احمد کے رسالے بچوں کا اخبار میں شایع ہوئی۔ [۱۴]

الفریڈ ولیم سٹرائن، پروفیسر سنسکرت و پرنسپل اورینٹل کالج ۲۳ راگست کو گل مرگ، کشمیر میں وفات پا گئے۔اس موقع پر اقبال نے ان کی بیوی کے نام ایک تعزیتی خط تحریر فرمایا۔ [۱۵]

اقبال کی ہمشیر، طالع بی بی ۳۱ رجولائی کو سیالکوٹ میں وفات پا گئیں۔اقبال اس موقع پر سیالکوٹ گئے اور ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔طالع بی بی کے شوہر، میاں غلام محمد پارچہ دوزی کا کام کرتے تھے۔مرحومہ اقبال سے تقریباً ۷ برس بڑی تھی۔ [۱۶]

❁…❁…❁

حواشی

۱۔ محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، ص ۷۱

۲۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۷۹

۳۔ ایضاً، ص ۳۸۔۳۹

۴۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۷۵

۵۔۶۔ ایضاً، ص ۷۷۔۷۴

۷۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۱۰۱

۸۔ ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، اقبال کی ابتدائی زندگی، ص ۲۵۳

۹۔ مخزن، لاہور، جولائی ۱۹۰۲ء

۱۰۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، اقبال کی صحبت میں۔ص ۸۷

۱۱۔ ممتاز حسن، اقبال اور عبدالحق، ص ۳۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۷

۱۳۔ اورینٹل کالج میگزین، جلد ۵۷۔۲، اقبال نمبر۔شمارہ، ص ۲۲۵

۱۴۔ ایضاً، اقبال نمبر ۱۹۸۹ء۔جلد ۶۳: ص ۱۵

۱۵۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول، ص ۶۸

۱۶۔ اقبال کی ابتدائی زندگی، ص ۱۶۳۔۱۶۴۔بیگم رشیدہ آفتاب، علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال، کراچی، ۱۹۹۹ء۔ص ۲۸۷

❁…❁…❁

۱۹۰۳ء......سعدی اور شیکسپیئر سے تشبیہ

اقبال نے منشی محمد الدین فوق کو ایک خط لکھا، جو ۲۸/فروری کے ہفتہ وار پنجۂ فولاد میں شایع ہوا۔ مذکورہ خط میں اقبال نے چمن سخن کے استاد، امیر مینائی کے حالات زندگی قلمبند کرنے کے سلسلے میں ان کے شاگردوں سے مدد طلب کی تھی۔[۱]

گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور پروفیسر انگریزی آپ ۳۱/مارچ تک ملازمت کرتے رہے۔[۲]

یکم اپریل کو دو ماہ کے لیے اقبال دوبارہ اورینٹل کالج میں بطور میکلوڈ عربک ریڈر تعینات ہوگئے۔[۳]

۳/جون کو گورنمنٹ کالج لاہور میں اقبال کا تقرر بطور عارضی اسسٹنٹ پروفیسر ہوگیا۔[۴]

اس زمانے میں اقبال اردو میں سیاسی معاشیات پر ایک کتاب ترتیب دے رہے تھے، جو تکمیل کے آخری مراحل میں تھی۔

انجمن حمایت اسلام کا اٹھارہواں سالانہ اجلاس ۲۷ تا ۲۸/فروری و یکم مارچ ۱۹۰۳ تک جاری رہا۔[۵] اس کے تیسرے جلسے کی صدارت خان بہادر غلام احمد خان، مشیر مال ریاست جموں و کشمیر نے فرمائی۔ اقبال نے اس جلسے میں ''فریاد امت'' پڑھی اور حاضرین جلسہ بہت محظوظ ہوئے۔ لوگوں نے دل کھول کر چندہ دیا۔ اس نظم کی کاپیاں پانچ روپے تک فروخت ہوئیں۔ اسی جلسے میں خواجہ عبدالصمد ککڑو نے اقبال کو ایک نقرئی تمغہ پہنایا جو خواجہ صاحب کشمیر سے بنوا کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس موقع پر نواب سر ذوالفقار علی خان نے اقبال کو سعدی اور شیکسپیئر سے تشبیہ دی۔ شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ اقبال ہی وہ شاعر ہے جس نے حقیقی شاعری کو عروج رفعت پر پہنچا دیا ہے۔ مجلس منتظمہ کے رکن کی حیثیت سے اقبال ۲۲/نومبر کے اجلاس میں شرکت ہوئے۔ صدر جلسہ شمس العلما مفتی محمد عبداللہ ٹونکی تھے۔ اجلاس شیرانوالہ گیٹ میں ہوا۔ آپ نے ''ابر گوہر'' کے نام سے یہاں بھی ایک نظم پڑھی۔[۶]

خواجہ غلام الحسنین نے ہربرٹ اسپنسر کی کتاب ایجوکیشن کا اردو ترجمہ کیا تھا، جو اسی سال

شائع ہوا۔ اقبال نے اس ترجمے کے متعلق تحریر فرمایا:

ترجمے کی بے تکلف روانی حیرت انگیز ہے۔ اگر ہربرٹ ہندوستانی ہوتا تو وہ بھی (اردو میں) اس سے بہتر طرز تحریر اختیار نہ کرسکتا۔[۷]

اس سال اقبال کے بڑے بھائی، شیخ عطا محمد ایک فوجداری مقدمے میں بُری طرح پھنس گئے۔ اقبال کو بہت دکھ ہوا۔ اس ضمن میں اقبال نے بہ تاریخ ۶/اگست ۱۹۰۳ء کو نواب صدر یار جنگ کو ایک خط تحریر کیا۔ اس کے علاوہ ایک نظم بعنوان ''ایک دردمند دل کی عرض'' لکھ کر اپنے دوست خواجہ حسن نظامی کو بھیجی کہ اسے عرس کے موقع پر پڑھا جائے۔ یہ نظم ۴۲ اشعار پر مشتمل تھی:

کیوں نہ ہوں ارماں مرے دل میں کلیم اللہ کے
طور در آغوش ہیں ذرے تری درگاہ کے

یہ نظم بعدازاں مخزن ستمبر ۱۹۰۳ء میں شایع ہوئی۔[۸]

محمد محبوب خان ترہت (مظفر پور) کے رہنے والے تھے۔ اردو کے شاعر اور حامد تخلص کرتے تھے۔ وہ ۴/جولائی ۱۹۰۳ء کو وفات پا گئے۔ دوسرے شعراء کی طرح اقبال نے بھی درج ذیل قطعہ تاریخ کہا:[۹]

چوں چراغ خاندان محبوب خاں
گشت از دنیا سوئے جنت رواں
گفت اقبال حزیں سال رحیل
راہ عقبیٰ یافتہ با عز و شاں

۱۳۲۱ھ

خدنگ نظر کے شمارہ اگست ۱۹۰۳ء میں اقبال کی ایک غزل شائع ہوئی۔[۱۰] اس غزل کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

دل کو ہے اندر ہی اندر جستجو تیری مگر
کیا قیامت ہے کہ سمجھا تو نے بے پروا مجھے

لاہور کے ہفتہ وار پنجہ فولاد کے ایڈیٹر کے نام اقبال نے ایک مراسلہ تحریر فرمایا جو ۲۸/فروری کی اشاعت میں شائع ہوا۔[۱۱]

منشی سراج الدین کو بہ تاریخ ۱۱/مارچ ایک خط تحریر فرمایا۔ خط کے ساتھ کچھ کلام اور ایک نظم ''بلبل کی فریاد'' بھی بھیجی گئی۔[۱۲]

ماہ مئی میں بڑے بھائی کے مقدمہ کے سلسلے میں اقبال کو بلوچستان جانا پڑا۔ آپ نے مولوی سید میر حسن کے فرزند سید محمد تقی کے نام بلوچستان سے ماہ مئی ہی میں ایک خط تحریر کیا۔ اس میں گھوڑے پر ۲۷ میل تک سفر کرنے کا ذکر موجود تھا۔[۱۳]

دورانِ سفر ۲۵؍مئی کو فورٹ سنڈیمن سے حبیب الرحمٰن خان شروانی کو بھی ایک مکتوب تحریر فرمایا۔[۱۴]

اقبال کا یہ تکلیف دہ سفر رنگ لایا اور آپ کے محترم بھائی مقدمے سے بری ہو گئے۔ سیالکوٹ سے آپ نے بہ تاریخ ۶؍اگست ایک خط شیروانی صاحب کو لکھا اور انھیں بھائی کے بَری ہونے کی خوش خبری دی۔[۱۵]

اس موقع پر انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی غرض سے مولانا گرامی بھی اقبال کے ہاں مقیم تھے۔ گرامی کے پوچھنے پر اقبال نے انھیں بتایا کہ وہ شروانی صاحب کو خط لکھ رہے ہیں۔ گرامی نے ان کو کہا کہ انھیں میرا اسلام بھی لکھ دو۔[۱۶]

گورنمنٹ کالج میں آپ کا تقرر ۳۰؍ستمبر تک کے لیے ہوا تھا۔ اس عرصے میں چھ ماہ یعنی ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء تک کی توسیع کردی گئی۔[۱۶-B]

۱۱؍نومبر ۱۹۰۳ء ریاست بہاول پور کے فرمانروا نواب محمد بہاول خان پنجم عباسی تخت نشین ہوئے۔ خوشی کے اس موقع پر ریاست میں جشن منایا گیا۔ جشن کی روداد مخزن شمارہ نومبر میں شیخ عبدالقادر نے تمہیدی الفاظ کے ساتھ شایع فرمائی۔ اقبال اس میں شریک نہیں ہوئے اور نہ وقت پر قصیدہ بھیج سکے۔ لیکن بعد میں ایک قصیدہ لکھا جو مخزن نومبر میں شایع ہوا۔[۱۷]

اسی شمارے میں اقبال کی ایک اور نظم ''عشق اور موت'' شائع ہوئی۔[۱۸]

خدنگ نظر کے شمارہ ستمبر میں آپ کی ایک نظم ''شیشہ ساعت کی ریگ'' شائع ہوئی:

اے مشت گرد میداں، اے ریگ سرخ صحرا
کس فتنہ خو نے تجھ سے دشت عرب چھڑایا

مخزن ۱۹۰۳ء میں اقبال کی درج ذیل نظمیں شایع ہوئیں:[۱۹]

جنوری	=	سید کی لوح تربت
مارچ	=	ابر گوہر
نومبر	=	عشق اور موت
دسمبر	=	زہد اور رندی، شاعر

اس کے علاوہ شمارہ اکتوبر میں ایک مضمون ''اردو زبان پنجاب میں''، حصہ دوم شائع ہوا یہ اردو میں اس نقاد کا جواب ہے جس نے اقبال اور ناظر کی شاعری پر تنقید کی تھی۔

حسین قدرتی مناظر کے علاوہ نسوانی حسن بھی شاعر کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ درحقیقت نسوانی حسن غزل کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اقبال بھی ایک طوائف، امیر کے حسن و جمال سے بڑے متاثر تھے۔ مولوی سید میر حسن کے فرزند سید محمد تقی سے اقبال کی گہری دوستی تھی۔ دونوں دوست ''امیر'' کے ہاں جایا کرتے اور اس کی مدبھری آواز میں اس کا گانا سنتے۔ جب اقبال لاہور آ گئے تو ایک بار آپ کو امیر کی یاد ستائی۔ آپ نے تقی شاہ کو اس سلسلے میں ایک خط لکھا:

امیر کہاں ہے؟ خدا کے لیے وہاں ضرور جایا کریں، مجھے بہت اضطراب ہے۔ نہ جانے اس میں کیا راز ہے جتنا دور ہو رہا ہوں، اتنا ہی اس سے قریب ہو رہا ہوں۔[20]

خدنگ نظر مجلّہ میں شیخ عبدالقادر نے شیخ محمد اقبال کے حالات زندگی لکھے۔[21]

پروفیسر آرنلڈ پرنسپل اورینٹل کالج اپریل ۱۹۰۳ء تک رہے۔ اسی کے بعد آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں منتقل ہو گئے۔[22]

کبھی کبھار لاہور میں رہنے والے احباب موسم گرما میں کشمیر جایا کرتے تھے۔ مخزن کے شمارہ جون ۱۹۰۳ء میں جسٹس ہمایوں کی ایک نظم ''شالامار باغ کشمیر'' شایع ہوئی۔ اس میں اقبال کو کچھ یوں یاد کیا گیا:

ناظر بڑا مزہ ہو جو اقبال ساتھ دے
ہر سال ہم ہوں، شیخ ہو اور شالامار ہو[23]

۱۰/ مارچ کے اخبار وطن میں اقبال کی ایک نظم شایع ہوئی۔ بعدازاں حبیب الرحمٰن خان شروانی نے نظم کے بعض حصوں پر تنقید فرمائی۔ آپ نے شروانی کے نام اپنے ایک خط میں لکھا کہ جو تنقید آپ نے فرمائی ہے، بالکل درست ہے۔ آپ لوگ نہ ہوں تو واللہ ہم شعر کہنا ہی ترک کر دیں۔[24]

❋......❋......❋

حواشی

۱۔ محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، ص ۱۷

۲۔ زندہ رود، ص ۹۰

۳۔ ایضاً، ص ۹۰

4- *A History of the Govt College Lahore*. P.112

۵۔ حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۷۷

۶۔ باقیات، ص ۱۳۹

۷۔ انوار اقبال، ۲۱۳

۸۔ شیخ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۲

۹۔ اقبال ریویو، (اردو) لاہور، جولائی ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۷

۱۰۔ فقیر سید وحید الدین، روز گار فقیر، جلد دوم، ۱۹۸۸ء، ص ۵۴۰

۱۱۔۱۲۔۱۳۔۱۴۔۱۵۔۱۶۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتب اقبال، دہلی، ص ۶۹۔۷۱۔۷۹۔۸۱

۱۶۔ عبداللہ قریشی، مکاتیب اقبال بنام گرامی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۳۳۔۳۴

۱۶ب۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود۔ ۹۰

۱۷۔ مخزن، لاہور، نومبر ۱۹۰۳ء

۱۸۔ برگ گل، ص ۱۷۸۔۱۸۰

۱۹۔ حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۱۰۱

۲۰۔ زندہ رود، ص ۱۷۵

۲۱۔ مجلّہ اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص ۶۵

۲۲۔ اورینٹل کالج میگزین، ص ۱۹۶۲ء، ص ۲۰۸

۲۳۔ ملفوظات اقبال، ص ۴۳

۲۴۔ روح مکاتیب اقبال، ص ۷۲

۱۹۰۴ء......کلام کی مقبولیت

انجمن حمایت اسلام لاہور کا ۱۹ ویں سالانہ اجلاس یکم تا ۳ راپریل ۱۹۰۴ء کو ہوا۔[۱] دوسرے دن اجلاس کی صدارت خان بہادر مولوی شیخ انعام علی صاحب، بی اے، ڈویژنل جج ملتان نے فرمائی۔ اجلاس میں مولوی احمد دین پلیڈر، خواجہ حسن نظامی، شیخ عبدالقادر اور شیخ محمد اقبال بھی شریک ہوئے۔ اقبال نے اجلاس میں اپنی نظم ''تصویرِ درد'' سنائی۔ آپ سے پہلے مولوی احمد الدین تقریر کررہے تھے۔ حاضرین جلسہ کی خواہش پر مولوی صاحب کو اپنی تقریر ادھوری چھوڑنی پڑی۔ حافظ واجد علی کی تلاوت کے بعد اقبال نے اپنی نظم سنائی۔ اس دوران خواجہ حسن نظامی مہتمم توشہ خانہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا نے اپنا عمامہ اتار کر آپ کے سر پر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر شیخ عبدالقادر نے فرمایا ''مولوی حسن نظامی قومی کاموں میں دلچسپی رکھتے اور عمدہ انشا پرداز ہیں۔ انھوں نے شیخ صاحب کو جو عزت بخشی، وہ ان کے لیے قابل فخر ہے۔ مگر میری رائے ہے کہ عمامہ انھیں واپس دیا جائے۔'' اس پر حکیم محمد شریف، ماہر چشم نے عمامہ عطا کرنے کا وعدہ کیا اور پھر عمامہ حسن نظامی صاحب کو واپس کردیا گیا۔

اقبال کی نظم دس بجے سے تقریباً پانچ منٹ پہلے ختم ہوئی اور صدر جلسہ کی تقریر سے پہلے ہی اجلاس برخاست ہوگیا۔ میاں بشیر احمد بھی جلسے میں شریک تھے۔ انھیں بھی ''تصویرِ درد'' سننے کا موقع ملا۔ میاں صاحب کا کہنا ہے کہ اقبال نے ایسی خوش الحانی سے مخصوص لے میں نظم پڑھی کہ ایک ایک شعر فروخت ہونے لگا۔ ایک نوجوان نے بڑھ کر ایک شعر شاید پندرہ روپے میں خرید لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اقبال کا گورنمنٹ کالج لاہور میں ہندو شاگرد تھا۔

اس اجلاس کے آخری روز، دوسری نشست کی صدارت خان، بہادر میاں محمد شفیع بیرسٹر ایٹ لا رئیس باغ بانپورہ نے فرمائی تھی۔ شیخ عبدالقادر مدیر آبزرور و مخزن، مسٹر کراس انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور، مسٹر نولٹن سابق انسپکٹر مدارس، مسٹر براؤن پرنسپل میو کالج آف آرٹس لاہور، مسٹر رائٹ پرنسپل

سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور اور بابو پرتول چند چٹرجی جج چیف کورٹ پنجاب بھی جلسے میں موجود تھے۔ اسی جلسے میں مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، میاں سر محمد شفیع، میاں فضل حسین اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی شریک ہوئے۔ مرزا ارشد گورگانی اور خواجہ حسن نظامی بھی حاضرین میں شامل تھے۔

مولانا حالی کی طبیعت ناساز تھی۔ انجمن نے خاص طور پر بڑے اصرار سے انھیں مدعو کیا۔ حالی اور اقبال میں درج ہے کہ اس اجلاس میں اقبال نے ''تصویرِ درد'' سنائی تھی۔ حالی بھی جلسے میں موجود تھے۔ انھیں ایک شعر بہت پسند آیا اور اس کے عوض انجمن کو دس روپے کا نوٹ عطا کیا۔ یہ دیکھ کر حاضرین نعرہ ہائے تحسین بلند کرنے لگے۔ اقبال کی اس سے زیادہ ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ خود خدائے سخن حالی ان کے کلام کی داد دے۔ کچھ عرصے بعد حالی کے پڑھنے کی باری آئی۔ ضعیفی کے باعث آپ کی آواز دور تک نہ پہنچ سکی اور عجب افراتفری پیدا ہوگئی۔ آخر شیخ عبدالقادر نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کرایا اور کہا کہ مولانا حالی کی زبان سے ''تبرکاً'' جو کچھ بھی سنا جائے، آپ حضرات سن لیجیے۔ بعد کو یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے۔ حالی کے بعد اقبال اسٹیج پر آئے اور پہلے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی:

مشہور زمانے میں ہے نام حالی
معمور مے حق سے ہے جام حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

اس کے بعد انھوں نے نہایت دل کش اور سریلی آواز میں مولانا حالی کی پوری نظم پڑھ کر حاضرین کو سنائی۔ اس اجلاس میں ایک ہزار پانچ سو انتیس روپے اڑھائی آنے چندہ جمع ہوا۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑی رقم تھی جو اس نظم کے عوض انجمن کو ملی۔

اقبال نے انجمن کے اجلاس منعقدہ ۱۷ جنوری کو بطور رکن مجلس منتظمہ شرکت فرمائی۔ یہ اجلاس شمس العلما مفتی محمد عبداللہ کی صدارت میں ہوا تھا۔[۲]

مخزن اپریل میں اقبال کی زیرِ تصنیف اردو نثر کی کتاب علم الاقتصاد کا ایک باب ''آبادی'' شایع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر دی گئی کہ مذکورہ کتاب زیرِ طبع ہے، مخزن ہی کے شمارہ دسمبر میں یہ اعلان شایع ہوا:

ہم ناظرین کو بڑی خوشی سے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ یہ قابلِ قدر کتاب جس کا ایک باب مخزن میں شائع

ہو چکا ہے، چھپ کر تیار ہے۔ اس کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ ہے اور مصنف سے مل سکتی ہے۔

اس کتاب کے دیباچے میں اقبال نے لکھا کہ شبلی نعمانی مدظلہ میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کتاب کے بعض حصوں میں زبان کے متعلق قابل قدر اصلاح دی۔

یہ کتاب کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی عبدالعزیز مینیجر کے زیر اہتمام شایع ہوئی۔[۳]

دکن ریویو شمارہ مارچ میں آپ کی ایک نظم ''رخصت اے بزم جہاں'' چھپی۔ اسی رسالے کے نومبر، دسمبر شماروں میں نظم ''موج دریا'' شائع ہوئی۔ اگست کے شمارہ میں اقبال کی ایک غزل شایع ہوئی، جس کا مطلع ہے:

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

اسی غزل کے تتبع میں ۱۲۵ اشعار کی ایک غزل مہاراجا سرکشن پرشاد نے کہی، جو دکن ریویو نومبر دسمبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کا مطلع ہے:

یہ سب دیر و حرم کے لوگ اپنے دیکھے بھالے ہیں[۴]

۱۹۰۴ء میں مخزن میں اقبال کی درج ذیل نظمیں شایع ہوئیں:[۵]

فروری	=	طفل شیر خوار، صبح کا ستارہ
مارچ	=	رخصت اے بزم جہاں، تصویر درد
مئی	=	نالہ فراق، پروفیسر آرنلڈ کے انگلستان روانہ ہونے پر
جولائی	=	چاند
ستمبر	=	بلال، سرگزشت آدم
دسمبر	=	جگنو، صبح کا ستارہ

مخزن اکتوبر میں اقبال کا ''ایک لیکچر قومی زندگی'' کا پہلا حصہ شایع ہوا۔ اقبال نے یہ لیکچر ایبٹ آباد میں دیا تھا۔ اقبال تعطیلات گزارنے ایبٹ آباد گئے تھے، جہاں ان کے بھائی شیخ عطا محمد بحیثیت سب ڈویژنل آفیسر ملٹری ورکس مقیم تھے۔ ایبٹ آباد ہی میں آپ نے نظم ''ابر'' لکھی۔ یہاں آپ کا قیام ۵ر اگست سے ۵ر ستمبر تک رہا۔ وہیں مولانا سلطان میر اور ان کے فرزند میر ولی اللہ ادیب ایبٹ آبادی سے ملاقات ہوئی۔ ان کے علاوہ آپ ڈاکٹر جہاں گیر بخش اور ان کے

لڑکے ڈاکٹر رحمت اللہ قریشی سے بھی ملے۔ ایبٹ آباد ہی سے ۱۰ر اگست کو آپ نے منشی دیانرائن نگم ایک مکتوب میں اپنے بیمار ہونے کی اطلاع دی اور چند اشعار بھی ارسال کیے۔[۶]

اس سال لاہور میں لالہ ہر دیال کی قائم کردہ تنظیم ینگ مینز انڈین ایسوسی ایشن کا افتتاحی اجلاس شام چھ بجے زیر صدارت اقبال منعقد ہوا۔ اس موقع پر آپ نے اپنا مشہور ''ترانہ'' سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' ترنم سے پڑھ کر حاضرین پر وجدانی کیفیت طاری کر دی۔[۷]

۲۲ر جولائی کو اقبال نے خواجہ حسن نظامی کو ایک خط تحریر کیا اور لکھا کہ ان کی وفات کی غلط خبر سن کر انھیں خوشی ہوئی۔ اقبال نے مزید لکھا کہ غلط خبریں زیادتی عمر کی علامت ہوتی ہیں۔[۸]

یکم اکتوبر کو آپ نے سیالکوٹ سے بابو عبدالمجید (ازلی) کو ایک مکتوب تحریر کیا۔ بابو صاحب پیشے کے لحاظ سے ایک ڈرافٹس مین تھے۔ انھوں نے اقبال کو ان کی نظم ''سرگزشت آدم'' سے متعلق خط لکھا تھا جو مخزن کے شمارہ ستمبر ۱۹۰۴ء میں چھپی تھی۔[۹]

سیالکوٹ ہی سے آپ نے بہ تاریخ ۷ر اکتوبر منشی فوق کو ایک خط لکھا جس میں ان کی تصنیف یاد رفتگاں کی تعریف فرمائی۔[۱۰]

اقبال نے لاہور سے ۲۲ر اکتوبر کو شیخ عبدالعزیز کے نام خط تحریر کیا۔[۱۱]

انھی دنوں شیخ عبدالقادر کے نام ایک خط میں اقبال نے ''سمندر'' کی کیفیت دریافت فرمائی۔ شیخ صاحب ان دنوں بیرسٹری کی تعلیم کے سلسلے میں لندن مقیم تھے۔ شیخ صاحب نے جواباً اقبال کو لندن آنے کی ترغیب دی۔ یہ خط ''سمندر'' کے عنوان سے مخزن کی جلد ۷ شمارہ ۵ اگست ۱۹۰۴ء میں یوں شائع ہوا:

> پیارے اقبال! آپ گزشتہ خط میں مجھ سے سمندر کی کیفیت پوچھتے ہیں۔ متحیر ہوں کہ کیا لکھوں۔ ہم لوگوں کو خدا نے ہندوستان جیسے وسیع براعظم کے اندرونی حصے میں سمندر سے صدہا میل کے فاصلے پر پیدا کیا۔ سمندر کا سفر خوش گوار موسم میں اور خصوصاً اس چاندنی کے وقت کتنا پیارا سفر ہوتا۔ خیر یہ تو با اقبال لوگوں کی کیفیتیں ہیں، ہمیں ان سے کیا۔ میں تو زیادہ ہی کہہ سکتا ہوں کہ اقبال کو بلاؤں کہ آ اور دیکھ۔[۱۲]

اس سال اقبال شملہ تشریف لے گئے۔ درج ذیل احباب کے ساتھ آپ نے وہاں ایک تصویر بھی اتروائی:[۱۳]

شیخ عبدالقادر، حافظ ساجد علی وکیل اورنگ آباد، ظفر علی، غلام محمد منشی حالی، عزیز مرزا، مرزا محمود علی خان، منشی محبوب علی، مولوی نورالمنیب حیدر آبادی، ابوالحسن، خواجہ غلام الثقلین، حبیب

الرحمٰن خان شروانی، مسعود علی محوی۔‘‘

پروفیسر آرنلڈ گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ فلسفہ میں خدمات انجام دے رہے تھے۔[۱۴] آپ ۲۶ر فروری کو مستعفی ہوئے اور انگلستان چلے گئے۔ ان کے عزیز شاگرد رشید، شیخ محمد اقبال کو ان سے بچھڑنے کا بڑا قلق ہوا۔ آپ نے ان کی یاد میں ۱۵ اشعار اور ۵ بندوں پر ایک نظم ’’نالہ فراق‘‘ مسدس بیت میں لکھی:

جا بسا مغرب میں آخر اے مکاں تیرا مکیں
آہ! مشرق کی پسند آئی نہ اس کو سر زمیں

اسی نظم کے درج ذیل مصرع:

توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اقبال نے حصول تعلیم کے لیے انگلستان جانے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ لا کے پہلے سال امتحان میں ناکامی کے بعد وہ انگلستان سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند تھے، کیوں کہ ان کے کئی احباب بیرسٹری پڑھنے لندن جا چکے تھے۔ بڑے بھائی کے مقدمے نے بھی انھیں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنچانے پر مائل کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے خواجہ حسن نظامی کو یہ خط بھی لکھ دیا کہ یورپ جاتے وقت اگر انھیں موقع ملا، تو ایک دن دہلی قیام کریں گے۔[۱۵]

طفل شیر خوار[۱۶] کا پس منظر اقبال کے برادر زادے، شیخ اعجاز احمد نے اپنی کتاب مظلوم اقبال کے صفحہ ۱۳۶ پر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ان کے چھوٹے بھائی امتیاز احمد ڈیڑھ برس کی عمر تھی کہ ایک دن وہ اقبال کے کمرے میں پہنچ گئے، جو لکھنے پڑھنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے چیخنے چلانے کی آواز آئی۔ امتیاز احمد کی ماں دوڑی گئی تو دیکھا کہ سیاہی کی دوات فرش پر الٹی پڑی ہے۔ اقبال کے کچھ کاغذات اور امتیاز کے ہاتھ سیاہی سے لت پت ہیں۔ امتیاز احمد زور زور سے رو رہے ہیں اور اقبال اسے گود میں اٹھائے چُپ کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ماں نے اسے گود میں لے کر تادیباً مارنا چاہا تو اقبال نے بھابھی کو روک دیا۔ اسی واقعے کی تصویر کشی اقبال نے اپنی نظم ’’طفل شیر خوار‘‘ میں کی ہے۔

سال کے آخر میں اقبال نے بابو عبدالمجید کو خط لکھا کہ چھوٹے شملہ سے کسی صاحب نے ان کے بے گناہ اشعار کو تیغ قلم سے مجروح کیا ہے۔ ان سے کہیے کہ امیر و داغ کی اصلاح کیا کریں۔[۱۷]

❀……❀……❀

حواشی

۱۔ محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۷۹۔۸۱، حالی اور اقبال، ص ۲۴۴،
۲۔ اقبال کی صحبت میں، ص ۴۷، محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۵
۳۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۲۸۸۔۲۹۵
۴۔ جعفر بلوچ، اقبال اور ظفر علی خاں، ص ۷۴۔۷۵
۵۔ محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان۔ ص ۱۰۱
۶۔ صحیفہ، مجلس ترقی ادب لاہور، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۶۵
۷۔ اوراق گم گشتہ۔ ص ۳۱۸
۸۔۹۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ص ۸۳۔۸۶۔۸۷
۱۰۔ روح مکاتیب اقبال، ص ۴۷
۱۱۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ص ۸۷
۱۲۔ صحیفہ، مجلس ترقی ادب لاہور، جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۹ء، مخزن، شیخ عبدالقادر اور مخزن۔
۱۳۔ فقیر سید وحید الدین، روز گار فقیر، جلد دوم ۱۹۸۸ء، ص ۶۵۸
14- *A History of the Government College Lahore*.P-112
۱۵۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ص ۹۰
۱۶۔ شیخ اعجاز احمد، مظلوم اقبال، ص ۱۴۱
۱۷۔ محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، ص ۷۵

۱۹۰۵ء......انگلستان روانگی

انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس ۸ جنوری کو مرزا عبدالرحیم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اقبال نے بھی شرکت فرمائی۔ انجمن حمایت اسلام کی مجلس انتظامیہ برائے ۱۹۰۵ء کا اجلاس ۲۶ فروری کو ہوا۔ اس میں اقبال مجلس انتظامیہ کے رکن منتخب ہوگئے۔ صدر جلسہ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل، ڈاکٹر عبدالغنی تھے۔ خان بہادر شیخ اللہ بخش کی صدارت میں ۱۶ مارچ کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں انجمن کے قواعد مرتب کرنے کے سلسلے میں مولوی محبوب عالم اور دیگر حضرات نے قراردادیں پیش کیں۔ طے پایا کہ قواعد میں ترمیم واضافے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی بنائی جائے۔ ایک پانچ رکنی ذیلی کمیٹی مقرر کی گئی۔ اقبال اس کے رکن منتخب ہوئے۔ جنرل کونسل کا اجلاس ۲۸ مئی کو مفتی محمد عبداللہ ٹونکی کی صدارت میں ہوا۔ اقبال اس میں شریک ہوئے۔[۱]

مخزن کے شمارہ جنوری میں احباب کے تقاضوں اور اصرار پر اقبال کی ایک فارسی نظم شائع ہوئی جو ۱۳۴۰ اشعار پر مشتمل تھی۔ نظم کا عنوان ''سپاس جناب امیر'' تھا۔[۲]

مدیر نے نوٹ لکھا کہ فارسی نظمیں عموماً مخزن میں درج نہیں ہوتیں۔ احباب کے اصرار سے ہم اسے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

محو ثنائے تو زبان ہا

اردو کے ممتاز شاعر مرزا داغ دہلوی ۱۴ر فروری کو انتقال کر گئے۔A-[۲]

اقبال کو بذریعہ اخبارات سانحے کی خبر ملی۔ آپ اپنے استاد کے انتقال پر بہت غمگین ہوئے۔

ابو المعانی محمد عبدالرحمٰن متخلص بہ شاطر مدراس کے رہنے والے تھے۔ ۲۲ر فروری کو اقبال نے ان کے قصیدہ ''اعجاز عشق'' پر ایک تقریظ لکھ کر ارسال فرمائی۔ بہ تاریخ ۱۶ر مارچ انھوں نے شاطر صاحب کو مکتوب تحریر کیا کہ مولانا حالی نے جو کچھ آپ کے اشعار کی نسبت تحریر فرمایا، بالکل صحیح ہے۔[۳]

دکن ریویو کے شمارہ فروری میں مولانا ظفر علی خان نے نقاد کے نام سے اقبال کی تصنیف علم الاقتصاد پر تبصرہ کیا۔[۴]

۴/اپریل کو کانگڑہ، کاہلو، دھرم سالہ (گھاسو کا قدیم نام ہے) اور دوسرے کئی علاقوں میں بڑا سخت زلزلہ آیا۔[۵] تین بار قیامت خیز جھٹکے آئے۔ سیالکوٹ، پسرور اور لاہور میں بھی زلزلہ آیا۔ یہ علی الصبح نماز فجر کے وقت آیا تھا۔ اس زمانے میں اقبال بھاٹی دروازہ کے مکان نمبر ۵۹۷ میں رہائش پذیر تھے۔[۶]

مخزن میں اس سال آپ کا درج ذیل کلام شائع ہوا:[۷]

ہندوستانی بچوں کا گیت	=	فروری
نیا شوالہ	=	مارچ (اسی شمارے میں آپ کے مضمون ''قومی زندگی'' کا بقایا حصہ بھی شایع ہوا)
داغ	=	اپریل
ایک پرندہ اور جگنو	=	جولائی
بچہ اور شمع	=	ستمبر
کنارِ راوی	=	نومبر
التجائے مسافر	=	اکتوبر

استاد مرزا داغ دہلوی کی وفات پر اقبال نے ایک مرثیہ بعنوان ''داغ''، قلم بند کیا جو پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

چل بسا داغ آہ! میت اس کی زیب دوش ہے
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے[A۷]

اس سال بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اقبال نے ۳ سال کی رخصت بلا تنخواہ (Without Pay) گورنمنٹ کالج لاہور سے لے لی۔ ان دنوں آپ اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ تھے۔ یہ خصوصی رخصت یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء سے شروع ہونی تھی۔ ۳/جون کو رخصت منظور ہوئی۔ آپ کی جگہ بتاریخ ۴/اکتوبر شیخ نور الٰہی ایم اے کو اسسٹنٹ پروفیسر رکھا گیا۔[۸]

لاہور ریلوے اسٹیشن سے ریل کے ذریعے اقبال نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ ۲ ستمبر کو صبح چھ بجے وہ دہلی ریلوے اسٹیشن پہنچے۔[۹] اسٹیشن پر آپ کا استقبال کے لیے خواجہ حسن نظامی، منشی نذر محمد،

منشی نورالدین ڈرائنگ ماسٹر فارمل اسکول دہلی، شیخ محمد اکرم، نائب مدیر مخزن لاہوری اور انبالہ کے میر نیرنگ موجود تھے۔ اقبال نے منشی نذر محمد بی اے، اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ دہلی کے مکان پر کچھ عرصہ قیام کیا، پھر درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کی جانب روانہ ہوئے۔ محبوب الٰہی کے مزار پر سب احباب نے فاتحہ پڑھی اور رب العزت کے حضور دعا مانگی۔ اس کے بعد سبھی باہر آگئے۔ اقبال نے پھر عین مزار شریف کے متصل کچھ دیر مراقبہ کیا اور اپنی نئی نظم ''التجائے مسافر'' پیش فرمائی۔ انھوں نے روضۂ مبارک کے سرہانے لوگوں کے حلقے میں با بلند آواز ترنم سے نظم سنائی۔ زیارت سے فارغ ہو کر لنگر کا کھانا کھایا گیا اور پھر سماع کا دور چلا۔ ولایت خان قوال نے خوب رنگ جمایا۔ اقبال نے بعد کو مزار غالب پر بھی حاضری دی۔ اس وقت تک تقریباً ایک بج چکا تھا۔ سب مزار کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ یکا یک ولایت خان کی سریلی آواز میں غالب کی روح بولنے لگی۔ ولایت خان کو غالب کا یہ شعر پڑھنے پر بڑی داد ملی:

وہ بادہ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

بعد ازاں اقبال اور ان کے ہمراہیوں نے مغل بادشاہ ہمایوں اور شہزادہ دارالشکوہ کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھی۔

اقبال نے رات نذر محمد کے گھر گذاری۔ صبح چھ بجے اقبال بمبئی میل سے بمبئی کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ۴؍ستمبر کو بمبئی پہنچے۔ دہلی سے بمبئی کا فاصلہ ۸۵۹ میل ہے۔ انھوں نے انگلش ہوٹل میں قیام کیا۔ ۷؍ستمبر کو ۲ بجے لالہ دھنپت رام اور ان کے ایک دوست ڈاکٹر اقبال کو الوداع کہنے عرشے تک آئے۔ ۳ بجے بحری جہاز بمبئی کی بندرگاہ سے روانہ ہو گیا۔ اقبال نے بحری سفر میں چھ دن گذارے۔ ۱۲؍ستمبر کو عدن پہنچ گئے۔ وہاں سے آپ نے وطن اخبار لاہور کے مدیر مولوی انشاء اللہ خان کو لاہور سے دہلی، دہلی سے بمبئی اور پھر عدن تک پہنچنے کی مکمل روداد لکھ کر ارسال فرمائی۔

جہاز ملوجا پر کوئٹہ کے ڈپٹی کمشنر بھی سفر کر رہے تھے۔ وہ اٹھارہ ماہ کی رخصت پر انگلستان جا رہے تھے۔ ۱۱؍ستمبر کی رات ہندوستانی سیاست پر بہت دیر تک اقبال کی ان سے گفتگو ہوئی۔ کمشنر صاحب عربی اور فارسی جانتے تھے۔ سر ولیم میور اور عمر خیام پر بھی باتیں ہوئیں۔ بحری جہاز سویز پہنچا تو مسلمان دکانداروں کی کثیر تعداد جہاز پر آ پہنچی۔ وہ سب مسافروں سے پیسے بٹورنے آئے تھے۔ ایک مصری نوجوان سے اقبال نے سگریٹ خریدے۔ اس مصری نوجوان دکاندار نے

دوسرے دکانداروں سے بھی اقبال کا تعارف کرایا۔ تھوڑی دیر بعد نہایت خوبصورت مصری نوجوانوں کا ایک گروہ جہاز کی سیر کرنے آیا۔ اقبال دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران جہاز پورٹ سعید پہنچ گیا۔ اقبال ایک کشتی پر بیٹھ کر مع ایک پارسی ہم سفر شہر کی سیر کرنے چلے گئے۔ وہاں آپ نے شہر میں مدرسہ دیکھا۔ مساجد دیکھیں۔ ڈاک خانہ گئے۔ ٹکٹ خریدے اور خطوں پر لگا کر ڈاک میں ڈالے۔ واپس پہنچے تو عرشہ جہاز پر تین اطالوی عورتیں اور دو مرد وائلن بجا رہے تھے اور خوب رقص و سرود ہو رہا تھا۔ ان عورتوں میں سے ایک تیرہ چودہ سالہ لڑکی کے حسن نے اقبال کو بڑا مسحور کیا۔ لیکن جب وہ ایک چھوٹی سی تھالی میں مسافروں سے انعام مانگنے لگی تو سحر زائل ہو گیا۔ دراصل بقول اقبال وہ حسن جس میں استغنا نہیں، بدصورتی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ بحر روم کے ابتدائی حصے میں سمندر کا نظارہ بڑا دلچسپ تھا۔ اس سے متاثر ہو کر اقبال نے پندرہ اشعار پر مشتمل ایک غزل کہی۔

مثالِ پرتوِ مے طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

۲۳ ستمبر کی صبح جہاز کو فرانس کی بندرگاہ مارسیلز پر پہنچ گیا۔ اس جگہ مسافروں کو آٹھ دس گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ اقبال اس دوران بندرگاہ کی سیر میں محو رہے۔ اس کے بعد وہ مارسیلز سے ریل پر سوار ہو کر فرانس کی سیر سے بھی لطف اندوز ہوئے۔ ایک رات گاڑی میں گزری اور دوسری شام لندن پہنچے۔ اسٹیشن پر شیخ عبدالقادر استقبال کو موجود تھے۔ آپ نے اقبال کو دُور سے پہچان لیا۔ قریب پہنچ کر مصافحہ کیا اور بغل گیر ہوئے۔ شیخ انھیں اپنے ہاں لے گئے اور رات بھر آرام کیا۔ بہ تاریخ ۲۴ ستمبر اقبال نے مولوی انشاء اللہ خان کو خیریت سے منزل مقصود پر پہنچنے اور اگلے روز اپنے سفر کی روداد تحریر فرمائی۔[۱۰]

اس سے قبل بہ تاریخ ۱۲ ستمبر عدن سے بھی آپ نے مولوی صاحب کو خط لکھا تھا۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء کو اقبال نے سینئر ٹیوٹر ٹرنٹی کالج کیمبرج کے نام داخلے کے سلسلے میں درج ذیل درخواست تحریر فرمائی۔[۱۱]

To,
The Senior Tutor,
Trinity College,
Cambridge
Sir,

I desire to enter the University of Cambridge as a research student. I passed the M. A. Examination of Philosophy in The Punjab University in 1899. The following year I was appointed McLeod Arabic Reader by the University and attached to the staff of The Lahore Oriental College, and in 1903 was appointed Assistant Professor of Philosophy in The Lahore Government College. As evidence of my previous study and attainments, I beg to state that I wrote a dissertation entitled "The Doctrine of Absolute Unity as explained and defended by Abdul Karim Al-Jilani", which was printed in the *Indian Antiquary*(Vol XXIX [1900] p. 237 ff.), a copy of which will be sent to you in a day or two.

My knowledge of Arabic and Persian and my acquaintance with European Philosophy (the study of which I began 12 years ago) suggest to me that I might make a contribution to the knowledge in the west, of some branch of Muhammadan Philosophy. I would propose as a subject of Research. "The genesis and development of Metaphysical concepts in Persia" , or some contribution to the knowledge of Arabic Philosophy which the University might approve.

I beg further to say that I have attainted the age of 21 years. The certificates required are also enclosed herewith.

Hopping that you will kindly place my application before the proper authorities.

I beg to remain,
Sir,
Your most obedient Servant
Muhammad Iqbal M.A.
69 Shepherds Bush Rd.
London W.
29th Sep: 1905

اس کے بعد شیخ محمد اقبال، شیخ عبدالقادر کے ہمراہ ٹرنٹی کالج کیمبرج پہنچے اور یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ایڈوانسڈ سٹوڈنٹ (Advanced Student) کی حیثیت سے داخلہ لے لیا۔[۱۲]

داخلہ رجسٹر میں آپ نے کوائف خود درج کر کے دستخط کیے:

Date 1905-6	rank	Name	Father's Christian Name
October 1	(Advanced Student)	Iqbal Muhammad	Nur Muhammad
	Pensioner	(Sd) Muhammad Iqbal	

Native Place	Address of Residence	School	Country of School
Sialkot (India)	17 Portugal Place Cambridge	Pb. University of Govt. College	Punjab

Name of Head Master of School	Date of Birth Month	Year	Tutor
Mr. Robson	Muharram	1876	Mr. Sedgwick

ابتدائی دو کالموں کے علاوہ تمام کالم اقبال نے خود پُر کیے تھے۔

درج بالا کوائف میں پنشنر (Pensioner) سے مراد ایسا طالب علم ہے جسے کالج سے وظیفہ نہیں ملتا بلکہ اپنے وہ خرچ پر تعلیم حاصل کرتا ہے۔

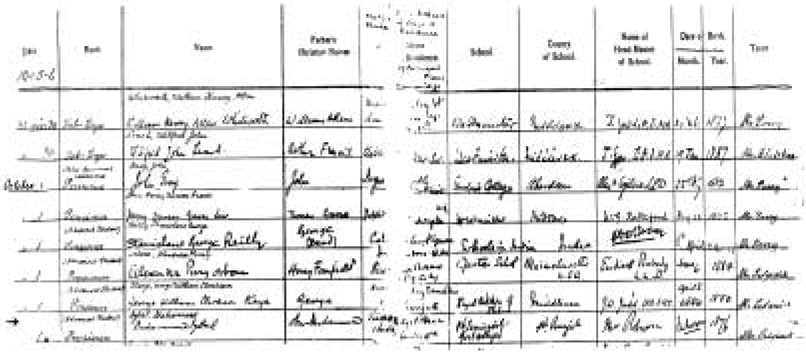

ٹرنٹی کالج کیمبرج کا رجسٹر داخلہ جس پر علامہ کی تاریخ پیدائش ان کے اپنے قلم سے ۱۸۷۶ء درج ہے (ص ۲۷۹)

۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ٹرنٹی کالج کے خصوصی بورڈ مورال سائنس (Moral Science) کی ڈگری کمیٹی کا اجلاس پچھلے پہر چار بجے سنڈیکیٹ بلڈنگز میں منعقد ہوا۔ اس میں درج ذیل اصحاب شریک ہوئے:

1. Professor W. R. Sorely
2. Prof. James Ward
3. Dr. J. N. Keynes
4. Dr. J.M. E. McTaggart
5. Mr. Rivers

اس اجلاس میں اقبال کے متعلق کیا فیصلہ ہوا، کچھ معلوم نہیں؟ قیاس غالب ہے کہ اقبال کی

درخواست مورخہ ۲۹ ستمبر ارکان بورڈ کے سامنے پیش ہوئی۔ انھیں پھر ان کے پیش کردہ موضوع The Genesis and Development of Metaphysical Conception in Persia پر کام کرنے کی اجازت دی گئی۔

یاد رہے اس وقت ٹرنٹی کالج کیمبرج میں دو طرح کے طالب علم داخلہ لیتے تھے: ایک آنرز امتحان دینے کے لیے جسے ٹرائی پوس (Tripos) امتحان کہا جاتا تھا اور دوسرے تحقیق کرنے والے طالب علم تحقیقی کام مکمل ہونے پر آخرالذکر کو بی اے کی ڈگری ملتی تھی۔ اقبال نے تحقیق کے طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لیا۔ ان کا تحقیقی کام دو سال میں مکمل کرنا ہوتا تھا۔

اقبال نے بہ تاریخ ۸ اکتوبر ٹرنٹی کالج سے خواجہ حسن نظامی کو خط لکھا کہ قرآن شریف میں جس قدر آیات صریحاً تصوف کے متعلق ہوں، ان کی بابت لکھ بھیجیے۔ اس بارے میں آپ قاری شاہ سلیمان یا کسی اور صاحب سے مشورہ کر سکتے ہیں۔ کیا قاری صاحب ثابت کر سکے ہیں کہ تاریخی طور پر اسلام کو تصوف سے تعلق ہے؟ کیا حضرت علی مرتضیٰؓ کو کوئی خاص پوشیدہ تعلیم دی گئی تھی؟ [۱۴]

اس کے ساتھ ساتھ اقبال نے لنکنز ان (Lincoln's Inn) میں بھی ۶ نومبر ۱۹۰۵ء کو داخلہ لے لیا۔ [۱۵] داخلہ کے وقت آپ نے ۸ پونڈ، ۱۲ شلنگ اور ۹ پنس سوسائٹی کے استعمال کے لیے جمع کرائے۔ ۵۰ پونڈز بطور ضمانت ادا کیے گئے۔ اس تعلیمی ادارے کے رجسٹر داخلہ کا اندراج ملاحظہ فرمائیے۔

Lincoln's Inn.

Shaikh Muhammad Iqbal of Trinity Collage,Cambridge, Aged 29 years, the Second Son of Shaikh Noor Muhammad of Sealkot, Punjab, India, Gentleman, was admitted into the Society of this Inn on the Sixth day of November 1905 and hath thereupon paid to the use of the said Society the sum of Eight pounds twelve shillings and nine pence.

اقبال کے داخلہ سے قبل اور بعد میں ۷ اور ۸ نومبر کو لنکنز ان میں داخل ہونے والے امیدوار یہ تھے:

1905

Nov. 3 Clement Edward Davies of Trinity Hall, Camb. and of East Lodge, Llanfyllin, Montgomery shire (21) s. of Moses Davies of East Lodge afsd. , Auctioneer and Valuer.

Nov.6 Misri Lal Sadh of Farrukhabad U.P., India (20) s. of Sri

Ram Sadh of Farrukhabad afsd., decd.

Nov 6. Philip Milner Oliver of Corpus Christi Coll., Ox. s. of John Robinson Oliver of High Croft, Bowden, Cheshire, Cotton Spinner.

Nov 6. Shaikh Muhammad Iqbal of Trinity Coll., Camb. (29) s. of Shaikh Nur Muhammad of Sialkot, Punjab, India.

Nov 7. Scott Birkbeck of London University (26) s. of Sam Birkbeck of Halifax, Yorks., decd.

Nov 7. Francis Alfred Wijeyesekera of Waikkal, Ceylon (38) s. of M. Wijeyesekera of Colombo, Ceylon, Judge, decd.

Nov 8. Santi Priya Basu of Bohar Dacca, Bengal, India (20) s. of Upendranath Basu of bohar Dacca afsd., Pleader.

۱۹۰۵ء میں لندن میں قانون کی تعلیم دینے والے یہ چار ادارے موجود تھے: Lincoln's Inn، Middle Temple، Inner Temple، Gray's Inn

لنکنز ان لندن شہر کے وسط میں مغربی جانب پرسکون علاقے میں واقع تھا۔ اسی لیے اس کے متعلق انگریزی میں یہ جملہ مشہور تھا: A Haven from the Roar of Traffic and Crowded Pavements یہ Inn ۱۴۲۲ء میں قائم ہوئی تھی، جبکہ مڈل ٹمپل ۱۵۰۱ء میں، انر ٹیمپل ۱۵۰۵ء اور گریز ان ۱۵۰۹ء میں معرض وجود میں آئی تھیں۔ انگریزی میں Inn سے مراد ہے:

A town house or mansion ,---- used as a hostel for students.

لنکنز ان نے غالباً یہ نام تھرڈ ارل آف لنکن، ہنری ڈی لیسی (Henry de Lacy, Third Earl of Lincoln) سے پایا ہے، جو ۱۳۱۱ء میں چل بسا تھا۔ ان چار انّوں کو کونسل آف لیگل ایجوکیشن چلاتی ہے، جو ۱۸۵۳ء میں قائم ہوئی تھی تاکہ بار کے امتحانات منظّم کیے جا سکیں۔ لنکنز ان کا انچارج ان کا خزانچی ہوتا ہے۔ داخلے کے لیے اقبال نے درج ذیل درخواست فارم پُر کیا تھا:

Declaration to be made by the Applicant.

I,....... of...... a British subject, aged the Son of...... of......, in the country of..... [add father's profession, if any, and the condition in life and occupation, if any, of the Applicant..... do hereby declare that I am desirous of being admitted a Student of the Honourable Society of...... for the purpose of being called to the Bar, or of practicing under the Bar, and that I will not, either directly or indirectly, apply for or take out any certificate to practice, directly or indirectly, as a Pleader, or Conveyancer, or Draftsman in Equity, without the special permission of the Masters of the Bench of the said Society.

And I do hereby further declare that I am not and do not either directly or indirectly act in the capacity of a Solicitor, Attorney at Law, Writer to the Signet, Writer of the Scotch Courts, Proctor, Notary Public, Clerk in Chancery, Parliamentary Agent, Agent in any Court original or appellate, Clerk to any Justice of the Peace, Registrar or High Bailiff of any Court, Official Provisional Assistant or Deputy Receiver or Liquidator under any Bankruptcy or Winding-up Act, Chartered Incorporated or Professional Accountant, Land Agent, Surveyor, Patent Agent, Consulting Engineer, Clerk to any Judge, Barrister, Conveyancer, Special Pleader or Equity Draftsman, Clerk of the Peace, or Clerk to any officer in any Court of Justice:

And that I do not either directly or indirectly act in any capacity similar to any of those above enumerated:

And that I am not and do not act as a Clerk to, nor am I in the service of any person acting in any of the above capacities, or in any capacity similar there to (except as a pupil in Solicitor's Office):

And that I do not hold any appointment which involves the performance of duties analogous to those of a Clerk to any Officer in any Court of Justice:

And that I am not engaged in trade, nor am I an undischarged Bankrupt.

درخواست کے ساتھ اقبال نے پانچ سال سے پریکٹس کرنے والے دو بیرسٹروں کے یہ سرٹیفکیٹ بطور حوالہ منسلک کیے:

I certify that the above-named....... has been known to me personally for upwards of....... years last past [or has been introduced to me personally by....... of....... (insert description) and has been seen by me

[or has been introduced to me by letter of introduction from....... of....... and has been seen by me].

I believe him to be a gentleman of respectability and a proper person to be admitted a Student of the Honourable Society of....... with a view to being called to the Bar.

Dated this....... day of....... 190 . of the Honourable Society of Barrister-at-Law.

یہ یاد رہے کہ تجویز (Propose) کرنے والے پولوک (Sir Frederick Pollock) بار ایٹ لا تھے۔

اس کے بعد ایک معمولی داخلہ امتحان (Entrance Examination) ہوا۔ اسے Little

Preliminary Examination کو go بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں درج ذیل مضامین کا امتحان ہوا:

a: The English Language
b: The Latin Language
c: English History

اس ابتدائی امتحان میں ۱۲ سے ۱۱۶ امیدوار حصہ لیتے تھے۔ پرچہ عموماً آٹھ سوالات پر مشتمل ہوتا۔ انگریزی زبان اور انگریزی تاریخ سے سوال پوچھے جاتے۔ اقبال نے لاطینی زبان سے متعلق پرچہ نہیں دیا کیوں کہ ہندوستانی طلبا کو اس امتحان دینے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ راقم کے نزدیک لاطینی زبان کے امتحان سے چھوٹ ۱۸۹۳ء میں دی گئی جب قائد اعظم محمد علی جناح (۱۸۷۶۔۱۹۴۸) نے پہلی بار بار ایٹ لا میں داخلہ لیا۔ ہندوستان کے اس سولہ سالہ نوجوان نے جس کی تعلیم صرف چھ جماعتوں تک محدود تھی، یہ درخواست دی تھی:

I. Being a National of India, I have never been taught this (Latin) Language.
II. I Know several Indian Languages which we are required to learn as our classics or second Languages.
III. Thus having spent my time in learning other languages which are required there, I have not been to learn Latin language which if I am compelled to learn will take me some years to pass my required exam.

محمد علی کو لاطینی زبان کے امتحان سے چھوٹ دے دی گئی اور آپ نے ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء کو یہ ابتدائی امتحان پاس کر لیا۔ یہ چھوٹ بعد میں ہندوستانی طلبہ کو دی جانے لگی۔ داخلہ کی شرائط میں یہ شق ہے:

In case of a student who is a native of India, that fact shall be a special circumstance sufficient to justify an examination in the Latin Language being dispensed with, upon application to the master of the bench.

ہدایات کے مطابق محمد اقبال نے داخلہ امتحان سے دو روز قبل سیکریٹری امتحانات، فریڈرک ڈیپ (Mr Frederick Dapp) کو درخواست دی تھی کہ وہ امتحان میں شرکت کر رہے ہیں۔ انھوں نے اس موقع پر ایک گنی کا داخلہ فارم خریدا۔

مڈل ٹیمپل کی لائبریری میں صبح دس سے ایک بجے تک داخلہ امتحان ہوا۔ محمد اقبال نے بڑی آسانی سے اس میں کامیابی حاصل کر لی۔ داخلہ کے وقت آپ نے تقریباً ۴۰ پونڈ فیس جمع کرائی۔ علاوہ ازیں پانچ گنی (GUINEAS) فیس بھی ادا فرمائی تا کہ وہ تمام لیکچروں، ریڈرز اور اسسٹنٹ

ریڈرز کی جماعتوں میں شرکت کر سکیں۔ یہ فیس دے کر طالب علم کو تمام امتحانوں میں شرکت کی اجازت مل جاتی تھی۔ تاہم کسی خاص موضوع پر لیکچر دینے کے لیے کسی لیکچرار کو مدعو کیا جاتا، تو طالب علم کو اس کی الگ فیس ادا کرنا پڑتی۔

داخلہ امتحان میں کامیابی کے بعد اقبال نے جب تمام واجبات ادا کر دیے تو آپ کو لنکزان میں داخلہ مل گیا۔ چوں کہ آپ ہندوستانی باشندے تھے لہٰذا ضابطے کے مطابق داخلے کی اطلاع چیف کورٹ پنجاب کو دی گئی، اس کے رجسٹرار نے IMM کے نوٹی فکیشن کو وکلا کے کامن روم میں چسپاں کر دیا۔

تعلیمی سال کو اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا۔

1- HILARY: Begins January 11, ends January 31,
Call Day: January 26
2- EASTER: Begins April 7, ends May 4
Call Day: April 22
3- TRINITY: Begins May 26, ends June 15,
Call Day: June 10.
4- MICGAELMAS: Begins November 2, ends November 25,
Call Day: November.17

یہ سال کی چار ٹرمز (Terms) کہلاتی تھیں۔ ہر ٹرم کے اختتام پر امتحان ہوتا اور چاروں کا نتیجہ اکٹھے ہی نکلتا۔ جماعت I اور II کا نتیجہ میرٹ کے لحاظ سے نکلتا، جب کہ جماعت III میں کامیاب ہونے والے طلبہ کے نتائج کا اعلان حروف تہجی کے حساب سے ہوتا۔ طالب علم کے لیے لازمی تھا کہ وہ عرصہ تین سال میں بارہ ٹرم پوری کر لے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ:

Dining in Hall in the Inn of which the student is a member six days during the term, reduced to three days in the case of students who are at the same time member of some university in the United Kingdom.

اقبال چونکہ لندن ہی میں ٹرنٹی کالج کے طالب علم تھے، اس لیے ایک ٹرم کے فی ہفتہ تین روز ہال میں کھانے میں شرکت کرنے لگے۔ جماعت میں یا لیکچروں میں حاضری نہیں لی جاتی تھی، لیکن لیکچرار صاحبان حاضری کا رجسٹر رکھتے کہ دراصل امتحان میں شرکت کے لیے مخصوص تعداد میں لیکچروں اور جماعت میں حاضری ضروری تھی۔

بار ایٹ لا کے امتحان اور نصاب کی تفصیل درج ذیل ہے:

The Examination of Call to the Bar.

42. There shall be four examinations for calls to the Bar in each year— one before each term, and in sufficient time to enable the

requisite certificates to be granted by the Council before the first day of each term.

43. No student will receive a certificate of fitness for call to the Bar unless he passes a satisfactory examination in the following subjects:

I. Roman Law.
II. Constitutional Law (English and Colonial) and Legal History.
III. Evidence, Procedure (Civil and Criminal), and Criminal Law.
IV. Such of the other heads of English Law and Equity mentioned in Rule 30 (4) as may be prescribed by the Council.

44. Students have the option of passing the examination in all or any of the subjects I., II., and III. separately from Subject IV., which is reserved for the Final Examination. A student exercising this option will be required to pass in the subject or subjects taken up separately before presenting himself for the Final Examination.

45. A student may present himself for examination in all or any of the Subjects. I., II., and III. at any time after admission. Without the special leave of the Council no student shall present himself at the Final Examination unless he has kept six terms.

46. If in the Final Examination a student takes up Subjects I., II., and III., or any of them, and fails in such subjects, or any of them, he will not be allowed any credit for answers in Subject. IV.; but though he fails in Subject IV., he may be allowed a pass in the other subjects or any of them.

47. A student who presents himself for any examination and whose papers show that he had no reasonable expectation of passing will not be admitted for examination again until the expiration of such time as the Council may direct.

48. In all examinations successful students will be classified according to merit. In each Class the names will be arranged alphabetically, except as to Class I. and Class II. in the Final Examination, in which the names will appear in order of merit.

49. The Council may, at their discretion, substitute an examination in Hindu and Mohammedan Law, or in Roman Dutch Law, for an examination in English Real and Personal Property, or one of the other subjects mentioned in Rule 30.

لنکنز ان میں طالب علم پہلے، دوسرے اور تیسرے مضامین کا الگ الگ امتحان دے سکتا تھا۔ ایک وقت میں چوتھے مضمون کا امتحان جو فائنل ہوتا، اس کے لیے ضروری تھا کہ طالب علم نے پہلے تین مضامین کے امتحانات پاس کر لیے ہوں۔

اس وقت ایلی منسٹری کلاس کو اسسٹنٹ ریڈرز پڑھاتے تھے۔ دوسری بڑی جماعتوں کو ریڈرز اور لیکچرار تعلیم دیتے۔ مخصوص موضوعات پر لیکچر دینے کے لیے باہر سے لکچرار کا اہتمام کیا جاتا۔ ان لیکچروں میں شرکت کرنے کے لیے طلبہ سے اضافی فیس لی جاتی۔

۱۹۰۵ء میں درج ذیل موضوعات پر شام کے وقت ایک لیکچر ہوا۔ اس میں اقبال بھی شریک ہوئے۔

Term: Michaelmas: "Seatraffic and the Law Relating There to ......": Lecturer: T.G Carver K.C

اقبال نے لنکنز ان میں تعلیم کے دوران کوئی اسکالرشپ حاصل نہ کیا اور نہ ہی کوئی سرٹیفکیٹ آف آنر۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسکالرشپ اور سرٹیفکیٹ آف آنر، دونوں انھی طلبہ کو ملتے تھے جن کی عمر امتحان کے پہلے روز ۲۵ برس سے کم ہو۔

۲۵ر نومبر کو کیمبرج سے اقبال نے مولوی انشاء اللہ خاں کے نام ایک خط لکھا۔ اس میں آپ نے لندن میں قدیم ایرانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے تالاب ہونے کا ذکر کیا اور نہر سویز کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا۔[۱۶]

❋......❋......❋

حواشی

۱- محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۵۰۔۱۸۴

۲- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۶۴

A۲- بشارت علی خاں فروغ، وفیات مشاہیر اردو، (حصہ اول)، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

۳- بشیر احمد ڈار، انوار اقبال، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۷

۴- اقبال اور ظفر علی خاں، ص ۲۴۰۔۲۴۱

۵- ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، تاریخ پسرور، ص ۱۸۹

۶- محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۹۶

۷- بشیر احمد ڈار، انوار اقبال، کراچی ۱۹۶۷ء، ۳۳۸۔۳۴۳

A۷- بانگ درا، ۱۹۵۷ء، ص ۸۹

8- (i) *A History of the Govt College Lahore*. P.112

(ii) محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۱۰۵

۹- محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۱۱۵۔۱۱۸۔۱۱۹۔۲۶۔۱۲۸۔۱۲۹

۱۰- پروفیسر حق نواز، سیاحت اقبال، یونی ورسل بکس لاہور۔ ۱۹۸۹ء، ص ۳۵

۱۱- ڈاکٹر سعید اختر درانی، نوادر اقبال یورپ میں، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۰۰
۱۲- ڈاکٹر سعید اختر درانی، اقبال یورپ میں۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۳۳
۱۳- ڈاکٹر سعید اختر درانی، نوادر اقبال یورپ میں، ص ۱۴۸۔۱۴۹
۱۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۷۷
۱۵- پروفیسر حق نواز، سیاحت اقبال۔ یونی ورسل بکس لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۳۵
۱۵- لنکنز ان سے متعلق معلومات درج ذیل ماخذوں سے حاصل کی گئی ہیں جو لائبریرین، لنکنز ان لائبریری لندن نے ارسال کیے:

1- An Introduction to Lincoln's Inn- Rt Honr. Sir Robert Megarary, F.B.A A Bencher of Lincoln's Inn- London, 2000.

2- A New Guide to the Bar. By LLB. Barrister at Law. London. Sweet and Maxwell Ltd, Chancery Lane, 1907.

3- Council of Legal Education, Calender 1907-8 Office of the Council: 15,old Square, Lincoln's Inn W.C.

4- The Records of the Honorable Society of Lincoln's Inn. Vol-III Admissions from ad 1894 to AD 1956. Lincoln's Inn. 1981.
(ii) The Black Book Vol V Ad 1845. Lincoln's Inn 1968.

5- The Book of Matriculation and Degrees: Catalogue of those Who have been Matriculated or Admitted to any Degree in the University of Cambridge From 1901 to 1912. Cambridge 1915.

6- Law Quarterly Review. Vol, 26 (1910).

7- The Inns of Court.

8- Qutubuddin Aziz, *Quaid -i- Azam Jinnah and the Battle of Pakistan*, Karachi.

۱۶- روح مکاتیب اقبال۔ ص ۷۷۔۷۸

۱۹۰۶ء......فارسی شاعری کی طرف میلان

لاہور کے رسالہ مخزن کے شمارہ جنوری میں اقبال کی ایک نظم ''محبت'' فروری میں ''پیام'' اور مارچ میں ''حقیقت حُسن'' شایع ہوئی۔[۱]

کیمبرج سے ۲۵/اپریل کو اقبال نے خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا:

......متھرا، ہردوار، جگن ناتھ، امرناتھ جی سب کی سیر کی۔ مبارک ہو، مگر بنارس جا کر لیلام ہو گئے۔ میرے پہلو میں ایک چھوٹا سا بُت خانہ ہے، اس پرانے مکان کی بھی سیر کی ہے، خدا کی قسم بنارس کا بازار فراموش کر جاؤ......[۲]

خواجہ صاحب کے نام اپنے ایک اور مکتوب میں الاحسان کے دو نمبر موصول ہونے کی اطلاع دی۔[۳] رسالہ زمانہ کے مدیر منشی دیا نرائن سنگھ کو کانپور خط لکھا۔ منشی صاحب نے سودیشی تحریک کے متعلق چند سوالات مرتب کیے تھے۔ یہ سوالات اپریل کے شمارے میں شایع کیے گئے۔ اقبال نے ان سوالات کے جوابات دیے جو زمانہ کے شمارہ مئی ۱۹۰۶ء میں شایع ہوئے۔[۴]

ٹرنٹی کالج سے اقبال نے فوق کو ایک خط تحریر فرماتے ہوئے لکھا کہ آتے ہوئے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اچھا ہوا کہ اب آپ کشمیری میگزین اپنی ذمے داری پر شایع کرنے لگے ہیں۔ اگر کچھ ہو گیا تو حاضر کر دوں گا۔[۵]

جولائی میں جان مارلے، وزیر ہند نے اپنی بجٹ تقریر میں اعلان کیا کہ حکومت ہندوستان میں جدید اصلاحات شروع کرنا چاہتی ہے۔ اس اعلان کے بموجب لارڈ منٹو، وائسرائے ہند نے کونسل کی توسیع کے لیے ایک کمیشن کا تقرر کیا۔ اس کمیشن کے قیام سے مسلمانوں کو احساس ہوا کہ انھیں اپنی مضبوط تنظیم تشکیل دینی ہوگی۔

نواب محسن الملک، وقار الملک اور دیگر اکابرین قوم کے مشورے سے ایک یادداشت مرتب کی گئی۔ یکم اکتوبر کو سر آغا خاں کی قیادت میں اسے ایک نمائندہ وفد نے گورنر جنرل لارڈ منٹو کی خدمت میں پیش کیا۔ اس یادداشت میں مسلمانوں کو کونسلوں میں موثر نمائندگی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

یہ جداگانہ انتخاب پر زور دے کر سرکاری ملازمتوں میں مناسب حصہ طلب کیا گیا اور میونسپل، ڈسٹرکٹ بورڈوں، لیجس لیٹو کونسلوں (مجالس قانون ساز) میں مسلمانوں کے لیے نشستوں کے تعین پر اصرار کیا گیا۔[۶]

اسی سال ماہِ دسمبر میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ڈھاکہ کے آخری اجلاس میں متفقہ طور پر آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔[۷]

لندن اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں نسوانی حسن کی چکاچوند نے اقبال کو متاثر کیا۔ فطرت کے خوبصورت مناظر سے وہ خوب متاثر ہوئے۔ اس دلکش ماحول سے متاثر ہو کر آپ نے یہ نظمیں تخلیق کیں: محبت، حقیقت حسن، حسن و عشق،...... کی گود میں بلی دیکھ کر، وصال، سلیمی، جلوہ حسن، اختر صبح، کلی، چاند تارے، انسان، فراق[۸]

سال ختم ہونے سے قبل محمد اقبال نے بار ایٹ لا کے پہلے سال یعنی پارٹ اوّل کا امتحان پاس کر لیا۔

اسی سال آپ اپنی اردو شاعری سے کچھ بے زار سے ہو گئے، لہٰذا آپ نے شاعری ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے اس کا ذکر شیخ عبدالقادر سے بھی کیا۔ انھوں نے آپ کو سمجھایا کہ یہ فیصلہ درست نہیں، کیوں کہ آپ کے کلام میں وہ تاثیر ہے جس سے وہ درماندہ مسلمان قوم کو سدھار سکتے ہیں۔ بالآخر دونوں میں یہ قرار پایا کہ پروفیسر آرنلڈ صاحب کی رائے پر فیصلہ چھوڑ دیا جائے۔ آرنلڈ صاحب سے جب اس بات کا ذکر ہوا تو انہوں نے شیخ عبدالقادر سے اتفاق کیا۔ یوں قطعی فیصلہ ہوا کہ اقبال کا شاعری چھوڑنا مناسب نہیں۔[۹]

ایک روز اقبال اپنے ایک دوست کے ہاں مدعو تھے۔ وہاں آپ سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ کیا وہ فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں؟ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ تاہم اس رات بستر پر لیٹے لیٹے اقبال فارسی میں شعر کہنے کی طبع آزمائی کرنے لگے۔ صبح اٹھتے ہی عبدالقادر سے ملنے اور انھیں رات کو کہی ہوئی فارسی غزلیں سنا دیں۔ عبدالقادر نے فارسی اشعار کی تعریف کی۔ اس طرح اقبال فارسی شاعری کی طرف بھی متوجہ ہو گئے۔[۱۰]

مخزن، شمارہ دسمبر میں آپ کی ایک غزل شایع ہوئی۔[۱۱]

❀......❀......❀

حواشی

۱- محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص۱۰۲
۲- عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، ص۷۹
۳- ایضاً، ص۷۹
۴- سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکیڈمی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص۱۲۵
۵- انوار اقبال، ص۵۲۔۵۳
۶- محمد احمد خاں، اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء۔ ص۲۷۔۲۸
۷- ایضاً، ص۲۸
۸- زندہ رود، ص۱۲۸
۹- ایضاً، ص ۱۲۷
۱۰- ایضاً، ص۱۲۷
۱۱- مفکر پاکستان، ص۱۰۲

۱۹۰۷ء......عطیہ بیگم سے ملاقات

اقبال نے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کی غرض سے فلسفہ واخلاقیات کے شعبے میں ایک تحقیقی مقالہ(DISSERTATION)غالباً ماہ فروری میں پیش کردیا۔مقالہ کا موضوع یہ تھا:

THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA.

موضوع کی وضاحت یوں کی گئی:

A CONTRIBUTION TO THE HISTORY OF MUSLIM PHILOSOPHY

خصوصی بورڈ کی ڈگری کمیٹی کا اجلاس جمعرات ۷/مارچ کو سنڈیکیٹ کی عمارات میں ہوا۔اس میں ڈاکٹر جے۔این۔کینز (J.N KEYNES) کی زیرِصدارت ان اصحاب نے شرکت فرمائی:

Prof. WARD, Prof. SORELY, Dr. McTAGGART, Mr RIVER.

پروفیسر سورلی اور مسٹر نکلسن کو اقبال کے تحقیقی مقالے کے لیے ریفری(REFEREE) مقرر کیا گیا۔ یہ طے پایا کہ اگر مسٹر نکلسن نے انکار کردیا تو پروفیسر براؤن ریفری ہوں گے۔ اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ پروفیسر سورلی سے درخواست کی جائے کہ وہ جناب نکلسن کے ساتھ اس تحقیقی مقالے کے سلسلے میں اقبال سے رابطہ قائم کریں۔اگلا اجلاس ۷ مئی کو ڈھائی بجے ہوا۔پہلے والے احباب ہی شریک اجلاس تھے۔اجلاس میں مسٹر اقبال کے مقالے سے متعلق پروفیسر سورلی اور مسٹر نکلسن کی رپورٹیں پڑھ کر سنائی گئیں۔اس بات سے سب نے کلی اتفاق کیا کہ یہ مقالہ دنیائے علم میں تازہ اضافے کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔مذکورہ اجلاس کی کارروائی پر چیئرمین نے ۳۰/اکتوبر کو دستخط کیے۔یوں ۱۳/جون کو اقبال کو بی اے کی ڈگری مل گئی۔اقبال نے مقالہ جمع کرانے کی باقاعدہ ایک مقررہ فیس جمع کرائی۔مقالے کے اوراق کا سائز "12"x8 اور ٹائپ شدہ تھا۔ٹائپ کرنے والی ایجنسی یہ تھی:

5 King's Parade Cambridge
Type Writing Bureau

اقبال کا تحریر کردہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔اس سے قبل آپ کے تحقیقی مقالے پر ۷ر مئی کو کیمبرج یونیورسٹی نے ایک ریسرچ سرٹیفکیٹ بھی دیا تھا۔

فلسفہ کی تعلیم کے سلسلے میں مس عطیہ بیگم بھی انگلستان میں مقیم تھی۔لندن میں مس بیک کے مکان پر جہاں ہندوستانی طلبہ اور ملاقاتی جمع ہوا کرتے تھے،عطیہ کی اقبال سے ملاقات ہوئی۔ چوں کہ دونوں فلسفے کے طالب علم تھے، لہٰذا تعلقات میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔فلسفیانہ موضوعات پر تبادلہ خیال کی وجہ سے دونوں کے مابین خط کتابت کا آغاز ہوگیا۔اس کے بعد اکثر مواقع پر چھٹیوں کے دن گزارنے کے لیے مقام کے تعین اور کتب کے انتخاب میں اقبال عطیہ بیگم کی مدد کے طلب گار ہوئے۔ایک بار افلاطون اور نطشے جیسے فلسفیوں کی تشریح کے سلسلے میں دونوں میں اختلاف ہوگیا۔اقبال نے وضاحت کے لیے خطوط کے ذریعے عطیہ بیگم سے مباحثہ جاری رکھا۔ساتھ ساتھ اقبال اپنا تازہ کلام بھی تنقید کے لیے ان کی خدمت میں بھیجا کرتے۔دونوں کی پہلی ملاقات یکم اپریل ۱۹۰۷ء کو مس بیک کے ہاں ہوئی۔مس بیک نے مس عطیہ فیضی کو یہ درخواست نامہ بھیجا تھا کہ وہ کیمبرج سے آنے والے ایک ذہین اور طباع طالب علم محمد اقبال سے ان کی ملاقات کرانا چاہتی ہے۔مس بیک لندن میں مقیم چند ہندوستانی طلبہ کی نگران تھی اور ان سے مادرِ مشفق کا سا برتاؤ کرتی تھی،اس لیے عطیہ دعوت رد نہ کرسکیں۔کھانے کی میز پر عطیہ کی اقبال سے گفتگو ہوئی۔اقبال کی گفتگو سے عطیہ نے اندازہ لگایا کہ وہ فارسی اور عربی کے علاوہ سنسکرت میں بھی اچھی دسترس رکھتے ہیں۔بہت حاضر جواب ہیں اور دوسرے کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے اور حاضرین پر مزاحیہ فقرے کسنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔اقبال نے عطیہ کو بتایا کہ وہ انھیں لندن اور ہندوستان میں ان کے سفر کی ڈائری کی وجہ سے ملنا چاہتے تھے،لیکن عطیہ نے یہ وجہ ماننے سے انکار کردیا۔بعد میں اقبال نے ان سے کہا ''میں آپ کو مسٹر اور مسز سید علی بلگرامی کی طرف سے یہ دعوت دینے آیا ہوں کہ آپ کیمبرج میں ان کی مہمان بنیں۔میرا مشن یہ ہے کہ میں بغیر کسی رکاوٹ کے آپ کی منظوری ان تک پہنچادوں'' اگر آپ انکار کردیں گی تو اس ناکامی کا داغ مجھ پر رہے گا، جسے میں نے آج تک قبول نہیں کیا۔عطیہ نے دعوت قبول کرلی۔

اس کے چند روز بعد اقبال نے عطیہ بیگم کو لندن کے ایک مشہور فیشن ایبل ہوٹل فراسکے ٹس میں ڈنر کے موقع پر چند جرمن فضلا سے ملوایا جن کے ساتھ مل کر وہ کام کر رہے تھے۔اس موقع پر عطیہ کو اقبال اور جرمن فلسفیوں سے گہرے فلسفیانہ مسائل پر گفتگو اور بحث کرنے کا موقع مل گیا۔ اقبال کی دعوت کے جواب میں عطیہ نے ۱۵ر اپریل کو ان کے اعزاز میں چھوٹی سی تقریب کا انتظام

کیا جس میں انہوں نے چند فاضل دوست مدعو کیے، پارٹی میں اقبال نے بہت زندہ دلی کا اظہار کیا۔ اور فی البدیہ چند شعر موزوں کر کے سنائے۔ ۲۲/اپریل کو عطیہ، اقبال اور شیخ عبدالقادر کے ہمراہ کیمبرج گئیں اور سید علی بلگرامی کے دولت کدہ پر دوپہر کو بارہ بجے وارد ہوئیں۔ ۲۴/اپریل کو اقبال نے عطیہ کو ایک خط لکھا اور ایک نظم تبصرہ کے لیے ارسال فرمائی۔

یکم جون کو پروفیسر آرنلڈ کی دعوت پر پکنک منائی گئی۔ اس میں اقبال اور عطیہ بھی موجود تھے۔ اس موقع پر بہت سے نامی فضلا بھی جمع ہوئے۔ موت و حیات کے مسئلے پر بحث ہوئی۔ پروفیسر آرنلڈ کے پوچھنے پر اقبال نے طنزیہ ہنسی میں رائے دی: ''زندگی موت کی شروعات ہے اور موت زندگی کی۔''

۹/جون کو پروفیسر آرنلڈ نے عطیہ اور اقبال کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے دوران آرنلڈ نے جرمنی میں ایک نایاب عربی مخطوطے کا ذکر کیا اور کہا کہ اقبال ہی اس پر کام کرنے کے لیے موزوں ترین شخص ہیں۔ اگلے روز اقبال عطیہ بیگم کے ہاں گئے اور فلسفے کی چند جرمن و عربی کتب برائے مطالعہ لیں۔

اقبال کے ساتھ ایک جرمن پروفیسر بھی تھے۔ علمی بحث میں سب نے حصہ لیا۔ دوران بحث اقبال تقابل کی غرض سے حافظ کی طرف اشارہ کرتے رہے۔ پورے تین گھنٹے تک متفرق کتب پڑھی گئیں اور ان پر بحث ہوتی رہی۔ اس موقع پر اقبال نے کہا ''اس طریقہ سے پڑھنے اور بحث و مباحثہ کرنے سے میرے خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور میرے مقتدر شعبے پختہ ہو جاتے ہیں۔''

۲۲/جون کو عطیہ کے ہاں ایک تقریب کا اہتمام ہوا۔ اس میں ممتاز ہندوستانی اور انگریز شریک تھے۔ ڈاکٹر انصاری نے چند گانے سنائے۔ لارڈ سنہا کی صاحبزادیوں کمولا اور رمولا نے موسیقی سے مسرور کیا۔ اقبال نے تقریب میں شریک احباب کو فی البدیہ مزاحیہ اشعار سنائے۔

۲۷/جون کو جرمن خاتون مس شولی نے ہندوستانی وضع کے ڈنر پر عطیہ کو مدعو کیا۔ اقبال مس شولی کے ہاں ہی رہتے تھے۔ اقبال نے اس موقع پر عطیہ کو اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا جسے انھوں نے بی اے کی ڈگری کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ بعد میں چند احباب آ گئے۔ اقبال ان کی معیت میں امپیریل انسٹی ٹیوٹ کے سالانہ جلسے میں شرکت کرنے تشریف لے گئے۔

۲۹/جون کو لیڈی ایلڈس کے ہاں فیشن ایبل لوگوں کی ایک پارٹی ہوئی۔ عطیہ کے علاوہ اقبال نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔ مس سروجنی داس نہایت قیمتی لباس میں ملبوس اور ہیرے

جواہرات میں لدی آئی اور سیدھی اقبال کے پاس پہنچی اوران کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کہا: ''میں صرف آپ سے ملنے آئی ہوں۔'' اقبال نے جواب میں کہا ''یہ صدمہ اس قدر فوری اوراچانک ہے کہ مجھے تعجب ہوگا، اگر میں اس کمرے سے زندہ باہر نکل سکوں۔''

۴ار جولائی تک اقبال نے 'تاریخ دنیا' کا کام مکمل کرلیا، جوآپ نے اپنے جرمن امتحان کے لیے لکھی تھی۔ اقبال نے سارا مسودہ عطیہ کو پڑھ کرسنایا۔۱۳، ۱۴، ۱۵ار جولائی کوروزانہ دو گھنٹے اقبال، عطیہ اور پروفیسر ہیر شسک سینٹ شاعری اور فلسفے پر نہایت گہری دلچسپی کے ساتھ بحث میں مشغول رہے۔ اقبال تمام تر جرمن علوم وفنون کی تائید میں تھے۔ ۱۶ار جولائی کو اقبال نے عطیہ کو پولیٹکل اکانومی کا اصل مسودہ بطور تحفہ دیا اور ساتھ ہی وہ مقالہ بھی جس پر انھیں ڈگری ملی تھی۔

اقبال نے اپنے مشفق استاد اور دوسرے پروفیسر صاحبان کے مشورے اور ہدایت کی روشنی میں اپنے بی اے کے تحقیقی مقالہ پر نظر ثانی فرمائی، اس میں ترمیم واضافہ کیا اور فلسفے میں ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کی غرض سے جرمنی کی مشہور یونی ورسٹی میونخ سے رابطہ کیا۔ میونخ روانہ ہونے سے قبل اساتذہ اور خود اقبال یونی ورسٹی کے ارباب بست وکشاد سے خط کتابت کرتے رہے۔ داخلے کے سلسلے میں آپ نے جرمن زبان بھی سیکھی۔

اقبال ۱۶ار جولائی یا ۱۷ار جولائی کو لندن سے میونخ روانہ ہوئے۔ اگلے روز وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ۱۹ یا ۲۰ار اپریل کو انھوں نے مطبوعہ کاپیاں بھی جمع کرادیں۔ میونخ یونی ورسٹی ۱۴۷۲ء ابتدا میں جرمنی کی اسٹیٹ Bavaria کے شہر INGOLSTADT میں قائم ہوئی تھی۔ ۱۸۰۰ء میں یہ LANDSHUT منتقل ہوگئی۔ ۱۸۲۶ء میں یہ میونخ شہر میں منتقل ہوئی۔

اقبال کی درخواست پر شعبہ فلسفہ نے ۲۱ر جولائی کو کارروائی کا آغاز کیا۔ ان کی درخواست درج ذیل پروفیسروں کو رائے دینے کے لیے بھیجی گئی:

HOMMEL, V.HERTLING, LIPPS AND ALL PROFESSORS IN

GIVE THEIR شعبہ کے H.PAUL نے ہومل، ہرٹلنگ اور لپس کو تحقیقی مقالہ پر ORDINARY.

VOTE اور عمومی پروفیسر صاحبان کو POSSIBLE OPINION دینے کے لیے کہا۔

اقبال نے ۲۲ر جولائی کو ۲۵۰ مارک کی گریجویشن فیس ادا کردی۔ اقبال نے اپنے مقالے کے ساتھ انگریزی میں ایک سرٹیفکیٹ اور ہندوستان، کیمبرج اور لندن سے تعارفی خطوط بھی پیش کیے۔ مقالے کا بغور مطالعہ کرکے پروفیسر صاحبان نے درج ذیل آرا دیں:

ا۔ پروفیسر ڈاکٹر فرٹز ہومل (پ ۳۱؍جولائی ۱۸۵۴ء) نے ۱۴؍اکتوبر کو یہ رائے دی کہ میں اس مقالے کے بالاستیعاب مطالعے اور پروفیسر اقبال کے ساتھ ذاتی گفت وشنید کے بعد پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ صاحب موصوف عربی اور فارسی زبانوں کے نہایت عمدہ دانشور ہیں۔ مزید برآں میرے اس فیصلے کی تائید ایسے شخص کی تحریر سے بھی ہوتی ہے جو اقبال کے استاد رہ چکے ہیں...... یعنی لندن یونی ورسٹی کے موجودہ اور ایک ہندوستانی یونی ورسٹی کے سابقہ استاد جناب پروفیسر آرنلڈ صاحب۔

پروفیسر ہومل صاحب نے پروفیسر آرنلڈ کا خط مجریہ ۲؍اکتوبر ۱۹۰۷ء لفظ بلفظ نقل کر دیا۔ آرنلڈ صاحب نے خط میں اس بات کی تصدیق کی تھی کہ جہاں تک انھیں علم ہے، یہ وہ پہلا مقالہ ہے جس میں قدیم ایران کے فلسفیانہ خیالات کے مسلسل ارتقا کا ان اسلامی مآخذ کی مدد سے تجزیہ کیا گیا ہے جو اب تک موجود ہیں...... چنانچہ میری رائے میں یہ مقالہ تاریخ فکر اسلامی میں بیش بہا اضافے کے مترادف ہے۔"

یہ خط نقل کرنے کے بعد پروفیسر ہومل نے لکھا:

.....Recommend in good Conscience Professor Ikbal's Thesis to the Faculty for Acceptance.

آخر میں آپ نے اپنے رفیق کار، کوہن (KUHN) کی اس رائے سے اتفاق کیا کہ:

(i) امیدوار کا اس کے بنیادی یا اصل (Principal) مضمون یعنی، تاریخ فلسفہ میں آدھے گھنٹے کا زبانی امتحان لیا جائے اور

(ii) مزید نصف گھنٹے کے لیے نفسیات کے بجائے Oriental History of Religion کا امتحان لیا جائے۔ اس مضمون کے ممتحن میری نسبت کوہن صاحب زیادہ موزوں رہیں گے۔

(۲) پروفیسر ہرٹ لنگ (GEORGE VON HERTLING) (پ ۳۱؍اگست ۱۸۴۳ء) نے تحریر فرمایا...... یہ مقالہ ایک ایسے شخص کی تصنیف نظر آتا ہے جو بڑی وسیع تعلیم کا مالک ہے...... اس مقالے کے مصنف کی پیش کش جو زیادہ تر (مغرب میں) غیر مطبوعہ اصلی مآخذ پر منحصر ہے، میرے سرمایہ علم سے کہیں بیش تر ہے...... چوں کہ ہمارے سامنے ایک ماہر خصوصی کی رپورٹ موجود ہے، جو امیدوار کے حق میں ہے، لہٰذا میں اپنے رفیق تدریس ہومل کی اس تجویز کی تائید کرتا ہوں کہ مصنف مقالہ کو پی ایچ ڈی کے زبانی امتحان کے لیے پیش ہونے کی اجازت دی جائے......"

۳۔ پروفیسر لپس (TH. LIPPS): "میں اس مقالے کے بارے میں اپنا کوئی ذاتی فیصلہ

صادر کرنے کے قابل نہیں۔ اپنے رفیق کار پروفیسر وان ہرٹلنگ کی موافقت میں، میں بھی اپنے ساتھی ہومل کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں کہ امیدوار کو داخلے کی اجازت دی جائے......''
(۲۶/اکتوبر)

۴۔ پروفیسر کوہن (E.KUHN) استاد تاریخ مذاہب شرقی ۲۷/اکتوبر کو رقم طراز ہیں:

میں اپنے رفیق تدریس، پروفیسر ہومل کی اس تجویز سے بلا پس و پیش اتفاق کرتا ہوں کہ جناب اقبال کو اپنے مقالے کی بنیاد پر زبانی امتحان دینے کی اجازت دی جائے۔ یہ مقالہ یقیناً بڑی احتیاط کے ساتھ اور عالمانہ طور پر مرتب کیا گیا ہے اور مذہبی طور پر معیاری توجہ کا مستحق ہے......

Vollmer کی ہدایت کی روشنی میں ۲۸/اکتوبر کو شعبہ کے بارہ پروفیسر صاحبان نے اس بات سے اتفاق کیا کہ امیدوار شیخ محمد اقبال کو زبانی امتحان دینے کی اجازت دی جائے اور یہ کہ فیکلٹی کے اجلاس میں اصل اور فروعی مضامین کا فیصلہ کیا جائے۔ ان ۱۲ پروفیسروں میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

Riezler, Schiek, Mucker, Paul. Wegman, Grauert. Krumbacher V.Brising.

فیکلٹی نے اجلاس میں فیصلہ کیا کہ:

Mr. Iqbal Shall be Examined in oriental (Arabic) Philology as the Principal Subject, in Philosophy and English Philology as Subsidiary Subjects.

۴/نومبر ۱۹۰۷ء کو سہ پہر پانچ بجے سینٹ کے میٹنگ روم میں اقبال کا زبانی امتحان ہوا۔ شعبے کے ڈین، پروفیسر ڈاکٹر ایچ بری مین (Breymann) کی موجودگی میں پروفیسر صاحبان نے اس طرح امتحان لیا:

بنیادی مضمون (Principal Subject) اور مشرقی (بالخصوص عربی) زبان و ادب (Philology)۔ پروفیسر ہومل (Hommel)

فروعی یا اضافی مضمون (Subsidiary Subject) اور انگریزی زبان و ادب (Philology)۔ پروفیسر شیک (Schick)۔

فروعی یا اضافی مضمون۔ فلسفہ۔ پروفیسر لپس (Lipps)

اس موقع پر پروفیسر کوہن بھی موجود تھے۔ اس امتحان کا نتیجہ یہ رہا:

بنیادی مضمون میں: درجہ اوّل

اضافی مضمون اول میں: درجہ دوم

اضافی مضمون دوم میں: درجہ سوم

ان سب کا مشترکہ نتیجہ: درجہ دوم

۴ر نومبر ہی کو شعبے نے آفس آف دی چانسلر آف دی رائل یونی ورسٹی کو ڈاکٹریٹ عطا کرنے کے سلسلے میں خط لکھ دیا۔ چانسلر نے شعبے کی سفارش منظور کرتے ہوئے اسی روز سند فضیلت عطا کر دی۔ سند میں Magna Cum Laude یعنی With Great Praise درج ہے۔

ڈاکٹریٹ کے مقالے کے اصل متن سے پہلے اقبال نے اپنے مختصر حالات زندگی Lebenslauf کے تحت اپنے دستخط کے ساتھ درج کیے۔ ان کوائف میں آپ نے اپنی تاریخ ولادت ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ ہجری درج فرمائی۔

میونخ سے اقبال نے آرنلڈ کو لندن خط لکھا اور انھیں خبر دی کہ مقالہ منظور ہو چکا ہے، زبانی امتحان عنقریب ہی ہوگا۔

۳ر نومبر کو تحریر کیا کہ وہ ۷ نومبر کی صبح لندن پہنچ رہے ہیں۔

میونخ میں آپ نے چند روز 41- Schelling Strsse میں قیام فرمایا۔ بعد میں آپ ہائیڈل برگ منتقل ہو گئے اور 58 Neuen Jeimer Landstrasse میں Pension Scherrer میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ بڑی خوب صورت اور مسحور کن جگہ ہے۔ اقبال رات کے وقت وہاں تنہا گھوما کرتے، فطرت کے حسین مناظر سے متاثر ہو کر ہی آپ نے دو نظمیں ''دریائے نیکر کے کنارے'' اور ''ایک شام دریائے نیکر کے کنارے'' تخلیق کیں۔

جرمنی پہنچ کر اقبال نے جرمن زبان میں عبور حاصل کرنے کے لیے نجی طور پر جرمن اساتذہ کا اہتمام کیا۔ اسی دوران مس ایما ویگے ناست (Miss Emma Wegenast) سے اقبال پروفیسر شیرر (Scherrer) کے گھر متعارف ہوئے۔ یہ جرمن کنواری لڑکی عمر میں اقبال سے تقریباً تین برس بڑی اور اچھی شکل وصورت کی مالک تھی۔ دریائے نیکر (Neckar) کے کنارے آباد شہر، ہائیل برن (Heil Bronn) کی رہنے والی تھی۔ ہائیڈل برگ میں مقیم غیر ملکی طلبہ کو جرمن زبان وادب کی تعلیم دیتی تھی۔ اقبال نے ان سے جرمن زبان کے کلاسیکل شاعر، گوئٹے کا فاؤسٹ (Goethe Johann Wulfgang Von 1749-183-Faust) پڑھا۔ تعلیم کے علاوہ دوسرے امور میں بھی وہ اقبال کی مدد کرتی رہیں۔ مس ایما ویگے ناست کی دوستی سے اقبال کو بڑا ذہنی سکون

میسر ہوا۔ جرمن زبان و ادب میں مہارت حاصل کرنا ڈاکٹریٹ کے زبانی امتحان کے لیے اشد ضرورت تھی۔ ایک دوسری نوعمر جرمن لڑکی، سنے شل سے بھی اقبال جرمن زبان کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ جب ایما ویگے ناست اقبال کو الوداع کہہ کر دوسرے مقام چلی گئیں تو انھوں نے خطوط کے ذریعے شاعرِ مشرق سے تعلقات قائم رکھے۔ اقبال ۱۶ر نومبر کو اپنے خط میں ان کے خطوط ملنے کی اطلاع دیتے ہیں۔

جرمنی پہنچتے ہی سب سے پہلے آپ نے مس عطیہ بیگم کو لندن خط تحریر کیا، عطیہ بیگم نے ۲۳ر جولائی کو ایک علمی مذاکرے میں سب کے سامنے وہ خط پڑھا۔ یہ خط اقبال نے جرمن زبان میں تحریر فرمایا تھا اور سب نے اسے روانی اور ادب کا بہترین نمونہ قرار دیا۔ اقبال نے عطیہ کو تین ہفتے کے لیے جرمنی آنے کی دعوت دی جو عطیہ کو بہ تاریخ ۶ر اگست بذریعہ خط موصول ہوئی۔ اقبال اپنی اس دیرینہ دوست کو برلن، ہائیڈل برگ، میونخ اور لیپزگ (Leipzig) کے کتب خانے اور عجائب گھر دکھانا چاہتے ہیں۔ عطیہ نے اقبال کے خط کا مثبت جواب دیا اور ۱۹ر اگست کو روانہ ہونے کی اطلاع دے دی۔ عطیہ چار پانچ احباب کے ہمراہ ۲۰ر اگست کو پانچ بجے ہائیڈل برگ پہنچ گئیں۔ ان کے استقبال کے لیے اقبال اور یونی ورسٹی کے دیگر لوگ موجود تھے۔ ان کی آمد پر اقبال نے بے حد ممنونیت اور خوشی کا اظہار کیا اور اپنے ساتھیوں سے عطیہ کا تعارف کرایا۔ وہاں ویگے ناست، سنے شل اور فراؤلین موجود تھیں۔ عطیہ کے ساتھ ان کے بھائی ڈاکٹر فیض بھی آئے تھے۔

۲۱ر اگست کے دن اقبال ویگے ناست اور سنے شل کو ندی کے کنارے قہوہ خانے لے گئے اور فرانسیسی، یونانی اور جرمن فلسفہ پر بحث فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد سب آ کر شریک ہو گئے۔ بعد ازاں وہ ندی کے پار ایک اونچی چڑھائی پر چڑھے جس کی کوئی ایک ہزار کے قریب سیڑھیاں تھیں۔ سنے شل نے آپیرا موسیقی سے احباب کو لطف اندوز کیا۔

۲۲ر اگست کو عطیہ بیگم اور ان کے احباب جب باہر سیر و تفریح کرنے جانے لگے تو انھوں نے اقبال کو حالتِ استغراق میں پایا۔ عطیہ نے اقبال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جھنجوڑا اور اقبال کو اقبال کہہ کر پکارا تو تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آئے اور کہنے لگے ”میں فلاں فلاں کتابیں رات کو پڑھ رہا تھا، اتنے میں خیال میرے جسم سے الگ ہو گیا اور میں عالمِ بالا میں چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر میری حالت پریشان کن تھی“۔ بعد کو ریل کے ذریعے سب لوگ ڈیڑھ گھنٹے بعد نائن ہَم پہنچے۔ وہاں سے تین چار میل کی چڑھائی چڑھ کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے جہاں ایک ہوٹل موجود تھا۔ کھانے

کے بعد وِیگے ناست نے اردو میں ایک گانا ''گجرا بیچن والی نادان، یہ تیر انخرا'' سنانا شروع کیا جس میں سب نے ان کا ساتھ دیا۔

۲۳راگست کو تین بجے روانہ ہوئے اور سیر وتفریح کے بعد سات بجے گھر واپس آئے۔سبھی لوگ بجلی کی گاڑی میں بیٹھ کر ایک پہاڑی چوٹی، کونگ اسٹال (بادشاہ کا قدمچہ) دیکھنے گئے۔اقبال نے کچھ اشعار ہر ایک کی شان میں کہے۔اس کے بعد کوہ لوف گئے جو تین میل دُور تھا۔

۲۵راگست کو میزبان و مہمان شمال کی سمت بذریعہ ریل ایک گھنٹے بعد اس جگہ پہنچے جہاں کسی بادشاہ نے اپنے ''باغ فردوس'' میں ہر ملک کے لیے عبادت گاہیں تعمیر کی تھیں اور ایک مسجد بھی بنائی تھی۔مسجد کے اندر عربی میں اللہ کے نام لکھے ہوئے تھے اور کچھ سورتیں بھی کندہ تھیں جنھیں اقبال نے ترجمہ کر کے سنایا۔۲۶راگست کو ستّر سالہ جرمن خاتون، فراڈلین کے کہنے پر بذریعہ ریل پہاڑ کی چوٹی پر ایک گاؤں سب لوگوں کا مسکن بنا۔وہاں باغ میں انگور، بیر، ناشپاتی اور امرود کھائے گئے۔اطراف کے کسان رنگ برنگ اور خوب صورت لباس پہنے آپہنچے اور مہمانوں کے سامنے دیہی ناچ پیش کر کے داد سمیٹی۔

۲۷راگست کو صبح آٹھ بجے کی ریل سے چھ گھنٹے میں سب لوگ میونخ پہنچے۔اس سفر کا انتظام اقبال نے کیا تھا۔اقبال نے مہمانوں کو بتایا کہ میونخ موسیقی اور شاعری کا مجسم تخیل ہے۔انھوں نے ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور پھر سیر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔اقبال نے قدم قدم پر دلچسپ واقعات اور مشاہیر کے کارنامے بیان کیے۔آخر میں محل اور انگریزی باغات دیکھے گئے۔اقبال کے پاس کتب تھیں جن پر گفتگو ہوتی رہی۔رات میونخ ہی میں بسر کی گئی۔

۲۸راگست کو وہ بہت سویرے نکلے۔قدیم وجدید عجائب گھر، محلات، باغات، پکچر گیلریاں، گیلری اسکول، شہنشاہ لڈوگ ثانی کی ''گیلری آف بیوٹیز'' کو دیکھا گیا۔شام کو ہیمر پروفیسر (اقبال کو اس نام سے پکارتے تھے) رین کے مکان پر گئے۔ان کی بیٹی، زیادہ حسین اقبال کی پروفیسر رہ چکی تھی۔اس نے اقبال کو جرمن زبان اور دقیق کتب پڑھائی تھیں۔فرالاین اقبال کا امتحان لینے لگی۔پھر اس نے پیانو بجایا۔فرالاین نے بتایا کہ اقبال نے تین مہینے میں جتنی جلد جرمن زبان سیکھی ہے، اتنی جلد کوئی عام فرد نہیں سیکھ سکتا۔اقبال نے جواب دیا کہ اگر یہ تیز اور میٹھی چھری میری استاد نہ ہوتی، تو ناممکن تھا کہ میں کچھ سیکھ لیتا۔

۲۹راگست: آج بہت سویرے اقبال کی رہنمائی میں مہمانوں نے لمبی ڈرائیو کی۔شہر کا گردو

پیش دیکھا گیا۔ اقبال نے ایک لائبریری میں قدیم عربی مخطوطات دکھائے اور بتایا کہ انھیں یہیں سے عربی کا علم حاصل ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ اسٹیشن پر گئے اور ریل سے ہائیڈل برگ پہنچے۔ استقبال کرنے والوں میں سنے شل بھی شامل تھی۔ وہ عطیہ کے لیے گلاب کے پھول لائی تھی۔ اقبال نے اس موقع پر کہا: ''گلاب کا پھول گلاب ہی دے سکتا ہے۔''

۳۰ راگست: ہائیڈل برگ میں ''بوٹ ریس'' ہوئی۔ اقبال کی کشتی سب سے آخر میں آئی کیوں کہ وہ کتاب پڑھنے میں مشغول ہوگئے تھے۔ شام کو باغ میں سوال و جواب ہوئے۔

۳۱ راگست: صبح آٹھ بجے ۸۰ کے قریب پروفیسر صاحبان اور طلباء بذریعہ ریل دریائے نیکر کے کنارے واقع وادی نیکر کے خوب صورت منظر دیکھتے ہوئے بلندی پر واقع شلوس نیکر بائن شٹاین گئے۔ اسے کسی بادشاہ نے بنایا تھا۔ پھلوں اور درختوں کی تصویریں بنائی گئیں۔ واپسی پر پہاڑی کے دامن میں واقع مشہور اوپن ایئر ہوٹل میں لذیذ کھانا کھایا گیا۔ اس کے بعد فلاور اینڈ فروٹ ڈانس ہوا۔ ویگے ناست نے اقبال کے ساتھ کچھ تصویریں کھنچوائیں۔ اگلے دو روز میڈم شیرر (Scherrer) کی رہنمائی میں سیر سپاٹے میں گزرے۔ ایئر باغ میں نیچرل ہسٹری میوزیم اور اسلحہ کا عجائب گھر دیکھا۔ ۴ ر ستمبر کو چھ گھنٹے پھلوں کے مشہور و معروف باغ میں گزارے گئے۔ اس دن ہر ایک نے کھانا الگ الگ تیار کیا تھا۔ اقبال کا تیار کردہ کھانا بھی موجود تھا جو ہندوستانی طرز کا تھا۔ اس کے بعد سب نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ دیا۔

مس عطیہ فیضی جب اپنے بھائی ڈاکٹر فیض اور دوسرے احباب کے ساتھ واپس لندن چلی گئیں تو اقبال میونخ پہنچ گئے اور .Pension Thuner, Schelling Stresse 41 کے مقام پر رہائش رکھی۔ ویگے ناست کا کارڈ ملنے پر آپ نے ۱۶ راکتوبر کو پہلی بار جرمن زبان میں ویگے ناست کو جواب دیا اور لکھا کہ یہ اس زبان میں ان کی پہلی تحریر ہے۔ اس خط کا جواب ویگے ناست نے دیا تو آپ نے ۲۳ راکتوبر کو پھر انھیں جواب دیا۔ ویگے ناست نے فوراً اس مکتوب کا جواب دیا۔ اقبال نے ۲۷ راکتوبر کو انھیں جواب میں تحریر فرمایا کہ مجھے میونخ بڑا پسند آیا ہے۔ جناب Herr Reiner نے یہاں اپنی ایک واقف کار کو میرے متعلق لکھا تھا اور انہوں نے میرے لیے ایک استانی ڈھونڈ لی ہے...... میں اپنی دونوں استانیوں کے ساتھ اچھی خاصی گفتگو کر لیتا ہوں۔ کل ہم ایک نمائش دیکھنے گئے تھے......''

ڈاکٹریٹ میں کامیابی کی خوش خبری پا کر ۴ رنومبر کو اقبال لندن روانہ ہو گئے۔ لندن ہی سے

آپ نے ویگنے ناست کو بہ تاریخ ۱۶؍نومبر ایک خط اس پتے پر تحریر کیا:

16 Louisa Stra, Heilbronn (Germani)

اقبال لندن میں ۵؍نومبر کو پہنچ گئے۔ دراصل پروفیسر آرنلڈ چھ ماہ کی رخصت پر مصر چلے گئے تھے اور ان کی جگہ لندن اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز میں عربی کی تدریس کے لیے اقبال کا ہی تقرر ہوا تھا۔ راقم کے خیال میں یہ تقرر پروفیسر آرنلڈ کے ایما پر ہوا تھا۔ ہفتے میں دو لیکچر دینے ہوتے تھے۔

ویگنے ناست کا خط موصول ہونے پر آپ نے ۲؍دسمبر کو انھیں جواب میں تحریر کیا کہ میں بہت مصروف ہوں...... آپ انگریزی کیوں نہیں سیکھ لیتیں؟ یوں میرے لیے آپ کو لکھنا اور اپنے دل کی بات کہنا آسان ہو جائے گا...... آپ تصور کر سکتی ہیں کہ میری روح میں کیا ہے۔ میری بہت بڑی خواہش یہ ہے کہ میں دوبارہ آپ سے بات کروں اور آپ کو دیکھ سکوں...... لیکن میں نہیں جانتا کہ میں کیا کروں، جو شخص آپ سے دوستی کر چکا ہو، اس کے لیے ممکن نہیں کہ آپ کے بغیر وہ جی سکے۔''

اقبال کے گھریلو ملازم، علی بخش نے ایک خط میں انھیں بتایا کہ گھر سے سامان چوری ہو گیا ہے۔ اقبال نے ۱۱؍دسمبر کو علی بخش کے خط کا جواب دیا۔ اس سال آپ نے یہ نظمیں تخلیق کیں:

شبنم اور ستارے۔ ہائیڈل برگ میں

سلیمیٰ۔ ہائیڈل برگ، ماہ ستمبر میں

وصال۔ میونخ، ماہ اگست میں

سوامی تیرتھ رام ایک ہندو تھے۔ وہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں مرالی والہ میں ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے ریاضی کیا۔ مشن کالج لاہور میں ریاضی اور سکاچ مشن کالج سیال کوٹ میں چند سال سنسکرت کی تعلیم دی۔ ۱۹۰۶ء میں دیوالی کے روز غسل کرنے آپ کشا گھاٹ سے دریا گنگا میں داخل ہوئے۔ دریا طغیانی پر تھا۔ بپھری موجوں نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تین روز تک ان کی لاش ڈھونڈی گئی لیکن مل نہ سکی۔ اقبال ان دنوں انگلستان میں تھے۔ تیرتھ رام کی موت نے انھیں متاثر کیا۔ آپ نے چھ اشعار پر مشتمل ایک نظم ''سوامی رام تیرتھ'' لکھی جو مخزن لاہور کے شمارہ جنوری ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ رسالے میں یہ نظمیں شائع ہوئیں:

پرندے کی فریاد۔ فروری

پیامِ عشق۔ مارچ

طلبۂ علی گڑھ کے نام۔ جون

نواب محسن الملک، مولوی مہدی علی خان بہادر شملہ میں ۷۰ برس کی عمر میں ۱۶ اکتوبر کو چل بسے۔

ٹرنٹی کالج کیمبرج یونی ورسٹی میں اقبال کے اساتذہ

ٹرنٹی کالج کیمبرج یونی ورسٹی میں بی اے کی ڈگری کے لیے اقبال نے تحقیق کے میدان کا انتخاب کیا تھا۔ اقبال کے پیش کردہ موضوع پر یونی ورسٹی نے تحقیق کرنے کی اجازت دے دی۔ یوں تو تحقیقی کام کے نگران مشہور فلسفی، پروفیسر میک ٹیگرٹ تھے، لیکن اقبال فلسفے کے دوسرے پروفیسروں کے لیکچروں سے بھی مستفید ہوئے۔ مقالۂ اقبال کی منظوری کے سلسلے میں جو اجلاس ہوئے ان میں درج ذیل پروفیسر صاحبان نے شرکت فرمائی:

پروفیسر سورلی، پروفیسر وارڈ، ڈاکٹر کینیز، ڈاکٹر میک ٹیگرٹ اور مسٹر پورن

لیکچروں میں شرکت کے علاوہ اقبال ان سے مشورے بھی کرتے تھے۔ اس سلسلے میں پروفیسر آرنلڈ کی رہنمائی تو تمام عرصہ ساتھ رہی۔ پروفیسر نکلسن نے صرف ایک ریفری کے فرائض انجام دیے۔ ان فلسفی پروفیسر صاحبان کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں:

۱۔ میک ٹیگرٹ (McTaggart, John Mc Taggrat Ellis)

فلسفہ ہیگل کے نامور اور مستند عالم۔ ۳ ستمبر ۱۸۶۶ء کو لندن میں پیدا ہوئے۔ کلفٹن کالج اور ٹرنٹی کالج کیمبرج میں تعلیم پائی۔ ۱۸۸۸ء میں فرسٹ کلاس میں ٹرائی پوس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۷ء میں ٹرنٹی کالج میں لبرل سائنس کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ ہیگل کے فلسفہ پر آپ نے چار قابل قدر کتب تحریر فرمائیں۔ ۱۸ جنوری ۱۹۲۵ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ (Who's Who-1867 P-1925) (نوادر اقبال یورپ میں، ۱۴۹)

۲۔ سورلی ولیم رچی (Sorely William Ritche)

۴ نومبر ۱۸۵۵ء کو Selkirk میں پورنڈ ولیم سورلی کے گھر پیدا ہوئے۔ ایڈنبرگ اور ٹرنٹی کالج کیمبرج میں تعلیم پائی کیمبرج کے لوکل لیکچرز سنڈیکیٹ اور مارل سائنسز بورڈ میں ۱۸۸۲ سے ۱۸۸۶ء تک، یونی ورسٹی کالج کارڈف میں پروفیسر آف لاجک اینڈ فلاسفی ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۴ء تک، سات برس تک ایروین میں پروفیسر آف مارل فلاسفی، یونی ورسٹی آف کیمبرج میں ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۳ء تک بحیثیت نائٹ برج پروفیسر آف فلاسفی پڑھائی۔ ۱۹۳۳ء میں آپ ریٹائر ہو گئے۔ ایڈنبرگ یونی ورسٹی سے آپ نے اعزاز کے ساتھ ڈی لٹ، آنرز اور ایل ایل کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۰۱ء سے برٹش اکیڈمی اور کنگز کالج کیمبرج کے فیلو رہے۔ متعدد کتابوں کے

مصنف ہیں۔ ۲۸؍ جولائی ۱۹۳۵ء کو کیمبرج میں چل بسے۔

(Who's Who- 1929 P- 1267)

۳۔ وارڈ جیمز (James Ward)

۲۷؍ جنوری ۱۸۴۳ء کو انگلستان میں ہل (Hull) کے مقام پر جیمز وارڈ کے گھر پیدا ہوئے۔ لندن سے ایم اے کیا اور طلائی تمغہ حاصل کیا۔ ۱۸۸۱ء میں کیمبرج یونی ورسٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں پروفیسر کے عہدے پر ترقی پائی۔ ایڈن برگ یونی ورسٹی نے ۱۸۹۱ء میں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری دی۔ آکسفورڈ یونی ورسٹی نے ۱۹۰۶ء میں D.S.C کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔ ۱۹۰۲ء میں برٹش اکیڈمی کے فیلو منتخب ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وارڈ نے کیمبرج میں رہائش اختیار کر لی۔ ۱۹۲۵ء میں آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۴۔ کینیز جون نیویلی (Keynes John Neville)

۳۱؍ اگست ۱۸۵۲ء کو سالسبری میں جون کینز کے گھر پیدا ہوئے۔ مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل پائی۔ ایم اے کرنے کے بعد کیمبرج یونی ورسٹی میں ۱۸۸۴ء میں لیکچرار ان مورل سائنسز مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۱ء تک کیمبرج میں خدمات انجام دیں۔ ۱۸۹۲ء سے ۱۹۱۶ء تک ممبر آف کونسل سینٹ آف کیمبرج یونی ورسٹی رہے۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک چیئر مین آف اسپیشل بورڈ فار مورل سائنسز رہے۔ کئی کتب کے مصنف ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں چل بسے۔ (Who's Who, 1917 P-1295)

۵۔ مسٹر ریورز (Rivers)

ان کے حالات زندگی دستیاب نہ ہو سکے۔

درج بالا اساتذہ کے علاوہ کیمبرج میں فلسفے کے دوسرے پروفیسر صاحبان الیگزنڈر، ڈکنسن اور وائٹ ہیڈ سے بھی اقبال نے اکتساب کیا۔ *Moral Order and Progress* پروفیسر الیگزینڈر کی مشہور تصنیف ہے۔ اقبال انگریزوں کو الیگزنڈر کے *Giffor Lectures* پڑھنے کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔ اقبال پروفیسر ڈکنسن سے فلسفے کے موضوع پر بحث کیا کرتے تھے۔ ان دونوں کے مفصل حالات نہیں مل سکے۔

۶۔ وائیٹ ہیڈ الفریڈ نارتھ (WHITEHEAD ALFRED NORTH)

برطانوی فلاسفر اور ریاضی داں، ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ ٹرنٹی کالج کیمبرج سے تعلیم حاصل کر کے لندن یونی ورسٹی میں عرصہ دراز تک ریاضی کے پروفیسر رہے۔ پھر ہارورڈ یونی ورسٹی میں

۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک فلسفے کے پروفیسر رہے۔ برٹرینڈ رسل کے ساتھ مل کر ۳ جلدوں میں *Principia Mathematica* ۱۰-۱۹۱۳ء میں لکھی۔ فلسفے پر بھی کتب تحریر کیں۔ ۱۹۴۷ء میں چل بسے۔(*The Columbia Viking Desk Ency.* P- 1962)

اب ان پروفیسر صاحبان کا مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے جنھیں ہم اقبال کے اساتذہ تو شمار نہیں کر سکتے لیکن ٹرنٹی کالج میں تحقیق کے دوران ان سے شاعر مشرق کا واسطہ ضرور رہا۔

(i) سیج وک آدم(SEDG WICK ADAM)

اقبال کے ٹیوٹر اور ماہر حیوانیات تھے۔ ۲۸ستمبر ۱۸۵۴ء کو پیدا ہوئے اور ۲۷ فروری ۱۹۱۳ء کو چل بسے۔ ۱۸۹۷ء میں آپ ٹرنٹی کالج کیمبرج میں فیلو اور ٹیوٹر مقرر ہوئے تھے۔ (*Ency. Britannica* Vol-10, P-599)

(ii) نکلسن رینالڈ ایلین(NICHOLSON, RENYLED ALLEYNE)

۱۸/اگست ۱۸۶۸ء کو کیگلے (Keighley) یارک شائر انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ۲۷/اگست ۱۹۴۵ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ ایرون اور کیمبرج میں تعلیم حاصل پائی۔ کیمبرج یونی ورسٹی ہی میں پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ کیمبرج میں پروفیسر براؤن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۲۶ء میں براؤن کے جانشین بنے۔ (*The New Ency Britannica*, Vol-8, P-689)

(iii) براؤن ایڈورڈ گرینول(BROWN, EDWARD GRANUEL)

۷/فروری ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں چل بسے۔ ترکی، فارسی اور عربی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ ۱۸۸۲ء میں قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ ۱۸۸۷ء میں ایران کی ایک سال تک سیاحت کی۔ فارسی زبان وادب کا مطالعہ کرنے کے بعد کیمبرج لوٹے تو فارسی کا بیش بہا علمی خزانہ اور بہت سے نادر مخطوطات ساتھ لائے۔ کیمبرج میں فارسی کے پروفیسر تھے، اس کے علاوہ آپ عربی بھی پڑھایا کرتے تھے۔ فارسی اور ایران سے متعلق بہت سی کتب تحریر فرمائیں۔ تاریخ ادب ایران آپ کی معرکہ آرا تصنیف ہے۔

جرمنی کے اساتذہ

میونخ یونی ورسٹی نے اقبال کو بہ تاریخ ۴/نومبر ۱۹۰۷ء ڈاکٹریٹ کی سَند فضیلت عطا فرمائی۔ اقبال کے تحقیقی مقالے *Development of Metaphysics in Persia* کے نگران

پروفیسر ڈاکٹر فریڈرک ہومل تھے۔ ان کی رضا مندی ہی سے مقالہ پیش کیا گیا۔ اقبال کو جرمن زبان کی تعلیم دونو جوان خواتین، ایمے ویگے ناست اور سنے شل نے کمال خوبی سے دی تھی۔ اگر چہ نجی طور پر یہ خواتین میونخ یونی ورسٹی کی ملازم نہیں تھیں۔ عطیہ فیضی کے ذریعے فلسفہ کی ایک اور ماہر، ران فراؤلین کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

(۱) ایملی ایما ویگے ناست (EMILIE EMMA WEGENAST)

۲۶/ اگست ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئیں۔ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو چل بسیں۔ ہائیڈل برگ کی شیرر منزل میں انھوں نے ہی شاعر مشرق کو جرمن زبان سکھائی۔ اقبال نے ان سے گوئٹے کا ڈرامہ فاؤسٹ پڑھا۔ ویگے بڑی خوش شکل، مہذب اور باسلیقہ نوجوان خاتون تھیں، اقبال ان کے بڑے گرویدہ تھے۔ گوئٹے کے علاوہ اقبال نے ان سے جرمن شاعر، ہائنے (HEINE) کو بھی پڑھا۔ دونوں کے درمیان خط کتابت بھی رہی۔ ان کے ساتھ گزارے ہوئے ایام کو اقبال ''مسرت اندوز دن'' کہتے ہیں۔ (بحوالہ نوائے وقت ۹/ نومبر ۱۹۸۴ء۔ مضمون 'اقبال اور ویگے ناست')

(۲) سنے شل

ان کے صحیح نام کا علم نہیں ہوسکا اور نہ ہی حالاتِ زندگی مل سکے ہیں۔

(۳) ران فراؤلین (RANN FRAULIEN)

پروفیسر ران (RANN) کی بیٹی تھیں۔ ان کا خاص موضوع فلسفہ تھا۔ اقبال نے فلسفے کے سلسلے میں فراؤلین سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ ان کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

فریڈرک ہومل (FRIEDRICH HOMMEL)

۳۱/ جولائی ۱۸۵۴ء کو جرمنی کے شہر "ANSBACH" میں پیدا ہوئے۔ لائپزگ (LIPZIG) میں پروفیسر کا کام کرنے کے لیے عبرانی زبان (SEMITIAN) کی خصوصی تعلیم پائی۔ ۱۸۸۵ء میں آپ اسسٹنٹ پروفیسر ہوگئے۔ ۱۸۹۲ء میں پروفیسر اور ۱۹۲۵ء میں ریٹائر ہوگئے۔ آپ کو علوم شرقیہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ مصری زبان اور قدیم ترکی زبان بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ ڈاکٹریٹ کے لیے آپ کا تحقیقی موضوع یہ تھا۔ *The Name of Mammals in the Semetian Languages*۔ اقبال کے علاوہ ڈاکٹریٹ کے لیے آپ نے دو اور طلبہ کی بھی نگرانی کی تھی۔ ۱۷/ اپریل ۱۹۳۶ء کو جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ (مجلہ اقبال، بزم اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۸۹ء)

❁......❁......❁

حواشی

درج ذیل کتب سے مدد لی گئی:

۱- سعید اختر درانی، نوادر اقبال یورپ میں، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۵ء، ۱۹۹۵ء۔
۲- عطیہ بیگم، اقبال، اقبال اکیڈمی کراچی، ۱۹۵۶ء
۳- ماہنامہ صحیفہ، مجلس ترقی ادب لاہور، جنوری۔ مارچ ۱۹۸۸ء
۴- محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان
۵- اقبال کی صحبت میں
۶- مظلوم اقبال، ص ۱۷۹
۷- روح مکاتیب اقبال، ص ۸۰
۸- مجلّہ تحقیق۔ پنجاب یونی ورسٹی لاہور، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۵۷
۹- مالک رام، تذکرہ ماہ و سال، مکتبہ جامعہ دہلی، نومبر ۱۹۹۱ء، ص ۳۷۰
۱۰- روز گار فقیر، جلد اول

۱۹۰۸ء......قانون کے امتحان میں کامیابی

اس سال اقبال نے لندن سے بہ تاریخ ۲۲؍جنوری کو گورنمنٹ کالج لاہور کی ملازمت سے استعفیٰ لکھ کر ڈی پی آئی پنجاب لاہور کے نام ارسال کر دیا۔[۱] اقبال عربی کی تدریس پر مامور رہے۔ اس دوران انھوں نے جرمن ٹیچر مس ویگے ناست سے بذریعہ مکاتیب تعلقات قائم رکھے۔ اقبال کی خواہش پر ویگے ناست نے اپنی تصاویر اقبال کو ارسال کیں، جو اقبال کو ۲۰؍جنوری کی شام موصول ہوئیں۔ اقبال نے اسی شب ویگے ناست کو جرمن زبان میں جواب دیا:۔

> میں آپ کی تصاویر کے لیے ہزار گونہ شکریہ ادا کرتا ہوں جو آج شام مجھے موصول ہوئیں۔ یہ آپ کی بڑی کرم فرمائی ہے۔ دونوں تصویریں بڑی خوب صورت ہیں اور وہ ہمیشہ میرے مطالعے کے کمرے میں میری میز پر رہیں گی۔ لیکن یہ مت یاد کیجیے کہ وہ صرف کاغذ ہی پر نقش ہیں بلکہ وہ میرے دل میں بھی جا پذیر ہیں اور تا دوام رہیں گی۔
>
> شاید میرے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ میں دوبارہ آپ کو دیکھ پاؤں......لیکن یہ ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ آپ میری زندگی میں ایک حقیقی قوت بن چکی ہیں۔ میں آپ کو کبھی فراموش نہ کر سکوں گا...... جونہی میری فوٹو گراف بنتی ہے، میں بھی آپ کو اپنی تصویر بھیج دوں گا۔

اقبال نے اس پتہ سے یہ خط لکھا:

C/O Messer Thomas Cook and Sons, Ludgate Circus London

اقبال نے جب یہ جواب دیا تو آپ شدید بیمار تھے۔ چند روز بعد آپ نے ایک اور خط ویگے ناست کو تحریر فرمایا اور لکھا ''میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ میرا دل ہمیشہ بڑے خوب صورت خیالوں سے معمور رہتا ہے......لیکن آپ سرد مہر اور غفلت شعار ہیں۔ آپ جو جی میں آئے کیجیے، میں بالکل کچھ نہ کہوں گا اور ہمیشہ صابر و شاکر رہوں گا۔ شاید جب میں ہندوستان روانہ ہوں گا تو آپ سے ملاقات کر سکوں گا......''

۲۶؍فروری کے مکتوب میں اقبال اپنی کرم فرما کو تحریر فرماتے ہیں......آج شام بھی مجھے ایک لیکچر دینا ہے، ''تصوف'' پر...... میں اس خط کتابت کو جرمن زبان کے سبق لینے کا ایک بہانہ سمجھتا

ہوں، سو آپ مجھے اب تک درس دے رہی ہیں۔ میں جولائی کے اوائل میں ہندوستان لوٹ رہا ہوں...... میں پوری کوشش کروں گا کہ چند روز کے لیے ہائیڈل برگ آسکوں......"[۲]

۱۰/ فروری کو آپ نے لندن سے خواجہ حسن نظامی کے نام خط تحریر فرمایا اور انھیں اطلاع دی کہ ان کی ارسال کردہ کتاب رام کرشن مل گئی ہے۔ آپ نے تحریر کیا کہ کتاب نہایت عمدہ ہے...... مسٹر آرنلڈ آپ کی کتاب لے گئے ہیں......[۳]

کشمیری میگزین کی ۱۰/ فروری کی اشاعت میں محمد الدین فوق نے شیخ محمد اقبال کی تعریف و توصیف فرمائی اور یہ بھی لکھا کہ آپ لندن یونی ورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کی جگہ جو چند ماہ کے لیے مصر گئے ہیں، عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے ہیں۔[۴]

۳/ جون کی شام ویگے ناست کا ایک خط اقبال کو موصول ہوا، تو آپ نے فوراً اس کا جواب دیا اور لکھا...... مس فیضی اپنی بہن اور برادر نسبتی کے ساتھ یہاں موجود ہیں جو کہ ایک ہندوستانی نواب ہیں۔ میں چند روز ہوئے ان سے ملنے گیا تھا...... میں جلد انگلستان سے رخصت ہو رہا ہوں۔ شاید آغاز جولائی میں...... میرا جسم یہاں ہے۔ میرے خیالات جرمنی میں ہیں...... آپ کا خط میری بہار ہوگا۔ میرے دل غمگین میں آپ کے لیے بڑی خوب صورت سوچیں ہیں......"[۵]

۹/ جون کو اقبال مس عطیہ فیضی، ان کی ہمشیر رضیہ سلطان نازلی اور ان کے شوہر نواب سیدی احمد خاں سے ملنے تشریف لے گئے۔ رضیہ سلطان نازلی کی آٹو گراف البم میں اقبال نے ایک نظم تحریر فرمائی۔ جس کا پہلا شعر ہے:

اے کہ ترے آستانے پر جبیں گستر قمر
اور فیضِ آستاں بوسی سے گل بر سر قمر[۶]

۱۰/ جون کو اقبال نے اپنی ایک تصویر مس ویگے ناست کو ارسال فرمائی اور لکھا کہ میں ۲/ جولائی کو ہندوستان روانہ ہو رہا ہوں۔[۷] لندن سے آخری خط آپ نے ۲۷ جون کو لکھا۔ اس میں تحریر کیا کہ میں تین جولائی کو انگلستان سے روانہ ہوں گا اور چند روز پیرس میں رکوں گا، جہاں مجھے کچھ کام کرنا ہے۔[۸]

۲۹/ جون ۱۹۰۸ء کو لنکنز ان کی اسپیشل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں جناب ہنری رسل (treasurer) کے علاوہ چار اور اصحاب نے شرکت فرمائی۔ اجلاس میں لنکنز ان میں بار ایٹ لا کے ۲۸ طلبہ کی Petitions and Declarations پڑھی گئیں۔ فیصلہ کیا گیا کہ ان طلبہ کو بار

ایٹ لا کی ڈگری دے دی جائے اور ان کے نام یکم جولائی بدھ کو شائع کر دیئے جائیں۔ اس میں شیخ محمد اقبال، ایم اے، پی ایچ ڈی میونخ آف ٹرنٹی کالج، کیمبرج بی اے، لنکنز ان سوسائٹی کے فیلو کی Petition and Declaration بھی پڑھ کر سنائی گئی۔ اُسے مسٹر فریڈرک پولوک، بار ایٹ لا نے پیش کیا۔ اسی روز اقبال نے ڈگری کی فیس کے لیے پچاس پونڈ جمع کرا دیے۔ خصوصی کونسل کے اس اجلاس کی کارروائی کی نقل دستاویزات میں پیش کی جا رہی ہیں۔

یکم جولائی[9] کو بیرسٹری کے پارٹ II فائنل امتحان کے نتائج کا اعلان ہوا۔ اقبال تیسرے درجے میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے ۳۰۔۳۵ فیصد کے لگ بھگ نمبر حاصل کیے۔ کل نمبروں کا تقریباً ۱۰ فی صد VIVA VOICE کے لیے مختص تھا۔ اقبال کے علاوہ دیگر ستائیس طلبہ کو بھی اسی روز بیرسٹری کی ڈگری مل گئی۔ ان میں اقبال واحد ہندوستانی مسلمان تھے۔ اس سے قبل ۲۷ر جنوری[10] کو پہلے بیچ میں تیرا طلبہ کامیاب قرار پائے تھے۔ ان میں ہندوستان کے ایک ہندو، پرسنو کمار سنہا اور چار مسلمان، میر ایوب خان، مرزا آغا ذاکر علی، محمد وسیم اور عبدالحمید شامل تھے۔ تیسرے[11] بیچ کے تین طلبہ کا نتیجہ ۱۶ر مئی کو نکلا، اس میں ہندوستان کے ایک مسلمان، شیخ عبدالعزیز اور ایک پارسی، پیر بھائی رحمت اللہ کرم علی شامل تھے۔

انگلستان میں قیام کے دوران اقبال نے اسلام کی تبلیغی خدمات بھی انجام دیں۔ ۱۰ر فروری کو انھوں نے خواجہ حسن نظامی کے نام خط میں تحریر فرمایا:

> میں نے انگلستان میں اسلامی مذہب و تمدن پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک لیکچر ہو چکا ہے، دوسرا فروری کے تیسرے ہفتے اسلامی تصوف پر میں ہوگا۔ باقی لیکچروں کے موضوع یہ ہوں گے: ''مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر'' ''اسلامی جمہوریت'' اور ''اسلام اور عقل انسانی''۔[12]

۳ر جولائی کو اقبال نے اپنے دوست ایف ڈبلیو طاس کو ڈاکٹریٹ کے مقالہ کا ایک نسخہ مرحمت فرمایا۔ اس سال یہ مقالہ کتابی صورت میں لندن کے ایک ناشر .LUZAC AND CO نے شائع کر دیا تھا۔ اس میں وہ تعارفی دیباچہ شامل نہیں جو جرمنی میں شائع ہونے والے ایڈیشن میں موجود تھا۔ مقالے کا انتساب پروفیسر آرنلڈ کے نام ہے۔ اس کے کل صفحات ۱۲+۱۹۵=۲۰۷ ہیں۔[13]

۱۰ر جولائی کے قریب اقبال انگلستان سے اپنے وطن روانہ ہو گئے۔ دو روز پیرس میں قیام کیا۔ راستے میں جزیرہ سسلی سے گزر ہوا۔ عربی میں اسے صقلیہ کہا جاتا ہے۔ اس جزیرہ پر عرب ۸۷۸ء سے ۱۰۷۲ء تک حکمران رہے۔ اقبال نے وہاں چند روز قیام کیا۔ عہد اسلام کے مٹتے ہوئے آثار دیکھ کر اور مسلمانوں کی گزشتہ شوکت و عظمت یاد کر کے آپ نے صقلیہ کے نام سے ایک نظم درد

بھرے لہجے میں کہی:

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوننا بہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار[۱۴]

۲۵؍جولائی کی شب اقبال بمبئی سے بذریعہ ریل گاڑی دہلی پہنچے۔ خواجہ حسن نظامی، شیخ عبدالقادر، شیخ محمد اکرام مدیر معاون مخزن، مولوی محمد عبدالرشید الخیری، میر غلام بھیک نیرنگ اور سید جالب دہلوی نے آپ کا استقبال کیا۔ اگلے روز احباب کے ساتھ خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی۔ وہاں آپ نے وہ نظم پڑھی جو ۱۹۰۳ء میں اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے لیے لکھی اور کسی دوسرے کی معرفت بغرض دعا درگاہ میں پڑھنے بھجوائی تھی۔ گیارہ شعروں پر مشتمل نظم کا پہلا شعر ملاحظہ فرمایئے:

کیوں نہ ہوں ارماں مرے دل میں کلیم اللہ کے
طور در آغوش ہیں ذرے تری درگاہ کے

اس موقع پر میر غلام بھیک نیرنگ نے ''اقبال'' کے عنوان سے ۱۲ اشعار پر مشتمل ایک نظم سنائی جس کا ایک شعر ہے:

یورپ کی سیر کرکے اقبال واپس آئے
خوشیاں منائیں مل کر اہلِ وطن، وطن میں[۱۵]

اقبال ۲۷؍جولائی بروز پیر شام کی ریل گاڑی سے لاہور پہنچے۔ اسٹیشن پر ان کے احباب اور دیگر معززین شہر بلا تخصیص مذہب و قوم آپ کا خیر مقدم کرنے کے لیے موجود تھے۔ اس موقع پر بھاٹی دروازہ کے باغ میں شیخ گلاب دین، وکیل چیف کورٹ پنجاب لاہور کی جانب سے ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ خان بہادر میاں محمد شفیع بیرسٹر ایٹ لا نے اقبال کی شان میں تقریر فرمائی۔ بعدازاں حکیم اللہ یار جوگی نے چودہ اشعار پر مشتمل ایک خیر مقدمی نظم پڑھی:

کدھر ہے کیف مسرت مجھے سنبھال سنبھال
کہ ہو کے آئے ولایت سے ڈاکٹر اقبال

اس کے بعد منشی غلام علی خاں غلامی، خوش نویس پیسہ اخبار لاہور نے ۱۹ اشعار پر مشتمل یہ نظم پڑھی:

آمد اقبال سے جشن طرب گھر گھر ہوا
اوج پر ہے آج پھر لاہور کا اختر ہوا

اس موقع پر دوسرے احباب نے بھی تقریریں کیں۔ جلسے میں تقریباً ڈیڑھ سو لوگ جمع تھے۔

اقبال نے بھی جواب میں ایک پُر مغز تقریر فرمائی۔ مذکورہ اجلاس ہی میں شہریوں کی جانب سے اقبال کے سر پر سونے کا تاج پہنایا گیا۔[۱۶]

جولائی کے آخری دنوں میں آپ اپنے آبائی شہر سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ ریلوے اسٹیشن سیالکوٹ پر شہریوں نے بڑے جوش و محبت سے آپ کا استقبال کیا۔ آغا محمد باقر، اعزازی مجسٹریٹ نے خیر مقدم کا انتظام و اہتمام بڑے سلیقے سے کیا تھا۔ اس وقت آپ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد بھی موجود تھے۔ سب سے پہلے شہر کے ٹاؤن ہال میں بھی شہریوں کی طرف سے ایک استقبالیہ دیا گیا۔ میراں بخش جلوہ نے خوش آمدید کی نظم پڑھی جس کا ایک شعر ہے:

مبارک ڈاکٹر اقبال انگلستان سے آیا
وہ پی ایچ ڈی اور ایل ایل بی کی ڈگری واں سے لایا[۱۷]

سیالکوٹ میں مسکن اقبال کے قریب ہی ایک قدیمی مسجد ''دو دروازہ'' واقع ہے۔ اس مسجد میں ایک روز آپ نے عظیم اجتماع سے خطاب کیا اور بڑی دینی و علمی تقریر فرمائی۔ تقریر کے دوران میں کسی نے سوال کیا کہ خدا کی ہستی کس طرح ثابت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا جواب میں فرمایا ''دنیا کی وہ عظیم ہستی جس کو بعثت سے پہلے ہی لوگ امین جیسے لقب سے پکارتے تھے، فرماتے ہیں کہ خدا موجود ہے اقبال نے ہمارے پاس اس بات پر کسی قسم کی بحث کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا اور ہم خدا پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔''[۱۸]

اگست کے مہینے[۱۹] میں آپ اپنے بڑے بھائی عطا محمد کے ہمراہ لاہور آ گئے۔ مرزا جلال الدین ایڈووکیٹ کی وساطت سے موہن لال روڈ پر منشی گلاب سنگھ کے مطبع مفید عام کے نزدیک کرایے پر ایک مکان لے لیا۔ پھر ایک ہندو منشی، کاہن چند بھرتی کیا گیا۔ لاہور میں پریکٹس کرنے کا مشورہ لوگوں استاد گرامی مولوی میر حسن، والد ماجد، بڑے بھائی، شیخ عبدالعزیز اور دیگر احباب نے دیا تھا۔ ۲۹راگست کو آپ نے شاطر مدراسی کے نام ایک خط میں لکھا کہ ایک دو ماہ سیالکوٹ میں قیام کروں گا۔ پھر لاہور میں بیرسٹری کا کام شروع کروں گا...... ملازمت کا سلسلہ ترک کر دیا ہے۔ اسی خط میں محمد عبدالرحمٰن شاطر کی خواہش پر آپ نے ان کے قصیدہ اعجاز عشق پر تقریظ لکھ کر ارسال فرمائی۔[۲۰] اسی روز آپ نے محمد دین فوق مقیم لاہور کو بھی خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ ایک دو روز کے لیے بغرض مشورہ لاہور گیا ہوا تھا، کیوں کہ وہیں کام کرنے کا ارادہ ہے۔ خط میں آپ نے حکیم اللہ یار جوگی کو سلام لکھا۔ خط میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ماہ نومبر میں لاہور چلے جائیں گے۔[۲۱] ۱۲راکتوبر کو سیالکوٹ سے اقبال

نے خواجہ حسن نظامی کو بھی خط لکھا اور مطلع کیا کہ یہ نیاز جو آپ تک پہنچی، والدہ مکرمہ کی نیاز تھی، قبول فرمائیے۔ آپ اپنی ہر تحریک میں بغیر پوچھے مجھے شریک تصور کر لیا کیجیے۔[۲۲]

پروگرام کے مطابق آپ سیالکوٹ زیادہ دن نہ ٹھہرے اور لاہور چلے آئے۔ آپ موہن لال روڈ پر لالہ چونی لال مونگا کے مکان میں ستمبر تک قیام پذیر رہے۔[۲۳] اکتوبر میں انارکلی میں نیا مکان کرایے پر لے لیا۔ اس مکان میں فضل حسین اور میاں محمد شفیع بھی رہ چکے تھے۔ مکان دومنزلہ تھا۔ آپ نے بالائی منزل پر بازار والے حصے میں رہائش رکھی۔ عقب میں کھڑکیاں تھیں۔ پچھواڑے ایک اور مکان واقع تھا جس میں منشی طاہر الدین مقیم تھے۔ اسی دوران اقبال نے کاہن چند کی جگہ منشی طاہر الدین کو منشی رکھ لیا۔ بلکہ آپ نے انھی کے ذریعے نیا مکان لیا تھا۔ سیالکوٹ سے آپ اپنے کبوتر بھی لائے تھے۔ یہ رہائش گاہ چیف کورٹ کے قریب تھی۔ آنے جانے کے لیے ایک گگ رکھ لی گئی۔ اقبال خود ہی اس گگ کو کورٹ لے جاتے۔ جلد ہی آپ نے قانونی کتب پر مشتمل ذاتی لائبریری بھی بنالی۔ پریکٹس کی ابتدا نچلی عدالتوں سے ہوئی۔ ۲۲/اگست کو اقبال نے چیف کورٹ میں ایڈووکیٹ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت طلب فرمائی اور مطلوبہ فیس ادا کر دی۔ ۳۰/اکتوبر کو چیف کورٹ میں بحیثیت ایڈووکیٹ آپ کا اندراج ہو گیا اور پریکٹس کرنے کی اجازت مل گئی۔[۲۴] ماہ نومبر میں آپ کئی دن تک بیمار رہے۔ صحت یاب ہوئے تو خواجہ حسن نظامی کو خط لکھا کہ وہ کچھ عرصے بعد انھیں لاہور آنے کی تکلیف دیں گے کیوں کہ انھیں ان سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔[۲۵] اقبال نے ۲۵ نومبر کو بھی خواجہ صاحب کے نام خط لکھا۔[۲۶]

۱۹۰۸ء میں انجمن حمایت اسلام کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ یہ اجلاس علامہ اقبال کے اعزاز میں بلایا گیا تھا۔ آپ نے اجلاس میں ایک لیکچر دیا جس کا اردو زبان میں ترجمہ میاں فضل حسین بیرسٹر ایٹ لا نے حاضرین کو سنایا۔[۲۷] ۲۸ دسمبر کو امرت سر میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ صدارت خواجہ سلیم اللہ خاں نواب آف ڈھاکہ نے فرمائی۔ لاہور کی انجمن کشمیری مسلمانان پنجاب کے ایک وفد نے امرت سر میں نواب صاحب سے ملاقات کی اور ان کی خدمت میں ایک سپاس نامہ بہ زبان فارسی پیش کیا۔ اقبال بھی اس وفد میں شامل تھے۔ اقبال ہی نے وہ سپاس نامہ نواب صاحب کے سامنے پڑھا۔ نواب صاحب نے جواباً انجمن کا سرپرست بننا قبول کر لیا۔[۲۸]

ماہ نومبر میں اقبال کو ایم اے او کالج علی گڑھ سے پروفیسر فلسفہ کی پیش کش موصول ہوئی لیکن

آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد خواجہ حسن نظامی کو ایک خط میں فرمایا کہ پروفیسری نامنظور کرنے سے انھیں ہدف ملامت بنایا جارہا ہے۔[۲۹]

حکومت نے ۳ر دسمبر کو اقبال کی گورنمنٹ کالج کی ملازمت سے مستعفی ہونے کا نوٹی فکیشن جاری کردیا۔[۳۰]

خواجہ حسن نظامی نے نومبر میں دہلی میں حلقہ نظام المشائخ قائم کیا۔ خواجہ صاحب نے اقبال کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی۔ اقبال نے ۲۵ نومبر کے خط میں خواجہ صاحب کو تحریر فرمایا کہ انھیں بھی اس حلقے میں شامل تصور کرلیا جائے۔[۳۱]

ماہ دسمبر میں نواب وقار الملک مشتاق احمد نے اسلامیہ ہائی اسکول ہوشیار پور کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ تعلیمی ادارہ میاں عبدالعزیز نے قائم کیا تھا۔ تقریب میں اقبال کے علاوہ منشی محمد منیر سب جج، میاں محمد شفیع، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور ڈپٹی کمشنر مسٹر آجرٹن بھی شریک ہوئے۔[۳۲]

اس سال لندن کے انگریزی رسالے *Sociological Review* میں Political Thought in Islam کے موضوع پر اقبال کا پہلا مضمون شائع ہوا۔[۳۳]

انگلستان سے جب اقبال وطن لوٹے تو وہاں کے دوست احباب کو بھول نہ پائے۔ انھوں نے سیالکوٹ سے جرمن زبان میں ۳ر ستمبر کو مس ویگے ناست کے نام جرمنی خط لکھا اور انھیں اطلاع دی کہ میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ میں انگلستان سے رخصت ہونے سے پہلے آپ سے مل نہ سکا۔ میں نے اپنی پریکٹس کا آغاز لاہور سے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ ایک وکیل کے لیے اچھی جگہ ہے۔ آج یہاں بڑی بارش ہوئی ہے......[۳۴]

مخزن کے شمارہ مئی[۳۵] میں یہ ایک اشتہار شائع ہوا کہ اقبال کی تصنیف علم الاقتصاد فروخت کے لیے موجود ہے۔ اس سال اسی علمی و ادبی جریدے میں آپ کی درج ذیل نظمیں شائع ہوئیں:

۱۔ صقلیہ۔ شمارہ اگست

۲۔ بلاد اسلامیہ۔ اکتوبر

۳۔ عبدالقادر کے نام۔ دسمبر

دسمبر میں عطیہ فیضی کی والدہ انتقال کرگئیں۔[۳۶] عطیہ نے اس حادثے کی اطلاع خط کے ذریعے اقبال کو دی، لیکن اقبال پرسہ دینے تشریف نہ لے جاسکے کیوں کہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد شدید علیل تھے۔ ان کی بیماری کی خبر سیالکوٹ سے بذریعہ تار اقبال کو بہ تاریخ ۲۹ر دسمبر ملی۔

اقبال کانفرنس کی تقریبات چھوڑ کر اسی روز سہ پہر کو سیالکوٹ چلے گئے۔ [۳۷]

لنکنز ان کے ریڈرز اور اسسٹنٹ ریڈرز

ذیل میں لنکنز ان کے ان ریڈروں اور اسسٹنٹ ریڈروں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے جن سے اقبال نے قانون کی تعلیم پائی۔

مضمون:

Roman Law and Jurisprudence International Law

۱۔ ریڈر: جے پاولے باٹے۔(J. PAWLEY BATE- MA LLD)

۱۸۹۷ء میں ریڈر تھے۔ لندن اور آکسفورڈ یونی ورسٹی میں قانون اور دیگر مضامین کے ممتحن بھی تھے۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں ایل ایل ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۹۴ء تا ۱۹۰۱ء یونی ورسٹی کالج لندن میں پروفیسر رہے۔ ۱۰/فروری ۱۹۲۱ء کو چل بسے۔ (*Who Was Who*, 1916-28 P- 64,65)

۲۔ اسسٹنٹ ریڈر: لیونارڈ سیموئیل ہنری (LEONARD, S.H-B.C.L. M.A.)

کلفٹن میں ۷/جولائی ۱۸۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ آکسفورڈ یونی ورسٹی میں قانون کے ممتحن رہے، ۸۸۔۱۸۹۰ء، ۹۵۔۱۸۹۶ء اور ۷۰۔۱۹۰۸ء تک انز آف کورٹ میں ۹۴۔۱۸۹۶ء، ۱۷۔۱۹۲۰ء کا عرصہ گزارا۔ لندن یونی ورسٹی میں ۱۹۰۳ء، ۱۸۹۷ء، ۱۹۱۱ء۔۱۹۱۵ء) تک رہے۔ ۷/دسمبر ۱۹۲۹ء کو چل بسے۔

(*Who Was Who,* 1929-1940 p. 802)

مضمون:

Constitutional Law (English and Colonial) and Legal History.

۳۔ ریڈر: کارٹر البرٹ تھامس (CARTER, ALBERT THOMAS)

تھامس البرٹ کارٹر ایم ڈی کے فرزند۔ ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں بی اے کیا۔ ۱۸۸۶ء میں BCL اور ایم اے کیا۔ انز آف کورٹ میں ریڈر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۳۰ء تک۔ ۲۹/جولائی ۱۹۴۶ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔

(A.B Schofield, Dictionary of Legal Biography, 1845-1945 Bary Rose Law Publishers Ltd, Chichester, P.74)

مضمون:

Evidence, Procedure (Civil and Criminal) and Criminal Law

۴۔ ریڈر: اوڈگرز ولیم بلیک (ODGERS, WILLIAM BLAKS MA.LLD)

پلائی موتھ میں ۱۵ مئی ۱۸۴۹ء کو ریورنڈ ڈبلیو جے اڈگرز کے ہاں پیدا ہوئے۔ مختلف تعلیمی اداروں سے تعلیم پائی۔ ایم اے اور ایل ای ڈی کیا۔ مڈل ٹیمپل سے بار ایٹ لا ۱۸۷۸ء میں، ۱۹۰۰ء میں Bencher، ۱۹۰۵ء سے انز آف کورٹ میں ڈائریکٹر آف لیگل اسٹڈیز۔ قانون کی منفرد کتب کے مصنف۔ ۱۶ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو چل بسے۔ (*Who Was Who,* 1916-1928 P-789-790)

مضمون: English Law and Equity VIZ

(i) The Law of Real and Personal Property and Conveyancing.

۵- ریڈر: توفم الفریڈ فرینک (TOPHAM, ALFRED FRANK)

ان کے باپ کا نام فرینک ولیم واروک توفم تھا۔ الفریڈ ۶ مارچ ۱۸۷۴ء کو پیدا ہوئے۔ ہائی گیٹ اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ کوئنز کالج کیمبرج سے ۱۹۸۶ء میں ایل ایل بی، ۱۹۰۰ء میں L.I.۔ ۱۹۲۶ء میں Bencher۔ ایڈیٹر آف لا رپورٹر۔ Real Property اور کونسل آف لیگل ایجوکیشن میں ریڈر تھے۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۵۲ء کو چل بسے۔ (Dictionary of Legal Biography. P.342)

۶- اسسٹنٹ ریڈر: وٹیکر ولیم جوزف (WHITTAKER, WILLIAM JOSEPH)

تعلیمی قابلیت ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ۴ جون ۱۸۶۸ء کو ہارلو میں پیدا ہوئے۔ ٹرنٹی کالج کیمبرج سے تعلیم پائی۔ ۱۸۸۸ء میں مڈل ٹمپل سے ۱۸۹۵ء میں بار ایٹ لا، کیمبرج میں لیکچرار رہے اور سات برس تک قانون کی تعلیم دی۔ ۱۹۰۴ء سے اسسٹنٹ ریڈر۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔

(*Who Was Who,* 1929-1940. P.1451)

(ii) COMMON LAW

۷- ریڈر: فریزر ہگ سر (FRASER SIR HUGH)

لندن کے تھامس فریزر کے صاحبزادے۔ ۲۶ر اپریل ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ ٹرنٹی ہال کیمبرج سے ۱۸۸۲ء میں بی اے، ۱۸۸۶ء میں ایل ایل ایم، ۱۸۸۵ء میں ایم اے۔ ۱۸۹۲ء میں ایل ایل ڈی، ۱۹۱۸ء میں بینچر، ۱۸۹۷ء سے ۱۹۲۴ء تک انز کورٹ میں ریڈر اور ممتحن۔ ۸ر جولائی ۱۹۲۷ء کو چل بسے۔

(*Who Was Who*, 1916-1928. P.378)

۸- اسسٹنٹ ریڈر: پیزے جوزف جیرالڈ (PEASE, JOSEPH GERALD)

۱۷ر اپریل ۱۸۶۳ء کو تھامس پیزے کے ہاں پیدا ہوئے۔ یونی ورسٹی کالج لندن میں تعلیم حاصل کی۔ بی اے کیا۔ انر ٹیمپل سے ۱۸۸۷ء میں بار ایٹ لا کیا۔ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۲۵ء تک

اسسٹنٹ ریڈر رہے۔ اس کے بعد ریڈر۔ ۳/ مارچ ۱۹۲۸ء کو چل بسے۔ (Who Was Who, 1916-1928 P.824)

(iii) EQUITY

۹- ریڈر: اسٹراہن جیمز اینڈریو (STRAHAN, JAMES ANDREW)

۲۹ جنوری ۱۸۵۸ء کو جون اسٹراہن کے گھر پیدا ہوئے۔ کوئنز یونی ورسٹی آئر لینڈ سے ایم اے کیا اور طلائی تمغہ حاصل کیا۔ رائل یونی ورسٹی سے ایل ایل بی، مڈل ٹیمپل سے ۱۸۸۳ء میں بار ایٹ لا، انز آف کورٹ میں ریڈر ۱۸۹۷ء سے ۱۹۲۹ء تک۔ بہت سی قانونی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۳/ مارچ ۱۹۳۰ء کو دنیا سے رخصتی۔ (Who Was Who, 1929-1940 P.1302)

۱۰- اسسٹنٹ ریڈر: ہل یارڈ جیرالڈ مورس بائی تھاروٹن (HILYARD G.M.T.)

۳ جون ۱۸۷۴ء کو پیدا ہوئے۔ لندن یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۹ء میں لنکنز اِن سے بار ایٹ لا کیا اور اس اِن کے Bencher۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۳ء تک سرکٹ نمبر ۱۸ کے جج بھی رہے۔ ۲۲ اپریل ۱۹۵۶ء کو وفات ہوئی۔ (Who Was Who, 1951-1960 P.519)

ایوننگ لیکچرز آن سپیشل سبجیکٹ (Evening Lectures on Special Subject)

(۱) ٹرم: HILARY۔ ۱۹۰۵ء

موضوع: Law Relating to Slander, Slander of Title, Trade Libel & C.

لیکچرار۔ اوجرز والٹر بلیک ۱۸۸۰۔ ۱۹۶۹

ان کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

(۲) ٹرم۔ MICHAELMAS۔ ۱۹۰۵ء

موضوع: Sea Traffic and the Law Relating Thereto......

لیکچرار: ٹی جی کارور (T.G. CARVER)

تھامس گلبارٹ کارور۔ جج۔ ۱۴ نومبر ۱۸۴۸ء کو جبرالٹر میں ولیم کارور کے ہاں پیدا ہوئے۔ ایم اے کیا۔ لنکنز ان سے ۱۸۷۳ء میں بیرسٹری کی۔ ۱۸۹۷ء میں شاہ برطانیہ کے مشیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں Bencher۔ ۱۲/ مئی ۱۹۰۶ء کو چل بسے۔ (Who Was Who, 1897-1915 P.123)

(۳) ٹرم: HILARY۔۱۹۰۶ء
موضوع: The Law of Land Lord and Tenant
لیکچرار: ایڈگر فو آ (EDGAR FOA)
ان کے حالات زندگی دستیاب نہیں ہو سکے۔
(۴) ٹرم: MICHAEL MAS۔۱۹۰۶ء
موضوع: The Law of Carriage By Land
لیکچرار جے اے سائمن (J.A. SIMON)

سر جون ایل سی سائمن، جج تھے۔ ۲۸ر فروری ۱۸۷۳ء کو ریورنڈ ایڈون سیمل کے گھر پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۹ء میں بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۱۰ء میں سر کا خطاب ملا۔ ۱۹۱۰ء میں انر ٹیمپل میں Bencher۔ سولی سائٹر فیرل ۱۹۱۰ء۔۱۹۱۲ء میں چل بسے۔ (*Who Was Who*, 1919- London P-2250)

(۵) ٹرم: HILARY۔۱۹۰۷ء
موضوع: Prescription
لیکچرار: ٹی ایچ کارسن (T.H.CARSON. K.C)

کارسن تھامس ہنری۔ والد کا نام ریورنڈ جوزف کارسن تھا۔ ۲۴ نومبر ۱۸۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ ٹرنٹی کالج ڈبلن وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۶۶ء میں بی اے اور ۱۸۶۷ء میں ایم اے کیا۔ ۱۸۶۹ء میں لنکنز ان سے بار ایٹ لا کیا۔ اسی درس گاہ میں ۱۹۰۷ء میں Bencher مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں چل بسے۔
(*Who Was Who*, 1917-P-397)

پولوک فریڈرک سر (POLLOCK, SIR FREDERICK)

آپ ہی نے بتاریخ ۲۹ر جون محمد اقبال کو بار ایٹ لا کی ڈگری کے لیے لنکنز ان کے خصوصی اجلاس میں سفارش کی تھی جسے کونسل نے قبول کر لیا۔

سر پولوک، ۱۰ر دسمبر ۱۸۴۵ء کو لندن میں سر ولیم فریڈرک پولوک کے گھر پیدا ہوئے۔ ایسٹن میں تعلیم حاصل کی۔ ٹرنٹی کالج، کیمبرج میں تعلیم حاصل کر کے ۱۸۶۵ء میں PITT اسکالرشپ کے لیے منتخب ہوئے۔ ۱۸۷۱ء میں لنکنز ان سے بیرسٹری کی ڈگری لی۔ ۱۹۰۴ء میں اس کے Bencher منتخب ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے لیگل رائٹر، پروفیسر اور ایڈیٹر کے طور پر ساری عمر بسر کر دی۔ قانون سے متعلق بہت سے مقالے اور کتب لکھیں۔ متعدد یونی ورسٹیوں نے انھیں متعدد اعزازات سے نوازا۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۳۷ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ (ڈکشنری آف نیشنل

بائیوگرافی ۴۰۔۱۹۳۱ء،صفحہ ۱۰۷۔۲۱۳)

❁......❁......❁

حواشی

۱- اقبال ریویو، لاہور جنوری ۱۹۸۳ء ص ۵۲
۲- اقبال یورپ میں، ص ۱۱۵۔۱۱۷
۳- روح مکاتیب اقبال، ص ۸۱
۴- انوار اقبال۔حاشیہ ۵۳
۵- اقبال یورپ میں، ص ۱۱۹
۶- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۳۱
۷- اقبال یورپ میں، ص ۱۲۰
۸- ایضاً، ۱۲۱

9-10-11- *The Black Books of Lincoln's Inn*, Vol- V AD 1845- AD 1914, Lincoln's Inn, 1968. P-436.

۱۲- پروفیسر حق نواز، سیاحت اقبال، ص ۴۴
۱۳- اقبال یورپ میں، ص ۶۔۴۹
۱۴- زندہ رود، ص ۱۳۷
۱۵- ایضاً ص ۱۳۷۔محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں، ۲۳۰۔۲۳۵
۱۶- ایضاً۔ص ۱۳۷
۱۷- ایضاً، ۱۳۷۔۱۳۸
۱۸- خالد نظیر صوفی، اقبال درون خانہ، ۸۹۔۹۰
۱۹۔ زندہ رود، ص ۱۳۹
۲۰۔ روح مکاتیب اقبال، ص ۸۲
۲۱۔ حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں، ص ۲۳۵۔۲۳۶
۲۲- روح مکاتیب اقبال، ص ۸۲
۲۳- اقبال کی صحبت میں۔ص ۴۰
۲۴- زندہ رود، ص ۱۳۹۔۱۴۱
۲۵۔۲۶- روح مکاتیب اقبال، ص ۸۳

۲۷- مفکر پاکستان، ص ۹۴
۲۸- اقبال بنام شاد، ص ۱۱۱، زندہ رود، ص ۱۴۱
۲۹- روح مکاتیب اقبال، ص ۸۳
۳۰- مفکر پاکستان، ص ۱۵۷
۳۱- روح مکاتیب اقبال، ص ۸۳
۳۲- روز گار فقیر، جلد دوم ۱۹۸۸ء، ص ۶۵۹
33- Latif Ahmed Sherwani, *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, 13B.
۳۴- اقبال یورپ میں، ص ۱۲۲
۳۵- مفکر پاکستان، ص ۱۰۲
۳۶- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۳۲
۳۷- ایضاً، ص ۳۳-۳۴

۱۹۰۹ء...... گورنمنٹ کالج میں پروفیسری

۴؍جنوری ۱۹۰۹ء کو اقبال نے منشی تلوک چند محروم کو خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ آپ کا ''پیام و سلام'' رسالہ مخزن میں نگاہوں سے گزرا۔ جس حسن ظن کا اظہار آپ نے ان اشعار میں کیا ہے، اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔[۱]

۱۰؍جنوری کو کشمیری مسلمانوں کا ایک اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں اقبال بھی بحیثیت رکن شریک تھے۔[۲]

لاہور پہنچتے ہی اقبال جب آبائی گھر سیالکوٹ اپنے والدین اور عزیز و اقارب کو ملنے گئے تو انھوں نے ویگے ناست کو ساری روداد لکھ بھیجی تھی۔ لیکن وہ خط ویگے کو نہیں مل سکا۔

لاہور میں آپ کو جرمنی سے مس ایما ویگے ناست کا دوسرا خط موصول ہوا۔ اقبال نے ۱۱؍جنوری کو انھیں جواب میں تحریر کیا کہ آپ کے پر لطف خط کا بے حد شکریہ...... جب میں ہندوستان پہنچا تو میرے ہم وطنوں نے مجھے بہت بڑا اعزاز بخشا...... ملک کے ہر گوشے سے مجھے چالیس کے قریب نظمیں بھیجی گئیں...... جب میں لاہور پہنچا تو لوگوں نے مجھے سونے کا ہار دیا جو میرے سر پر پہنایا گیا۔ میں اب لاہور ہی میں ایڈووکیٹ کے طور پر کام کر رہا ہوں...... کچھ عرصے بعد جب میرے پاس کچھ پیسے جمع ہو جائیں گے تو میں یورپ میں اپنا گھر بناؤں گا۔ یہ میرا تصور ہے اور میری تمنا ہے کہ یہ پورا ہوگا۔ جناب خاؤبال (HERA CHAUBAL) کی موت کی خبر سن کر بڑا افسوس ہوا......[۳]

۱۲؍جنوری کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ اس میں اردو زبان کی حمایت میں اقبال کے علاوہ شیخ عبدالقادر، محمد شفیع بیرسٹر، مولوی محبوب عالم اور منشی سراج الدین نے تقریریں کیں۔[۴]

مس عطیہ نے اقبال کو جنجیرہ آنے کی دعوت دی تھی۔ اقبال نے ۱۳؍جنوری کو انھیں جواب میں لکھا کہ وہ ان کی والدہ کی رحلت پر تعزیت کرنے بمبئی نہیں آ سکے، کیوں کہ ان کے بڑے بھائی شدید

بیمار تھے۔ گھر سے تار ملنے پر انھیں سیالکوٹ جانا پڑا تھا۔ ان کی تیمارداری پر بہت روپیہ صرف ہوا۔ بڑے بھائی کی موت ان کے لیے ہر نقطۂ نظر سے بڑی خطرناک ہوتی...... میں نے ابھی ابھی نئی پریکٹس شروع کی ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ میں مسلسل یہاں موجود رہوں...... اس بات کا امکان ہے کہ میں ستمبر کی تعطیلات میں آپ سے ملنے کی کوشش کروں جب چیف کورٹ بند ہوتی ہے۔[۵]

۱۴ر جنوری کو اقبال نے خواجہ حسن نظامی کے نام خط لکھا اور انھیں بتایا کہ مجھے اپنے حلقہ مشائخ کے ادنیٰ ملازمین میں تصور کیجیے۔[۶]

۶ر فروری کو انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے اجلاس میں عہدے داروں کا انتخاب ہوا۔ اقبال اس کے جنرل سیکریٹری مقرر ہوئے۔[۷]

۲۰ر فروری کو انجمن حمایت اسلام کی مجلس انتظامیہ کے ارکان سہ سالہ کے انتخاب میں بھی اقبال رکن منتخب ہوئے۔[۸]

۲۶ر مارچ کو اقبال انجمن اسلامیہ پنجاب کے رکن بھی منتخب ہوگئے۔ انجمن کا اجلاس ساڑھے پانچ بجے شام سید فضل شاہ رئیس صدر انجمن اسلامیہ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔[۹]

۲۸ر مارچ کو آپ نے منشی غلام قادر فرخ امرت سری کو ایک خط تحریر فرمایا۔ اس میں اقبال نے لکھا، میں خود اس خیال کا حامی رہ چکا ہوں کہ امتیاز مذہب اس ملک سے اٹھ جانا چاہیے۔[۱۰]

۴ یا ۵ر اپریل کو آپ نے پروفیسر آرنلڈ کی گیارہ بارہ سالہ صاحبزادی مس نینسی آرنلڈ (Nancy Arnold) کے نام ایک پوسٹ کارڈ لندن روانہ کیا جس کی مالیت ایک آنہ تھی۔ اس کارڈ کی پشت پر جامع مسجد دہلی کی تصویر بنی ہوئی تھی جہاں ایک جم غفیر نماز جمعہ ادا کر رہا تھا۔ اس کارڈ پر آپ نے مس نینسی کو تحریر کیا: "یہ رہا تمھارے لیے ریاضی کا ایک مسئلہ۔ وہ تمام مرد (اور عورتیں) جو دلی کی مسجد میں مصروف نماز ہیں، ذرا ان کو گن کر تو دکھاؤ۔"[۱۱]

۹۔۱۱ر اپریل کو انجمن حمایت اسلام کا ۲۴واں جلسہ عام اسلامیہ کالج کے میدان میں منعقد ہوا۔ صدر جلسہ شیخ عبدالحق نائب صدر میونسپل کمیٹی ملتان تھے۔ صاحب صدر نے سب سے پہلے انگریزی میں اقبال کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد اقبال کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ آپ نے انگریزی میں تقریر فرمائی۔ عنوان تھا: "اسلام ایک سیاسی اور مذہبی نصب العین کی حیثیت سے"۔ میاں فضل حسین بیرسٹر نے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا۔[۱۲]

۱۰ر اپریل کو اقبال نے شیخ عطاء اللہ کے نام خط لکھا اور ان کی تصنیف شہادت الفرقان

علی جمع القرآن کو لاجواب قرار دیا۔[۱۳]

۱۷/اپریل عطیہ بیگم کو خط تحریر فرمایا اور بتایا کہ ان کے بڑے بھائی جان کا تبادلہ ایک ایسے مقام پر ہو گیا ہے جو بمبئی سے سولہ میل ہے۔[۱۴]

اقبال نے علی گڑھ کالج میں پروفیسر فلسفہ کی پیش کش قبول نہیں کی تھی۔ عطیہ بیگم کو اقبال کا یہ انکار اچھا نہ لگا۔ عطیہ کو اس کالج سے دلچسپی تھی اور انھوں نے مختلف طریقوں سے اس درس گاہ کی خدمت بھی کی تھی۔ اس سلسلے میں عطیہ نے اقبال کو ایک خط لکھا جو انھیں بہ تاریخ ۱۹/اپریل موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز جواب دیا اور لکھا کہ میں نے تو گورنمنٹ کالج لاہور کی پیش کش بھی قبول نہیں کی...... دراصل میں کسی قسم کی ملازمت کرنا نہیں چاہتا...... میں جلد سے جلد اس ملک سے بھاگ کر کہیں اور جانا چاہتا ہوں...... میں اپنے بھائی کا ایک قسم کا اخلاقی قرض دار ہوں اور یہی چیز مجھے روک رہی ہے۔ میری زندگی سخت مصیبت بنی ہوئی ہے۔ وہ مجھ پر کوئی بھی بیوی زبردستی منڈھ دینا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو لکھ دیا ہے کہ انھیں میری شادی ٹھہرانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا...... میں بیوی کی کفالت کرنے پر بالکل رضامند ہوں لیکن اسے اپنے ساتھ رکھ کر اپنی زندگی اجیرن بنانے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے مسرت اور خوشی حاصل کرنے کا حق ہے......"[۱۵]

ماہ اپریل میں اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تاریخ کا پروفیسر بننے کی پیش کش بھی ٹھکرا دی۔[۱۶]

لاہور کے انگریزی رسالے آبزرور کے شمارہ اپریل میں اقبال کا وہ مضمون شائع ہوا جو آپ نے انجمن حمایت اسلام کے جلسہ ۱۹۰۰ء میں پڑھا تھا۔ یہ مضمون انگریزی رسالے *INDIAN ANTIQUARY* کے شمارہ ستمبر ۱۹۰۰ء میں بھی شائع ہوا۔[۱۷]

گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے قائم مقام پروفیسر وائٹ جیمز (Prof Wyatt James) یکم مئی کو چل بسے۔ ان کی جگہ فوری طور پر کسی انگریز پروفیسر کا انتظام نہ ہو سکا، چناں چہ پرنسپل ایس رابسن ایم اے کی درخواست پر حکومت پنجاب نے اقبال سے استدعا کی کہ وہ عارضی طور پر پروفیسر فلسفہ کا عہدہ قبول کر لیں۔ سیکریٹری تعلیم حکومت پنجاب نے کورٹ کے چیف جج و جج صاحبان کو تحریر کیا کہ وہ اقبال کے مقدمات ایسے اوقات میں پیش کریں جب پروفیسر موصوف اپنے تدریسی فرائض سے فارغ ہو جائیں۔ کورٹ نے ہدایات منظور کر لیں۔ چنانچہ آپ ۱۰/مئی

سے گورنمنٹ کالج میں فلسفہ پڑھانے لگے۔[۱۸] روزنامہ سراج الاخبار جہلم ۱۸/مئی کی اشاعت میں خبر دیتا ہے:

''ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کو زمانہ پروفیسری گورنمنٹ کالج لاہور میں پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ ملے گی اور علاوہ اس کے انھیں قانونی پریکٹس کرنے کی اجازت بھی ہوگی۔''[۱۹]

اس تقرر کے بعد اقبال کی زندگی اور بھی مصروف ہوگئی۔ وہ صبح کالج میں تین گھنٹہ طلبہ کو لیکچر دیتے۔ اس کے بعد چیف کورٹ میں مقدمات کی پیروی کرتے۔

اقبال نے ۱۱/مئی کو منشی محمد الدین فوق کے نام خط تحریر فرمایا۔ اس میں انھوں نے مرزا افضل احمد کا خط ارسال کیا جسے وہ انجمن کشمیری مسلمانان میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس کی تعمیل کے لیے آپ نے فوق سے درخواست فرمائی۔[۲۰]

ماہ مئی میں اقبال نے انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے برادری کی ضلعی شاخوں اور بعض سربرآوردہ حضرات کی خدمت میں ایک مطبوعہ خط بھیجا اور درخواست کی کہ وہ اس امر کا جائزہ لیں، حکومت تحصیل داروں کی معرفت جو فہرست تیار کرارہی ہے، اس میں کتنے کشمیری مسلمان اقوام بندی زمینداری میں شامل کیے جانے کے لائق ہیں اور اس پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں؟[۲۱]

تلوک چند محروم کے نام اپنے ایک مکتوب بہ تاریخ ۴ جولائی میں اقبال نے انھیں لکھا کہ آپ کا پیام وسلام رسالہ مخزن میں میری نظر سے گزرا...... آپ کی نظمیں مخزن میں پڑھتا رہا ہوں۔ ماشاءاللہ خوب طبیعت پائی ہے...... میں بوجہ مصروفیت فی الحال شعر گوئی سے محروم ہوں۔[۲۲]

اقبال کی گھریلو زندگی خوش گوار نہیں تھی۔ ان کی بیوی کریم بی بی ان کے پاس نہیں رہتی تھیں زیادہ امکان یہ ہے کہ وہ سیالکوٹ میں اپنی سسرال کے بجائے میکے میں مقیم تھیں۔ اس لیے اقبال کے والدین اور بڑے بھائی ان کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ گھریلو ناخوشگواری کی وجہ سے وہ دوسروں سے زیادہ بات چیت نہیں کرتے تھے۔ عطیہ بیگم کی سعی تھی کہ اقبال کو یاس وقنوطیت کے اس ماحول سے باہر نکالا جاسکے۔ چنانچہ ۷/جولائی کو اقبال کو عطیہ کا ایک خط موصول ہوا۔ جواب میں اقبال نے انھیں تحریر فرمایا کہ ''میں دوسروں کے سانس کی مدد سے زندگی بسر کرنا نہیں چاہتا۔''

جینا وہ کیا جو ہو نفس غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے

میں سیدھی سادی اور دیانتدارانہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو جھکا نہیں سکتا۔

میں ہر وہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں جس سے آپ خوش ہوں۔ اگر میری روح کے عمیق ترین خیالات کبھی عوام پر ظاہر ہو جائیں، اگر وہ باتیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں، کبھی سامنے آ جائیں، تو مجھے یقین ہے کہ دنیا میرے انتقال کے بعد ایک نہ ایک دن بالضرور میری پرستش کرے گی۔[۲۳]

اقبال نے بہ تاریخ ۲۰ر جولائی جرمن زبان میں ویگے ناست کو خط تحریر فرمایا۔ انھوں نے لکھا کہ ان کا خط پا کر انھیں بہت مسرت ہوتی ہے...... مجھے جرمنی بہت پسند ہے۔ میں یہاں بالکل اکیلا رہتا اور خود کو بڑا غمگین پاتا ہوں۔ مس فیضی بمبئی میں ہیں۔ ان کی والدہ انتقال کر گئی ہیں۔ براہِ کرم مجھے اپنے دل اور اپنی یادوں میں چھوٹی سی جگہ دیجیے گا۔[۲۴]

۲ر اگست کو آپ نے خواجہ حسن نظامی کے نام خط لکھا اور رسالہ ملنے کی اطلاع دی۔[۲۵]

الٰہ آباد کے انگریزی جریدہ ہندوستان ریویو کے دو شماروں میں اقبال کا یہ تحقیقی مضمون شائع ہوا:

"Islam as a Moral and Political Ideal"[۲۶]

مخزن کے شمارہ اپریل میں آپ کی ایک خوب صورت نظم ''بلادِ اسلامیہ'' شائع ہوئی۔[۲۷]

اس سال آپ لاء پبلشنگ پریس لاہور کے شائع کردہ ایک قانونی رسالے انڈین کیسز لاء رپورٹس کے حلقہ ادارت میں بطور معاون مدیر شامل ہو گئے۔[۲۸]

سال رواں میں اقبال کی تحریک پر Viceregal Legislative Counsel کے اجلاسوں میں یہ مسائل پیش کیے گئے:

کشمیریوں کو زراعت پیشہ قرار دیا جائے اور فوج میں ان کی نمائندگی ہونی چاہیے۔[۲۹]

اس سلسلے میں اقبال کے چند مراسلے بھی اخباروں میں شائع ہوئے جن کے ذریعے فوجی بھرتی اور حصول اراضی کے معاملات کشمیریوں اور حکام، دونوں پر واضح کرنے کی کوشش کی گئی۔ مزید برآں اقبال ایک وفد کے ہمراہ مہاراجا پرتاب سنگھ، والیِ کشمیر سے ملنے بھی گئے۔

❋......❋......❋

حواشی

۱- روح مکاتیب اقبال، ص ۸۴

۲- انوار اقبال، ص ۵۶، حاشیہ۔

۳- اقبال یورپ میں، ص ۱۲۲-۱۲۴

۴- مجلّہ تحقیق، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، جلد ۲، شمارہ ۴، بحوالہ سراج الاخبار، ص ۱۰۰

۵- عطیہ بیگم،اقبال،ص۳۳۔۳۵
۶- روح مکاتیب اقبال،ص۸۵
۷- انوار اقبال،ص۵۶
۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۵۰
۹- مفکر پاکستان،ص۱۵۸
۱۰- روح مکاتیب اقبال،ص۸۵
۱۱- اقبال یورپ میں،ص۵۹
۱۲- اقبال کی صحبت میں،ص۷۲
۱۳- روح مکاتیب اقبال،ص۸۶
۱۴- عطیہ بیگم،اقبال،۴۰۔۴۲
۱۵- ایضاً،ص۳۶۔۳۹
۱۶- زندہ رود۔ص۱۴۰
17- Latif Ahmed Sherwani, *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, P-97.
۱۸- زندہ رود،ص۱۴۰۔۱۴۱
۱۹- سراج الاخبار،جہلم،۱۸مئی۱۹۰۹ء
۲۰- روح مکاتیب اقبال،ص۸۷
۲۱- ایضاً،ص۸۸
۲۲- انوار اقبال،ص۲۲۶
۲۳- عطیہ بیگم، اقبال،ص۴۳۔۴۷
۲۴- اقبال یورپ میں،ص۱۲۵۔۱۲۶
۲۵- روح مکاتیب اقبال،ص۸۹
۲۶- اقبال کی صحبت میں،ص۷۰
۲۷- سیدعبدالواحد معینی،باقیات اقبال،ص۳۵۳
۲۸- زندہ رود
۲۹- زندہ رود،ص۱۴۱

۱۹۱۰ء......حیدرآباد دکن کا دورہ

اقبال کچھ عرصہ سے مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ سال رواں کے اوائل میں آپ نے حیدرآباد دکن جانے کا پروگرام بنایا۔ ریاست حیدرآباد میں عطیہ فیضی کے پھوپھی زاد اکبر حیدری وزیرِ مالیات تھے۔ ان کے نام تعارفی خط حاصل کرنے کی خاطر آپ نے عطیہ بیگم کو خط لکھا۔ عطیہ بیگم نے اکبر حیدری کے نام ایک تعارفی خط اقبال کو ارسال کر دیا۔[۱] اقبال کے ایک دوست شیخ غلام قادر گرامی بھی ۱۸۸۸ء سے حیدرآباد میں مقیم تھے[۲] وہ نواب کے دربار سے وابستہ تھے۔ انھیں دربار سے ملک الشعراء کا خطاب مل چکا تھا۔ اقبال نے بہ تاریخ ۱۱/ مارچ گرامی صاحب کو خط لکھا اور ان سے حیدری صاحب کے متعلق بعض استفسار کیے۔[۳]

پنجاب یونی ورسٹی کے چانسلر نے ۲/ مارچ کے دن پانچ اصحاب کو یونی ورسٹی کا فیلو نامزد کیا۔ ان میں اقبال کے علاوہ شیخ عبدالقادر، عبدالعزیز پرنسپل اسلامیہ کالج، ایم بی وی کول پرنسپل خالصہ کالج امرت سر اور بھائی گوپال سنگھ چاولہ گورنمنٹ کالج لاہور شامل تھے۔[۴] سنڈیکیٹ نے اسی دن آپ کو اورینٹل اور آرٹس فیکلٹی کا رکن بھی مقرر کیا۔[۵]

کلکتہ کے شاعر رضا علی وحشت کا دیوان اقبال کے نام موصول ہوا۔ اقبال نے انھیں ۳۰/ مارچ کو خط لکھا اور ان کے اردو کلام کی تعریف فرمائی۔[۶]

اقبال نے ۱۹/ مارچ کو گورنمنٹ کالج لاہور سے دس روز کی رخصت لے لی۔ ۱۸/ مارچ کی رات آپ بذریعہ ریل گاڑی حیدرآباد دکن روانہ ہو گئے۔[۷]

حیدرآباد پہنچ کر آپ نے عطیہ بیگم کو پہنچنے کی اطلاع دی۔[۸] اس وقت تک شہر کے ادبی حلقوں میں اقبال کا اس قدر چرچا پھیل رہا تھا کہ ''اقبال کلب'' کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم ہو چکا تھا۔ اس کی محفلوں میں ریاست کے وزیر اعظم بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ اقبال نے حیدرآباد میں اکبر حیدری کے ہاں قیام فرمایا۔ ان کی اہلیہ نے اقبال کی بود و باش کا بڑا خیال رکھا۔ ان کے ہاں اقبال کو گھر جیسا آرام ملا۔ بیگم اکبر حیدری کی عربی نما مہمان نوازی سے اقبال بڑے متاثر ہوئے۔ مسز

اکبر حیدری کو بھی آپ نے پُرخلوص اور ہمدرد انسان پایا۔ میاں بیوی کی معیت میں آپ کو حیدرآبادی معاشرے کے بعض بہترین نمونے دیکھنے کو ملے۔ انہوں نے اقبال کو حیدرآباد کی مقتدر ہستیوں سے متعارف کرایا۔[۹]

نظام کالج حیدرآباد میں طباطبائی فارسی کے پروفیسر تھے۔ اقبال ان سے ملنے ان کے دولت کدہ تشریف لے گئے۔ ان سے کلام سنا اور قادرالکلامی پر انھیں داد دی۔[۱۰] حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری نے اقبال کی دعوت کی۔ اس میں مولانا ظہیر دہلوی بھی موجود تھے۔ مولانا نے اقبال سے شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ مگر اقبال کو شعر سنانے سے زیادہ مولانا کی زبان سے شاعری سننے کا شوق تھا۔ اقبال نے فرمایا کہ حضرت جب تک میں پہلے آپ کی زبان سے شعر نہ سن لوں، اپنا شعر ہرگز نہ سناؤں گا۔ مولانا نے درخواست منظور فرما کر یہ شعر سنایا:

وہ جھوٹا عشق ہے جس میں فغاں ہو
وہ کچی آگ ہے جس میں دھواں ہو

ایک شعر اور بھی سنایا[۱۱] اس محفل میں ریاست کے وزیرِاعظم مہاراجا کشن پرشاد بھی رونق افروز تھے۔ ان سے اقبال کی ملاقات ہوئی۔[۱۲] میر محبوب علی خاں ریاست حیدرآباد کے حکمراں تھے۔ تاہم انھوں نے اقبال کو اپنے ہاں مدعو نہیں کیا۔ حیدرآباد جانے کا مقصد دربارِ دکن میں باریاب ہو کر انھیں تصنیف و تالیف کے سلسلے میں مستقبل کے اپنے عزائم کی اہمیت سے روشناس کرانا تھا۔ نواب صاحب کی طرف سے اگر کوئی مناسب منصب پیش کیا جاتا تو شاید اقبال اُسے قبول کر لیتے۔[۱۳] لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ نواب صاحب کے لاپروا رویے سے اقبال دل برداشتہ ہوئے۔ نذر علی حیدری ریاست کے محکمہ خزانہ کے معتمد تھے۔ ایک شب وہ اقبال کو شاہی قبرستان میں گنبدوں کی زیارت کرانے لے گئے، جہاں سلاطین قطب شاہی سو رہے تھے۔ رات کی خاموشی، ابر آلود آسمان اور بادلوں سے چھن کے آتی چاندنی نے اقبال کے دل پر بہت اثر کیا۔ اقبال نے ''گورستانِ شاہی'' نظم میں اس رات کے تاثرات بیان کیے ہیں۔[۱۴]

اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد ضلع بمبئی میں ملٹری ورکس سروس کی دیولالی چھاؤنی میں تعینات تھے۔[۱۵] وہ اقبال سے ملنے حیدرآباد آئے۔[۱۶] حیدرآباد روانگی سے قبل وزیرِاعظم مہاراجا کشن پرشاد نے اقبال کو محبت بھرا ایک مکتوب تحریر کیا اور اس میں اپنا کلام بھی درج کیا۔ اقبال نے جواباً اپنا کلام انھیں تحریر فرمایا۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:[۱۷]

کی وزیر شاہ نے وہ عزت افزائی مری
چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار

حیدرآباد میں قیام کے دوران آپ کو عطیہ فیضی کے والد کی جانب سے بھی دعوت نامہ موصول ہوا، لیکن آپ نے جنجیرہ آنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ آپ نے تار کے ذریعے معذرت فرمائی۔ اس سلسلے میں اقبال نے عطیہ کو ایک خط بھی تحریر کیا۔ [۱۸]

۲۳/ مارچ کو اقبال حیدرآباد سے روانہ ہو گئے۔ رات کو اورنگ آباد میں ٹھہرے۔ یہاں مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر آٹھ کوس دُور خلدآباد میں آسودہ لحد ہیں۔ شیخ عطا محمد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دو روز تک دونوں بھائیوں نے اورنگ آباد میں قیام کیا۔ یہیں عالم گیر کی پہلی بیوی رابعہ درانی (تعمیر مقبرہ ۱۶۷۹ء) بھی دفن ہے [۱۹] اقبال نے عالمگیر کے مقبرے کی زیارت کی۔ فاتحہ پڑھی۔ [۲۰] رابعہ درانی کی قبر پر بھی فاتحہ خوانی کی گئی۔ دولت آباد کا قلعہ بھی دیکھا، جس کا قدیم نام دیوگری تھا۔ محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء میں دہلی سے دیوگری دارالحکومت منتقل کیا تھا لیکن یہ تجربہ ناکام رہا۔ لوگوں کی تکالیف اور پریشانیاں مدنظر رکھتے ہوئے سترہ برس بعد واپس دہلی جانے کا حکم دیا یوں دہلی پھر دارالحکومت بن گیا۔ [۲۱]

اقبال ۲۹/ مارچ کو صبح لاہور پہنچے۔ آپ پہلے سیدھے کالج گئے، طلبہ کو لیکچر دیے۔ اس کے بعد وہاں سے کچہری پہنچے اور اپنے مقدمات کی پیروی فرمائی۔ [۲۲]

اگلے روز آپ نے عطیہ کو لاہور پہنچنے کی اطلاع دی۔ جواب میں عطیہ نے اقبال کو ایک سخت خط لکھا اور انھیں بتایا کہ اگر انھوں نے کسی ہندوستانی ریاست کی ملازمت قبول کر لی تو وہ اپنی خداداد غیر معمولی قابلیت کھو بیٹھیں گے۔ [۲۳] اقبال نے ۷/ اپریل کو خط کا جواب تحریر فرمایا۔ [۲۴] اس تفصیلی مکتوب میں آپ نے اپنے سفر حیدرآباد کی روداد بھی بیان فرمائی۔ آپ نے تحریر کیا کہ میں ایک ہندوستانی والیِ سلطنت کی قدر شناسی کی کیا پروا کرتا ہوں جب غیر ممالک کے صاحب کلچر اشخاص کی قدر شناسیاں مجھے ملتی رہتی ہیں۔ مذکورہ خط میں آپ نے اپنی شاعری کے متعلق تحریر کیا کہ میرے دل میں اب شاعری کا کوئی ولولہ باقی نہیں رہا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے میری شاعری کی خوب صورت دیوی کو قتل کر دیا اور مجھ سے میرا سارا تخیل چھین کر مجھے رنڈوا بنا ڈالا ہے۔ شاید اورنگ زیب والی نظم، جن کے مزار کی زیارت میں نے حال میں کی ہے، میری آخری نظم ہو۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس نظم کا لکھنا گویا میرے فرائض میں داخل ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر وہ مکمل ہو گئی، تو کچھ عرصے تک ضرور زندہ رہے گی۔

اپریل میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے ارکان میں کچھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ ۲۹/

اپریل کو جنرل کونسل کے اجلاس میں صدر جلسہ نے سات افراد پر مشتمل ایک ثالثی مجلس مقرر کرنے کی تجویز پیش کی۔ اقبال کثرت رائے سے اس مجلس کے رکن منتخب ہوئے۔[۲۵] انجمن کے خلاف اخبار وطن کے مدیر مولوی انشاء اللہ خاں کے دائر کردہ مقدمات واپس لے لیے گئے۔[۲۶]

۳ر مئی کو پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے لاہور میں دیال سنگھ کالج کا افتتاح کیا۔[۲۷-A]

۱۴ر مئی کو اقبال نے آسمان پر ایک دم دار ستارہ دیکھا۔ اس سلسلے میں آپ نے ۱۵ر مئی کو تحریر فرمایا:[۲۷]

''کل تقریباً چار بجے صبح میں نے کرہ ارض کے اس عظیم الشان زائر کو دیکھا، جو ہیلی کا دم دار ستارہ کہلاتا ہے۔ فضائے بسیط کا یہ پر شکوہ تیراک پچھتر برس میں ایک بار ہماری فضائے آسمان پر نمودار ہوتا ہے۔ اب میں دوبارہ اسے صرف پوتوں کی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا۔''

مئی کی ایک شام محمد الدین فوق اور وجاہت حسین جھنجھانوی اقبال کے ہاں آئے اور آپ کو اپنا کلام سنانے لگے۔ اقبال کلام سننے میں منہمک تھے کہ اسی اثنا میں منشی طاہر الدین کمرے میں داخل ہوئے اور بتایا کہ ایک موکل آیا ہے، وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اقبال نے جواب دیا کہ اس کو بٹھائیے، میں یہاں سے فارغ ہو کر اُسے بلاؤں گا۔ منشی فوق نے کہا ''بابا! پہلے پیٹ کی فکر ہونی چاہیے۔ یہ شغل تو ہوتا ہی رہتا ہے۔'' آپ نے فرمایا کہ یہی شغل تو غذائے روح ہے۔ روح ہے تو سب کچھ ہے۔ موکل اگر میرا نام سن کر آیا ہے تو وہ کہیں بھاگ نہیں جائے گا۔ چنانچہ مہمانوں کا کلام سننے کے بعد اقبال نے اپنا تازہ کلام سنایا اور اس کے بعد ہی مجلس برخاست ہوئی۔[۲۸]

میاں فضل حسین، سیکریٹری کالج کمیٹی کی عدم موجودگی میں نئے سیکریٹری کا انتخاب کرنے کے لیے ۲۶ر جولائی کو اسلامیہ کالج لاہور کی کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اقبال نئے سیکریٹری مقرر ہوئے۔[۲۹]

۱۸ر اگست کی شب دس بجے بھوپال میں مولوی محمد اسمٰعیل کے مکان کے ایک بڑے ہال میں ایک مشاعرہ ہوا۔ باہر سے آئی غزلیں سنانے کے لیے عبدالصمد مسرؔور قادری بدایونی سیکریٹری مشاعرہ اور سید معین الدین حسن دہلوی کے نام تجویز کیے گئے۔ یہ طرحی مشاعرہ غالب کی مشہور غزل کے اتباع میں ہوا جس کا مصرع ہے:

قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

اس مشاعرے کے لیے اقبال نے غالب کی زمین میں یہ تین شعر لکھ کر روانہ کیے تھے:

حلقہ زنجیر کا ہر جوہر پنہاں نکلا
آئینہ قیس کی تصویر کا زنداں نکلا

ہم گراں جان کے لائے تھے عدم سے بلبل
باغ ہستی میں متاعِ نفس ارزاں نکلا
وسعت افزائی آشفتگی شوق نہ پوچھ
خاک کی مٹھی میں پوشیدہ بیاباں نکلا[۳۰]

اقبال نے بہ تاریخ ۲۲؍ اگست گوہر علی، سیکریٹری انجمن اسلامیہ پکھلی (ہزارہ) کو ایک خط لکھا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ ۳۱؍ جولائی ۱۹۰۸ء کو پیسہ اخبار میں جو کچھ آپ نے لکھا تھا، اس کے متعلق مجھے کچھ یاد نہیں کہ آپ نے میری نسبت کیا تحریر فرمایا تھا۔ اخبار افغان بھی میری نظر سے نہیں گزرا۔[۳۱]

۱۱؍ ستمبر کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں اقبال کے کالج کمیٹی کے رکن ہونے کی توثیق کر دی گئی۔[۳۲]

۱۳؍ اکتوبر[۳۳] بروز جمعرات ۱۰:۳۰ بجے صبح اسلامیہ کالج میں جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں مولوی محبوب عالم اور اقبال نے شرکت فرمائی۔ اسی اجلاس میں اقبال قواعد بنانے والی کمیٹی کے سیکریٹری چنے گئے۔ ۲۳؍ اکتوبر کو انجمن حمایت اسلام کا ایک اجلاس میاں نظام الدین کی صدارت میں ہوا۔ اس میں اسلامیہ کالج کے پرنسپل عبدالعزیز کی جگہ اقبال کو ایجوکیشنل کانفرنس کا سیکریٹری مقرر کیا گیا۔[۳۴]

۲۲؍ ستمبر کے دن اقبال نے جرمن زبان میں مس ویگے ناست کو ایک مکتوب تحریر فرمایا اور لکھا کہ ان کا خط انھیں موصول ہو گیا ہے۔ اگلے ہفتے وہ انھیں ایک طویل خط تحریر کریں گے۔ اس مکتوب کے ساتھ آپ نے اوورکوٹ کے کالر اور بازوؤں کے لیے تبتی بھیڑ کی پوستین بھیجی۔[۳۵]

۱۳؍ دسمبر شام کے ساڑھے چھ بجے برکت علی محمڈن ہال میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ صدر جلسہ شیخ امیر علی تھے۔ اقبال نے اس میں ایک پُرمغز تقریر فرمائی۔ اس کے علاوہ حکیم اللہ یار جوگی نے برکات تعلیم کے عنوان سے ایک نظم پڑھی۔[۳۶]

۳۱؍ دسمبر کو اقبال گورنمنٹ کالج لاہور سے مستعفی ہو گئے، کیوں کہ شعبہ فلسفہ میں دکن کالج پونہ سے ایل پی سونڈرز L.P, SAUNDERS تبدیل ہو کر آ گئے تھے۔[۳۷] اس موقع پر آپ کے اعزاز میں ایک الوداعی پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں اقبال کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے

آنے والے نئے پروفیسر کو خوش آمدید کہا گیا۔ اس تقریب میں اقبال نے ''رابرٹ براؤننگ کی شاعری'' کے عنوان سے ایک لیکچر دیا۔ بعد ازاں کالج ہذا کی طرف سے شعبہ فلسفہ میں مستقل ملازمت کی پیش کش کی گئی، لیکن اقبال نے انکار کر دیا اور وکالت کو ترجیح دی۔ آپ کے انکار پر شعبہ میں ایک نئے ہندو اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ کا تقرر رہوا۔[۳۸] ماہ دسمبر میں اقبال نے علی گڑھ کالج میں مسلم کمیونٹی پر انگریزی میں ایک لیکچر دیا۔

لاہور کے مجلّہ مخزن کے شمارہ جون میں اقبال کا ۱۳۹ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ شائع ہوا۔ اس کا ایک شعر ہے:[۳۹]

خطۂ جنت فزا جس کا ہے دامن گیر دل
عظمت دیرینہ ہندوستان کی یادگار

مخزن کے اسی شمارے میں اقبال کی ایک نظم ''شکریہ'' بھی شائع ہوئی۔ ''گورستان شاہی'' نظم بھی جون کے رسالے میں شائع ہوئی۔ شمارہ جولائی میں نظم ''فلسفہ غم'' چھپی جو میاں فضل حسین بیرسٹر لاہور کے نام ہے۔ میاں صاحب کے والد کی وفات پر یہ نظم لکھ کر اقبال نے ان کے غم میں شریک ہونے کا حق ادا کر دیا۔[۴۰]

اسی سال لاہور میں اقبال کا نکاح سردار بیگم سے ہوا۔[۴۱] سردار بیگم کے بھائی خواجہ عبدالغنی، منشی طاہرالدین کے احباب میں سے تھے اور قالین فروخت کیا کرتے تھے۔ ان کے پھوپھا ضلع کچہری میں عرضی نویس تھے۔ نکاح تو ہو گیا لیکن رخصتی عمل میں نہ آئی۔

ماہ ستمبر میں اقبال کے بڑے بھائی، شیخ عطا محمد رخصت قبل از وقت پنشن پر سیالکوٹ آ گئے، تاکہ مکان کی ازسرِنو تعمیر کی جا سکے۔[۴۲]

لندن کے رسالے سوشیالوجیکل ریویو ۱۹۰۸ء میں اقبال کے شائع ہونے والے ایک مضمون کو الٰہ آباد کے انگریزی رسالے ہندوستان ریویو نے شمارہ دسمبر میں شائع کیا۔[۴۳]

۱۸ اگست کو بھوپال میں ہونے والے مشاعرے میں اقبال نے اپنا کلام روانہ فرمایا۔ اس مشاعرے کی روداد ''آئینہ مشاعرہ'' کے نام سے ایک کتابچے کی صورت باہتمام منشی عبدالعزیز خاں، عزیزی پریس آگرہ سے شائع ہوئی۔ سُرور قادری نے اسے مرتب کیا۔ حروف تہجی کے لحاظ سے شعرا کا تعارف اور کلام درج کیا گیا۔ اقبال کا تعارف پانچویں نمبر پر ہے۔[۴۴]

❁......❁......❁

حواشی

۱- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۴۷
۲- محمد عبداللہ قریشی، مکاتیب اقبال بنام گرامی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۲۰
۳- ایضاً، ص ۹۱
۴- حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۱۷۸
۵- ایضاً، ص ۱۷۹
۶- رحیم بخش شاہین، اوراق گم گشتہ، ص ۱۴۰
۷- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۴۹
۸- ڈاکٹر جاوید اقبال، زندہ رود، ص ۱۴۲
۸- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۵۱
۹- ایضاً، ص ۴۹، ۴۷
۱۰- زندہ رود، ص ۱۴۳
۱۱- صحیفہ، اقبال نمبر حصہ اول، ص ۱۰۶، ۱۰۵
۱۲- زندہ رود، ص ۱۴۴
۱۳- ایضاً، ص ۱۴۳
۱۴- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۹۲
۱۵-۱۶- زندہ رود، ص ۲۹۲
۱۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۹۳-۹۴
۱۸- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۴۸
19- *India*, Lonely Planet Publication, Australia, 1997, P-857-60
۲۰- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۴۹
21- *India*, Lonely Planet, P-862
۲۲- عطیہ بیگم، اقبال، ص ۵۰
۲۳- ایضاً، ص ۵۱
۲۴- ایضاً
۲۵-۲۶- زندہ رود، ص ۱۴۶
۲۶ب- پنجاب یونی ورسٹی کیلنڈر، ۱۳-۱۹۱۲ء، ص ۶۳۳
۲۷- زندہ رود، ص ۱۸۹

۲۸- ایضاً،ص۱۴۲

۲۹- حنیف شاہد،اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۵۱

۳۰- صہبا لکھنوی،اقبال اور بھوپال،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۱۹۸۲،ص۹۲

۳۱- محمد عبداللہ قریشی،روح مکاتیب اقبال،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۱۹۷۷ء،ص۹۲

۳۲،۳۳- حنیف شاہد،مفکر پاکستان،ص۸۹

۳۴- حنیف شاہد،اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۵

۳۵- سعید اختر درانی،اقبال یورپ میں،ص۱۲۷

۳۶- مفکر پاکستان،ص۱۵۹

37- *A History of Government College Lahore*, 1864-1964, P.115

۳۸- زندہ رود،ص۱۴۶؛اے ہسٹری آف گورنمنٹ کالج لاہور،ص۱۱۵

۳۹- مخزن،جون ۱۹۱۰ء

۴۰- زندہ رود،ص۱۴۶

۴۱- ایضاً،ص۱۶۶

۴۲- اعجاز احمد،مظلوم اقبال،ص۲۴۳-۲۴۹

43- Latif Ahmed Sherwani, *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, P-97.

۴۴- اقبال اور بھوپال، ص۶۰-۶۴

۱۹۱۱ء......شاعری نئی بلندی پر

۲۸ر جنوری کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ صدر جلسہ نواب فتح علی خاں قزلباش تھے۔ برکت علی محمڈن ہال میں دو بجے دوپہر یہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں سہ سالہ انتخاب عمل میں آیا۔ اقبال ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔[۱]

انجمن حمایت اسلام کا اجلاس ۵ فروری کو زیرِ صدارت مفتی محمد عبداللہ ٹونکی منعقد ہوا۔ اس میں شیخ محمد اقبال کو رکن جلسہ کمیٹی مقرر کیا گیا۔[۲]

۱۹ر فروری[۳] کو حبیبیہ ہال، اسلامیہ کالج لاہور میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ دراصل سر سلطان محمد خاں آغا خاں سوم علی گڑھ کالج کو یونی ورسٹی کا درجہ دینے کے سلسلے میں چندہ حاصل کرنے کی غرض سے پورے برصغیر کا دورہ کر رہے تھے۔ یہ جلسہ اسی دورے کی ایک کڑی تھا۔ اقبال نے اپنی تقریر میں مجوزہ یونی ورسٹی کی بھرپور حمایت فرمائی۔ یہ جلسہ کالج کی بزم اردو کے تحت ہوا تھا۔ بیس لاکھ روپے چندہ جمع کرنے کا پروگرام تھا۔ نواب فتح علی خاں قزلباش نے پانچ ہزار روپے دیے۔ پنجاب کے غریب مسلمانوں کی طرف سے راجہ صاحب آف محمود آباد نے پانچ ہزار اور لاہور کے شہریوں کی کمیٹی نے دس ہزار روپے چندے میں دیے۔ پیسہ اخبار کے شمارہ ۲۸ ر مارچ میں اقبال کی تقریر شائع ہوئی جو انھوں نے جلسے میں فرمائی تھی۔

مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور و خوض کرنے کے لیے ایک انجمن، پنجاب پروفیشنل ایجوکیشن کانفرنس اس سال قائم ہوئی۔ اقبال اس کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ اس کا پہلا اجلاس ۱۵ر اپریل کو ہوا۔ اس میں اردو سے متعلق دو قراردادیں منظور کی گئیں۔ یہ اجلاس جسٹس شاہ دین کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔[۴]

ظہیر دہلوی[۵] ۱۹ر مارچ کو حیدرآباد میں انتقال کر گئے۔ لاہور میں یہ خبر ۲۹ مارچ کو پہنچی۔ لاہور میں ۲۳ر اپریل کو بزمِ اردو کے زیرِ اہتمام ایک ماتمی جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ وجاہت حسین

وجاہت جھنجھانوی ،مدیر رسالہ اصلاح سخن، مولوی ظفر علی خاں مدیر زمیندار اور پنجاب ریویو، میر جالب جائنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار، منشی محمد الدین فوق مدیر کشمیری میگزین اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اس جلسے کے روح رواں تھے۔صدر جلسہ محمد اقبال مقرر ہوئے۔سب سے پہلے اقبال نے مولانا ظہیر کی شاعرانہ خوبیوں کا تذکرہ کیا اور جلسے کی غرض وغایت بیان فرمائی۔اس کے بعد مولانا ظفر علی خاں، میر جالب، منشی ہدایت اللہ، شیدا امرت سری، منشی محمد الدین فوق، وجاہت حسین اور خواجہ دل محمد نے مرثیے اور نظمیں پڑھیں۔اقبال نے ظہیر دہلوی کی وفات پر قطعہ تاریخ کہا:

زبدۂ عالم ظہیر دہلوی

۱۳۲۹ھ

انجمن حمایت اسلام[۶] کا چھبیس واں سالانہ اجلاس ماہ اپریل میں اسلامیہ کالج کے ریواز ہوسٹل کے پچھلے صحن میں منعقد ہوا۔ یہ ہوسٹل ابھی زیر تعمیر تھا۔اجلاس میں اقبال کے والد شیخ نور محمد بھی شریک ہوئے۔اس شام اقبال اپنے والد کے ساتھ مرزا جلال الدین بیرسٹر کے ہاں کھانے پر مدعو تھے۔وہ سب کھانا کھا رہے تھے کہ انجمن کے سیکریٹری چندار کان کے ہمراہ ہانپتے ہوئے لوٹے اور پریشانی کے عالم میں بتایا کہ نظم سنانے کا وقت شروع ہونے والا ہے اور سامعین شدت سے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔اقبال صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور جلسہ گاہ میں پہنچے۔ جلسے کی صدارت فقیر سید افتخار الدین کر رہے تھے۔اقبال نے شلوار قمیص اور چھوٹا سا کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔سر پر سرخ ترک ٹوپی تھی۔اسٹیج پر آئے تو چاروں طرف اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔سامعین نے بہت اصرار کیا مگر آپ نے ترنم سے نظم پڑھنے سے معذرت کر لی۔آپ نے سب سے پہلے ایک قطعہ تحت اللفظ پڑھا جس کا آخری شعر یہ ہے:

ڈھب مجھے قوم فروشی کا نہیں یاد کوئی
اور پنجاب میں ملتا نہیں استاد کوئی

اس قطعہ میں میاں فضل حسین جیسے مخالف لوگوں کی ہجو کی گئی تھی۔ یہ سولہ اشعار پر مشتمل قطعہ تھا۔آخر لوگوں کے اصرار پر اقبال نے ترنم سے ایک طویل نظم ''شکوہ'' پڑھی جو مسدس میں ۳۱ بندوں پر مشتمل ہے۔آپ کے مداح جھولیاں بھر کر پھول لائے تھے، جب آپ شکوہ سنا رہے تھے تو وہ آپ پر پھول برسانے لگے۔نظم سننے والوں میں آپ کے والد، بھتیجے شیخ اعجاز احمد، شیخ عبدالقادر اور دوسری قدآور شخصیات شامل تھیں۔ بیٹے کی کامیابی دیکھ کر شیخ نور محمد کی آنکھوں میں

خوشی کے آنسو آ گئے۔ جب اقبال نظم سنا چکے تو خواجہ عبدالصمد ککڑ و رئیس بارہ مولا آگے بڑھے اور جوشِ مسرت میں اپنا قیمتی دوشالہ ان کے شانوں پر ڈال دیا۔ اقبال نے یہ دوشالہ انجمن کو دے دیا جو نیلام کیا گیا۔ نیلامی کی رقم انجمن کو دی گئی۔ جن کاغذات پر ''شکوہ'' لکھی ہوئی تھی، ان کی رونمائی کے لیے نواب سر ذوالفقار علی خاں نے ایک سو روپے دینے کا اعلان کیا۔ یہ رقم ادا کرنے کے بعد نواب صاحب نے اصلی نظم بھی انجمن ہی کو نذر کر دی۔ اس کے علاوہ اقبال نے ''اصولِ تمدن'' پر نہایت ہی عالمانہ لیکچر دیا۔ نظم شکوہ پنجاب ریویو کے شمارہ اپریل میں شائع ہوئی۔

ماہ مئی[۷] میں برکت علی محمڈن ہال لاہور میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اقبال بھی اس میں شریک تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے علی گڑھ کالج میں اقبال کے دیے گئے ایک انگریزی لیکچر ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کا اردو میں ترجمہ بڑی خوبی سے پڑھا۔ یہ اردو ترجمہ پنجاب ریویو کے شمارہ مارچ، اپریل میں شائع ہو چکا تھا۔

۱۱ر مئی[۸] کو اقبال نے ویگے ناست کو جرمن زبان میں خط تحریر فرمایا۔ اس میں ویگے ناست کے خوب صورت پوسٹ کارڈ کے ملنے کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اقبال نے ویگے ناست کی بھیجی ہوئی ٹائیاں ملنے پر شکریہ کے کلمات لکھے۔

حیدر آباد دکن کے رسالہ الحبیب، مرتبہ ظفر یاب خاں نے شمارہ جون میں نظم شکوہ شائع کی۔[۹]

۷ر جولائی کو[۱۰] اقبال نے عطیہ فیضی کو خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ وہ پریشانیوں کی وجہ سے ان کے خط کا جواب نہیں دے سکے۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ انھوں نے اس خاتون کو پسند کرنا سیکھ لیا ہے کیونکہ اس نے اپنے بدنصیب اور ناشاد بادشاہ سے نہ جھکنے والی وفاداری ظاہر کر دی۔ آپ نے اس امر کا بھی ذکر کیا کہ ان کے والد صاحب کی فرمائش ہے، بوعلی قلندر کی مثنوی کے نمونے پر ایک مثنوی تخلیق کی جائے۔

۲۱ر جولائی[۱۱] کی شب آپ مولانا ظفر علی خاں کے گھر تشریف لے گئے۔ محفل جمی ہوئی تھی۔ وہیں اقبال اور ظفر علی خاں کے غور و فکر سے ۱۳ر اشعار پر مشتمل ایک نظم وجود میں آئی جس میں مختلف واقعات پر اشارے ملتے ہیں۔

ہمارے شاہ کا ہمسر نہ دارا ہے نہ خسرو ہے
کہ اس کی ذات پر نازاں بساطِ کہنہ و نو ہے

۶/اکتوبر[12] کو مسلمانانِ لاہور شاہی مسجد لاہور میں نمازِ عصر پڑھنے جمع ہوئے۔ اس موقع پر ایک جلسے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اقبال بھی موجود تھے۔ آپ نے اس جلسے میں ایک نظم ''حضور رسالت مآب'' ترنم سے پڑھی۔ گیارہ اشعار پر مشتمل اس نظم میں آپ نے رسول خداؐ کے حضور ملتِ اسلامیہ کے دکھ بیان کیے۔ انھوں نے خصوصاً ترکوں کی حالتِ زار اور انگریزوں کی شہ پر اٹلی کے طرابلس پر حملہ آور ہونے کو نمایاں کیا جس میں بے شمار فرزندانِ توحید شہید ہوئے۔ میاں سر محمد شفیع، شیخ عبدالقادر اور انجمن حمایت اسلام سے تعلق رکھنے والے بیشتر ارکان بھی اس موقع پر موجود تھے۔ جب اقبال نے اپنی نظم کا درج ذیل آخری بند:

حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے، وہ زندگی نہیں ملتی

پڑھا تو لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس نظم نے لاہور کے باشندوں کو بہت متاثر کیا۔

اسی روز[13] آپ نے اکبر الٰہ آبادی کو ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ کل ظفر علی خاں سے سنا، آپ کو چوٹ لگ گئی ہے۔ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیر تک سلامت رکھے تاکہ ہندوستان کے مسلمان اس قلب کی گرمی سے متاثر ہو سکیں جو خدا نے آپ کے سینے میں رکھا ہے۔

۹/نومبر کو آپ نے ترکوں کی کامیابی پر دوبارہ اکبر الٰہ آبادی کو ایک خط تحریر فرمایا۔ ایک اور خط میں اقبال، اکبر صاحب کو لکھتے ہیں:

خدا آپ اور مجھے بھی زیارت روضہ رسولؐ نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے، دیکھیے کب جواں ہوتی ہے۔[14]

۷/دسمبر کو دہلی میں چوتھا شاہی دربار منعقد ہوا۔ اس موقع پر تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کیا گیا۔[15]

۱۲/دسمبر[16] کو لاہور میں ایک جشن برپا ہوا۔ سرکاری سطح پر ایک مشاعرے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ صدر مشاعرہ اقبال تھے۔ اس میں پچاس سالہ برجموہن دتاتریہ کیفی کی نظم اوّل انعام کی حقدار قرار پائی۔ کیفی صاحب اس وقت جالندھر میں موجود تھے۔

۱۴/دسمبر[17] کی تاریخ عطیہ فیضی کا خط اقبال کو موصول ہوا۔ اس کا جواب آپ نے فوراً دے ڈالا۔ اس خط میں آپ نے تحریر فرمایا کہ حکومت نے دہلی کو شاہی شہر بنا کر نہایت چالاکی سے اپنی ہی کارروائی کو کالعدم قرار دے دیا۔ بنگالی سمجھتا ہے کہ اسے بہت بڑی فتح حاصل ہوئی، لیکن وہ اتنا نہیں سمجھا کہ اس کی اہمیت صفر کے درجے تک گھٹا دی گئی۔ اس سلسلے میں آپ نے دو شعر بھی لکھے۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیے:

تاج شاہی آج کلکتہ سے دہلی آ گیا
مل گئی بابو کو جوتی اور پگڑی چھن گئی

پہلی جنگ عظیم [۱۸] ۱۱ر نومبر کو ختم ہوگئی۔ اس ضمن میں سرکاری سطح پر ۱۵ر دسمبر کو لاہور میں ایک جشن منایا گیا۔ مشاعرے کا اہتمام بھی ہوا۔ سر مائیکل اوڈوائر، گورنر پنجاب کی فرمائش پر اقبال نے ۵ شعروں پر مشتمل فارسی میں ایک قطعہ پڑھا۔ اس کے علاوہ اردو میں ایک نظم ''شعاعِ آفتاب'' بھی سنائی۔

ایک خط میں اقبال نے مسز نائیڈو کے لیے آٹھ اشعار پر مشتمل ایک نظم ''نوائے غم'' ارسال فرمائی۔ اسی خط میں دو اور نظمیں ''دعا'' اور ''نمودِ صبح'' بھی لکھ کر بھیجیں۔ یہ دونوں نظمیں آپ نے ایک روز قبل صبح کے وقت تخلیق کی تھیں۔

اقبال نے مولوی کرم الٰہی صوفی کی کتاب ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر جامع تبصرہ فرمایا جو مخزن کے شمارہ نومبر میں شائع ہوا۔ [۱۹]

دسمبر میں [۲۰] محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس دہلی میں زیرِ صدارت شاہ سلیمان پھلواری منعقد ہوا۔ اس میں مولانا شبلی نعمانی، سجاد حیدر، اقبال، سر آغا خاں، سید حسین بلگرامی وغیرہ شریک تھے۔ اس موقع پر خواجہ کمال نے تقریر میں واضح کیا کہ تمام وہ اصول جن پر علوم جدید کی بنیاد ہے، مسلمانوں ہی کے فیض کا نتیجہ ہیں۔ اختتام پر انھوں نے اقبال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

کہاں ہے تو ڈاکٹر اقبال! خدا تعالیٰ تجھے دین و دنیا میں با اقبال کرے۔ ترے نادر قوائے ذہنی ابھی تک دنیا کی نظر سے چھپے ہوئے ہیں......

اس کے بعد اقبال نے تقریر فرمائی۔ بعدازاں سید سجاد حیدر نے مولانا شبلی نعمانی سے درخواست کی کہ وہ اقبال کو پھولوں کے ہار پہنائیں۔ مولانا شبلی نے مختصر تقریر کے بعد اقبال کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا۔ جواب میں اقبال نے حاضرینِ جلسہ اور قوم کا شکریہ ادا کیا۔ جلسے کے اختتام پر صاحب صدر سلیمان پھلواری نے اپنے خطبہ صدارت میں اقبال کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ مذکورہ کانفرنس میں اقبال نے اپنی نظم ''بلادِ اسلامیہ'' مخصوص ترنم کے ساتھ پڑھ کر سنائی۔ یہ نظم شہر یثرب کے متعلق ہے۔ اس میں آپ نے اسلامی دنیا کے پانچ بڑے شہروں ...... دہلی، قرطبہ، بغداد، قسطنطنیہ اور مدینہ منورہ کی عظمت و رفعت کا ذکر کیا ہے۔

کانپور کے رسالے زمانہ دسمبر کا ایک خصوصی شمارہ ''دربارِ شاہی'' نمبر شائع ہوا۔ اس میں اقبال کی نظم ''ہمارا تاجدار بہ یادگارِ شاہی'' بھی شائع ہوئی۔ یہ جارج پنجم کی تاج پوشی کے موقع پر کہی گئی تھی۔ [۲۱]

اس سال آپ بورڈ آف اسٹڈیز فلسفہ کے رکن مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں عربی فارسی، اردو اور پشتو کے مشترکہ بورڈ کے رکن بھی نامزد ہوئے۔[۲۲]

آپ نے مولوی کرم الٰہی صوفی کی تصنیف ہندوستان کی تاریخ پر ایک طویل تبصرہ فرمایا۔[۲۳]

مخزن شمارہ مئی میں آپ کی ایک نظم "نصیحت اور غرّہ شوال" اکتوبر میں شائع ہوئی۔[۲۴]

الٰہ آباد کے رسالے ہندوستان ریویو[۲۵] میں اقبال کا ایک مضمون Political Thought in Islam شائع ہوا۔

اقبال کی نظم "شکوہ" سے متاثر ہوکر نیاز فتح پوری نے ایک مسدس "صدا بہ صحرا" کہی جسے لاہور کے اخبار زمیندار نے ۱۹۱۱ء میں شائع کیا۔ اس مسدس کے ۲۱ بند ہیں۔[۲۶]

❋......❋......❋

حواشی

۱- حنیف شاہد، مفکر پاکستان، ص ۱۵۸
۲- حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۵
۳- مجلّہ اقبال ریویو (انگریزی) اپریل ۱۹۸۴ء
۴- بشیر احمد ڈار، انوار اقبال، ص ۲۹۵
۵- محمد عبداللہ قریشی، اقبال بنام شاد، ۱۹۸۶ء، ص ۶۷
۶- زندہ رود، ص ۱۵۱
۷- جعفر بلوچ، اقبال اور ظفر علی خاں، ص ۷۸
۸- ڈاکٹر سعید اختر درانی، اقبال یورپ میں، ۱۲۷
۹- بشیر احمد ڈار، انوار اقبال، ص ۳۱۱
۱۰- عطیہ بیگم، اقبال، ۱۹۵۶ء، ص ۵۸
۱۱- جعفر بلوچ، اقبال اور ظفر علی خاں، ص ۹
۱۲- اقبال کی صحبت میں، ص ۹۳؛ زندہ رود، ص ۱۵۲
۱۳- روح مکاتیب اقبال، ص ۹۴
۱۴- ایضاً، ص ۹۵
۱۵- محمد رفیق افضل، گفتار اقبال، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ا

۱۶- مفکر پاکستان،ص۲۱۲
۱۷- عطیہ بیگم،اقبال،ص۶۱
۱۸- باقیات اقبال،ص۲۳۷
۱۹- بشیر احمد ڈار،انوار اقبال،ص۱۹۔۲۱
۲۰- زندہ رود،ص۱۵۲
۲۱- بشیر احمد ڈار،انوار اقبال،۲۰۶
۲۲- مفکر پاکستان،ص۱۹۱
۲۳- روح مکاتیب اقبال،ص۹۳
۲۴- باقیات اقبال،ص۳۶۲
۲۵- عبداللہ چغتائی،اقبال کی صحبت میں،ص۷۰
۲۶- سید مقام حسین جعفری،شکوہ اقبال اور اس کی صدائے باز گشت،کراچی،۱۹۷۳ء،ص۳۷،۳۸

۱۹۱۲ء......فاطمہ ـــ آبروئے اُمت مرحوم

مولانا شبلی نعمانی وقف علی الاولاد کی قانونی حیثیت منوانے کے لیے خاصے عرصے سے تگ و دو میں مصروف تھے۔ اس سلسلے میں آپ مسلمان وکلا کا ایک وفد لے کر جنوری کے آخری دنوں میں وائسرائے سے ملنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد ماہ اپریل میں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کا اجلاس تھا۔ شبلی نے اقبال کو دعوت دی کہ وکلا کے وفد میں شامل ہونے کے بعد اجلاس میں بھی شریک ہوں۔ اقبال نے ۱۲؍جنوری کو شبلی کو درج ذیل جواب دیا:

انجمن کا جلسہ ایسٹر کی تعطیلوں میں ہوگا۔ اگر اس جلسے میں شمولیت کے بعد میں لکھنو حاضر ہوسکا تو ضرور حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ افسوس کہ ڈیپوٹیشن میں شریک ہونے سے قاصر ہوں۔ چودھری شہاب الدین، نواب ذوالفقار علی خاں اور محمد شفیع بیرسٹر کو مدعو کریں، وہ پنجاب کی نمائندگی کرسکیں گے۔[۱]

۲۶؍جنوری کو زمیندار اخبار میں سید حسن شفق عماد پوری کی ایک نظم شائع ہوئی۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ ہندوستان میں کوئی شیوا بیان شاعر موجود نہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے ۱۰ اشعروں کی نظم میں انھیں جواب دیا جس کا ایک شعر یہ ہے:

اقبال ہی کو مل لیجیے گر چاہیے مثال
جو نکتہ چیں کے زعم میں اہل زبان نہیں[۲]

۲۹؍جنوری کو شبلی نعمانی وائسرائے سے ملنے وفد لے کر نہیں جا سکے۔[۳]

مخزن جنوری میں اقبال کی نظم ''ہمارا تاجدار'' شائع ہوئی۔ یہی نظم زمانہ کانپور نے دربار شاہی نمبر شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۱۱ء میں شائع کی تھی۔[۴]

یکم فروری[۵] کو باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں مسلمانوں کا ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے صدر ڈاکٹر محمد اقبال مقرر ہوئے۔ تاہم آپ نے اسٹیج پر آ کر جلسہ گاہ میں موجود ملک مبارز خاں ٹوانہ کو صدر جلسہ بنانے کی تجویز پیش فرمائی۔ حاضرین نے آپ کی تجویز سے اتفاق کیا۔

ملک مبارز خاں کرسی صدارت پر متمکن ہوئے تو ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے سورۂ دہر کے پہلے رکوع کی چند آیات نہایت خوش الحانی سے تلاوت فرما کر جلسے کی کارروائی کا آغاز کیا۔ جلسے میں مولوی غلام محی الدین قصوری نے تیسری قرارداد پیش فرمائی۔ اقبال نے اس قرارداد سے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا: ''مسلمانوں کو اپنی ترقی کے لیے خود ہاتھ پاؤں مارنے چاہییں۔ ہندوؤں کو اب تک جو کچھ ملا، محض اپنی کوششوں ہی سے ملا ہے...... اسی طرح جب عربوں نے ہوش سنبھالا تو اپنے کس بل سے کام لیا اور خدا کی قسم، روما جیسی باجبروت سلطنت عربوں کے سیلاب کے آگے نہ ٹھہر سکی......''

۱۷ر فروری[۶] کو مسلمانانِ لاہور کا ایک اجلاس اقبال کی صدارت میں ہوا۔ اس میں مسلمان لڑکے، لڑکیوں میں ابتدائی تعلیم پھیلانے کے لیے کوششیں جاری رکھنے پر زور دیا گیا۔

۱۸ر فروری[۷] کو اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں مسٹر گوکھلے کے مسودہ تعلیم لازمی کی حمایت میں ایک جلسہ زیرِ صدارت ڈاکٹر محمد اقبال منعقد ہوا۔ یہ مسودہ گوکھلے نے امپریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کر رکھا تھا۔ جلسے میں جبری تعلیم کی حمایت میں تقاریر ہوئیں۔ اس سلسلے میں خواجہ کمال الدین نے ایک قرارداد پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہوگئی۔

۲۲ر فروری کے اجلاس میں اقبال اسلامیہ کالج کی کمیٹی کے دوبارہ رکن مقرر ہو گئے۔[۸]

۷ر مارچ کے خط میں آپ نے منشی فوق کو تحریر فرمایا کہ ہندوستان کے ہر مقام پر کشمیری مجلس قائم کی جائے۔[۹]

انجمن حمایت اسلام[۱۰] کا ستائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۶ر اپریل کو زیر صدارت فقیر سید افتخار الدین سی آئی ای مہتمم بندوبست ہوشیار پور منعقد ہوا۔ اس میں اقبال نے نظم ''شمع اور شاعر'' پڑھی جو آپ نے ماہ فروری میں لکھی تھی۔ جلسے میں دس ہزار کے قریب لوگ موجود تھے۔ نظم پڑھنے سے قبل آپ نے ایک مختصر تقریر فرمائی اور اپنی نظم شکوہ سے متعلق عوام کی رائے کا اظہار کیا کہ اس کی تعریف میں کئی ہزار خطوط ان کے پاس آ چکے ہیں۔ نظم ''شمع اور شاعر'' کو آپ نے دو نشستوں میں سنایا۔ دوسری نشست کی صدارت مرزا سلطان احمد نے فرمائی۔ ان کو دیکھ کر آپ نے یہ شعر فی البدیہہ پڑھا:

در میان انجمن معشوق ہرجائی مباش
گاہ با سلطان باشی گاہ باشی با فقیر

یہ نظم ظفر علی خاں نے اپنے پریس میں خاص اہتمام سے دس ہزار کی تعداد میں چھپوائی۔ اس کی قیمت آٹھ آنے مقرر کی گئی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اس کی فروخت سے جو پانچ ہزار روپیہ وصول

ہوگا، وہ ڈاکٹر اقبال کو دے کر انھیں بغرض تبلیغ اسلام جاپان بھیجا جائے گا۔ ''شمع اور شاعر'' پڑھنے کے لیے اقبال جب جلسہ گاہ میں آئے تو اس وقت گوجرانوالہ کے حافظ جھنڈا اپنی پنجابی نظم سنا رہے تھے۔

۱۲ر مئی کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں اقبال کی پیش کردہ ۱۷ فروری کی قرارداد پر غور کرنے، مناسب تجاویز سوچنے اور رپورٹ تیار کرنے کے لیے بارہ اصحاب پر مشتمل ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی۔ اقبال بھی اس ذیلی کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔[11]

۲۴ر جون کو اقبال نے خواجہ حسن نظامی کو تحریر فرمایا کہ ۱۲ روپے جس طرح آپ کے خیال میں آئے، خرچ کر دیجیے۔[12]

ماہ جون[13] میں اقبال نے ایک نظم ''مسلم'' تحریر فرمائی، جو اٹھارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ زمانہ جنگ بلقان کا ہے۔ لہٰذا اقبال کی شاعری پر اس کے اثرات بھی در آئے۔

ہم نشیں! مسلم ہوں میں، توحید کا حامل ہوں میں
اسی صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں

۴ر جولائی کو اقبال نے جرمن زبان میں ویگے ناست کے نام خط لکھا اور انھیں بتایا کہ ان دنوں لاہور میں بے حد گرمی ہے۔ ہم ایک دوزخ میں رہ رہے ہیں۔[14]

مولوی سید میر حسن کے برادر خورد، سید عبدالغنی دینانگر میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ انھوں نے انجمن نعرۃ الاسلام دینانگر کے اجلاس میں اقبال کو لیکچر دینے کے لیے مدعو کیا۔ اقبال نے اپنے ایک مکتوب بہ تاریخ ۲۰ر جولائی کو تحریر کیا کہ میں نے تو پبلک لائف چند وجوہ کی بنا پر ترک کر دی ہے۔[15]

۳ر ستمبر[16] کو آپ نے اپنے عزیز دوست، مولانا گرامی کو ایک خط میں تحریر فرمایا اور تجویز دی کہ ان کا تخلص گرامی کی جگہ نومی ہونا چاہیے کیوں کہ وہ سوتے بہت ہیں...... وہ راون لنکا کے بادشاہ کی طرح چھ ماہ سوتے اور چھ ماہ جاگتے ہیں۔

۷ر ستمبر[17] کو اقبال نے شاکر صدیقی کے نام خط لکھا اور ان کے کلام کی اصلاح کرنے سے معذرت کر لی۔

انجمن حمایت اسلام[18] کے اجلاس منعقدہ ۶ر اکتوبر میں اقبال تالیف و اشاعت کمیٹی اور کالج کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ جلسے کی صدارت شمس العلما مولوی محمد عبدالحکیم نے فرمائی۔

اقبال کی والدہ ماجدہ امام بی بی اکتوبر کے مہینے میں بیمار ہو گئیں۔ اقبال ان کی عیادت کے لیے سیالکوٹ تشریف لے گئے اور ان کے علاج معالجے میں مصروف رہے۔ سیالکوٹ ہی سے آپ

نے بہ تاریخ ۲رنومبر مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی کو خط میں لکھا:

قواعد اردو مل گیا تھا۔ مگر والدہ ماجدہ کی علالت کی وجہ سے آپ کے خط کا جواب نہ لکھ سکا۔ کئی روز سے سیال کوٹ میں مقیم ہوں۔ ابھی ان کو افاقہ نہیں ہوا، میری طبیعت نہایت متفکر اور پریشان ہے...... میں اردو زبان کا ماہر نہیں ہوں...... مولوی فتح محمد صاحب جالندھری سے خط کتابت کریں۔[۱۹]

انجمن حمایت اسلام کی نمائندگی کرنے کے لیے حکومت نے انجمن سے تین ارکان کے نام طلب کیے۔ اس سلسلے میں ۱۹رنومبر کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں اقبال، میاں فضل حسین اور ملک عمر حیات خاں برائے نمائندگی منتخب کیے گئے۔[۲۰]

مرزا سلطان احمد نے فنونِ لطیفہ نامی ایک کتاب لکھی اور ۲۹رنومبر کو اسے اقبال کے نام معنون کر دیا۔[۲۱]

۲۹رنومبر کے زمیندار لاہور میں اقبال کا ایک خط بنام مدیر زمیندار شائع ہوا۔ اس کے ساتھ آپ نے جسٹس شاہ دین ہمایوں کی ایک نظم زمیندار کو بغرض اشاعت ارسال فرمائی۔ یہ نظم مسدس میں ۵ بندوں پر مشتمل ہے۔[۲۲]

طرابلس لیبیا[۲۳] کا ایک بڑا شہر اور پایۂ تخت رہا ہے۔ ۱۵۵۱ء سے ۱۹۱۱ء تک یہ خلافتِ عثمانیہ (ترکی) کا حصہ تھا۔ ۲۹رستمبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے لیبیا پر قبضہ کرنے کے لیے اس پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں پہلی مرتبہ ہوائی جہازوں کا استعمال کیا گیا۔ خاتمہ صلح پر ہوا۔ ۱۸راکتوبر ۱۹۱۲ء کو معاہدہ اوشی یا معاہدہ لوزان کی رو سے ترکی کو لیبیا سے دست بردار ہونا پڑا۔ جنگ طرابلس میں قبیلہ ''البراعصہ'' کے سربراہ، شیخ عبداللہ کی گیارہ سالہ بیٹی فاطمہ اپنے کمزور وناتواں کندھوں پر پانی سے بھری مشک اٹھائے میدانِ جنگ میں مسلمان فوجیوں اور زخمیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہو گئی۔ اس تاریخی کارنامے کو سب سے پہلے ترکی کے ایک اخبار نے شائع کیا۔ پھر مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اخبار الہلال کلکتہ شمارہ ۱۳رنومبر ۱۹۱۲ء میں ''ناموران طرابلس'' سلسلے کے تحت اسے شائع کیا۔ اقبال اس مسلمان کم سن بچی کی شہادت سے بڑے متاثر ہوئے۔ انھوں نے پھر ''فاطمہ بنتِ عبداللہ'' کے نام سے ۱۲راشعار پر مشتمل ایک خوب صورت اور تاریخی نظم ماہ نومبر میں تخلیق فرمائی۔ اس کی ابتدا درج ذیل شعر سے ہوتی ہے:

فاطمہ! تو آبروے اُمتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

جنگ طرابلس[24] کے دنوں ہی میں اقبال نے ایک اور نظم تخلیق فرمائی جسے شاہی مسجد لاہور میں ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں بڑے ہی پُرسوز انداز میں پیش کیا۔ اس مجمع میں میاں محمد شفیع، فضل حسین اور مولوی محبوب عالم نے آتشیں تقریریں کیں۔ اقبال کی مذکورہ نظم مخزن اکتوبر میں شائع ہوئی۔

۳۰ رنومبر[25] کو باغ بیرون موچی دروازہ بعد از مغرب مسلمانانِ لاہور کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے میں مولانا ظفر علی خاں، چودھری شہاب الدین، مولوی انشاء اللہ خاں اور عبداللہ چغتائی وغیرہ موجود تھے۔ اقبال نے اس موقع پر اپنی نظم ''شکوہ'' کا جواب ''جواب شکوہ'' کے نام سے پڑھا۔ اس نظم کے ۳۶ بند ہیں یہ مسدس میں ہے۔ ایک موقع پر آپ نے نظم کا یہ شعر پڑھا:

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلال حبشیؓ رکھتے ہیں

چوں کہ چودھری شہاب الدین سیاہ فام تھے، اس لیے آپ نے یہ شعر پڑھتے ہوئے ان کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ اس کے بعد اقبال نے یہ شعر ادا فرمایا:

رہ گئی رسم اذاں، روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالیؒ نہ رہی

مولانا ظفر علی خاں نے ترکوں کی مالی مدد کے لیے جواب شکوہ چھپوا کر فروخت کیا۔ اس کی قیمت آٹھ آنے رکھی گئی۔ یہ طبع شدہ جواب شکوہ موقع پر ہی ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اخبار وطن کے ایڈیٹر مولوی انشاءاللہ خاں نے ازراہِ قدر دانی ''جواب شکوہ'' کے دو صفحے ایک سو دس روپے میں خریدے۔

اقبال کے ''جواب شکوہ'' سے متاثر ہو کر سید محمد فضل رب، ڈپٹی مجسٹریٹ ضلع بہرائچ نے ایک مسدس کہا جو مخزن لاہور کے شمارہ دسمبر ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا۔ اس مسدس کے ۲۶ بند ہیں۔ پہلا شعر ملاحظہ فرمائیے:

یہ کہاں تاب کہ میں شکوۂ اقبال سنوں
ضبط کر جاؤں اگر گریۂ اطفال سنوں[26-A]

۴ ردسمبر[27] کے دن اقبال نے مولانا گرامی کو ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ فارسی ادب کی چند نہایت عمدہ نظم و نثر اور اخلاق و تاریخ کی عربی کتابوں کے نام تحریر فرمائیے۔ قدیم و حال، دونوں اقسام کی تصانیف کے نام مطلوب ہیں۔

اسلامیہ کالج[27] کے ہوسٹل کی تعمیر، اسکول کے لیے حکومت سے گرانٹ اور یتیم خانہ کے لیے

امداد حاصل کرنے کی غرض سے ایک تیرہ رکنی وفد تشکیل دیا گیا۔ ۱۵ر دسمبر کے اجلاس میں انجمن نے اقبال کو بھی وفد کا رکن نامزد کر دیا۔ اس کے علاوہ انجمن نے ایک اور کمیٹی تشکیل دی جو آٹھ افراد پر مشتمل تھی۔ اقبال مذکورہ کمیٹی کے بھی رکن نامزد ہوئے۔ اب یہ کمیٹی مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے جلسہ لکھنو منعقدہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو انجمن اور اہلِ پنجاب کی نمائندگی کرے گی۔

اقبال کے [۲۸] بڑے بھائی ملازمت کے سلسلے میں کیمبل پور (اٹک) تعینات تھے۔ عدالت عالیہ کی تعطیلات گرما میں اقبال سیالکوٹ چلے گئے۔ اس دوران کیمبل پور سے ایک شخص ایک مقدمے کی پیروی کے لیے اقبال کو بطور وکیل کرنے سیالکوٹ آیا۔ اقبال نے مقدمہ لڑنے کی حامی بھر لی۔ انھوں نے اپنے بھتیجے اعجاز کو ہمراہ لیا اور کیمبل پور پہنچ گئے۔ وہاں الف دین وکیل نے ان کے اعزاز میں رات کے کھانے کی دعوت کی۔ اقبال تین چار دن رہنے کے بعد ریل گاڑی سے واپس سیالکوٹ آ گئے۔ راستے میں انھیں وزیر آباد ریلوے اسٹیشن پر چند گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ ایک قلی سے حقہ منگوا کر چار پانچ گھنٹے کا فارغ وقت گزارا۔ قلی کو حقہ لانے پر ایک روپیہ بطور انعام دیا۔

مہاراجا رنجیت سنگھ [۲۹] کی پوتی اور راجہ دلیپ سنگھ کی بیٹی راجکماری صوفیہ جنداں بامبا لاہور میں جیل روڈ کی ایک کوٹھی میں مقیم تھی۔ سال رواں کی ایک شام جگندر سنگھ، اقبال اور مرزا جلال الدین کو ان کے ہاں لے گئے۔ راجکماری کی فرمائش پر اقبال نے انھیں چند اردو اشعار سنائے۔ جگندر سنگھ نے ان اشعار کا انگریزی ترجمہ کر کے ان کی تشریح کر دی۔ ایک بار راجکماری خود اٹھ کر حقہ لائی اور اقبال کے آگے رکھ دیا۔ اقبال نے مرزا جلال الدین کو مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھ لو، رنجیت سنگھ کی پوتی نے اپنے ہاتھ سے ہمیں حقہ پلایا ہے۔

اس سال آپ نے ''نوید صبح'' نظم تخلیق فرمائی جس کے دو بند اور آٹھ اشعار ہیں۔ [۳۰]

❁……❁……❁

حواشی

۱۔ اختر راہی، اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں، بزم اقبال، لاہور، ص ۱۰

۲۔ جعفر بلوچ، اقبال اور ظفر علی خاں، ص ۱۴

۳۔ اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۱۲

۴۔ انوار اقبال۔ ص ۲۰۶

۵- گفتار اقبال،۲۰۱
۶- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۵۲
۷- گفتار اقبال،ص۳۔۴
۸- مفکر پاکستان،ص ۸۹
۹- انوار اقبال،ص۵۶۔۵۸
۱۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،۸۴۔۸۵
۱۱- ایضاً،ص۵۲
۱۲- روح مکاتیب اقبال،ص۹۸
۱۳- صحیفہ،لاہور،جنوری۔مارچ۱۹۸۸ء،ص۹۲
۱۴- اقبال یورپ میں،ص۱۲۸۔۱۲۹
۱۵- ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین،علامہ اقبال کے استاد، سید میر حسن،ص۲۰
۱۶- محمد عبداللہ قریشی،مکاتیب اقبال بنام گرامی،۱۹۸۱ء،ص۹۶
۱۷- انوار اقبال،ص۱۱۰
۱۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۵
۱۹- انوار اقبال،ص۲۹۳
۲۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۵۲
۲۱- محمد عبداللہ قریشی،اقبال بنام شاد،۱۹۸۶ء،ص۱۴۳
۲۲- اقبال اور ظفر علی خان،ص۱۸
۲۳- ماہ نو،لاہور،اگست۱۹۸۹ء
۲۴- رحیم بخش شاہین،اوراق گم گشتہ،اسلامک پبلی کیشنز،شاہ عالم مارکیٹ لاہور،۱۹۷۹ء،ص۵۵
۲۵- ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، اقبال کی صحبت میں،۷۶۔۹۳
۲۵ب- سید مقام حسین جعفری،شکوہ اقبال اور اس کی صدائے باز گشت،۱۹۷۳ء،ص۲۶۔۲۹
۲۶- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۹
۲۷- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۵،حاشیہ
۲۸- روز گار فقیر،جلد دوم،ص۳۱۵
۲۹- زندہ رود،ص ۱۴۹
۳۰- صحیفہ،لاہور،جنوری۔مارچ۱۹۸۸ء،ص۹۲

۱۹۱۳ء......سردار بیگم سے نکاح

منشی محمد الدین فوق نے اقبال سے اسلامی تصوف کے متعلق چند سوالات دریافت کیے تھے۔ آپ نے ان کے جوابات دے دیے۔ منشی فوق نے اپنے ہفتہ وار اخبار کشمیری میگزین کے شمارہ ۱۴ رجنوری میں انھیں مختصراً ''مسلمانوں کا امتحان'' کا عنوان دے کر شائع کیا۔[۱]

صاحب زادہ مصطفیٰ علی خاں شرر، ہوم سیکریٹری ریاست رام پور نے اقبال کے ''جواب شکوہ'' کے مقابلے میں ''جواب شکوہ'' مسدس صورت میں کہا جو الہلال مورخہ ۲۶ رفروری کو شائع ہوا۔[B۱]

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ۲ رمارچ کو منعقد ہوا۔ اس میں بحیثیت سیکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس اقبال کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔ انجمن کا اٹھائیسواں اجلاس ۲۳ رمارچ بروز یک شنبہ منعقد ہوا۔ اس کا دوسرا اجلاس زیر صدارت شیخ اصغر علی ڈپٹی کمشنر ہوا۔ اقبال نے مذکورہ اجلاس میں شرکت فرمائی اور اپنی ایک غیر مکمل فارسی نظم حاضرین کو سنائی۔ نظم سنانے سے قبل آپ نے اس کا مضمون اردو میں بیان فرمایا اور سبھی سے داد سمیٹی۔[۲]

ایک طالب علم تلوک چند ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان بطور نجی امیدوار دینے لاہور آیا۔ لالہ لال چند فلک اقبال کے بے تکلف دوست تھے، وہ ان کے ساتھ اقبال سے ملنے آیا۔ مہمانوں کے دریافت کرنے پر اقبال نے انھیں بتایا کہ انھوں نے علم عروض سبقاً سبقاً پڑھا ہے...... باتوں باتوں میں سوامی رام تیرتھ کے متعلق فرمایا کہ ان کا بیٹا پچھلے دنوں ولایت سے فزیالوجیکل انجینئرنگ کا امتحان پاس کر کے لوٹا، تو ان سے ملنے آیا۔ اقبال نے اس سے کہا ''بھئی! تمھارے ابا تو آسمانوں پر اڑتے تھے، تم نے زمین میں دھنسنے کا علم کیوں سیکھ لیا۔''[۳]

اقبال نے ۱۱ راپریل کے اپنے ایک خط میں حاجی نواب محمد اسمٰعیل کی تصنیف حالات زمین کو عمدہ رسالہ قرار دیا۔[۴]

انجمن کا ایک اجلاس ۱۳ راپریل کو مفتی محمد عبداللہ ٹونکی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس

میں ایک استقبالیہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ یہ کمیٹی بیگم صاحبہ بھوپال کی لاہور تشریف آوری پر استقبالیہ پیش کرنے کے سلسلے میں بنائی گئی۔ اقبال اس کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔ کمیٹی کے صدر میاں محمد شفیع جبکہ سیکریٹری میاں فضل حسین تھے۔[۵]

یار محمد بیگ نے اقبال کے شکوہ و جواب شکوہ کے جواب میں ''شکوہ در جواب شکوہ'' کہا جسے لاہور کے مخزن نے جون کے شمارہ میں شائع کیا۔[B۔۵]

امرت سر کے اخبار وکیل کے شمارہ ۷ جون میں اقبال کی نظم ''فاطمہ بنت عبداللہ'' شائع ہوئی۔[۶]

ہفت روزہ توحید نے خواجہ معین الدین اجمیری کی یاد میں ۸ جون کو ''خواجہ نمبر'' شائع کرنے کا اعلان کیا۔ اس نمبر کے مصنفین میں اقبال، اکبر الٰہ آبادی اور عبدالحلیم شرر شامل تھے۔ اس نمبر کے سلسلے میں اقبال نے اپنا جو تبصرہ فرمایا وہ توحید نے ۲۴ر جولائی میں شائع کیا:

''خواجہ نمبر میں نواب علی صاحب، پروفیسر بڑودہ کالج کا مضمون مجھے سب سے زیادہ پسند آیا کہ معنی خیز ہے۔ دوسرے نمبر پر زلف خواجہ کا اسیر، نظموں میں گرامی صاحب کی غزل سب سے اعلیٰ، اس کے بعد شفق صاحب کا ترانہ۔''[۷]

مولانا ظفر علی خاں ۱۱ دسمبر ۱۹۱۲ء کو بمبئی سے بحری جہاز پر سوار ہوئے اور جنوری ۱۹۱۳ء کے پہلے ہفتے پیرس پہنچے۔ وہاں سے لندن گئے۔ لندن میں دو ماہ قیام کرنے کے بعد قسطنطنیہ پہنچے۔ ترکی میں آپ نے معزز شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ محمود شوکت پاشا سے ملے اور ایک لاکھ پانچ ہزار روپے کا چیک ترکوں کی امداد کے لیے پیش کیا۔ آپ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے ساتھ سلطان محمد خاں خامس سے بھی ملاقات کی اور اقبال کی نظم ''فاطمہ'' نیز زمیندار کا ایک خاص نمبر پیش کیا۔ ماہ جولائی میں مولانا وطن واپس آئے تو ان کا شاندار استقبال ہوا۔ ایک کلب کی طرف سے انھیں کھانے کی دعوت دی گئی۔ اقبال بھی اس کلب کے رکن تھے۔[۸]

حیدر آباد دکن ریاست کے وزیر اعظم، مہاراجا کشن پرشاد سیر و تفریح کی غرض سے ۱۷ر جولائی کو بذریعہ ریل گاڑی لاہور پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن پر دیگر معززین شہر کے علاوہ ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی ان کا استقبال کیا۔ دونوں دوست خوشی اور محبت سے بغل گیر ہوئے۔ مہاراجا صاحب نے ریلوے کی مخصوص بوگی میں سفر کیا تھا۔ اسے علیحدہ کرا کر اسی میں قیام کیا۔ ۱۸ر جولائی کو پانچ بجے شام اقبال ان سے ملنے تشریف لے گئے۔ بہت دیر تک لطف صحبت رہا۔ مہاراجا کے بیٹے، عثمان پرشاد کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اقبال کے مشورے سے اُسے ڈاکٹر محمد حسین کو دکھایا گیا۔ رات کو ۹ بجے اقبال

دوبارہ ان کے ہاں تشریف گئے۔ اقبال کے اصرار پر مہاراجا صاحب مع دو مصاحبوں کے آغا حشر کاشمیری کا تھیٹر دیکھنے گئے۔ ۲۲؍جولائی کو لاہور کے بعض اکابرین اور معززین نے مہاراجا صاحب کے لاہور آنے کی خوشی میں تھیٹر ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ مہاراجا صاحب سات بجے شام رائے بہادر رام سرنداس و لالہ کرم چند مجسٹریٹ، ڈاکٹر محمد اقبال اور دیگر معزز حضرات کی معیت میں تھیٹر ہال پہنچے۔ اگلے روز انجمن حمایت اسلام کا ایک وفد مہاراجا صاحب سے ملا۔ اس میں غالباً اقبال بھی شامل تھے۔ مہاراجا صاحب نے انجمن کے یتیم خانہ کے لیے ایک ہزار روپیہ عطیہ کیا۔

۲۴؍جولائی کی شام رائے بہادر بری کشن تھیٹر ہال میں راجہ صاحب کے اعزاز میں ایک اور بڑے جلسے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اس کی صدارت سر پرتول چندر چٹرجی نے فرمائی۔ جلسے میں دوسرے معززین کے علاوہ اقبال نے بھی مہاراجا صاحب کے خاندان، اس گھرانے کی علمی، ادبی اور رفاہی خدمات اور ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ان کی کوششوں کا ذکر بڑی خوبی سے کیا۔ مہاراجا صاحب نے جوابی تقریر میں ہندو مسلم اتفاق و اتحاد کا ذکر کیا اور اپنا بیان موثر اور زوردار بنانے کے لیے اقبال کے درج ذیل دو اشعار پڑھے:

نظارۂ کہکشاں نے مجھ کو عجیب نکتہ یہ کل سمجھایا
ہزار گردش رہی فلک کو مگر یہ تارے بہم رہے ہیں
چمن میں اے ہم صفیر اگلی شکایتوں کی حکایتیں کیا
خزاں کا دورہ ہے گلستاں میں، نہ تو رہا ہے نہ ہم رہے ہیں

مہاراجا صاحب جب لاہور سے روانہ ہوئے تو اقبال نے ڈاکٹر محمد حسین کے نائب سید برہان صاحب کو بھی ان کے عملے میں شامل کر دیا تاکہ راستے میں انھیں طبی امداد کی ضرورت پڑے تو فوراً مل سکے۔[9]

ویگے ناسٹ کے والد اڈولف ویگے ناسٹ (ADOLF WEGENAST) غالباً جولائی کے مہینے میں انتقال کر گئے۔ اقبال کو اس کی خبر مل گئی۔ آپ نے ویگے ناسٹ کو انگریزی میں بہ تاریخ ۳۰؍جولائی ایک تعزیتی خط لکھا اور بڑے رنج سے انھیں بتایا کہ میں روحانی لحاظ سے آپ کا شریکِ غم ہوں۔[10]

سردار بیگم سے اقبال کا نکاح ۱۹۱۰ء میں ہو چکا تھا، لیکن رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔ ان ہی دنوں اقبال کی چھوٹی بہن کریم بی بی نے اقبال کو خفیہ خطوط بھی لکھے اور انھیں بتایا کہ سردار بیگم کا

چال چلن اچھا نہیں۔ کریم بی بی نے یہ خطوط معراج بیگم سے لکھوائے تھے۔ اقبال کے بھانجے اور طالع بی بی کے لڑکے نور احمد کے ذریعے گوجرانوالہ اور گجرات کے شہروں سے سپرد ڈاک کیے گئے۔ نور احمد کو تھوڑا بہت معاوضہ دے دیا جاتا۔ جیسے ہی یہ خطوط اقبال کو پے در پے ملنے لگے، آپ نے خطوط کے مندرجات من وعن درست مان کر سردار بیگم کو طلاق دینے کا ارادہ کرلیا۔ اس پر سردار بیگم کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اسی دوران اقبال کی بہن نے لدھیانہ میں ڈاکٹر سبحان علی کے ہاں اقبال کے لیے ایک لڑکی پسند کر لی۔ اس نے تو ڈاکٹر سبحان علی کی بیٹی سمجھ کر رشتہ طے کیا تھا لیکن جب اقبال برات لے کر لدھیانہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ تو ان کی مرحوم سالی کی دختر ہے۔ بہر حال اقبال اس لڑکی، مختار بیگم کو بیاہ کر لاہور لے آئے۔

اس دوران سردار بیگم نے اقبال کو خط لکھا کہ میں بے گناہ ہوں، میرا نکاح آپ سے ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب میں کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کروں گی۔ ایک روز معراج بیگم کا خط اپنے ابا، اقبال کے نام آیا تو آپ پہچان گئے کہ اس خط کی لکھائی گمنام خطوط سے بہت ملتی جلتی ہے۔ آپ سیالکوٹ پہنچے اور اپنی بیٹی معراج بیگم سے ان گمنام خطوط کے متعلق دریافت کیا۔ بیٹی نے سچ اگل کر اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ اس حقیقت کے بعد آپ نے سردار بیگم کو اپنے ہاں لانے کا فیصلہ کرلیا۔ مولانا نور الدین نے اقبال کو دوبارہ نکاح پڑھانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ کچھ دن بعد دونوں بیگمات لاہور میں انارکلی والے مکان میں اکٹھی رہنے لگیں۔ اقبال اپنی پہلی بیگم، کریم بی بی کو بھی انارکلی والے مکان میں لے آئے لیکن ان کا وہاں دل نہ لگا۔ چند ماہ بعد وہ اپنے میکے گجرات چلی گئیں۔[۱۱]

خواجہ حسن نظامی نے اپنے ہفتہ وار اخبار توحید کے شمارہ یکم اگست میں اقبال کی زیر ترتیب مثنوی اسرار خودی کے ۴۷ اشعار درج ذیل الفاظ کے ساتھ شائع کیے:

ایسے دار و گیر کے زمانے میں ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم ہندوستان میں نئی زندگی پیدا کر دے گی۔[۱۲]

کان پور[۱۳] کے مچھلی بازار میں ایک قدیم مسجد کا مشرقی حصہ زیرِ تعمیر سڑک کے راستے میں حائل تھا۔ مجسٹریٹ کے حکم سے یکم جولائی کو علی الصبح خانہ خدا کی دیواریں گرانی شروع کر دی گئیں۔ اس پر شہر کے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ۳ اگست کو ساڑھے دس بجے مچھلی بازار میں خوف ناک بلوہ ہوا۔ ہزاروں مسلمان برہنہ سر عیدگاہ میں جمع ہوئے اور ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس کے بعد مسلمان سیاہ علم لیے مسجد کی طرف بڑھے۔ وہ منہدم حصے کی دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ سب انسپکٹر پولیس نے مجمع کو منتشر کرنا چاہا، لیکن ناکام رہا۔ آخر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم سے مسلمانوں پر گولیاں چلا

دی گئیں۔ بہت سے مسلمان بچے، جواں اور بوڑھے فائرنگ کے باعث شہید ہو گئے۔ کئی مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس واقعہ نے پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ حکمراں طبقے کی رات کی نیندیں بھی حرام ہو گئیں، ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ہارڈنگ ۱۳ر اکتوبر کو خصوصی ریل سے کان پور پہنچے۔ قانونی امداد کی اپیل پر مرزا جلال الدین کے ہمراہ اقبال بھی ۷ ستمبر کو کان پور پہنچے۔ وہاں وہ خواجہ حسن نظامی کے ساتھ کانپور کے کلکٹر سے ملے۔ ۸ ستمبر کو الٰہ آباد گئے۔ دو روزہ قیام کے دوران اکبر الٰہ آبادی سے ملاقات فرمائی۔ دہلی میں حکیم اجمل خاں کے ہاں بغرض علاج قیام کیا۔ ابھی لاہور آ کر اقبال نے دم ہی لیا تھا کہ ایک مقدمہ لڑنے فیروز پور جانا پڑا۔ اقبال کے قیام دہلی کی روداد توحید نے ۱۶ر ستمبر کی اشاعت میں شائع کر دی۔

سر علی امام آپ کے عزیز دوست تھے۔ انہوں نے آپ کو مطلع کیا کہ ریاست الور کے مہاراجا کو ایک قابل پرائیویٹ سیکریٹری کی ضرورت ہے۔ اقبال یہ عہدہ قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے کیوں کہ آپ مالی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ اقبال مہاراجا سے ملنے ماہ ستمبر میں الور تشریف لے گئے۔ شاہی مہمان خانے میں قیام فرمایا۔ دوسرے دن صبح ایک حجام کو شیو بنوانے بلوایا۔ اتفاق سے وہ مسلمان اور اقبال کے نام سے واقف تھا۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ آپ الور میں ملازمت کرنے آئے ہیں تو اس نے شیو بناتے بناتے وہاں کے ناگفتہ بہ حالات سنا کر مشورہ دیا کہ یہاں ملازمت نہ کریں۔ بہر حال اقبال نے مہاراجا سے ملاقات کر لی۔ معلوم ہوا کہ پرائیویٹ سیکریٹری کی تنخواہ صرف چھ سو روپیہ ہے، تو اس ملازمت سے آپ کا دل اچاٹ ہو گیا۔ علاوہ ازیں مہاراجا پر یہ بھی دباؤ تھا کہ اس جگہ کے لیے کسی ہندو کی تقرری مناسب رہے گی۔[۱۴]

یکم اکتوبر کی تاریخ آپ نے مہاراجا کشن پرشاد کو حیدر آباد خط لکھا اور انھیں الور میں ملازمت قبول نہ کرنے کی وجہ بتائی۔[۱۵]

اس خط میں اقبال نے سفارش فرمائی کہ ظہیر دہلوی کے نواسے کو دو سو روپے دیے جائیں تا کہ وہ اپنے والد کی سوانح اور قصائد شائع کرا سکیں۔[۱۶] اس خط کا شاد نے فوراً جواب دے دیا۔ انھی دنوں اقبال درد گردہ میں مبتلا ہو گئے۔ ایک ہفتہ تک صاحب فراش رہے۔ ۲۲۔۲۳ر اکتوبر کو درد میں افاقہ ہوا، تو ۲۶ر اکتوبر[۱۷] کو مہاراجا صاحب کو خط کا جواب تحریر فرمایا۔ آپ نے مہاراجا صاحب کے خط میں لکھے ہوئے دونوں اشعار کی تعریف فرمائی۔ اسی خط میں اقبال نے یہ بھی تحریر کیا کہ بھائی اور ان کی اولاد کے اخراجات بھی ان کے ذمے ہیں۔

اس کے علاوہ اپنی گھریلو زندگی کے متعلق بھی یہ لکھا:

میں خود تین بیویاں رکھتا ہوں اور دو اولادیں۔ تیسری بیوی آپ کے تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد کی تھی۔ ضرورت نہ تھی مگر یہ عشق و محبت کی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ اقبال نے گوارا نہ کیا کہ جس عورت نے حیرت ناک ثابت قدمی کے ساتھ تین سال تک اس کے لیے طرح طرح کے مصائب اٹھائے ہوں، اسے اپنی نہ بنائے۔ کاش دوسری بیوی کرنے سے پیشتر میں یہ حال معلوم کر لیتا۔

مہاراجا کشن پرشاد نے اقبال کو فکرِ معاش سے بے نیاز کرنے کی خاطر انھیں بیش قرار وظیفے کی پیش کش کی، مگر اقبال نے قبول نہ فرمائی۔ انھوں نے جواب دیتے ہوئے لکھا کہ یہ بات مروت اور دیانت سے دور ہے کہ اقبال آپ سے بیش قرار تنخواہ پائے اور اس کے عوض ایسی کوئی خدمت نہ کرے جس کی اہمیت بقدر اس مشاہرے کے ہو۔

۳ر دسمبر کو آپ نے مہاراجا کشن پرشاد کے فرزند عثمان پرشاد کی موت پر انھیں تعزیتی خط تحریر فرمایا۔[۱۸]

۱۲ر دسمبر کو پنجاب یونی ورسٹی کے سینٹ ہال میں جسٹس شاہ دین کی زیرِ صدارت عربی اور فارسی کے بورڈ آف اسٹڈیز کا اجلاس ہوا۔ اقبال نے بطور کنوینر گزشتہ اجلاس کی روداد پڑھ کر سنائی۔[۱۹]

بہ تاریخ ۲۷ر دسمبر اقبال نے خواجہ حسن نظامی کو خط تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے لکھا کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ صف شعرا میں بیٹھوں؟[۲۰]

اس سال آپ نے میٹرک کے طلبہ کے لیے فارسی کا نصاب تیار کر لیا۔[۲۱]

اسی سال مڈل کے طلبہ کے لیے تاریخ ہند شائع ہوئی۔ کتاب کے سرورق پر بطور مصنفین ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اور لالہ رام پرشاد، پروفیسر ہسٹری گورنمنٹ کالج لاہور کے نام درج تھے۔ تاہم کتاب کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ کتاب لالہ رام پرشاد کی تحریر کردہ ہے۔ علامہ اقبال کا بجز سرورق کے، کتاب کے مباحث و مندرجات سے کچھ علاقہ نہیں۔[۲۲]

مولوی سید میر حسن کے پوتے، سید محمد عبداللہ اقبال سے ملنے آپ کے انارکلی والے گھر تشریف لائے۔ آپ نہایت شگفتہ موڈ میں تھے۔ عبداللہ صاحب نے اس موقع پر شکوہ کے انداز میں کہا: ''ڈاکٹر صاحب، یہ کیا بات ہے کہ آپ اپنے اشعار شیخ عبدالقادر کو تو سنا دیتے ہیں، ہمیں کبھی نہیں سناتے۔'' اس پر ڈاکٹر صاحب نے انھیں یہ فارسی شعر سنائے۔ آخری شعر یہ تھا:

طور موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیت الحرام کاشانہ اش

عبداللہ صاحب نے شعر میں ''موجے از غبار'' کی ترکیب پر اعتراض کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا، وہ سامنے شاہ جی (مولوی سید میر حسن) کی لغت رکھی ہے۔ اس میں ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ لغت دیکھی گئی۔ لغت میں موج خاک یا موج غبار کی ترکیب نہیں ملی۔ اس پر آپ نے یہ کہتے ہوئے لغت بند کر دی کہ میں شعر میں جس مفہوم کو بیان کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے یہی الفاظ موزوں ہیں۔ دوسرے الفاظ سے میرے مفہوم کی صحیح اور واقعی ترجمانی نہیں ہو سکتی۔ چند دن بعد سیالکوٹ میں مولوی میر حسن کے سامنے سید عبداللہ نے یہ بحث پھر چھیڑ دی کیونکہ اس وقت اقبال بھی موجود تھے۔ مولوی صاحب نے شعر سنا تو فرمایا، اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے:

طور مشتے از غبار خانہ اش

اس پر اقبال فوراً بولے، میرا مقصد یہاں شفافیت (TRANSPARENCY) گویا بلور کے مانند شفاف بیان کرنا ہے، حجم بتانا نہیں۔ اس اصلاح کے بعد تو حجم متعین ہو جائے گا۔ اس کے بعد اقبال نے سیرتِ نبویؐ کا وہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت علیؓ کو زمین پر لیٹے ہوئے دیکھ کر رسول اللہؐ نے انتہائی محبت کے ساتھ فرمایا: ''اٹھ ابوتراب''

اقبال نے پھر اس جملے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس خطاب میں حضرت علیؓ کے ایثارِ نفس، فقر اور قوت ایمانی کی طرف اشارہ تھا، جس نے انھیں اپنی خاک یعنی اپنی ذات اور جسم و جاں پر اور تمام دنیوی خواہشات پر حکمرانی بخش دی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ جس طرح ''ابو تراب'' کا مفہوم ''خاک کا باپ'' سمجھنا درست نہیں، اسی طرح یہاں ''موجے از غبار'' کو خاک کی لہر تصور کر لینا صحیح نہیں ہوگا۔[۲۳]

❀……❀……❀

حواشی

۱- انوار اقبال، ص۲۷۸

۱-ب- شکوہ اقبال اور اس کی صدائے باز گشت، ص۲۹-۳۰

۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۵۳-۱۸۵

۳- اقراء، مجلّہ ایم اے او کالج لاہور، دسمبر ۱۹۷۷ء، ص۴۴

۴- روح مکاتیب اقبال،ص۱۰۱
۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۵
۵ب- شکوہ اقبال اور اس کی صدائے باز گشت،ص۳۱
۶- صحیفہ لاہور،جنوری۔مارچ ۱۹۸۸ء،ص۷۸
۷- اوراق گم گشتہ،ص۱۲
۸- اقبال اور ظفر علی خاں،ص۱۸۔۲۱
۹- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۵۳؛ اقبال بنام شاد،ص ۳۷۔۴۳؛ اقبال اور حیدر آباد،ص۲۰۶
۱۰- اقبال یورپ میں،ص۱۲۹
۱۱- زندہ رود،ص۱۶۶؛ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید،سر گزشت اقبال،ص۸۰؛ علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال،ص۸۲۔۸۴
۱۲- اوراق گم گشتہ،ص۱۸
۱۳- ماہ نو،لاہور،اگست ۱۹۸۹ء،ص ؛زندہ رود،ص۱۵۶
۱۴- صحیفہ،اقبال نمبر،حصہ اول،ص۸۹،؛زندہ رود،ص۱۶۸؛مظلوم اقبال،ص۱۲۸
۱۵- روح مکاتیب اقبال،ص۱۰۲
۱۶- ایضاً،ص۱۰۲۔۱۰۳
۱۷- اقبال بنام شاد،ص۷۵۔۷۸
۱۸- ایضاً
۱۹- مفکر پاکستان،ص۱۷۹
۲۰- روح مکاتیب اقبال،ص۱۰۴
۲۱- مفکر پاکستان،ص۱۷۹
۲۲- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی،تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۲۰۰۱ء،۴۳۲
۲۳- روز گار فقیر،حصہ اول،ص۱۶۹

۱۹۱۴ء...... والدہ کی وفات

مہاراجا کشن پرشاد نے اپنے بیٹے، راجہ عثمان پرشاد پر ایک منظوم نوحہ کہا تھا۔ بعدازاں انھوں نے اُسے اقبال کے پاس بھجوایا تا کہ وہ نظرثانی کر سکیں۔[۱]

سرتھیوڈور ماریسن، رکن کونسل سیکریٹری آف اسٹیٹ نے اقبال سے اردو ادب کی تاریخ پر ایک مضمون لکھنے کی استدعا کی۔ اقبال کو بتایا گیا کہ یہ مضمون کیمبرج ماڈرن ہسٹری آف انڈیا کا ایک باب ہوگا۔[۲]

۲۳رجنوری کو اقبال نے مہاراجا صاحب کو ایک خط تحریر فرمایا۔ اس میں سرتھیوڈور ماریسن کی استدعا کا بھی ذکر کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے اردو تصانیف کی تفصیلات طلب کیں تا کہ مہاراجا صاحب کو مذکورہ مضمون میں مناسب جگہ دی جاسکے۔ اس وقت تک اقبال کے بھائی شیخ عطا محمد ملازمت سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ انھوں نے دوبارہ ملازمت کے لیے حیدرآباد ریاست کے چیف انجینئر کو درخواست دے ڈالی۔ اس سلسلے میں اقبال نے اپنے خط میں مہاراجا صاحب کو اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کی استدعا فرمائی۔[۳]

عربی اور فارسی کے بورڈ آف اسٹڈیز کا اجلاس زیرِ صدارت جسٹس شاہ دین ۲۹رجنوری کو منعقد ہوا۔ اقبال نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔[۴]

ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی معزز شخصیت سردار احمد خاں کے ایک دوست انگلستان جانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں سردار صاحب نے اقبال کو لکھ کر مشورہ طلب کیا۔ آپ نے بہ تاریخ ۱۰رفروری سردار احمد خاں کو انگریزی میں جواب دیا۔[۵]

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۲رفروری میں آپ کو کالج کمیٹی، اشاعت اسلام کمیٹی اور پنجاب ایجوکیشنل کانفرنس کا رکن منتخب کر لیا۔

۶رمارچ کو اقبال کے نام اکبر الٰہ آبادی کا خط موصول ہوا۔[۷] ۵رمارچ[۸] کو مہاراجا کشن پرشاد کا خط ملا۔ اقبال نے اسی روز مہاراجا صاحب کو تفصیلی جواب دیا اور لکھا کہ سنا تھا، آپ لاہور

تشریف لا رہے ہیں۔ اپنے دوست نواب ذوالفقار علی کے محل میں آپ کو ٹھہرانے کا فیصلہ میں ان کے مشورے سے کر چکا تھا۔ مگر جب اراکین کھتری کانفرنس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ تشریف نہیں لا سکیں گے...... ہم رقیبوں سے دل بہلا لیا کرتے ہیں۔ اقبال آپ سے دور ہو یا نزدیک، خط لکھیے نہ لکھیے، مگر اس کا دل آپ کی یاد میں لبریز ہے اور رہے گا...... آج کل شعر و شاعری کا شغل بھی کم ہے...... فارسی مثنوی کے اشعار ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں۔ اس مثنوی کو میں اپنی زندگی کا مقصد تصور کرتا ہوں۔ میں مر جاؤں گا، یہ زندہ رہنے والی شے ہے......''۔

انجمن حمایت اسلام[9] کے سالانہ اجلاس میں اقبال اپنے ساتھ مشہور شاعر، مولانا گرامی کو بھی لے گئے۔ اقبال نے حاضرین سے مولانا گرامی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ گرامی کبار شعرائے فارسی میں سے ہیں۔ آج اسے سن لو تو کل فخر کروگے کہ گرامی کو سنا ہے۔ اس کے بعد گرامی نے اپنا کلام سنایا۔

مہاراجا کشن پرشاد[10] نے اجمیر اور پنجاب کے اپنے سفرنامے کو سیر پنجاب کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کا ایک اعزازی نسخہ آپ نے اقبال کو بھی ارسال فرمایا۔ اس کے وصول ہونے کی اطلاع اقبال نے ۲۲/اپریل کے خط میں دی۔ جون کے ایک اور خط میں آپ نے مہاراجا کے نومولود بیٹے کا نام عالمگیر پرشاد تجویز فرمایا۔[11]

اپریل کے آخری ہفتے اور جون کے ابتدائی دنوں میں اقبال کی طبیعت خراب رہی۔ اسی دوران آپ کو جرمنی سے وےگیے ناست کا خط موصول ہوا۔ آپ نے ۷/جون کو خط کا جواب دیا۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ وہ علالت کی وجہ سے انھیں جلد جواب نہیں دے سکے۔ یہ بھی تحریر کیا کہ اگر وہ اگلے سال یورپ آئے تو جرمنی کے سفر میں ان سے ضرور ملاقات کریں گے۔[12]

اس سال آپ کے بھتیجے، شیخ اعجاز احمد سکاچ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ سے انٹرنس کے امتحان میں ۲۴۰ نمبر لے کر کامیاب ہوگئے۔ نتیجے کا اعلان ۲۳/جون کو ہوا۔ اس سے قبل اعجاز احمد کو اپنے ایک ہم جماعت دوست کے ذریعے پاس ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ انھوں نے پھر چچا کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ وہ کس کالج میں داخلہ لیں؟ آپ نے ۲۴/جون کو انھیں مبارک باد کا خط تحریر کیا اور سیالکوٹ کے سکاچ مشن کالج ہی میں تعلیم جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ مولوی سید میر حسن داخلے کے لیے اعجاز احمد کو کالج لے گئے اور پرنسپل سے ان کا اس طرح تعارف کرایا ''میں آپ کے کالج کے ایک ''اولڈ بوائے'' کے ''ینگ بوائے'' کو داخل کرانے لایا ہوں''۔[13]

وائسرائے لارڈ ہارڈنگ کی بیوی ۱۱/جولائی کو دنیا سے رخصت ہوگئی۔[14] اس موقع پر برکت علی

ہال میں ۱۳ر جولائی کو انجمن اسلامیہ نے ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا۔ اس میں اقبال بھی شریک ہوئے۔[۱۵] اسی روز آپ نے مولانا گرامی کو خط لکھا کہ آپ حیدر آباد میں ہیں یا عدم آباد میں؟ اگر عدم آباد میں ہیں تو مجھے مطلع کیجیے تاکہ میں آپ کو تعزیت نامہ لکھ سکوں...... میں تو اب بوجہ مشاغل منصبہ کے تارک الشعر ہوں۔ ہاں کبھی فرصت ملتی ہے تو فارسی اساتذہ کے اشعار پڑھ کر مزا اٹھا لیتا ہوں۔ گزشتہ سال ایک مثنوی فارسی میں لکھنی شروع کی تھی، ہنوز ختم نہیں ہوئی۔ اس کے اختتام کی امید بھی نہیں، خیالات کے اعتبار سے مشرقی اور جنوبی لٹریچر میں یہ مثنوی بالکل نئی ہوگی۔[۱۶]

آسٹریا ہنگری کے 'آرچ ڈیوک' فرانس فرڈی ننڈ کو سربیا کے ایک قوم پرست نے ۲۸ر جون کو قتل کر دیا۔[۱۷] اس پر یورپ کے ممالک انگلستان، فرانس، روس، بلجیم، سربیا، مونٹی نیگرو اور جاپان، جرمنی، آسٹریا، ہنگری اور ترکوں کے درمیان جنگ کا آغاز ہو گیا۔ یہ پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہے۔

۱۶ر جولائی کو اقبال نے اکبر حیدر آبادی کو ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ میں آپ کو اپنا پیرو مرشد تصور کرتا ہوں۔[۱۸]

لاہور کے مسلمانوں نے انجمن کے تحت ۱۲ر اگست کو برکت علی ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ حکومت وقت سے اظہارِ ہمدردی کیا جا سکے۔ اس موقع پر اور فتح و نصرت کے لیے دعا مانگی گئی۔ غالباً اقبال بھی اس جلسے میں شریک تھے۔[۱۹]

۲۸ر اگست کو اقبال نے حیدر آباد مہاراجا کشن پرشاد کے نام خط تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے لکھا کہ یورپ میں ایک خوفناک جنگ ہوتی معلوم دکھائی دیتی ہے اور کیا عجب کہ یہ وہی جنگ ہو جس کا ذکر پرانی کتب مقدس میں آیا ہے۔ اسی خط میں آپ نے ایک غزل بھی لکھ کر بھیجی جس کا پہلا شعر یہ ہے:

پردہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
چشم مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر[۲۰]

محمد دین فوق نے رسالہ طریقت کے شمارہ اگست میں تصوف سے متعلق اقبال کا مفصل نظریہ پیش کیا۔[۲۱]

ماہ اگست کا زیادہ حصہ اقبال نے شملہ میں گزارا۔ اس کے بعد آپ عید منانے سیالکوٹ چلے گئے۔ وہیں آپ کو مہاراجا کشن پرشاد کا ایک تار ملا۔ ان دنوں آپ کی والدہ ماجدہ بھی علیل تھیں۔ ان کو آرام آیا تو آپ کی بیویاں یکے بعد دیگرے بخار میں مبتلا ہو گئیں۔ ۳ر ستمبر کو انھیں بخار سے آرام آیا، تو آپ اپنی بیویوں کو لے کر لاہور چلے آئے۔[۲۲]

۵ر ستمبر کو اقبال نے مہاراجا صاحب کے نام خط لکھ کر بتایا کہ وہ کل ایک مقدمے کے سلسلے میں پٹیالہ جا رہے ہیں۔ وہاں سے امیر خسرو کے عرس میں شرکت کرنے دہلی اور وہاں سے چند دنوں کے لیے گوالیار جائیں گے، کیوں کہ مہاراجا بہادر ان کی قدردانی پر مائل ہیں۔ آپ نے مہاراجا صاحب کے بھیجے ہوئے رسالے تزک عثمانیہ کی تعریف فرمائی جو ان کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔ خط میں اکبرالٰہ آبادی کے رنگ میں کہے ہوئے دو شعر بھی آپ نے تحریر فرمائے۔[۲۳]

ماہ اکتوبر میں مہاراجا صاحب کے دو خطوط اقبال کو موصول ہوئے۔ آپ نے ان کے جوابات ۲ر اکتوبر اور ۱۲ر اکتوبر کو دے دیے۔[۲۴]

اقبال کی والدہ، امام بی بی[۲۵] چھ سات ماہ سے بیمار تھیں۔ شملہ میں قیام کے دوران آپ والدہ کی بیماری کی وجہ سے جلد لوٹ آئے تھے۔ اقبال نے علاج کے لیے انھیں لاہور لے جانا چاہا، لیکن وہ گھر چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئیں۔ اکتوبر میں وہ چارپائی سے لگ گئیں۔ انھیں مسلسل بخار رہنے لگا اور کمزوری روز بروز بڑھنے لگی۔ آخر بہ تاریخ ۹ر نومبر امام بی بی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحومہ کو امام علی الحق کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

اقبال کی والدہ بظاہر خواندہ لیکن بڑی زیرک معاملہ فہم اور مدبر خاتون تھیں۔ ان کی شادی ۱۸۵۷ء سے قبل شیخ نور محمد سے ہوئی تھی۔ ان کے بزرگ کشمیر سے ترک وطن کر کے ضلع سیالکوٹ کے موضع سمبڑیال میں آباد ہوئے تھے۔ عیدالاضحیٰ سے چند روز قبل مرحومہ کا انتقال ہوا۔

عید کے موقع پر حیدرآباد سے مہاراجا صاحب کا تار برقی پیام مبارک باد لایا۔ اس کے علاوہ اقبال کو منظوم عید کارڈ بھی ملے۔ ۱۱ر نومبر کو آپ نے انھیں جواب دیا۔[۲۶] خط میں والدہ ماجدہ کی رحلت کا ذکر بھی کیا، اسی روز مرحومہ کی رسم قل تھی۔ ایک دو روز بعد اقبال لاہور چلے آئے۔ سیالکوٹ سے روانگی کے وقت بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے روتے روتے جب انھیں گلے لگایا تو آپ بھی رونے لگے۔ حالاں کہ والدہ کی وفات کے وقت اقبال حزن و ملال اور ضبط و تحمل کی تصویر بنے بڑے بھائی کو تسلیاں دے رہے تھے۔[۲۷]

۲۳ر نومبر کو مہاراجا صاحب کا خط موصول ہوا۔ یہ اقبال کی والدہ ماجدہ کی وفات پر تعزیتی خط تھا۔ اقبال نے اسی روز جواب دیا۔ آپ نے لکھا کہ اس حادثے نے میرے دل و دماغ میں شدید تغیر پیدا کر دیا۔ میرے لیے دنیا کے معاملات میں دلچسپی لینا اور دنیا میں آگے بڑھنے کی خواہش کرنا صرف مرحومہ کے دم سے وابستہ تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ "موت کا انتظار ہے......" ہاں فارسی مثنوی ختم ہو گئی ہے۔ (اس کے معیار سے) مطمئن ہو جاؤں تو اس کے چھپوانے کی فکر کروں۔[۲۸]

۱۸ر نومبر کو مولانا شبلی نعمانی دار فانی سے عالم بقا کو سدھار گئے۔ آپ کو بہت رنج اور ملال

ہوا۔ اس موقع پر آپ نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

امام الہند والانژاد شبلی طاب ثراہ[۲۹]

۱۳۳۲

۱۶/ دسمبر کو اقبال نے اکبر الہٰ آبادی کے نام خط تحریر فرمایا۔ اگلے روز پھر خط لکھ کر انھیں بتایا کہ آپ کے اس شعر کی داد دینا بھول گیا:[۳۰]

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے، عقل، عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

ہیگل کا تمام فلسفہ اسی اصول پر مبنی ہے...... کیمبرج کی تاریخ ہندوستان کے لیے مجھے جو مضمون اردو ادب پر لکھنا ہے، اس میں اس شعر کا ضرور ذکر کروں گا۔

دسمبر کے آخری ہفتے میں والدہ مرحومہ کی رسم چہلم میں شرکت کرنے اقبال سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ سیالکوٹ میں آپ کو مہاراجا صاحب کا خط بہ تاریخ ۲۸/ دسمبر ملا۔ مہاراجا صاحب نے اپنی ایک نظم ''ست بچن'' اشاعت کے لیے ارسال کی تھی۔[۳۱] اس کے علاوہ انھوں نے اقبال کو تزک عثمانیہ کے لیے کچھ لکھنے کو کہا۔ اقبال رسم چہلم میں شریک ہونے کے بعد ۲۸/ دسمبر کو لاہور واپس آ گئے۔ اسی روز آپ نے مہاراجا صاحب کو ان کے خط کا جواب دیا۔ خط میں تزک عثمانیہ کے لیے فارسی کے چھ اشعار بھیجے:

خوش آنکہ رخت خرد را ز شعلۂ می سوخت[۳۲]

۳۱/ دسمبر کو مولانا الطاف حسین حالی اپنے آبائی شہر، پانی پت میں انتقال کر گئے۔[۳۳]

والدہ ماجدہ کی رسم قل کے بعد آپ نے مرحوم والدہ کی یاد میں ایک مرثیہ نما نظم سال کے آخر تک تخلیق کر ڈالی۔ اس کا نام ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' رکھا گیا۔

امرت سر کے ایک ناشر نے مڈل جماعت کے طلبہ کے لیے اقبال اور لالہ رام پرشاد کی لکھی جانے والی تاریخ ہند کا خلاصہ شائع کیا۔[۳۴]

اس سال ایم اے او کالج علی گڑھ کے قدیم طلبہ کی انجمن نے اپنے سالانہ اجلاس میں اقبال کو شرکت کی دعوت دی۔ یہ دعوت بہ توسط مولانا شوکت علی آپ کو ملی۔ لیکن آپ نے شرکت سے معذوری ظاہر کی۔ تاہم طلبہ کے لیے ایک نظم بھیج دی۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟[۳۵]

اقبال نے اپنے ایک خط میں حاجی بدرالدین کی کتاب فتح قسطنطنیہ کو دلچسپ اور مفید معلومات کا خزینہ قرار دیا۔[۳۶]

❁......❁......❁

حواشی

۱- اقبال بنام شاد،ص۷۹
۲- ایضاً،ص۷۹
۳- ایضاً،ص۷۹
۴- مفکر پاکستان،۱۷۹
۵- اوراق گم گشتہ،۱۶۱؛روح مکاتیب اقبال،ص۱۰۵
۶- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۵۴
۷- اقبال بنام شاد،ص۸۱
۸- ایضاً،ص۸۱
۹- زندہ رود،ص۲۰۳
۱۰- اقبال بنام شاد،ص۱۰۰
۱۱- ایضاً،ص۱۰۱
۱۲- اقبال یورپ میں،ص۱۳۱
۱۳- مظلوم اقبال،ص۲۳۶
۱۴- مفکر پاکستان،ص۱۵۹
۱۵- ایضاً
۱۶- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۹۷
17- *The Columbia Viking Desk Encyclopedia*. 1963. P-1987
۱۸- روح مکاتیب اقبال،ص۱۰۸
۱۹- مفکر پاکستان،ص۱۵۹
۲۰- اقبال بنام شاد،ص۱۰۱
۲۱- اقبال کی صحبت میں
۲۲- اقبال بنام شاد،ص۱۰۱-۱۰۲
۲۳- ایضاً،ص۱۰۳-۱۰۴
۲۴- ایضاً،ص۱۰۵-۱۰۶
۲۵- زندہ رود،ص۲۰۵
۲۶- اقبال بنام شاد،ص۱۰۷
۲۷- مظلوم اقبال،ص ۴۵

۲۸- اقبال بنام شاد،ص۱۰۹
۲۹- سید عبدالواحد معینی، باقیات اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص۴۹۵
۳۰- روح مکاتیب اقبال، ص۱۱۳
۳۱- اقبال بنام شاد، ص۱۱۵
۳۲- مظلوم اقبال، ص۴۶؛ اقبال بنام شاد، ص۱۱۵
۳۳- اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۲
۳۴- روز گار فقیر، جلد دوم، ص۳۲۰
۳۵- روح مکاتیب اقبال، ص۱۰۷-۱۰۸
۳۶- ایضاً، ص۱۰۸

۱۹۱۵ء......مثنوی اسرارِ خودی

انسان اپنی زندگی میں کسی نہ کسی کو بہت چاہتا ہے۔ اگر وہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائے تو لازماً اُسے بہت رنج و غم ہوتا ہے۔ اقبال بھی اپنی والدہ ماجدہ کو بہت چاہتے تھے۔ اسی شدید چاہت نے ان سے ایک مرثیہ بعنوان ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' تخلیق کرا لیا۔ تیرہ بند کی اس نظم میں اقبال نے اسلام کی روشنی میں موت کا فلسفہ بڑے عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ اقبال کے علاوہ جس شخصیت کو اس موت نے بڑا متاثر کیا، وہ مرحومہ کے شوہر، شیخ نور محمد تھے۔

اقبال نے سال کے شروع میں اس مرثیے کو خوش نویس سے لکھوا کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں بھیج دیا۔ نظم کے ہر بند کی مختصر تشریح بھی لکھ کر ارسال فرمائی۔[۱]

۱۸ رجنوری کو انھیں مولانا گرامی کا خط موصول ہوا۔ اس خط میں گرامی نے اپنی ایک فارسی غزل ''اسیر گوشۂ چشم......'' بھی درج کی تھی۔ اقبال نے اسی روز گرامی کو جواب دیا اور ان کی غزل کی تعریف فرمائی۔ اسی خط میں آپ نے تحریر فرمایا کہ (میری) مثنوی ختم ہوگئی ہے......آپ کو دکھا کر اس کی اشاعت کا اہتمام کروں گا...... حیدری صاحب خواہش مند ہیں کہ میں حیدرآباد آؤں......اردو اشعار لکھنے سے دل برداشتہ ہوتا جاتا ہوں۔ (اب) فارسی کی طرف زیادہ میلان ہے۔ اقبال نے اسی خط میں فارسی کے چھ اشعار مولانا گرامی کو لکھ بھیجے۔[۲]

اگلے روز آپ نے مہاراجا کشن پرشاد کو ان کے دو خطوط ملنے پر جواب دیا۔ اس میں آپ نے مہاراجا صاحب سے دوبارہ پریم پچیسی طلب فرمائی تھی۔[۳]

۲۵ رجنوری کو اقبال نے مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی کی خدمت میں خط لکھا اور انھیں اطلاع دی کہ ان کی کتاب قواعد اردو حصہ اوّل و دوم نہایت عمدہ ہے۔ اردو زبان میں یہ کتاب اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے۔[۴]

مولانا گرامی نے اقبال کو اپنی فارسی غزل:

''بہ دست عقل دہند از شکست تو بہ کلید''

لکھ کر بھجوائی۔ آپ نے اپنے ایک خط مورخہ ۲۸ جنوری میں اس غزل کی تعریف فرمائی اور

اپنے وہ چھ فارسی شعر لکھ کر بھیجے جنھیں وہ تزک عثمانیہ کے لیے مہاراجا کشن پرشاد کی خدمت میں بھیج چکے تھے۔[۵]

فروری کے دنوں میں اقبال درد گردہ کی تکلیف میں مبتلا رہے۔ کئی روز بعد درد میں افاقہ ہوا۔[۶]

۲۱/ فروری کو مہاراجا صاحب کا خط موصول ہوا۔ اقبال نے اسی روز انھیں جواب دیا۔[۷]

۱۱/ مارچ کو ایک اور خط موصول ہوا۔ جواب میں آپ نے مہاراجا صاحب کو تحریر فرمایا کہ مجھے درد گردہ کوئی دو سال سے ہے۔ پانچ چھ ماہ بعد دوبارہ ہو جاتا ہے۔[۸]

خواجہ حسن نظامی نے دہلی کے رسالے خطیب شمارہ ۲۲/ مارچ میں ہندوستان کی ایک اہم شخصیت کے طور پر اقبال کا خاکہ ان الفاظ کے ساتھ شائع کیا:

سرالوصال ڈاکٹر اقبال

اگر ان کے خیالات رابندر ناتھ ٹیگور کی طرح انگریزی میں ترجمہ ہو کر یورپ میں شائع ہوتے تو یقیناً اہلِ یورپ بھی انھی کو (پورے) ہندوستان کا ملکی شاعر تصور کرتے۔[۹]

مہاراجا صاحب کی طرف سے اقبال کو پریم پچیسی کے نسخے موصول ہو گئے۔[۱۰] آپ کے منشی نے تزک عثمانیہ کی وی پی واپس کر دی۔ مہاراجا صاحب کا خط آنے پر آپ نے ۲۸/ مارچ کو انھیں جواب دیا۔ آپ نے انھیں متبرک ہندو مقام، ہردوار کے سفر کی مبارک دی۔ تزک عثمانیہ کی وی پی واپس کرنے کے سلسلے میں یہ تحریر فرمایا کہ میں نے اپنے منشی کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ قانونی رسالوں کے علاوہ جو رسائل بذریعہ وی پی آئیں، انھیں واپس کر دیا کرو۔ لہٰذا منشی کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ رسالہ آپ کی طرف سے آیا ہے۔[۱۱]

مہاراجا صاحب نے اپنے لڑکے، خواجہ نصر اللہ کی تسمیہ خوانی اسلامی طریقے سے کرائی۔ اقبال نے اپنے خط مورخہ ۱۲/ اپریل میں انھیں اس ضمن میں مبارک باد پیش فرمائی۔ اسی خط میں یہ اطلاع بھی دی کہ مرزا جلال الدین بیرسٹر ریاست گوالیار میں ملازم ہو گئے ہیں اور ایک دو روز میں وہاں جانے والے ہیں۔[۱۲]

۱۷۔ ۲۰/ اپریل کو آپ نے ضیاء الدین برنی کے نام خطوط تحریر فرمائے۔[۱۳]

اقبال نے گرامی کے نام دو چار خطوط گرامی تحریر کیے لیکن کسی کا جواب نہ ملا۔[۱۴] ۵/ مئی کے خط میں آپ نے گرامی سے جواب نہ دینے کی وجہ دریافت فرمائی۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ مثنوی کی اشاعت کا اہتمام درپیش ہے...... پریس میں جانے سے پہلے آپ کے ملاحظے سے گزر جاتی (تو اچھا تھا)۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ حیدر آباد تو دُور ہے، لکھنو جا کر خواجہ عزیز کو سنا آؤں، لیکن لاہور

کے علائق نہیں چھوڑتے۔ دیباچہ کے چند اشعار عرض کرتا ہوں......[۱۵] اسی روز اقبال نے مہاراجا صاحب کو لکھا کہ ہم یہاں لاہور میں کمرہ نار کے اندر بیٹھے ہیں۔ امسال کشمیر کا قصد ہے بشرطیکہ حالات نے مساعدت کی تو!

اس کے بعد تین چار روز اقبال ملیریا میں مبتلا رہے۔ ۲۱رمئی کو مہاراجا صاحب کے نام خط تحریر فرمایا اور ان کا خط ملنے کی اطلاع دی۔[۱۶]

۲۲رمئی اقبال نے بذریعہ خط ضیاء الدین برنی کو ان کی کتاب کلید اخبار بینی اپنے نام منسوب کرنے کی اجازت دے دی۔[۱۷]

۲۳رمئی کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں اقبال کی کالج کمیٹی کی رکنیت میں مزید توسیع کر دی گئی۔[۱۸]

جون میں مرے کالج سیال کوٹ کے انگریزی پروفیسر غلام محمد طور لاہور آئے۔ اقبال سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ دریافت کرنے پر طور صاحب نے شیخ اعجاز احمد طالب علم فرسٹ ایئر کی چند خامیوں کی طرف آپ کی توجہ دلائی۔ اقبال نے ۱۲رجون کو اپنے بڑے بھائی اور اعجاز کے والد، شیخ عطا محمد کو خط تحریر فرمایا اور ان خامیوں کا ذکر کیا۔ آپ نے انھیں مشورہ دیا کہ اعجاز کو انگریزی لغت دیکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور کم از کم چار گھنٹے روزانہ کالج اوقات کے علاوہ پڑھنا چاہیے۔ انگریزی زبان سیکھنے کے لیے آپ نے بھتیجے کو انگریزی ناول پڑھنے کا مشورہ دیا اور لکھا کہ ریاضی کی طرف بھی خاص توجہ دی جائے۔[۱۹]

۱۲رجون کو اقبال کے نام خط میں لکھا کہ ان کا دیوان ابھی تک شائع نہیں ہوا۔[۲۰]

جب اقبال یونی ورسٹی کے کام سے فارغ ہوئے، تو شہزادی بمبا نے تار دے کر آپ کو کشمیر آنے کی دعوت دی۔[۲۱]

۱۹رجون کے خط میں آپ نے مہاراجا صاحب کو تحریر فرمایا کہ سردار جوگندر سنگھ جن کی معیت میں سفر کشمیر کرنے کا قصد تھا، شملے میں بیمار ہو گئے، اس واسطے خطۂ جنت نظیر کشمیر کو خیر باد کہنا پڑا۔ نیز یہ بھی لکھا کہ خواجہ حسن نظامی نے آپ کا نام ''خماری شاہ'' رکھا مگر میں آپ کو ''جلال بخاری'' کہتا ہوں کہ کشن پرشاد کا ہم عدد ہے۔[۲۲]

۲۰رجون کو انجمن کا اجلاس زیر صدارت شمس العلماء مولوی عبدالحکیم منعقد ہوا۔ آپ نے رکن کالج کمیٹی کی حیثیت سے اجلاس میں شرکت فرمائی۔[۲۳]

۲رجولائی کو اقبال نے فارسی شاعر، مرزا عبدالقادر بیدل کے شعروں کی تضمین کی اور

مذہب کے نام سے ایک نظم تخلیق فرمائی۔[۲۴]

۶/جولائی کو بذریعہ خط آپ نے گوجرانوالہ میونسپل کمیٹی کے اوورسیئر، شاکر صدیقی کی ایک نظم کی اصلاح فرمائی۔[۲۵]

مہاراجا صاحب کی طرف سے خط موصول ہونے پر ۱۴/جولائی کو اقبال نے انھیں جواب دیا اور لکھا کہ آزادی کی تشریح آپ نے خوب فرمائی۔ میں بھی آپ کے لیے اسی آزادی کا آرزومند ہوں...... گزشتہ ہفتہ گھر والوں کی علالت کے بابت بہت پریشانی میں گزرا۔ اب خدا کا فضل ہے...... آپ خماری شاہ ہیں، دعا کیجیے۔[۲۶]

۲۳/جولائی کے خط میں اقبال نے فوق سے کشمیری میگزین کا وہ شمارہ طلب فرمایا جس میں انھوں نے آپ کے حالاتِ زندگی اپنے تعارف کے ساتھ شائع کیے تھے۔[۲۷]

یکم/اگست کو ہفتہ وار توحید میں خط خواجہ حسن نظامی نے اقبال کے چند اشعار مثنوی، اسرار خودی کے عنوان سے مع تعارف شائع کر دیے۔ خواجہ صاحب نے لکھا کہ یہ نظم ہندوستان میں ایک نئی زندگی پیدا کر دے گی۔[۲۸]

۱۴/اگست کو اقبال نے شاکر صدیقی کے کلام کی اصلاح بذریعہ خط کر دی۔[۲۹]

۲۲/اگست کو شاکر صدیقی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ میں آپ کو پے در پے خطوط کے جواب دینے سے معذور ہوں۔[۳۰]

کئی ہفتوں سے اقبال اپنی بیوی کی بیماری کی وجہ سے پریشان تھے۔ مہاراجا صاحب کی جانب سے خط موصول ہونے پر ۳۰/اگست کو انھیں جواب دیا کہ ان دنوں تفکرات کا ہجوم ہے۔ میرے لیے دعا فرمائیے۔ سید علی بلگرامی کی بیگم نے اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کی دعوت دی ہے مگر کیا کروں، دور افتادہ ہوں اور علائق میں گرفتار...... فارسی مثنوی عنقریب شائع ہو جائے گی۔[۳۱]

گھر والوں کی طبیعت اب بھی خراب تھی۔ اس دوران انھیں حیدر آباد سے مہاراجا صاحب کا ۹/ستمبر کو خط ملا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیا اور لکھا ''اقبال پولیٹیشن (سیاست دان) نہیں بنے گا...... آپ کا اصول بہتر ہے یعنی سکوت، میں بھی اس پر کاربند ہو جاؤں گا...... بندہ نے ایک رسالہ اجراسکوت تحریر کیا ہے جس میں سکوت کے ایسے ایسے دلائل پیش کیے ہیں کہ فریدالدین عطار بھی اگر رسالے کو پڑھے تو اپنے فضائل خاموشی کو فراموش کر جائے...... حضور نظام سے چند ماہ کی رخصت لیجیے۔ پنجاب اور ہندوستان کی سیر فرمائیے۔[۳۲]

۱۲/ستمبر کو فارسی مثنوی اسرار خودی پانچ سو کی تعداد میں شائع ہوئی۔ اس کی کتابت منشی

فضل الٰہی نے کی تھی۔ یہ کتاب یونین سٹیم پریس لاہور سے حکیم فقیر محمد صاحب نے شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری گیٹ لاہور کے تحت شائع کی۔ یہ مثنوی سر علی امام کے نام منسوب کی گئی...... [۳۳] اسی روز اقبال نے مثنوی کا ایک نسخہ مہاراجا کو ارسال کر دیا۔[۳۴]

۱۵ر ستمبر کو اسرار خودی کا ایک نسخہ پروفیسر آرنلڈ کو روانہ فرمایا۔[۳۵]

مثنوی اسرار خودی میں چوں کہ تصوف کے ایک خاص مسلک پر تنقید کی گئی تھی، للہذا ملک بھر میں اس کے خلاف احتجاج شروع ہو گیا۔ کئی لوگ حافظ کے تصوف پر تنقید برداشت نہ کر سکے۔ لیکن بہت سے احباب نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ مرزا سلطان احمد نے اس پر تبصرہ کرنا چاہا۔ اکبر الٰہ آبادی نے اسے پسند فرمایا۔[۳۶] اقبال نے مہاراجا صاحب کی خواہش کے مطابق مثنوی کے ۲۰ نسخے بذریعہ ڈاک انھیں ۳۰ر ستمبر کو ارسال کر دیے۔[۳۷]

لکھنو کے رسالہ الفاظ نے شمارہ ستمبر میں منشی پریم چند کی کتاب پریم پچیسی پر اقبال کی رائے شائع کی۔[۳۸]

ستمبر میں اقبال کو منشی پریم چند کا خط موصول ہوا۔ جواب میں انھوں نے منشی صاحب کی کتاب پریم پچیسی کو اردو لٹریچر میں نہایت قابل قدر اضافہ قرار دیا۔[۳۹]

۹ر اکتوبر کے الفضل میں سید انعام اللہ شاہ سیالکوٹی ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا: جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی رائے جماعت احمدیہ کے بارے میں۔[۴۰]

۱۷ر اکتوبر کو آپ کی بیٹی معراج بیگم ۱۷۔۱۸ برس کی عمر میں فانی دنیا سے کوچ کر گئی۔ انھوں نے سیالکوٹ میں وفات پائی۔ معراج بیگم گلے کے خنازیر کے موذی مرض میں مبتلا تھی۔ اقبال اپنی بیٹی کو بہت چاہتے تھے۔ آپ اپنی بیٹی کے جنازہ میں شریک ہوئے۔[۴۱]

۲۱ر اکتوبر کو آپ نے بنگلور میں مقیم ایک مسلمان، عبدالواحد کو خط لکھا۔[۴۲]

۲۳ر اکتوبر کو شاکر صدیقی، گوجرانوالہ کی ایک نظم ''ہرن منارہ'' کی بذریعہ خط اصلاح فرمائی۔[۴۳]

بہ تاریخ ۳۰ر اکتوبر آپ نے ضیاء الدین برنی کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ وہ ان کی تصنیف تصوف پر نظر ثانی نہیں کر سکے اور انھیں خواجہ حسن نظامی کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔[۴۴]

یکم نومبر کو ۴:۳۰ بجے شام سینٹ ہال میں بورڈ آف اسٹڈیز کا اجلاس ہوا۔ اجلاس میں انٹرنس عربی، فارسی، اردو، پشتو ایف اے کے غزل فارسی، اردو، بی اے عربی فارسی، ایم اے، مولوی، مولوی عالم، مولوی فاضل، منشی، منشی عالم اور منشی فاضل کے نصاب برائے ۱۹۱۸ء پر غور

ہوا۔ اجلاس میں اقبال نے بطور کنوینر کارروائی نوٹ فرمائی۔[۴۵]

۲؍نومبر کو آپ نے مہاراجا صاحب کے نام خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ اسرار خودی ملنے کی رسید ابھی تک نہیں ملی؟[۴۶] اس کے بعد مہاراجا صاحب کی جانب سے آپ کو دو خطوط موصول ہوئے۔ انھوں نے کتب ملنے سے بھی مطلع فرمایا۔[۴۷] ۱۳؍نومبر کے خط میں آپ نے مہاراجا صاحب کو خطوط ملنے کی اطلاع دی۔

اقبال نے قادیانی ہفت روزہ پیغام صلح کے ایڈیٹر کے نام ۱۳؍نومبر کو خط لکھا۔ اس میں آپ نے ان کلمات کی تردید فرمائی جو کسی قادیانی نے قادیانیوں کی حمایت میں اقبال سے منسوب کیے تھے۔[۴۸]

مثنوی کی اشاعت پر ۱۶؍نومبر کے اخبار زمیندار نے لکھا:

مدعائے اسلام یہی ہے کہ ہر مسلمان اپنی مخفی قوتوں کے اثر سے آگاہ ہو جائے اور ان حدود کے اندر رہ کر جو قرآن نے معین کر دیے ہیں، ان سے کام لے۔ یہی بات تھی جسے مسلمان اب تک فراموش کیے ہوئے تھے اور اس کے نتیجے میں موجودہ تنزل اور انحطاط آیا ہے۔ یہی وہ بھولا ہوا سبق ہے جسے اقبال نے اپنی مثنوی کے ذریعے مسلمانوں کو پھر یاد دلایا ہے۔[۴۹]

مرزا سلطان احمد نے ایک کتاب فنون لطیفہ لکھی تھی جسے انھوں نے اقبال کے نام ۲۹؍نومبر کو منسوب کر دیا۔[۵۰]

۳۰؍نومبر کے رسالہ خطیب میں خواجہ حسن نظامی نے اسرار خودی کی مخالفت میں ایک مضمون شائع کیا۔[۵۱]

ماہ دسمبر کے دوسرے ہفتے اقبال کو بخار اور نزلے کی شکایت ہو گئی۔ انھی دنوں آپ کو مہاراجا صاحب کی طرف سے ایک خط موصول ہوا۔ ۱۵؍دسمبر کو آپ نے مہاراجا صاحب کے خط کا جواب دیا۔ خط میں آپ نے ذکر کیا کہ پرسوں رسالہ پیغام صلح میں ان کی ایک نظم نظر سے گزری۔ اسی کو انھوں نے نیم ملاقات تصور کر لیا۔[۵۲]

وکیل امرت سر نے ۱۹؍دسمبر کی اشاعت میں خواجہ حسن نظامی کا مضمون متعلق بہ اسرار خودی شائع کیا۔ اس کا عنوان ''کشاف خودی'' رکھا تھا۔ خواجہ صاحب نے اقبال کے کمال شاعری، سوز و گداز، اس کے اثرات اور موجودہ نئی مسلم نسل کی بیداری میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے ہر طریقے سے اقبال کے خیالات کی تبلیغ کی ہے۔[۵۳]

۲۰؍دسمبر کو اقبال کی خواجہ کمال الدین سے ملاقات ہوئی۔[۵۴] وہ دیر تک مہاراجا صاحب

کے اخلاقِ حمیدہ کا ذکر نجی محفل میں کرتے رہے۔ اقبال کو اس ذکر سے خوشی ہوئی۔[55] مہاراجا صاحب نے آپ کو ایک خط تحریر فرمایا۔ اقبال نے بہ تاریخ ۲۱ر دسمبر خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ حیدر آباد کے رسالہ ذخیرہ میں ان کی غزل ''دل چہ فروشم'' نظر سے گزری، خوب تھی۔ اسی روز آپ نے منشی فوق کو بھی ایک خط تحریر فرمایا۔

آپ کے ایک دوست نے در پردہ آپ کی مخالفت میں وکیل امرت سر میں ۲۲ر دسمبر کو ایک مضمون شائع کرا دیا۔[56]

بہ تاریخ ۲۳ر دسمبر اقبال نے فوق کو اطلاع دی کہ ان کی بھیجی ہوئی دو کتب مل گئی ہیں۔ انھوں نے لکھا کہ وجدانی نشتر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ کے ملحدانہ اور زندیقانہ شعر

ع من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں۔ پھر مُلّا کی تشریح کس قدر بے ہودہ ہے؟ تبصرہ دوسرے صفحے پر ہے۔[57]

خواجہ حسن نظامی نے ۲۹ر دسمبر کو وکیل امرت سر میں آپ کے خلاف ایک مضمون شائع کرایا۔[58]

اقبال کو پنجاب کی ایک مطربہ کا خط موصول ہوا۔ یہ مطربہ حسن میں لاجواب تھی اور اپنے گزشتہ اعمال سے تائب ہو کر پردہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اقبال کی شاعری نے اسے بڑا متاثر کیا تھا۔ اس نے اقبال کو خط کے ذریعے نکاح کرنے کا پیغام دیا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔[59]

۳۰ر دسمبر کو مہاراجا صاحب کا مکتوب اقبال کے نام موصول ہوا۔ آپ نے آدھی رات کو ہی انھیں جواب دے دیا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ میری صحت عام طور پر اچھی نہیں رہتی، کوئی نہ کوئی شکایت دامن گیر رہتی ہے...... آپ کے نسخے کے استعمال کے لیے وسائل ضروری ہیں اور وہ مقصود نہیں۔ اقبال نے اس خط میں عورت کے متعلق بھی تحریر فرمایا کہ عورت نظام عالم کی خوشبو ہے اور قلب کی غمّاز۔ آپ نے پنجاب کی مطربہ کی پیش کش کا ذکر بھی کیا۔[60]

۳۰ر دسمبر کے خط میں خواجہ حسن نظامی کو تحریر فرمایا کہ میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے۔ یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی ہو گیا۔ کیوں کہ فلسفہ یورپ بحیثیت مجموعی وحدت الوجود کی طرف رخ کرتا ہے۔ مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی محسوس ہو گئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا۔ اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔[61]

دہلی دروازہ لاہور کے باہر کوتوالی کی نئی عمارت تعمیر ہوئی۔ اس زمانے میں کوتوال شہر میاں غلام رسول تھے۔ وہ نئی کوتوالی کی عمارت میں سنگ مرمر کی تختی لگوانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اردو کے مطلوبہ اشعار تو لکھوا لیے لیکن اس سلسلے میں وہ اقبال سے بھی مشورہ چاہتے تھے۔ چنانچہ میاں صاحب اقبال کے انار کلی والے مکان پر وہ اشعار لے کر حاضر ہوئے۔ اقبال نے ان اشعار کی اصلاح کر دی اور ان اشعار کا ایک تاریخی عنوان ''عمارت فرخ فرجام'' تجویز کیا۔[۶۲]

آپ کے دو بزرگ دوست، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا الطاف حسین حالی گزشتہ سال اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے ۱۰ اشعروں پر مشتمل ایک نظم ''شبلی و حالی'' تخلیق فرمائی۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ ان بزرگوں کے جانے سے:

اوراق ہو گئے شجر زندگی کے زرد[۶۳]

ماہ ستمبر میں آپ نے منشی پریم چند کی کتاب پریم پچیسی کی اشاعت کو اردو ادب میں نہایت قابلِ قدر اضافہ قرار دیا۔[۶۴]

اقبال موسم گرما کی تعطیلات میں اہلِ خانہ کے ہمراہ سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ رات کو چوں کہ سب چھت پر سوتے تھے، اس لیے آپ بھی چھت پر سونے چلے گئے۔ وہاں میاں جی سے علمی گفتگو شروع ہوگئی۔ جب دورانِ گفتگو مثنوی میں حافظ پر نکتہ چینی کے سلسلے میں حلقہ صوفیہ کی برہمی کا ذکر آیا تو اقبال نے کہا کہ میں نے حافظ کی ذات اور شخصیت پر اعتراض نہیں کیا بلکہ میں نے تو صرف ایک اصول کی وضاحت کی ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمانانِ ہند پر عجمی تصوف کا اس قدر غلبہ ہے کہ وہ زہر کو بھی آب حیات سمجھنے لگے ہیں۔ اس پر میاں جی یعنی ان کے والد، شیخ نور محمد گویا ہوئے کہ حافظ کے عقیدت مندوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے بغیر بھی تو اس اصول کی تشریح ہوسکتی تھی۔ اقبال نے جواب دیا کہ یہ حافظ پرستی بھی تو بُت پرستی سے کم نہیں۔ شیخ نور محمد نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو بتوں کو بھی بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے مثنوی کے وہ اشعار جن پر عقیدت مندان حافظ کو اعتراض ہے، حذف کر دینے چاہئیں۔ اقبال کچھ نہ بولے، بس مسکرا دیے۔[۶۵]

❁……❁……❁

حواشی

۱- مظلوم اقبال، ص ۳۷-۳۸؛ زندہ رود، ص ۲۰۶
۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۹۸
۳- اقبال بنام شاد، ص ۱۱۷
۴- انوار اقبال، ص ۲۹۳
۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۰۱
۶- اقبال بنام شاد، ص ۱۱۹
۷- ایضاً، ص ۱۱۸
۸- ایضاً، ص ۱۱۹
۹- اوراق گم گشتہ، ص ۲۵
۱۰- اقبال بنام شاد، ص ۱۲۳
۱۱- ایضاً
۱۲- ایضاً، ص ۱۲۴
۱۳- انوار اقبال، ص ۱۴۲
۱۴- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۰۴
۱۵- اقبال بنام شاد، ص ۱۲۶
۱۶- ایضاً، ص ۱۲۷
۱۷- انوار اقبال، ص ۱۴۲-۱۴۳
۱۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۸۵
۱۹- مظلوم اقبال، ص ۲۳۸
۲۰- روح مکاتیب اقبال، ص ۱۲۴
۲۱- اقبال بنام شاد، ص ۱۲۸
۲۲- ایضاً
۲۳- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۶
۲۴- روز گار فقیر، جلد دوم
۲۵- انوار اقبال، ص ۱۱۱
۲۶- اقبال بنام شاد، ص ۱۳۲
۲۷- انوار اقبال، ص ۵۹-۶۰

۲۸- زندہ رود، ص۲۲۳
۲۹- انوار اقبال، ص ۱۱۱۔۱۱۲
۳۰- ایضاً، ص۱۱۴
۳۱- اقبال بنام شاد، ص۱۳۴
۳۲- ایضاً، ص۱۳۸۔۱۴۰
۳۳- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۸۱۔۴۵۲۔۴۵۳
۳۴- اقبال بنام شاد، ص۱۴۰
۳۵- اقبال یورپ میں، ص۴۷
۳۶- اقبال بنام شاد، ص۱۴۲
۳۷- ایضاً، ص۱۴۱۔۱۴۲
۳۸- انوار اقبال، ص۲
۳۹- روح اقبال، ص۱۲۸
۴۰- سر گزشت اقبال، ص۱۳۱
۴۱- زندہ رود، ص۱۶۴
۴۲- اقبال ریویو، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء، ص۴۴
۴۳- روح مکاتیب اقبال، ص۱۳۲
۴۴- ایضاً، ص۱۳۲
۴۵- مفکر پاکستان، ص۱۸۰
۴۶- اقبال بنام شاد، ص۱۴۴
۴۷- ایضاً، ص۱۴۵
۴۸- اقبال اور ظفر علی خاں، ص۶۲
۴۹- ایضاً، ص۷۶۔۹۰
۵۰- اقبال بنام شاد، ص۱۴۳
۵۱- زندہ رود، ص۲۲۲
۵۲- اقبال بنام شاد، ص۱۴۵
۵۳- زندہ رود، ص۲۲۳
۵۴- اقبال بنام شاد، ص۱۴۶
۵۵- ایضاً، ص۱۴۶
۵۶- اقبال کی صحبت میں، ص۹۷

۵۷- روح مکاتیب اقبال، ص۱۳۶
۵۸- اقبال کی صحبت میں، ص۹۷
۵۹- اقبال بنام شاد، ص۱۴۹
۶۰- ایضاً، ص۱۵۰
۶۱- روح مکاتیب اقبال، ص۱۳۷
۶۲- اقبال کی صحبت میں، ص۲۲۲
۶۳- اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۲
۶۴- روح مکاتیب اقبال، ص۱۲۸
۶۵- زندہ رود، ص۲۰۶-۲۰۷

۱۹۱۶ء......اسلام اور تصوف

یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو وکیل امرت سر میں مثنوی اسرار خودی کی حمایت میں ''ایک مسلمان'' کے نام سے ایک مضمون شائع ہوا۔[۱]

۳ر جنوری ۱۹۱۶ء کو مہاراجا کشن پرشاد کا خط اقبال کے نام موصول ہوا۔ اگلے روز آپ کو اکبر الٰہ آبادی کا خط بھی مل گیا۔[۲]

۴ر جنوری کو جسٹس شاہ دین کے دولت کدے پر بورڈ آف اسٹڈیز کا اجلاس ہوا۔ اس میں اقبال نے یہ درخواست بھجوادی کہ بوجہ علالت وہ کنوینر کی حیثیت سے فرائض بجالانے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا ان کی جگہ ڈاکٹر عظیم الدین احمد کو کنوینر مقرر کیا گیا۔[۳]

۵ر جنوری کو اقبال نے مہاراجا صاحب کو ان کے خط کا جواب دیا۔ اس خط میں آپ نے مہاراجا صاحب سے نواب محبوب علی خاں کے عدل و انصاف کے متعلق کوئی نہایت دل چسپ اور معنی خیز واقعہ دریافت فرمایا جس کو وہ بطور حکایت لکھ سکیں۔[۴]

۱۵ر جنوری کو وکیل امرت سر میں اقبال کا ایک مضمون ''اسرار خودی اور تصوف'' شائع ہوا۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ ہندوستان میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جنھوں نے اسلامی ادب کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ وہ تحریک تصوف کی ایک مفصل تاریخ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے ذریعے ان کا مقصد یہ دکھانا ہوگا کہ اس تحریک میں اسلامی عناصر کون کون سے ہیں اور غیر اسلامی عناصر کون کون سے...... اگر وہ مخالف ہیں تو صرف صوفیہ کے اس گروہ کے جنھوں نے آنحضورؐ کے نام پر بیعت لے کر دانستہ یا نادانستہ ایسے مسائل کی تعلیم دی جو دین اسلام سے غیر متعلق تھے۔ لیکن جو صوفیہ آنحضورؐ کی راہ پر قائم ہیں، اقبال ان کی خاک پا ہے۔[۵]

اس مضمون کی اشاعت کے چند دن بعد اقبال نے محمد نیاز الدین خاں مقیم جالندھر، کو بہ تاریخ ۱۹ر جنوری ایک خط میں تحریر کیا کہ شاہ ولی اللہ کا رسالہ میں نے دیکھا ہے۔ یہی افلاطونیت

جدید ہے۔ فلسفہ افلاطون ایک بگڑی ہوئی صورت ہے، جس کو اس کے ایک پیرو، پلوٹانیس نے مذہب کی صورت پیش کیا۔ عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں رومی دنیا میں یہ مذہب نہایت مقبول تھا...... مسلمانوں میں یہ مذہب حران کے عیسائیوں کے تراجم کے ذریعے سے پھیلا اور رفتہ رفتہ مذہب اسلام کا ایک جزو بن گیا۔ میرے نزدیک یہ تعلیم قطعاً غیر اسلامی ہے۔[۶]

خواجہ حسن نظامی نجی خطوط میں تو اقبال کو تحریر فرماتے کہ تمھاری نیت پر کوئی حملہ نہیں ہوگا، لیکن اخباروں میں اس کے برعکس لکھ دیتے۔ وہ اقبال کے خلاف خود بھی مضامین لکھتے اور دوسروں سے بھی لکھواتے۔ اقبال نے بہ تاریخ ۲۷ رجنوری اکبرالہ آبادی کو ایک خط تحریر فرمایا اور خواجہ صاحب کی اس دورخی کی شکایت فرمائی۔[۷]

اقبال نے اس دوران حیدرآباد کے پتے پر دو خطوط مہاراجا صاحب کو بھی لکھے، لیکن وہ بمبئی کے سفر پر جا چکے تھے۔[۸]

خواجہ حسن نظامی کے خط سے آپ کو اس بات کا علم ہوا۔ آپ نے بہ تاریخ ۳۰ رجنوری مہاراجا صاحب کو اجمیر شریف کے پتے پر خط تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے انھیں پنجاب کے سفر کرنے کا مشورہ دیا کہ یہ آپ کا وطن ہے جس کو آپ پر اور آپ کے دودمان عالی پر افتخار و ناز ہے۔[۹]

۳۰ رجنوری کو انجمن حمایت اسلام کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں اقبال نے بطور رکن سب کمیٹی شرکت فرمائی۔[۱۰]

۳۰ رجنوری کے خطیب میں مثنوی کی مخالفت میں خواجہ حسن نظامی نے ''سر اسرار خودی'' کے عنوان سے مضمون شائع کرایا۔ اس میں خواجہ صاحب نے مثنوی کے اصول پر بحث کی اور پانچ وجوہ کی بنا پر اسے نامعقول قرار دیا۔[۱۱]

جنوری کے آخری دنوں میں اقبال کو مہاراجا صاحب کا ایک خط موصول ہوا تھا۔ جواب میں آپ نے بہ تاریخ ۳۰ رجنوری انھیں اجمیر شریف کے پتے پر جواب دیا۔ ۲ رفروری کو آپ نے دوسرا خط بھی اجمیر شریف کے پتے پر تحریر فرمایا۔ مذکورہ خط میں آپ نے انھیں لاہور آنے کی دعوت دی تھی۔[۱۲]

بہ تاریخ ۴ رفروری کو اقبال نے اکبرالہ آبادی کو خواجہ حسن نظامی کے مضمون ''سر اسرار خودی'' سے متعلق خط تحریر فرمایا اور گذارش کی کہ آپ ذرا غور سے مضمون پڑھ لیجیے۔[۱۳] مولوی محمود علی نے اسرار خودی کی حمایت میں ایک مضمون لکھا جو خطیب میں بہ تاریخ ۷ رفروری شائع ہوا۔ اس میں مولوی صاحب نے یہ تحریر کیا کہ مثنوی میں اقبال نے کون سا ایسا خیال پیش کیا ہے جسے مسلک

وحدت الوجود کو تسلیم کرتے ہوئے بھی غلط کہا جاسکے؟[۱۴] اقبال نے اسرار خودی پر خواجہ حسن نظامی کے اعتراضات کا جواب ایک مضمون کی صورت دیا جو وکیل میں بہ تاریخ ۹رفروری شائع ہوا۔ مذکورہ مضمون میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ خواجہ حسن نظامی نے اپنے مضمون میں اسلام کی تعبیر کی ہے۔ اس طرح تو اسلام اور رہبانیت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔[۱۵]

جب مہاراجا صاحب کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا، تو اقبال نے انھیں دو تار دیے۔ جواب میں مہاراجا صاحب نے بھی دو تار اقبال کو روانہ کیے اور اپنی خیریت سے مطلع کیا۔ ۱۰ فروری کو اقبال نے انھیں متھرا کے پتے پر خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ متھرا میں کتنے روز قیام ہے، تو مقدمات کا کوئی انتظام کرتا اور حاضر ہو کر ریلوے اسٹیشن پر ہی آستان بوسی کرتا۔[۱۶]

اقبال مثنوی کا دوسرا حصہ لکھنا چاہتے تھے لیکن خواجہ صاحب اور ان کے حامیوں نے بحث چھیڑ کر ان کی توجہ ہٹا دی۔ محمد نیاز الدین خاں کے نام ایک مکتوب بہ تاریخ ۱۳رفروری میں آپ نے اس امر کا اظہار کیا۔ اقبال مزید لکھتے ہیں کہ آج کل میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں۔ دو باب لکھ چکا ہوں۔ منصور حلاّج تک چار پانچ باب اور ہوں گے، اس کے ساتھ ہی علامہ ابنِ جوزی کی کتاب کا وہ حصہ بھی شائع کر دوں گا، جو انھوں نے تصوف پر لکھا ہے...... حضرات صوفیہ خود کہتے ہیں کہ شریعت ظاہر ہے اور تصوف باطن۔[۱۷] ۲۴رفروری آپ نے مولانا شاہ سلیمان پھلواری کو مثنوی اسرار خودی کی ایک کتاب ارسال فرمائی اور ابن عربی کی کتب فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم سے متعلق اپنی رائے ظاہر فرمائی۔[۱۸]

مہاراجا صاحب متبرک مقامات کی سیر کرنے کے بعد واپس حیدرآباد پہنچ گئے۔ انھوں نے اقبال کو بذریعہ تار پہنچنے کی اطلاع دی۔ اقبال نے ۸ مارچ کو انھیں جواب دیا اور لکھا کہ اگر طبیعت راغب ہو تو مرزا بیدل کا دیوان ایڈٹ کرڈالیے۔ حیدرآباد کے کتب خانوں میں اس کے نادر و نایاب نسخے ضرور موجود ہوں گے۔ فارسی میں آپ کی دسترس قابل رشک ہے...... اس سے سہل تر کام ایک اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ولی سے پہلے کے دکنی شعراء کا کلام شائع ہونا چاہیے مثلاً سلطان قطب شاہ...... ان کے دیوان کا ایک نسخہ سرکار کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اردو ادب پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہوگا اور مولانا آزاد مرحوم کی تحقیق میں اضافہ بھی۔[۱۹]

بتاریخ ۹رمارچ آپ نے شاہ سلیمان پھلواری کو اسرار خودی سے متعلق ایک خط وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا۔ اقبال نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ وہ خود سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔[۲۰]

۱۳رمارچ کو اقبال کے نام جالندھر سے نیاز الدین خاں کا خط موصول ہوا۔ اسی روز آپ

نے انھیں جواب دے دیا۔[٢١]

۲۳/مارچ کے زمیندار اخبار میں شیر حسین قدوائی نے اسرار خودی کی مخالفت میں مضمون شائع کرایا۔[٢٢]

۲۴/مارچ کے خط میں آپ نے شاکر صدیقی کے کلام کی اصلاح کی اوران کو تلمذ میں لینے سے معذرت کرلی۔[٢٣]

مارچ کے آخری ہفتے میں اقبال کے والد بیمار ہو گئے۔اقبال ان کے علاج ومعالجہ میں آپ مشغول رہے۔ اسی لیے وہ احباب کے خطوط کے جواب نہ دے سکے۔ حیدر آباد سے مہاراجا صاحب کا خط ملا تو انھیں آپ نے بروز۳/اپریل جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ انھوں نے راسخ کی مثنوی شائع کر کے ہندوستان کے فارسی ادب پر بڑا احسان کیا ہے۔راسخ کا ہر شعر نشتر ہے...... ولی دکنی سے پہلے کے اردو شعراء کو ایڈٹ کرنا نہایت مفید ہوگا اور اردو لٹریچر ہمیشہ کے لیے آپ کا زیر بار احسان رہے گا۔اسی خط میں اقبال نے لکھا کہ خواجہ حسن نظامی نے حافظ پر تنقید کی وجہ سے مثنوی کو مخالف تصوف سمجھ لیا۔اب اسی مفروضے پر ان کے مضامین کا دارومدار ہے۔وہ مجھے تصوف کا دشمن کہہ کر بدنام کر رہے ہیں۔حالانکہ وہ تصوف کے لٹریچر سے واقفیت نہیں رکھتے۔[٢٤]

۱۴/اپریل کے خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ مثنوی اسرار خودی ایک مقصد سامنے رکھ کر تخلیق کی گئی ہے۔ بلکہ مجھے اسے لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے۔[٢٥]

۲۳/اپریل کو انجمن حمایت اسلام کا اجلاس نواب ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس میں اقبال نے ایک نظم ''بلالؓ'' ترنم سے پڑھ کر سنائی۔[٢٦]

حکومت پنجاب نے ۲۸/اپریل کو انجمن کے نام خط ارسال کیا کہ انجمن ایسے تین مسلمانوں کے نام تجویز کرے جو پنجاب کے نمائندوں کی حیثیت سے امپیریل لجس لیٹو کونسل کی رکنیت کے اہل ہوں۔ ۷/مئی کے اجلاس میں اقبال کے علاوہ سر میاں محمد شفیع اور نواب ذوالفقار علی خاں کے نام منظور کیے گئے۔[٢٧]

۱۰/مئی[٢٨] کے خط میں اقبال نے مہاراجا صاحب کو مثنوی اسرار خودی سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے لکھا...... میں عام لوگوں سے علم اور سمجھ کسی قدر زیادہ رکھتا ہوں۔ ستمبر میں لاہور کی انجمن حمایت اسلام کی طرف سے ایک روز حیدر آباد کا قصد رکھتا ہے، ممکن ہے میں بھی اس کے ساتھ چلا آؤں۔

۱۲/مئی کے خط میں اقبال نے غازی عبدالرحمٰن کو تحریر فرمایا کہ نشان ہلال کی تاریخ میں

اختلاف ہے...... یہ نشان نبی کریمؐ اور صحابہؓ کے عہد میں مروج نہیں تھا۔ بعض مغربی مورخین نے لکھا ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے وقت سے شروع ہوا۔ بعض سلطان سلیم کے عہد میں اس کا احیا بتاتے ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ صلاح الدین ایوبی کے زمانے سے [۲۹]

خطیب دہلی ۲۲۔۳۰ر مئی کی اشاعت میں اقبال کی یہ غزل شائع ہوئی:

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں [۳۰]

۲۸ر مئی کو اقبال نے مہاراجا صاحب کے نام تحریر فرمایا کہ لاہور میں گرمی کا زور ہے اور اس پر مس گوہر جان کا لہجہ جگر سوز فضائے لاہور کی حدت پر مستزاد ہے۔ [۳۱]

فقیر محمد جہلمی نے سراج الاخبار جہلم کے شمارہ ۱۹ر جون میں اپنے مضمون ''ڈاکٹر محمد اقبال اور خواجہ حافظ'' کی پہلی قسط شائع کرائی۔ [۳۲]

بروز ۲۴ر جون مہاراجا صاحب کا ایک خط اقبال کو موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ آپ کی تحریر مجھے قطعاً ناگوار نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ خلوص آپ کی زندگی کی خصوصیت ہے۔ تعجب ہے، آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ میں نے جرمن فلسفہ اس مثنوی میں لکھ دیا ہے۔ علمائے اسلام ابتدا سے آج تک تصوف وجودیہ کے مخالف رہے ہیں۔ میں نے کوئی نئی بات نہیں کی ہے۔ ہندوؤں میں کرشن کی گیتا بھی اس کے خلاف ایک زبردست آواز تھی۔ [۳۳]

امرت سر کے وکیل میں ۲۸ر جون کو اقبال کا ایک مضمون ''علم ظاہر وعلم باطن'' شائع ہوا جو اسرار خودی کی اشاعت کے بعد معترضین کے جواب میں لکھے گئے مضامین کی ایک کڑی تھا۔ اس میں اقبال نے واضح کیا کہ اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو، وہ عین اسلام سمجھتے ہیں۔ [۳۴]

سراج الاخبار جہلم کے شمارہ ۲۶ جون میں ''ڈاکٹر محمد اقبال اور حافظ'' کی دوسری قسط شائع ہوئی۔ [۳۵]

۳ر جولائی کے سراج الاخبار میں مذکورہ مضمون کی تیسری اور آخری قسط چھپی [۳۶]

۸ر جولائی کو نیاز الدین کے نام ایک خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے، میرا مضمون ''علم ظاہر وعلم باطن'' جو وکیل میں شائع ہوا ہے، آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔ اسے بھی پڑھیے۔ ایک اور مضمون لکھ رہا ہوں جو بالکل نرالا ہے۔ غالباً آج تک ایسا مضمون کبھی نہیں لکھا گیا۔ [۳۷]

اقبال، مولوی سراج الدین پال کو ۱۰ر جولائی کے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ جب اللہ

تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ آج مسلمان مُردہ ہیں۔ انحطاط ملی نے ان کے تمام قویٰ شل کر دیے ہیں۔ [۳۸]

۲۵/ جولائی کے وکیل میں آپ نے ''تصوف اور اسرار خودی'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا اور اس میں حافظ پر تنقید فرمائی۔ [۳۹] ۱۹/ جولائی کو سراج الدین پال کے نام خط لکھا اور تحریر کیا کہ ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اٹھ گیا۔ اب مسلمان قرآن کی تفسیر میں محاورہ عرب سے بالکل کام نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت اور توکل کے وہ معنی لیے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں...... ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیے ہیں۔ [۴۰]

۲۴/ جولائی کے سراج الاخبار میں رسالہ طریقت لاہور میں شائع ہونے والا وہ مضمون چھپا جو ملک محمد جہلمی ٹھیکیدار نے اسرار خودی کے دفاع میں لکھا تھا۔ یہ جواب فارسی کے ۵۸ اشعار پر مشتمل تھا۔ آخری شعر ملاحظہ فرمائیے:

دل بدست آری ملک خامش نشیں
ریزۂ از خوان حافظ باز چیں [۴۱]

۲۶/ جولائی کو اقبال نے فوق کے نام خط لکھا اور ان کی کتاب مشاہیر کشمیر کے ملنے کی اطلاع دی۔ [۴۲]

۱۲/ اگست کے خط میں محمد مبین عباسی کیفی چڑیا کوٹی کو تحریر فرمایا کہ رسالہ ادھم بھجوانے پر وہ ان کے ممنون ہوں۔ مضمون ''الحیوانات فی القرآن'' نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے۔ [۴۳]

ضیاء الدین برنی کو ۱۳/ اگست کو لکھتے ہیں کہ مجموعہ اشعار امید ہے جنگ کے بعد شائع ہوگا۔ مہدی و مسیح کے متعلق جو احادیث ہیں، ان پر علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں بحث کی ہے۔ ان کی رائے میں یہ تمام احادیث کمزور ہیں۔ میں بھی ان کا ہم نوا ہوں۔ [۴۴]

اس بار اقبال نے بڑے بھائی کی خواہش پر ماہ اگست کے زیادہ دن سیالکوٹ میں گزارے۔ ۳۰/ اگست کو آپ لاہور واپس آ گئے۔ [۴۵]

۲/ ستمبر کو اقبال نے مہاراجا صاحب کے نام خط لکھا اور مولانا عبداللہ العمادی جونپوری کے متعلق یہ تحریر فرمایا کہ وہ آپ کے مشاغل تصنیف و تالیف میں ممد و معاون ہوں گے۔ عربی و فارسی میں ان کی لیاقت اعلیٰ درجے کی ہے۔ اردو نثر نویسی میں ان کا طرزِ تحریر جدت رکھتا ہے۔ اگر سرکار کو

ضرورت ہو تو تنخواہ کے متعلق ان سے گفتگو کرلوں گا۔[۴۶]

۱۱ر ستمبر کے خط میں نیاز الدین خاں کو تحریر فرمایا کہ گزشتہ ماہ تصوف کی تاریخ پر کچھ نہیں لکھ سکا۔ البتہ مثنوی کے دوسرے حصے کے بہت سے اشعار لکھ لیے ہیں...... اس وقت وہی قوم محفوظ رہے گی جو اپنی عملی روایات پر قائم رہے۔[۴۷]

۱۷ر ستمبر کو اقبال انجمن حمایت اسلام کے اجلاس جنرل کونسل میں شریک ہوئے۔[۴۸]

۲۳ر اکتوبر کو جسٹس شاہ دین کے دولت کدے پر سوا چار بجے بورڈ آف اسٹڈیز کا اجلاس ہوا۔ اس میں ایم اے فارسی کے امتحان کا نصاب مرتب کرنے کے لیے ایک چار رکنی کمیٹی بنائی گئی جو ۱۹۱۹ء میں منعقد ہونا تھا۔ اس کے ارکان میں شمس العلماء مولوی محمد حسین، کے ایم مترا اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد شامل تھے۔ ایم۔ اے فلاسفی کے امتحان منعقدہ ۱۹۱۷ء کے لیے یہ اصحاب ممتحن مقرر ہوئے: منوہر لال، ڈاکٹر محمد اقبال اور پروفیسر ایل کے سین۔[۴۹]

مہاراجا کشن پرشاد نے ۱۰ر اکتوبر کے اپنے خط میں اقبال کو اطلاع دی کہ ان کے سوتیلے بھائی چل بسے ہیں۔ اقبال نے لاہور سے ۳۱ر اکتوبر کو مہاراجا صاحب کے نام ایک تعزیتی خط لکھا۔ مزید براں لاہور میں مقیم ایرانی عالم، شیخ عبدالعلی طہرانی کے متعلق تحریر فرمایا کہ یہ شیعہ ہیں مگر مطالب قرآن بیان کریں، تو سوچنے سمجھنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں......کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں۔[۵۰]

یکم نومبر[۵۱] کو آپ نے سید سلیمان ندوی کے نام خط لکھا اور انھیں مطلع کیا کہ اورینٹل کالج لاہور میں ۱۲۰ روپے ماہوار تنخواہ پر ہیڈ پرشین کی جگہ خالی ہے۔ کیا آپ اس جگہ آنا پسند کریں گے؟ اسی روز آپ نے مہاراجا صاحب کو تحریر کیا کہ لاہور سے ایک ماہ کی غیر حاضری کا مقصد سیاحت نہیں محض آرام کرنا تھا۔ اس واسطے ایک گاؤں چلا گیا تھا۔ اس تنہائی میں مثنوی اسرار خودی کے حصہ دوم کا کچھ حصہ لکھا گیا۔ علاوہ ازیں ایک نظم ''اقلیم خاموشاں'' کے خیالات یا پلاٹ ذہن میں آئے۔[۵۲]

۱۲ر نومبر کو سید سلیمان ندوی کے نام خط میں ان کی غزل کے ایک شعر کی تعریف فرمائی۔ نیز مولانا شبلی نعمانی کی طرح انھیں تاریخی واقعات بھی نظم کرنے کا مشورہ دیا۔[۵۳]

مہاراجا صاحب نے ۱۱ نومبر کو اقبال کو خط لکھا کہ وہ آزادی کے دلداہ ہیں، لیکن پابندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ اپنے کعبہ مقصود کا طواف کریں یعنی بارگاہِ حضرت خواجہ (اجمیر شریف) پہنچ کر اپنی امیدوں کے چراغ روشن کرسکیں۔ مذکورہ خط میں

انھوں نے شیخ عبدالعلی طہرانی صاحب کو سلام بھجوایا۔[۵۴]

اقبال نے اس خط کا جواب ۴؍دسمبر کو مہاراجا صاحب کو تحریر کیا کہ شیخ طہرانی صاحب نہایت مخلصانہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں...... پنجاب میں غلے کی گرانی کی وجہ سے لوگ بد دل ہو رہے ہیں۔[۵۵]

یہ خط حیدرآباد کے پتے پر لکھا گیا۔ انھی دنوں حیدرآباد شہر اور اس کے گردونواح میں طاعون کی بیماری پھیل گئی۔ اس سے بچنے کے لیے نواب حیدرآباد مہاراجا کشن پرشاد کے ہمراہ تبدیلی آب وہوا کی غرض سے بمبئی چلے گئے۔ اخبار کے ذریعے اقبال کو اس امر کی خبر ملی۔ مہاراجا صاحب نے بھی اقبال کو ایک خط میں اس سفر کی وجہ لکھ کر ارسال کر دی۔ یہ خط ۴؍دسمبر کو لکھا گیا۔ ایک دو روز بعد انھوں نے ایک اور خط تفصیل سے اقبال کو لکھا کہ جس طرح یہاں کا آنا غیر اختیاری ہے، اسی طرح قیام اور نقل مقام بھی...... مصیبت کا مقابلہ کرنا میرا حقیقی جوہر، ہمت کا ہاندنا میرا دھرم...... بمبئی میں ابھی ۱۴؍دسمبر تک مقیم ہوں۔ حیدرآباد میں طاعون نے ڈیرا ڈال رکھا ہے۔ اس لیے میں اپنے کل اہل خانہ کے حسب ایما تاجدار دکن یہاں آیا ہوں۔[۵۶]

اقبال نے ۱۱؍دسمبر کو نیاز الدین کے نام خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ مذہب کا مقصود عمل ہے نہ کہ انسان کے عقل اور دماغی تقاضاؤں کو پورا کرنا...... اس وقت وہی قوم محفوظ رہے گی، جو اپنی عملی روایات پر قائم رہ سکے۔[۵۷] اس کے بعد اقبال نے تصوف وجودیہ کے متعلق دو تین مضامین تحریر کیے۔ اس سلسلہ مضامین میں سے دوسرا مضمون ۱۳؍دسمبر کے وکیل میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے آنحضورؐ کی ایک پیش گوئی پر بحث فرمائی کہ میری اُمت میں تین فرقوں کے بعد ''سمن'' کا ظہور ہوگا۔[۵۸]

بروز ۱۷؍دسمبر اقبال نے بذریعہ خط مہاراجا صاحب کو مطلع کیا کہ امسال لکھنو اور علی گڑھ میں بڑے جلسے ہوئے مگر بندہ بوجہ سردی کہیں نہیں جا سکا۔[۵۹]

مہاراجا صاحب نے مذکورہ خط کا ۲۱؍دسمبر کو جواب دیا۔ انھوں نے لکھا کہ میں جس وقت اقبال کا خط دیکھتا ہوں، باچھیں کھل جاتی ہیں اور دل نہایت شاداں اور مسرور ہو جاتا ہے، یہ اللہ کے واسطے محبت ہے...... پلیگ نے تو حیدرآباد کو تباہ کر دیا...... آپ کے لاہور کے علی شاہ آج کل بمبئی میں مقیم ہیں...... یہاں ان سے ملا۔ چائے کی ایک پیالی نوش کر کے کفر و اسلام کا ذکر چھیڑا۔ روئے سخن بندے کی طرف رہا اور ہر بات میں مجھے ٹوکنا اور متوجہ کرنا شروع کیا۔[۶۰]

اقبال نے بہ تاریخ ۱۸؍دسمبر خط کے ذریعے مولانا گرامی کو اطلاع دی کہ وہ آمدہ تعطیلات میں کہیں نہیں جائیں گے۔ شیخ عبدالقادر اور مالیر کوٹلہ کے نواب ذوالفقار علی خاں لاہور میں آپ

کی آمد کے منتظر ہیں۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر تنہا سفر محال ہو، تو وہ اپنے ملازم علی بخش کو بھیج دیں۔ وہ انھیں ہوشیار پور سے ساتھ لے آئے گا۔[۶۱]

اس سال اقبال نے بیت العلوم دکن کے امتحان تاریخ اسلامی کا پرچہ مرتب فرمایا۔ حیدر آباد دکن کے محکمہ تعلیم نے اس سلسلے میں آپ سے درخواست کی تھی[۶۲] مزید براں آپ نے حیدر آباد ہی کے اردو شاعر، مولوی عبدالرؤف شوق کی نظم ''مرقع رحمت'' کی تقریظ لکھی۔[۶۳]

اس کے بعد مولوی شیخ محمد خاں جالندھری کی تالیف مصباح القواعد، طبع سوم کی تقریظ قلم بند فرمائی اور ٹیکسٹ بک کمیٹی سے اپیل کی کہ اسے نصاب میں شامل کیا جائے۔[۶۴]

گورنمنٹ کالج لاہور کے طلبہ نے ایک مشاعرے کا اہتمام کیا۔ اس سلسلے میں طلبہ کا ایک وفد اقبال سے اصلاح لینے آپ کے گھر پر آیا۔ اس وفد میں مستقبل کے ممتاز دانش ور محمد شجاع ناموس بھی شامل تھے۔[۶۵]

ایک روز اقبال فقیر سید نجم الدین سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کا گھر بھاٹی دروازہ میں تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ اس ملاقات میں نجم الدین نے اپنے بیٹے فقیر سید وحید الدین کا تعارف کرایا۔ اقبال نے وحید سے علی گڑھ کالج کے متعلق سوالات کیے۔ وحید نے بھی اقبال سے پے در پے کئی سوال کر ڈالے۔ اقبال نوجوان کے ہر سوال کا مسکرا کر جواب دیتے رہے۔[۶۶]

اس سال اقبال نے ایک مضمون بعنوان ''جمہوریت اسلام'' اخبار نیو ایرا میں تحریر فرمایا۔ اس مضمون میں آپ نے نٹشے سے اس سلسلے میں اختلاف ظاہر کرتے ہوئے یورپ کی جمہوریت کا نقشہ پیش کیا۔[۶۷]

اس سال موسم گرما میں اکبر الٰہ آبادی نے آپ کو آم تحفۃً بھجوائے۔ اقبال نے ایک شعر کی صورت رسید دی:

اثر یہ تیرے اعجاز مسیحائی کا ہے اکبر
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا[۶۸]

اس سال آپ کے بیٹے آفتاب اقبال پنجاب یونی ورسٹی سے میٹرک میں فرسٹ ڈویژن لے کر کامیاب ہو گئے۔ آفتاب کے نانا جان، شیخ عطا محمد نے انھیں سینٹ اسٹیفز کالج دہلی میں فرسٹ ائیر میں داخل کرا دیا۔[۶۹]

مولوی عبدالرؤف شوق، حیدر آباد کی منظوم کتاب مرقع رحمت اس سال شائع ہوئی۔ اسے ذخیرہ پریس حیدر آباد نے شائع کیا۔ اقبال نے اس کی تقریظ میں تحریر فرمایا کہ اس کتاب کے ہر شعر میں خلوص و محبت اور عقیدت کی جھلک ملتی ہے۔ خوشا وہ دل جو عشق نبوی گا نشیمن ہو۔[۷۰]

آپ کے بھتیجے شیخ اعجاز ایف اے کے امتحان ۱۹۱۶ء میں فیل ہو گئے، جو پنجاب یونی ورسٹی کے تحت ہوتے تھے۔ انھیں ریاضی کے لازمی پرچے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب انھیں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل کرا دیا گیا۔[۴۱]

اس سال لکھنو میں ہندو اور مسلم قائدین اکٹھے ہوئے اور کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا جو ''میثاقِ لکھنو'' سے موسوم ہوا۔ اس معاہدے کے باعث سیاسی انتشار کی کش مکش اتحاد میں بدل گئی۔[۴۲] اقبال اس میں شریک نہیں ہو سکے۔

دسمبر میں دونوں سیاسی جماعتوں کے علیحدہ علیحدہ اجلاس لکھنو میں ہوئے۔ ان میں میثاق لکھنو کی باضابطہ توثیق کر دی گئی۔[۴۳]

❋......❋......❋

حواشی

۱- زندہ رود، ص۲۲۵
۲- اقبال بنام شاد، ص۱۵۱-۱۵۲
۳- مفکر پاکستان، ص۱۸۰
۴- اقبال بنام شاد، ص۱۵۱
۵- زندہ رود، ص۲۳۱
۶- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خاں، بزم اقبال، لاہور ۱۹۵۴ء، ص۱
۷- زندہ رود، ص۲۳۱
۸- اقبال بنام شاد، ص۱۵۲
۹- ایضاً، ص۱۵۲-۱۵۳
۱۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۱۷۶
۱۱- زندہ رود، ص۲۲۶
۱۲- اقبال بنام شاد، ص۱۵۲-۱۵۴
۱۳- زندہ رود، ص۲۳۱
۱۴- ایضاً، ص۲۲۶
۱۵- ایضاً، ص۲۳۱

۱۶۔ ایضاً،ص۱۵۵۔۱۵۶
۱۷۔ ایضاً،ص۲۳۳؛مکاتیب اقبال بنام نیازالدین خاں،ص۱۔۳
۱۸۔ انوار اقبال،ص۱۷۷
۱۹۔ اقبال بنام شاد،ص۱۵۶۔۱۵۷
۲۰۔ انوار اقبال،ص۱۸۲۔۱۸۳
۲۱۔ مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں،ص۳
۲۲۔ اقبال کی صحبت میں،ص۹۶
۲۳۔ انوار اقبال،ص۱۱۶
۲۴۔ اقبال بنام شاد،ص۱۵۸۔۱۶۱
۲۵۔ ایضاً،ص۱۶۳۔۱۶۵
۲۶۔ ایضاً،،ص ۸۶
۲۷۔ اقبال اور انجمن حمایت اسلام
۲۸۔ اقبال بنام شاد،ص۱۲۷
۲۹۔ اوراق گم گشتہ،ص۲۶
۳۰۔ ایضاً،ص۲۶
۳۱۔ اقبال بنام شاد،ص۱۶۸
۳۲۔ اوراق گم گشتہ،ص۱۱۳
۳۳۔ اقبال بنام شاد،ص۱۷۱
۳۴۔ انوار اقبال،ص۲۶۸
۳۵۔ اوراق گم گشتہ،ص۱۱۳
۳۶۔ ایضاً،ص۱۱۳
۳۷۔ مکاتیب اقبال بنام محمد نیازالدین خاں،ص۴
۳۸۔ زندہ رود،ص۲۳۴
۳۹۔ سیارہ،سہ ماہی،مارچ۱۹۷۹ء،ص۱۱۷
۴۰۔ زندہ رود،ص۲۳۵
۴۱۔ اوراق گم گشتہ،ص۱۱۳
۴۲۔ انوار اقبال،ص۶۲
۴۳۔ روح مکاتیب اقبال،ص۱۵۴
۴۴۔ انوار اقبال،ص۱۴۵

۴۵- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں،ص۵
۴٦- اقبال بنام شاد،ص۱٧۴
۴٧- مکاتیب اقبال بنام نیازالدین خاں،ص۵
۴۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱٧٦
۴۹- مفکر پاکستان،ص۱۸۰
۵۰- روح مکاتیب اقبال،ص۱۵٦
۵۱- اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۲۳
۵۲- اقبال بنام شاد،ص۱۸۵۔۱۸٦
۵۳- اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۲۳
۵۴- اقبال بنام شاد،ص۲۸۹۔۲۹۰
۵۵- ایضاً،ص۱۹۵
۵٦- ایضاً،ص۲۹۱۔۲۹۵
۵٧- زندہ رود،ص۲۳۵
۵۸- ایضاً،ص۲۳٦
۵۹- اقبال بنام شاد،ص۱۹٧
٦۰- ایضاً،ص۲۹٦۔۲۹۸
٦۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۰٦
٦۲- شاد اقبال،ص۳۰
٦۳- انوار اقبال،ص۱۴
٦۴- ایضاً،ص۲۸۳
٦۵- اوراق گم گشتہ،ص۲٧٧
٦٦- روزگار فقیر،جلد اوّل۔ص۲٧۔۲۸
٦٧- اقبال کی صحبت میں،ص۱۵٧ حاشیہ
٦۸- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خاں،ص۸
٦۹- علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال،ص۱۲۵۔۱۳۸؛مظلوم اقبال،ص۲۳۹
٧۰- انوار اقبال،ص۱۴
٧۱- مظلوم اقبال،ص۲۳۹
٧۲- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص٦٧
٧۳- ایضاً،ص٦۸

۱۹۱۷ء......مشاہیرِ وقت سے خط کتابت

۵؍جنوری ۱۹۱۷ء کے دن اقبال نے مہاراجا کشن پرشاد کو یہ خط تحریر فرمایا کہ میں نے آپ سے کئی راز کی باتیں کرنی ہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ حیدر آباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکار ہو جائے اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ میں حافظ جماعت علی شاہ کو سلسلہ پیری مریدی کے آغاز سے قبل جانتا تھا اور اب بھی ان کے حالات سے ناواقف نہیں۔ ایک دفعہ بنگلور میں ان کی وجہ سے فساد ہونے کو تھا......جس طرح وہ سرکار کے ساتھ پیش آئے ہیں، میں اس طرزِ عمل کا مفہوم بخوبی سمجھتا ہوں۔ ان کے ہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔[۱]

۹؍جنوری کو مولوی الف دین کے خط کے جواب کا دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ میجر کمرون سے میری واقفیت نہیں، میں اس قسم کے رسوخ سے کوسوں بھاگتا ہوں۔ اس خط میں آپ نے مولوی صاحب کے کلام کی اصلاح بھی فرمائی۔[۲]

بروز ۵؍جنوری اقبال نے مہاراجا صاحب کو خط لکھا تھا۔ انھوں نے اس کا جواب قاضی پیٹ سے ۲۴؍جنوری کو دیا۔ مذکورہ خط میں مہاراجا صاحب نے لکھا کہ ۵؍جنوری ہی کو وہ بعزم ورنگل پوری بندر اسٹیشن پر آئے تھے۔ ڈھونڈ، سنہاٹر، اورنگ آباد سے ہوتے ہوئے اپنی جاگیر پر تو پہنچے، مگر وہاں کی آب و ہوا صاف نہ تھی۔ لہٰذا ۱۵؍کو ورنگل واپس چلے گئے۔ اب نواب صاحب پھر بمبئی روانہ ہونے والے ہیں لہٰذا وہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہونے کو تیار بیٹھے ہیں۔[۳]

۲۶؍جنوری کو خواجہ حسن نظامی کے نام خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ میں آپ کے اندازِ بیان کا عاشق ہوں۔ آپ کی کتاب رسالہ بیوی نہایت دلچسپ اور منفرد ہے۔[۴]

۷؍فروری کے خط میں اقبال نے نیاز الدین خاں کو اطلاع دی کہ مثنوی کا دوسرا حصہ ابھی تک تیار نہیں ہو سکا۔[۵]

۸؍فروری کو مولانا گرامی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ شریعت اسلامیہ کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ کے دوران اگر دشمن صلح کے خیال سے اپنے قلعے اور حصار توڑ ڈالے اور اپنی فوج کو پراگندہ کر دے

اور بعد میں اس کا خیال صلح غلط ثابت ہو، تو کیا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس پر حملہ نہ کریں..... اس مسئلے اور اس کے مفہوم کو میں نے آٹھ اشعار میں نظم کیا ہے، ان اشعار کی اصلاح کر کے واپس فرمائیے۔

روز ہیجا لشکر اعدا اگر

از خیال صلح گردد بے خطر[6]

مولانا گرامی نے اقبال کے فارسی اشعار کی کچھ اصلاح فرمائی اور خط کے ذریعے اطلاع دی۔ اقبال نے گرامی کے خط کا جواب بہ تاریخ ۱۲ر فروری دیا اور ان کی ایک غزل کو عمدہ قرار دیا۔ آپ نے انھیں ایک اور فارسی کا شعر اصلاح کے لیے لکھ بھیجا۔[7] بہ تاریخ ۱۹ر فروری اقبال مولانا گرامی کو مطلع فرماتے ہیں کہ وہ ان دنوں حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت کا تاریخی مفہوم نظم کر رہے ہیں۔ اس میں ضمناً چند شعر عقل اور عشق پر بھی ہیں۔[8]

۲۲ر فروری کو بمبئی سے مہاراجا صاحب کا خط موصول ہوا۔ اسی روز اقبال نے مہاراجا صاحب کو جواب دے دیا۔ اس خط میں آپ نے تحریر فرمایا کہ کل بمبئی سے مجھے ایک جوہری کا خط موصول ہوا۔ یہ شخص میرا ہم جماعت و ہم مدرسہ رہا ہے۔ ذہانت خداداد اور قوت ایجاد رکھتا ہے اور زیوروں کی ساخت میں کمال۔ اس نے مجھے لکھا ہے کہ مہاراجا صاحب سے میرا تعارف کرا دیجیے۔ میں نے اسے جواب نہیں دیا کہ معلوم نہیں آپ کہاں ہوں گے؟ میں نے حیدر آباد کے محکمہ تعلیم کو جواب دیا ہے کہ میں تاریخ اسلامی کا پرچہ مرتب نہیں کر سکتا۔ کل لاہور میں عجیب و غریب نظارہ تھا یعنی ہوائی جہاز اڑائے گئے، تمام دن زن و مرد اس نظارے کو دیکھنے کے لیے کوٹھوں اور میدانوں میں جمع ہو گئے۔[9]

۲۳ر فروری کے دن اقبال نے سید فصیح اللہ کاظمی الہ آبادی کو ہتک عزت کے مقدمے کے سلسلے میں خط تحریر فرمایا اور کہ جب تک وہ تحریر جس کی بنا پر وہ ان پر مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں، پڑھ نہیں لیتے، قانونی اعتبار سے اس کے متعلق رائے نہیں دے سکتے۔[10]

ماہ فروری میں سید ہاشم بلگرامی، جج حیدر آباد ہائی کورٹ انتقال کر گئے۔ میونسپل گزٹ لاہور کے مدیر منشی دین محمد نے اپنے اخبار میں اس عہدے کے لیے اقبال کا نام تجویز کیا۔ اس سلسلے میں کئی لوگوں نے اقبال سے دریافت کیا لیکن آپ کو اس معاملے کی کوئی خبر نہیں تھی۔[11]

۲ر مارچ کو نیاز الدین خاں کے نام ایک خط میں اقبال نے انھیں لکھا کہ میں لاہور کے ہجوم میں رہتا مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہو جاؤں تو قرآن یا عالم تخیل میں

قرونِ اولیٰ کی سیر کرتا ہوں...... رموزِ بے خودی سال کے ختم ہونے سے پیشتر ختم ہو جائے گی۔

۵/ مارچ کو بمبئی سے مہاراجا صاحب کا خط ملا۔ اس میں درج تھا کہ وہ ۸/ مارچ کو یہاں سے حیدر آباد روانہ ہوں گے۔[۱۳]

۶/ مارچ کو اقبال نے محمد الدین فوق کے نام خط میں لکھا کہ وہ آپ کے سفارشی آدمی، منشی قمر الدین، مقامی تاجر کتب کو کلامِ اقبال شائع کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے، کیوں کہ اس نے ان کی بیشتر نظموں کو اجازت کے بغیر شائع کر دیا ہے۔[۱۴]

بروز ۷/ مارچ اقبال نے مہاراجا صاحب کو جوابی خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ آپ کی غزل ''کیتم من'' واقعی لاجواب غزل ہے۔ انھی باتوں کے باعث اقبال آپ کا گرویدہ ہے...... کیا خوب ہو اگر سرکارِ عالی کا فارسی دیوان مرتب ہو کر دیدہ افروزِ اہلِ بصیرت ہو...... آج کل لاہور میں سلطان کی سرائے میں ایک مجذوبہ نے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رکھا ہے۔ کسی روز ان کی خدمت میں بھی جانے کا قصد ہے۔ شاد کا پیغام بھی پہنچاؤں گا۔ لڑکا دہلی کالج میں پڑھتا ہے۔ ذہین وطباع ہے مگر کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہے۔ آج کل اس فکر میں ہوں کہ اس کو کہیں مرید کرا دوں یا اس کی شادی کر دوں تاکہ اس کے ناز میں نیاز پیدا ہو جائے۔[۱۵] اقبال نے اگلے روز پروفیسر محمد الیاس برنی کو ان کی کتاب کتاب المعیشت کے ملنے کی اطلاع دی اور لکھا کہ مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی تامل نہیں کہ یہ اردو زبان میں علم الاقتصاد پر پہلی کتاب ہے اور ہر پہلو سے کامل۔[۱۶]

مہاراجا صاحب نے ۱۱/ مارچ کو اقبال کے نام خط میں برخوردار کی شادی کی مخالفت کی اور لکھا کہ اسے ترغیب وتحریص سے تعلیم دی جائے۔ یوں اس کی فطری ذہانت سونے پر سہاگے کا کام دے گی اور وہ بہت جلد تکمیلِ علوم میں کامیابی حاصل کرے گا۔[۱۷]

۱۸/ مارچ کو منشی دین محمد، مدیر میونسپل گزٹ لاہور اقبال سے ملنے آئے۔ منشی صاحب نے حیدر آباد ہائی کورٹ میں سید ہاشم بلگرامی مرحوم کی جگہ اقبال کا نام تجویز کیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے مہاراجا صاحب کو حیدر آباد ایک خط بھی تحریر کیا۔ مہاراجا صاحب نے منشی صاحب کو باقاعدہ جواب دیا۔ وہ جواب پڑھ کر اقبال نے مہاراجا صاحب کے نام اپنے ایک خط مورخہ ۱۸ مارچ میں بڑی مسرت کا اظہار کیا۔[۱۸] بروز ۲۱/ مارچ اقبال نے نیاز الدین کو اطلاع دی کہ وہ کئی دن سے دردِ گردہ میں مبتلا ہیں۔[۱۹]

ان دنوں اقبال کو کئی دن سے دردِ گردہ کی تکلیف تھی۔ اس وجہ سے آپ نے گرامی صاحب

کے طلب کرنے پر جالندھر آنے سے معذرت کرلی۔ ۲۲؍مارچ کو اقبال اپنے والد محترم کی خبر گیری کرنے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ اسی روز آپ نے مولانا گرامی کو سیالکوٹ جانے کی اطلاع دی اور انھیں اپریل میں لاہور آنے کا کہا۔ مزید برآں نواب ذوالفقار علی خاں کے متعلق شعر لکھنے کی ہدایت فرمائی۔[۲۰] ۲۴؍مارچ کو آپ لاہور واپس آ گئے۔

۲۵؍مارچ کو مہاراجا کشن پرشاد تبدیلی آب و ہوا کے سلسلے میں چار ماہ دس دن حیدرآباد سے غیر حاضر رہنے کے بعد واپس پہنچ گئے۔ اسی روز آپ کو اقبال کا خط موصول ہوا۔ مہاراجا صاحب نے فوراً اقبال کو اپنی واپسی کی اطلاع دی اور لکھا کہ خدا کرے، قدرت کی نظر انتخاب نے آپ ہی کو اسی موقع پر حیدرآباد آمد کے لیے انتخاب کیا ہو۔[۲۱]

۶ تا ۸؍اپریل انجمن کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں اقبال نے ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ ایک جلسے کی صدارت بھوپال کے پرنس حمیداللہ خاں نے فرمائی۔[۲۲] ۷؍اپریل کو مہاراجا صاحب نے اقبال کو دوبارہ خط تحریر کیا اور بتایا کہ وہ واپس آ چکے ہیں۔ لہٰذا حیدرآباد کا چکر لگایئے۔ انھوں نے تحریر کیا کہ سفر کی پابندیوں نے ایک دن بھی ان کے دل کو مطمئن اور ان کے حال کو ساکن نہ رہنے دیا۔ جب پابندی ستاتی تھی تو وہ ان کے مسدس کا یہ بند پڑھتے تھے:

کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں[۲۳]

اقبال نے ۱۰؍اپریل کو اس خط کا جواب دیا۔ انھوں نے حیدرآباد کی ججی کے سلسلے میں تحریر کیا فرمایا کہ یہاں پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا، تو دُور دُور سے مبارک باد کے تار بھی اڑ گئے۔ نیز اضلاع پنجاب کے جن لوگوں مقدمات میرے سپرد ہیں، ان کو گونہ پریشانی ہوئی۔[۲۴]

بہ تاریخ ۱۵؍اپریل اقبال نے مہاراجا صاحب کو حیدرآباد خط تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے عہدہ ججی کے سلسلے میں اپنی تعلیمی قابلیت، گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریسی خدمات، لاہور ہائی کورٹ میں پریکٹس اور تصنیف و تالیف کا ذکر کیا ہے۔[۲۵]

۱۷؍اپریل کو اقبال کے نام گرامی کا خط موصول ہوا۔ ان دنوں اقبال کے والد مکرم لاہور آئے ہوئے تھے۔ اسی دن آپ نے گرامی کو تحریر فرمایا کہ والد مکرم کئی دفعہ انھیں یاد کر چکے ہیں، اس لیے جلد لاہور تشریف لائیں۔ مذکورہ خط میں آپ نے اخبار مخبر دکن کی اس خبر کا ذکر بھی کیا کہ ججی کے لیے جن امیدواروں کے نام حضور نظام کے سامنے پیش کیے گئے، ان میں اقبال کا نام بھی شامل ہے۔[۲۶]

اقبال نے بھوپال کے رسالہ ظل السلطان کے مدیر مولوی محمد امین زبیری کو بروز ۲۹؍اپریل ایک خط تحریر فرمایا اور حق رائے دہی کی خواستگار کے سلسلے میں قرآن کریم سے استفادہ

کرنے کا مشورہ دیا۔ اقبال نے انھیں دوا اور حوالے بھی استعمال کرنے کا کہا۔ [۲۷]

یکم مئی کو مولانا گرامی کے نام خط میں تحریر کیا کہ والد مکرم ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ ۵ رمئی کو وہ سیالکوٹ چلے جائیں گے، اس لیے ملاقات کرنے لاہور آ جائیں۔ [۲۸]

۳ رمئی کو انھیں مولانا کا جواب موصول ہوا کہ گھر والوں کی طبیعت ٹھیک نہیں، اس لیے وہ فی الوقت نہیں آ سکتے۔ [۲۹]

حیدر آباد میں طاعون کے باعث سیکڑوں لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ اس کے بعد ملیریا کی عام شکایت پیدا ہو گئی۔ مہاراجا کشن پرشاد بھی کئی روز تک ملیریا میں مبتلا رہے۔ اخبارات کے ذریعے اقبال کو اس کی خبر ہو گئی۔ ۳ مئی کو اقبال نے انھیں اس سلسلے میں خط بھی تحریر فرمایا۔ [۳۰]

انھی دنوں آپ کی ایک غزل:

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی

اخبارات میں غلط انداز میں شائع ہو گئی۔ مولانا گرامی نے اپنے ایک خط میں اس کی بعض غلطیوں کی طرف توجہ دلائی۔ یہ خط اقبال کو ۳ رمئی کو موصول ہوا۔ مولانا نے اس خط میں اپنی بیگم کی بیماری کا بھی ذکر کیا۔ [۳۱] آپ نے اسی روز مولانا گرامی کو جواب میں تحریر فرمایا کہ میں نے والد مکرم کی خدمت میں ان کی بیگم کے بارے میں عرض کر دیا ہے۔ چناں چہ انھوں نے اسی وقت دعا کی اور میں بھی دست بہ دعا ہوں۔ آپ کی اصلاح سے مجھے اتفاق نہیں، وجوہ ملاقات ہونے پر عرض کروں گا۔ [۳۲]

۷ رمئی کو اقبال کے نام مولانا گرامی کا خط موصول ہوا جس میں انھوں نے بیگم کی صحت یابی کا ذکر کیا۔ اسی روز آپ نے مولانا کو جواب دیا کہ اخبار پنجاب میں غزل غلط شائع ہو گئی تھی۔ [۳۳]

مہاراجا صاحب نے ۸ رمئی کو اقبال کے خط کا جواب دیا اور لکھا کہ اب کوئی شکایت نہیں طبیعت بحال ہے مگر افکار سے مضمحل ہے۔ [۳۴]

۱۸ رمئی کو اکبر الٰہ آبادی کا خط اقبال کے نام موصول ہوا۔ اس میں انھوں نے درج ذیل ایک لطیف مطلع لکھ کر بھیجا:

زبان سے قلب پر صوفی خدا کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلامی ہے [۳۵]

۱۹ رمئی مہاراجا صاحب کو تحریر فرمایا کہ میں فارسی مثنوی کے دوسرے حصے کی تکمیل میں مصروف ہوں، اس کا نام رموز بے خودی ہوگا...... یونی ورسٹی امتحانوں کے کاغذات سے

فرصت ہوگئی ہے...... میں نے حال ہی میں ایک غزل لکھی ہے:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی[۳۶]

اس کے بعد انھوں نے گرامی کو بھی ۲۱ ؍مئی کے خط میں تحریر کیا کہ مثنوی کا دوسرا حصہ قریب الاختتام ہے۔ تقریظ موعدہ لکھیے۔ وقت پر اطلاع کر دی ہے۔[۳۷]

۴ ؍جون کو مہاراجا صاحب نے اقبال کو خط لکھا کہ شاد وسالم ملاقات سے شاد کام ہوتا ہے۔ لسان العصر کے مطلع کو انھوں نے مطلع آفتاب قرار دیا۔ اقبال کے مطلع پر مہاراجا صاحب نے کچھ مطلع لکھ کر بھجوائے:

زبان پر صوفی میکش خدا کا نام لایا ہے
یہی وہ مے ہے جس کو ساقی اسلام لایا ہے
خدا سے مصطفیؐ توحید کا پیغام لایا ہے
حقیقت میں اس پر اک جہاں ایمان لایا ہے[۳۸]

اقبال نے ۱۴ ؍جون کو مذکورہ مکتوب کا جواب دیا۔ مہاراجا صاحب کو آپ نے تحریر فرمایا کہ باطنی اعتبار سے تو بندہ درگاہ پہلے سے وہاں موجود ہے۔ مولانا لسان العصر کا مطلع نہایت عمدہ لیکن سرکار کا یہ شعر ''شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے'' اس مطلع سے کم نہیں۔ اس شعر میں ایک جہان معنی آباد ہے۔[۳۹]

اقبال نے بہ تاریخ ۸ ؍جون منشی محمد الدین فوق کو خط کے ذریعے مطلع فرمایا کہ کشمیر اور اہلِ کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں اور ان کے لٹریچر پر احسان کیا ہے۔ اب کشامرہ کی قبر پرستی پر بھی ایک مضمون ضرور لکھیے۔ آپ کی کتاب رہنمائے کشمیر نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔[۴۰]

آم اقبال کو بہت پسند تھے۔ اسی لیے آپ کے احباب تحفے میں اکثر آم ہی بھیج دیا کرتے تھے۔ ۲۷ ؍جون کے خط میں اقبال نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں کہ واقعی آم دردِ گردہ کے مریض کے لیے اچھا ہے۔ مجھ کو بھی اس پھل سے محبت ہے۔ مزید براں یہ بھی تحریر فرمایا کہ رموز بے خودی میں ان مضامین کی کمی ہے: قرآن اور بیت الحرام کا مفہوم و مقصود حیات ملیہ اسلامیہ میں کیا ہے۔[۴۱]

مولانا گرامی کی جانب سے کئی دن تک خیریت نامہ موصول نہ ہوا تو اقبال نے جالندھر میں سید بشیر حیدر کو خط لکھا کہ وہ گرامی صاحب کے حالات سے انھیں آگاہ کریں۔ حیدر صاحب کی طرف سے تو کوئی جواب نہ آیا[۴۲] البتہ نیاز الدین خاں کا یہ خط موصول ہوا کہ مولانا گرامی اور ان

کی بیگم خیریت سے ہیں۔[۴۳]

اقبال نے بروز ۲۸ر جون مولانا گرامی کو خط لکھ کر اطلاع دی کہ اگر امسال آپ کا کشمیر جانے کا ارادہ ہو، تو ممکن ہے میں بھی آپ کا ساتھ دوں۔ آپ کی معیت میں کشمیر کی سیر کرتے ہوئے بہت لطف آتا ہے۔ غنی کشمیری کی روح خوش ہوگی کہ گرامی جالندھری اس کے مزار پر آئے ہیں...... آج کل فاطمہ زہراؓ کا مضمون زیرِ نظر ہے۔[۴۴]

مہاراجا صاحب نے بروز ۲۶ر جون خط تحریر کیا جو اقبال کو موصول ہوا۔ انھوں نے ۳۰ر جون کو جواب دیا۔ مہاراجا صاحب نے خط میں اقبال کو لکھا کہ انھوں نے ایک نظم تخلیق کی ہے۔ اس کا نام تجویز کرنے کا وعدہ خواجہ حسن نظامی نے کیا ہے۔ خواجہ صاحب اس کی شرح بھی لکھ رہے ہیں۔ بعض احباب نے تقریظ بھی لکھی ہیں۔ نظم کی ایک نقل مہاراجا صاحب نے بغرض اصلاح اقبال کو بھی بھیجی۔ اقبال نے بروز ۳۰ر جون اپنے خط میں اس نظم کی اصلاح فرمائی۔ دراصل مہاراجا صاحب کو کسی نے مشرک کہہ دیا تھا۔ اس کے جواب میں انھوں نے ایک فارسی نظم لکھی تھی۔[۴۵]

رسالہ طریقت شمارہ ماہ جون میں فوق کی تصنیف وجدانی نشتر سے متعلق اقبال کی رائے شائع ہوئی۔[۴۶]

اقبال نے یکم جولائی کے اپنے خط میں مولانا گرامی کو لاہور آنے کی دعوت دی۔ گرامی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ اقبال کا گھر چاروں جانب سے گھرا ہوا ہے، وہاں کھلی چھت نہیں جس سے آسمان نظر آسکے۔ آپ نے انھیں تحریر فرمایا کہ اگر آپ کو آسمان کا نظارہ مطلوب ہے تو اس کا انتظام ہو جائے گا۔ دن بھر میرے پاس رہو، سونے کا انتظام وہاں ہوگا جہاں سے آسمان دکھائی دے۔ علی بخش رات کو آپ کی خدمت میں رہے گا...... مثنوی کا دوسرا حصہ قریب الاختتام ہے۔ مگر اب تیسرا حصہ ذہن میں آرہا ہے اور مضامین دریا کی طرح امڈے آرہے ہیں۔ اس حصے کا مضمون (یا عنوان) ہوگا ''حیات مستقلۂ اسلامیہ''۔ اس کے ذریعے بتایا جائے گا کہ قرآن شریف مسلمانوں کے مستقبل پر کیا روشنی ڈالتا ہے...... مثنوی کے دوسرے حصے میں حضرت فاطمہ زہراؓ پر مضمون لکھ رہا ہوں۔[۴۷]

۳ر جولائی کو اقبال نے گرامی کے نام ایک اور خط تحریر فرمایا۔ لکھتے ہیں، اس فکر میں ہوں کہ حضرت سیّدہ کے متعلق ایک ایسا شعر لکھا جائے جو معانی کے اعتبار سے ایک سو شعر کے برابر ہو۔ آج صبح آنکھ کھلتے ہی وہ شعر ذہن میں آگیا۔ ابھی اسے خراد کی ضرورت ہے۔ عرض کرتا ہوں:

گریۂ شب ہائے آں بالا نشیں
ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں[۴۸]

مولانا گرامی نے اپنے جوابی مکتوب میں ایک ترمیم تجویز کی۔ اس کے متعلق ۶؍ جولائی کے خط میں اقبال نے انھیں لکھا کہ واقعی ''صادر'' کا لفظ دونوں مصرعوں میں آنا چاہیے۔ آپ نے جو ترمیم فرمائی وہ بہت بلند پایہ ہے۔[۴۹]

اقبال، نذر علی حیدری بی اے، معتمد محکمہ سائنس حیدر آباد دکن کے ہمراہ ایک رات حیدر آباد دکن کے شاہی قبرستان میں گئے تھے۔ انھوں نے اقبال کو حیدر آباد آنے کی دعوت دیتے ہوئے خط لکھا۔ اقبال نے مشورے کی خاطر مولانا گرامی کو بروز ۱۰؍ جولائی خط تحریر فرمایا کہ جلد لاہور تشریف لائیں۔[۵۰] اس دوران آپ نے مہاراجا صاحب کی نظم کی تقریظ لکھ کر روانہ کردی۔ ۱۶؍ جولائی کے خط میں آپ نے مہاراجا صاحب کو تحریر فرمایا کہ انھوں نے حیدری صاحب کی دعوت قبول کرلی ہے۔ وہ اگست یا ستمبر میں حیدر آباد جائیں گے۔[۵۱] اسی روز آپ نے مولانا گرامی کو تحریر کیا کہ شاید ماہ اگست ہی میں انھیں حیدر آباد جانا پڑے۔[۵۲]

۲۷؍ جولائی کو بذریعہ خط اقبال نے مہاراجا صاحب کو مطلع کیا کہ وہ اگست کے مہینے میں حاضر ہوں گے۔ حیدری صاحب نے جس امر کے لیے انھیں دعوت دی ہے، اس کے متعلق بھی سرکار سے وہیں مشورہ ہوگا۔[۵۳]

۲۸؍ جولائی کے لکھنو کے انگریزی اخبار *THE NEW ERA* آپ کا درج ذیل مضمون "Islam and Mysticism" شائع ہوا۔ اسی اخبار کے شمارہ جولائی میں آپ کا مضمون چھپا:[۵۴]

Our Prophet's Criticism of Contemporary Arabian Poetry.

بروز ۷؍ اگست خط کے ذریعے اقبال نے مولانا گرامی کو اطلاع دی کہ وہ یکم ستمبر کو حیدر آباد کے لیے روانہ ہوں گے۔[۵۵] حیدری صاحب نے آپ کو قانون کی پروفیسری کی پیش کش کرتے ہوئے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اگر پرائیویٹ پریکٹس کی اجازت مل جائے، تو آپ کیا تنخواہ لیں گے؟ اس سلسلے میں اقبال نے ۱۴؍ اگست کو مہاراجا صاحب کے نام خط تحریر فرمایا اور حیدری صاحب کی پیش کش کا ذکر کیا۔ آپ نے مہاراجا صاحب کو لکھا کہ اگر عدالت عالیہ میں جگہ مل جائے، تو وہ قانون کی پروفیسری کو پرائیویٹ پریکٹس پر ترجیح دیں گے۔[۵۶] ادھر آپ کے دوست مولانا گرامی نے ہوشیار پور میں یہ خبر مشہور کردی کہ اقبال ریاست حیدر آباد میں ملازم ہوگیا۔ شیخ عمر بخش کی زبانی اقبال کو اس بات کا علم آپ کو ہوا تو آپ نے بہ تاریخ ۱۸؍ اگست مولانا صاحب کو بذریعہ خط مطلع فرمایا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے۔ مہربانی کرکے ایسی غلط اور بے سروپا بات کی تشہیر نہ کیجیے۔[۵۷] اقبال کا ۱۴؍ اگست والا

خط مہاراجا صاحب کو ملا تو انہوں نے ۲۲؍اگست کو جواب میں تحریر کیا کہ قانون کی پروفیسری کو پرائیویٹ پریکٹس کے ساتھ پبلک کی نفع بخش کامیابی کے علاوہ آپ کی بھی ترقی کے اسرار سے مملو ہے۔[۵۸] بعدازاں ایک خط میں مولانا گرامی نے اقبال کو مشورہ دیا ''حیدرآباد میں اگر میر مجلسی کا منصب جلیلہ یا حضور بندگان عالی کی سیکریٹری کی خدمت ملے، تو ضرور منظور کر لیجیے گا۔''[۵۹]

اسی دوران اقبال کو حیدرآباد سے ایک گمنام خط موصول ہوا۔ اس میں درج تھا کہ ہم لوگ شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ آپ یہاں تشریف لائیے مگر بعض آدمی جو بظاہر آپ کے دوست ہیں، حقیقت میں آپ کے یہاں آنے سے خوش نہیں۔ اقبال جان گئے کہ لکھنے والا حیدری صاحب کا مخالف ہے۔[۶۰]

نیو ایرا[۶۱] لکھنو کے شمارہ ۱۸؍اگست میں آپ کے درج ذیل دو مضامین شائع ہوئے:

Touch of Hegelianism in Lisanul Asr Akbar Nietzsche and Jalaluddin Rumi

۳۰؍اگست کی شام آپ حیدرآباد روانہ ہونے والے تھے کہ اچانک ۲۹ کی شام بخار نے آدبوچا۔ ایک دو روز بعد پیچش کی بیماری بھی چمٹ گئی۔ آپ ہفتہ بھر سخت تکلیف میں رہے۔[۶۲]

۳؍ستمبر کے دن مولانا گرامی کو تحریر فرمایا کہ تقریظ کے اشعار آپ نے خوب لکھے، مگر یہ تو پہلے حصے کی تقریظ کے لیے زیادہ موزوں ہیں...... حیدرآباد سے جو خط آیا، اس کے مضمون سے مجھے بھی آگاہ کیجیے...... یونی ورسٹی کی تکمیل کے لیے بہت عرصہ درکار ہے۔ یونی ورسٹی کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہے اور آدمی وہاں موجود نہیں۔ جو آدمی موجود ہیں، وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے اپنے سے قابل تر اور زیادہ محنتی آدمیوں کو حیدرآباد گھسنے نہیں دیں گے۔[۶۳] بہ تاریخ ۷؍ستمبر آپ کی طبیعت بہتر ہوئی تو اسی روز مہاراجا صاحب کو اپنی بیماری کے متعلق مطلع کیا۔ حیدری صاحب کو بھی عریضہ تحریر فرمایا۔[۶۴]

انھی دنوں حکومت نے مولانا ظفر علی خاں کو کرم آباد میں نظر بند کر دیا تاہم حکومت کی اجازت سے مولانا اکثر لاہور آجایا کرتے اور اپنا بیشتر وقت اقبال کی خدمت میں گزارتے۔ اقبال سے جو گفتگو ہوتی، اس کا حال کرم آباد جا کر ستارہ صبح میں شائع کر دیتے۔ ۲۰؍ستمبر کے کالم ''جواہر ریزے'' میں مولانا نے لکھا ''لاہور آنے کا کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ بات ضرور ہے کہ گاہے ماہے لسان توحید، علامہ اقبال سے نیاز حاصل ہو جاتا ہے۔ ان کی حکیمانہ پھلجھڑیاں طبیعت کے اغماض کو جو کثرت کار اور ہجوم افکار کا نتیجہ ہے، مبدل بہ انشراح کر دیتی ہیں۔[۶۵]

اقبال نے محمد یونس برنی کو ۲/اکتوبر کے ایک خط میں تحریر فرمایا کہ اگر آپ میری نظمیں اپنے انتخاب میں شامل کرنے سے قبل مجھ سے مشورہ کرلیں تو شاید بہتر ہوگا۔[66]

اسی دوران آپ کو مہاراجا صاحب کا کارڈ موصول ہوا تو آپ نے ۶/اکتوبر کے خط میں کارڈ ملنے کی اطلاع دی۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ ۱۱/اکتوبر کو یہاں سے چلنے کا قصد تھا، مگر ایک کام کے سلسلے میں رکنا پڑا۔[67] خط ڈاک میں ڈالنے کے بعد مہاراجا صاحب کا ایک اور خط آپ کو موصول ہوا۔ مولانا گرامی کا مکتوب بھی آپ کو ملا۔[68]

۵/اکتوبر کو حیدری صاحب کا خط آیا کہ ممکن ہو سکے تو نومبر میں حیدرآباد تشریف لے آیئے۔[69]

۶/اکتوبر کے دن اقبال نے مولانا گرامی کو تحریر کیا کہ ان کے والد مکرم ۹/اکتوبر کو لاہور آرہے ہیں، وہ آپ سے ملنے کے متمنی ہیں۔[70]

اگلے روز مہاراجا صاحب کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ گرمیوں کی تعطیلات میں حیدرآباد کا سفر آسان تھا۔ اب یہ سفر تقریباً دو ہزار روپے کے نقصان کے مترادف ہے...... حیدری صاحب کے خطوط میں کوئی خاص بات نہیں...... حیدری صاحب اس وقت مجھے صرف اس لیے بلا رہے ہیں تاکہ یونی ورسٹی کے متعلق گفتگو کریں۔[71]

۱۱/اکتوبر کو مولانا گرامی کا خط موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیتے ہوئے تحریر کیا کہ سید صفدر علی شاہ کے رقعہ سے ان کا مقصد واضح نہیں ہوتا...... رواج ہر ضلع بلکہ ہر گاؤں کا مختلف ہوتا ہے، اگر کسی خاص مقام کے رواج کی بابت جاننا ہو تو وہاں کے واجب العرض وغیرہ کو دیکھنا چاہیے...... پنجاب کے عام رواج پر ریٹی گن کی کتاب مستند ہے[72] ۱۳/اکتوبر کو پھر خط تحریر فرمایا: اس خط میں آپ نے اپنے ممدوح سے گولیوں کے استعمال کا طریقہ دریافت کیا تھا۔[73] جالندھر میں مولانا گرامی کا ایک جدی مکان تھا۔ اس میں ان کی بہن رہتی تھی۔ ان سے کسی باعث مولانا کی ان بن ہوگئی۔ انھوں نے بہن کو بے دخل کرنے کے لیے ان پر دعویٰ دائر کردیا۔ اس سلسلے میں اقبال سے بھی مشورہ طلب کیا۔ اقبال نے لالہ شوچرن داس اور پنڈت کیول کرشن بیرسٹر جالندھر کے نام خطوط لکھے اور انھیں کہا کہ وہ مولانا گرامی کی مدد کریں۔[74]

اقبال کو کبوتروں سے بڑا انس تھا۔ سیالکوٹ والے گھر میں انھوں نے بچپن سے کبوتر پال رکھے تھے۔ لاہور آکر بھی یہ شغل جاری رہا۔ آپ نے بڑی مشکل سے مدینہ منورہ کا ایک قیمتی کبوتر حاصل کرکے پالا تھا۔ بدقسمتی سے ۲۰/اکتوبر کو وہ کبوتر بلی کا تر نوالہ بن گیا۔ آپ نے اس واقعہ کو اپنی

ایک نظم بعنوان ''مدینے کے کبوتر کی یاد میں'' کے ذریعے محفوظ کر دیا۔[۷۵]

مولانا گرامی نے اقبال سے وعدہ کیا تھا کہ وہ محرم میں لاہور آئیں گے، لیکن وہ نہ آ سکے۔ ۴ر نومبر کو اقبال نے بذریعہ خط نیاز الدین خاں سے مولانا کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ یہ بھی لکھا کہ مثنوی کا دوسرا حصہ ان شاء اللہ اس سال سے پہلے ختم ہو جائے گا۔[۷۶]

۱۳ر نومبر کے دن سید سلیمان ندوی کو تحریر فرمایا کہ تصوف کا وجود اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے، جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی۔[۷۷] مولوی سید ابراہیم لاہور میں مقیم تھے، اقبال کے ہاں بھی ان کا آنا جانا تھا۔ مولوی صاحب کے ایک بھائی حیدرآباد دکن میں رہتے تھے۔ ان سے ملنے وہ حیدرآباد جانے لگے تو انھوں نے اقبال سے ایک تعارفی رقعہ بنام مہاراجا صاحب لے لیا۔ مولوی صاحب کا کہنا تھا کہ مہاراجا صاحب کے آستانے پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کرنا ان کی ایک آرزو ہے۔[۷۸] ماہ نومبر کے آخری ہفتے مثنوی مکمل ہو گئی۔ اقبال نے ۲۷ نومبر کے خط میں نیاز الدین خاں کو اطلاع دی کہ مثنوی نقل کر رہا ہوں، چند روز بعد پریس میں دے دی جائے گی۔ گرامی سے کہیے کہ اس کی تقریظ کے اشعار ارسال فرمائیں۔[۷۹]

۲۴ر نومبر کے ستارہ صبح میں مولوی ظفر علی خاں کی وہ تعزیتی نظم شائع ہوئی جو اقبال کے کبوتر سے متعلق تھی۔[۸۰]

مولانا گرامی نے اپنے مقدمے کے سلسلے میں اقبال کو خط لکھا اور اپنی اہلیہ کے اشعار بھی ملاحظے کے لیے بھجوائے۔ آپ نے ۱۲ر دسمبر کو مولانا کے خط کا جواب دیا اور انھیں پنڈت کیول کرشن سے ملنے کی ہدایت دی۔ گرامی کی زوجہ کے اشعار کے متعلق لکھا کہ نہایت عمدہ ہیں۔ زبان خوب، بندش چست اور مضامین نفیس۔[۸۱]

۲۶ر دسمبر کو جالندھر سے نیاز الدین خاں کا خط موصول ہوا۔ انھوں نے اقبال کو جالندھر آنے کی دعوت دی تھی۔ اگلے روز آپ نے انھیں جواب دیا کہ ۲۴ر دسمبر کو ان کے والد مکرم لاہور تشریف لائے ہیں۔ اس لیے وہ فی الحال جالندھر نہیں آ سکتے...... مثنوی کل سنسر کے محکمے سے واپس آ گئی ہے۔ آج کاتب کے حوالے کر دی جائے گی۔[۸۲]

اسی روز آپ نے مولانا گرامی کو بھی درج بالا معلومات پر مشتمل خط تحریر فرمایا۔[۸۳]

۲۹ر دسمبر کے خط میں آپ نے مہاراجا صاحب کو تحریر فرمایا کہ مولوی ظفر علی خاں کے اخبار میں آپ کی ایک غزل لاجواب نظر سے گزری۔ اس کو نصف ملاقات تصور کیا گیا۔[۸۴]

حیدر آباد کے رسالہ المعلم کے شمارہ دسمبر میں اقبال نے سجاد مرزا کی کتاب اردو قاعدہ کی تعریف فرماتے ہوئے لکھا کہ آپ کا قاعدہ صحیح اصول پر مبنی ہے...... میں بھی ان شاء اللہ اپنے بیٹے پر اس کا تجربہ کروں گا۔[۸۵]

اس سال آپ کی ملاقات چودھری محمد حسین سے ہوئی، جو اسلامیہ کالج لاہور کے طالب علم تھے۔ کالج کے پرنسپل، نیری مارٹن کے کہنے پر نواب ذوالفقار علی خاں نے انھیں اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر رکھا تھا۔ نواب صاحب کے ہاں ہی اقبال کی ان سے ملاقات ہوئی۔[۸۶]

مسز سروجنی نائیڈو نے اپنی نظموں کا مجموعہ BROKEN WING اقبال کو ارسال کیا۔ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے تاثرات فارسی کے ۱۳ اشعار میں قلم بند کر دیے۔ لکھنو کے ادبی مجلّہ ذخیرہ اگست میں یہ شعر شائع ہوئے۔[۸۷]

آپ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد اسلامیہ کالج لاہور کے طالب علم اور ریواز ہوسٹل میں رہتے تھے۔ اقبال انھیں ہر ماہ ۲۵ روپے برائے جیب خرچ دیا کرتے تھے۔ اعجاز احمد مرے کالج، سیالکوٹ سے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں فیل ہونے کے بعد یہاں سیکنڈ ایئر میں داخل ہوئے تھے۔[۸۸]

۱۷۔۱۹۱۶ء میں اقبال کو ۳۶۱۴ روپے کی آمدن ہوئی۔ آپ نے حکومت کو ۹۴ روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔[۸۹]

نومبر کے دوسرے ہفتے یک شنبہ کے روز نواب ذوالفقار علی خاں اپنے احباب کو تفریح کرانے شام کے وقت مقبرہ جہانگیر لے گئے۔ اقبال اور ظفر علی خاں بھی ہمراہ تھے۔ مقبرہ جہانگیر میں اقبال نے بڑے سوز و گداز سے مولانا روم کی ایک غزل پڑھی۔ اسے سن کر سب وجد میں آ گئے۔ مغرب کے بعد مقبرے سے واپسی ہوئی۔[۹۰]

نواب وقار الملک ۲۷ اور ۲۸ رفروری کی درمیانی شب وفات پا گئے۔ اقبال بڑے آزردہ ہوئے اور یہ قطعہ تاریخ کہا:[۹۱]

وقار الملک انجام بخیر

۱۳۳۵ھ

برکت علی محمدی ہال میں میاں شاہ دین کی زیر صدارت بزم اردو کا ایک مشاعرہ ہوا۔ اس میں چراغ حسن حسرت نے بھی ایک غزل پڑھی۔ بعض اشعار پر اقبال نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔[۹۲]

اس سال شاہ آباد اور آرا میں مسلم کش فساد ہوا۔ چالیس مربع میل کے رقبے میں پھیلے مسلمانوں کے ۱۲۹ گاؤں ہندوؤں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔[۹۳]

❁......❁......❁

حواشی

۱- اقبال بنام شاد،ص۱۹۸
۲- روح مکاتیب اقبال،ص۱۶۱
۳- اقبال بنام شاد،ص۲۹۹
۴- انوار اقبال،ص۳۔۵
۵- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں،ص۶
۶- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۱۱
۷- ایضاً،ص۱۱۱۔۱۱۲
۸- ایضاً،ص۱۱۳۔۱۱۴
۹- اقبال بنام شاد،ص۲۰۲۔۲۰۳
۱۰- روح مکاتیب اقبال،ص۱۶۵
۱۱- مفکر پاکستان،ص۳۷۵
۱۲- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں،ص۷
۱۳- اقبال بنام شاد،ص۶۳۔۶۴
۱۴- انوار اقبال،ص۶۳،۶۴
۱۵- اقبال بنام شاد،ص۲۰۴
۱۶- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۲۹۴
۱۷- اقبال بنام شاد،ص۳۰۶۔۳۰۹
۱۸- ایضاً،ص۲۲۱۔۲۲۳
۱۹- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں،ص۸
۲۰- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۱۵
۲۱- اقبال بنام شاد،ص۳۰۹
۲۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۸۶
۲۳- اقبال بنام شاد،ص۳۱۰۔۳۱۲
۲۴- ایضاً،ص۲۲۴،۲۲۵
۲۵- ایضاً،ص۲۲۵
۲۶- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۱۷
۲۷- اقبال اور بھوپال،ص۶۴

۲۸- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۱۸
۲۹- ایضاً، ص ۱۱۸
۳۰- اقبال بنام شاد، ص ۲۲۷
۳۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۱۸
۳۲- ایضاً، ص ۱۱۸
۳۳- ایضاً، ص ۱۱۹۔۱۲۰
۳۴- اقبال بنام شاد، ص ۳۱۳
۳۵- ایضاً، ص ۲۲۸
۳۶- ایضاً، ص ۲۲۸
۳۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۲۱
۳۸- اقبال بنام شاد، ص ۳۱۴۔۳۱۷
۳۹- ایضاً، ص ۲۲۹۔۲۳۰
۴۰- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں، ص ۸
۴۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۲۲
۴۲- ایضاً، ص ۱۲۲
۴۳- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں، ص ۸
۴۴- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۲۲۔۱۲۳
۴۵- اقبال بنام شاد، ص ۲۳۰
۴۶- انوار اقبال، ص ۶۲ حاشیہ
۴۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۲۴
۴۸- ایضاً، ص ۱۲۴
۴۹- ایضاً، ص ۱۲۸
۵۰- ایضاً، ص ۱۲۹۔۱۳۰
۵۱- اقبال بنام شاد، ص ۲۳۲
۵۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۳۰
۵۳- اقبال بنام شاد، ص ۲۳۲
54- *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, P.154
۵۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۳۲
۵۶- اقبال بنام شاد، ص ۲۳۳۔۲۳۵
۵۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۳۳

۵۸- اقبال بنام شاد، ص۳۲۱-۳۲۲
۵۹- مکاتیب اقبال بنام گرامی
۶۰- ایضاً، ص۱۳۷
61- *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, P.159
۶۲- اقبال بنام شاد، ص۲۳۵
۶۳- ایضاً، ص۲۳۶
۶۴- ایضاً، ص۲۳۵
۶۵- اقبال اور ظفر علی خاں، ص۲۲
۶۶- روح مکاتیب اقبال، ص۱۸۵
۶۷- اقبال بنام شاد، ص۲۳۶
۶۸- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۳۸
۶۹- اقبال بنام شاد، ص۲۳۶
۷۰- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۳۸
۷۱- ایضاً، ص۱۳۹
۷۲- ایضاً
۷۳- ایضاً، ص۱۴۰
۷۴- ایضاً
۷۵- زندہ رود، ص۲۱۰
۷۶- روح مکاتیب اقبال، ص۱۸۸
۷۷- اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۲۵
۷۸- اقبال بنام شاد، ص۲۳۸
۷۹- روح مکاتیب اقبال، ص۱۸۹
۸۰- اقبال اور ظفر علی خاں، ص۲۸
۸۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۴۱
۸۲- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں، ص۱۱
۸۳- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۴۲-۱۴۳
۸۴- اقبال بنام شاد، ص۲۳۹
۸۵- انوار اقبال، ص۱۴-۱۵
۸۶- زندہ رود، ص۲۱۰
۸۷- انوار اقبال، ص۳۸۹

۸۸- مظلوم اقبال، ص۱۲۷
۸۹- زندہ رود، ص۲۱۵
۹۰- اقبال اور ظفر علی خاں، ص۲۵۶
۹۱- باقیات اقبال، ص۴۸۷
۹۲- اقبال کی صحبت میں
۹۳- زندہ رود، ص۲۰۹

۱۹۱۸ء......مشکلات کا سامنا

۲؍جنوری ۱۹۱۸ء کے دن مہاراجا کشن پرشاد نے حیدرآباد دکن سے اقبال کو ایک تفصیلی خط تحریر کیا۔ یہ اقبال کے اس خط کا جواب تھا، جو آپ نے بہ تاریخ ۲۹؍دسمبر مہاراجا صاحب کو لکھا تھا۔ مہاراجا صاحب نے تحریر کیا کہ وہ اپنی جاگیر فرخ نگر میں جدید ریلوے لائن دیکھنے گئے تو غیر معمولی سردی کے باعث بعد مراجعت تپ لرزہ آنے لگا۔ لیکن اب وہ خیریت سے ہیں...... آپ نے مولوی ظفر علی خاں کے اخبار میں چھپی میری غزل کو قدر کی نظر سے دیکھا، یہ آپ کی عین محبت ہے البتہ مولوی صاحب نے ایک مصرع میں خود تصرف کر دیا، ان کے مددگار نے یہ کوئی اچھی بات نہیں کی۔ مہاراجا صاحب نے مزید لکھا کہ انھوں نے دوست کی حیثیت سے مولوی صاحب کو یہ لکھا تھا کہ ان کا گروہ صوفیہ پر لعن طعن کرنا کب تک جاری رکھے گا؟ جواب میں انھوں نے ایک نظم لکھ بھیجی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کل صوفیائے کرام کو انھوں نے کفر کی رسّی میں لپیٹ لیا ہے...... ہندو اور مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ اپنی قوم کی خود ہی توہین کرتے، اس کو اچھا سمجھتے اور خوش ہوتے ہیں۔ کیا یہ شعارِ اسلام ہے؟...... حقیقت یہ ہے کہ اخلاقِ محمدیؐ کی وجہ سے اسلام کا آفتاب دنیا میں چمک اٹھا۔[۱]

۱۱؍جنوری کو اقبال نے خواجہ حسن نظامی کے نام خط لکھا اور تحریر فرمایا، مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ میر نیرنگ صاحب نے آپ کو ''بدگمانی کے گناہ'' سے بچا لیا۔ اگر آپ کو کسی باعث مجھ سے بدگمانی ہو بھی گئی تھی، تو آپ مجھ سے براہ راست دریافت کر سکتے تھے۔[۲] انھی دنوں اسلامیہ کالج لاہور کے ایک طالب علم، محمد اکبر منیر نے بغرض اصلاح آپ کو اپنی ایک نظم بھجوائی۔ آپ نے ۱۲؍جنوری کو انھیں جواب دیا اور لکھا کہ آپ کی نظم میں نے نہایت دلچسپی سے پڑھی۔ اگر آپ نے مشق جاری رکھی اور غور و فکر کی عادت ڈال لی تو ایک روز آپ کو اسی میدان میں بڑی کامیابی ملے گی۔[۳]

۱۵؍جنوری کو مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کے نام ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی، آپ کا قیام لاہور میں مستقل طور پر رہے گا۔ کبھی کبھی ضرور تشریف لایا کیجیے۔[۴]

۲۰؍جنوری کو اقبال نے مہاراجا صاحب کے تفصیلی خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ تصوف پر جو مضامین ظفر علی خاں نے لکھے یا لکھ رہے ہیں، ان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے مضامین کے اکثر امور سے مجھے سخت اختلاف ہے۔ کئی دفعہ مولوی صاحب سے اس بارے میں مباحثہ بھی ہو چکا ہے...... خواجہ حسن نظامی کی بدگمانی دُور ہو گئی ہے۔ انھوں نے مجھے معذرت کا خط بھی لکھا ہے۔ حیدری صاحب تو اقبال کو بلاتے بلاتے رہ گئے۔ ان کی طرف سے یونی ورسٹی کے کاغذات کبھی کبھی آجاتے ہیں تاکہ یہیں سے انھیں مشورہ لکھ بھیجوں۔ ادھر سے مولوی عبدالحق صاحب نے اصطلاحات علمیہ کی ایک طویل فہرست ارسال کی ہے کہ ان کے تراجم اردو پر تنقید کر دو۔ گویا ان بزرگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اقبال کو کوئی اور کام نہیں۔[۵]

۲۹؍اور ۳۰؍جنوری کی رات اقبال نے ایک خواب دیکھا کہ انھیں مہاراجا صاحب کی طرف سے ایک والا نامہ موصول ہوا۔ اس کی ہیئت وصورت ایسی ہے جیسے کوئی خریطۂ شاہی ہو۔ اس سلسلے میں اقبال نے بہ تاریخ یکم فروری مہاراجا صاحب کو ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ مضمون ان کے ذہن سے اتر گیا ہے۔ شاید کسی طرف سے اقبال کو شاہی خریطہ ملنے والا ہے۔ یہ خواب خالی از معنی نہیں انتظار شرط ہے...... علالت کی وجہ سے حضور نظام کے علی گڑھ کالج آمد کے موقع پر خیر مقدم میں چند اشعار نہیں لکھ سکا...... انگلستان کے پروفیسر نکلسن نے مجھ سے اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ زیرِ طبع ہے، تیسرے حصے کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے مجھ سے اسرار خودی کا نسخہ طلب کیا ہے لیکن میرے پاس کوئی فالتو نسخہ موجود نہیں، اگر آپ کے پاس کوئی نسخہ ہو تو مجھے ارسال کر دیں تاکہ انھیں روانہ کر سکوں۔[۶]

۹؍مارچ کو اقبال نے بنام نیاز الدین خاں تحریر فرمایا کہ گرامی صاحب کی بیوی کا خط آیا ہے، وہ مجھ سے قبضہ مکان کی شہادت دلوانا چاہتے ہیں۔ مگر میری شہادت ان کے لیے کچھ مفید نہیں ہو سکتی۔[۷]

۲۳؍مارچ کے خط میں مہاراجا صاحب اقبال کو خط میں لکھتے ہیں کہ بمبئی اور گلبرگ کی منازل طے کرتا ہوا، ۹؍جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کو واپس پہنچا۔ بمبئی کی قبل از وقت گرمی اور قیام گاہ تنگ ہونے کی وجہ سے دس بچے خسرہ میں مبتلا رہے۔ یہاں پہنچتے ہی ایک سوچ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ بخار ہو گیا۔ مجھ کو پھر پیچش نے آدبایا۔[۸]

مارچ کے دوسرے ہفتے ایم اے کے طلبہ کا زبانی امتحان لینے اقبال الٰہ آباد جانے والے تھے کہ طاعون کی وجہ سے والد مکرم نے جانے سے آپ کو منع کر دیا۔ الٰہ آباد جانے کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ اقبال اکبر الٰہ آبادی سے ملاقات کر سکیں۔[۹]

ان دنوں خواجہ حسن نظامی ایک روز کے لیے لاہور تشریف لائے۔ اقبال سے بھی ملنے ان کے دولت کدہ حاضر ہوئے۔ ۱۰/اپریل کو فارسی مثنوی اسرار خودی چھپ کر آ گئی۔ اُسے جلد بندی کے لیے دے دیا گیا۔ بہ تاریخ ۱۰/اپریل اقبال نے مہاراجا صاحب کو مثنوی کے چھپنے کی اطلاع دی اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا ظفر علی خاں حیدرآباد پہنچ رہے ہیں۔[۱۱]

چند روز بعد آپ نے مثنوی کے اعزازی نسخے مہاراجا صاحب، مولانا گرامی، سید سلیمان ندوی اور ابوالکلام کو ارسال کر دیے۔ مولانا سلیمان ندوی نے اپنے رسالے، معارف میں تبصرہ کیا، تو ۲۸/اپریل کے خط میں اقبال نے سید صاحب کے تبصرے کا شکریہ ادا کیا۔[۱۲] اسی روز اقبال کو ابوالکلام کا خط موصول ہوا۔ انھوں نے بھی آپ کی اس کوشش کو بہت پسند فرمایا۔[۱۳] اس سلسلے میں اقبال نے بروز ۱۰/مئی سید صاحب کو تحریر فرمایا کہ رموز بے خودی کے تبصرے میں محاورات کی صحت الفاظ کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا، ضرور صحیح ہوگا۔ نیز تحریر فرمایا کہ اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو ان سے آگاہ کیجیے کہ دوسری اشاعت میں ان کی اصلاح ہو جائے۔[۱۴]

مولانا ظفر علی خاں نے زمیندار میں اسرار خودی کا پُرتپاک استقبال کیا اور ایک نامعلوم مبصر کا تبصرہ شائع کیا۔ مبصر کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی کے ذریعے ہم مسلمانوں کو ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم کی سچی اور اصل تفسیر ہے۔ رموز بے خودی کے متعلق ستارہ صبح نے بھی ۱۷/اپریل کے شمارے میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔[۱۵]

مہاراجا صاحب کی ایک تیرہ چودہ سالہ بیٹی بیمار تھی۔ ۱۸/مئی کو انھوں نے اقبال کے نام خط لکھ کر استدعا کی کہ بچی کی صحت یابی کے لیے دُعا کریں۔[۱۶] بہ تاریخ ۲۳/مارچ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو معارف کے لیے چند اشعار روانہ فرمائے۔[۱۷]

اسی دوران آپ نے برہان لاہور کے مدیر سید محمد سبطین کو اطلاع دی کہ ان کی تصنیف الصراط السوی فی احوال المہدی مل گئی ہے۔[۱۸]

بہ تاریخ ۸/جون کیپٹن منظور حسین کو ان کی کتاب پیام غربت ملنے کی اطلاع دی اور ان کی نظموں کی تعریف فرمائی۔[۱۹]

مولانا گرامی نے مکان کے سلسلے میں جو مقدمہ دائر کیا تھا، آخر کار وہ راضی نامے پر ختم ہو گیا۔ اس سلسلے میں اقبال نے ۱۰/جون کو مولانا کو لکھا اور بتایا کہ راضی نامے سے انھیں بڑی خوشی ہوئی۔ بہن کے ساتھ صلح رکھیے، کیوں کہ ہمشیر دنیا میں ماں کی قائم مقام ہے...... پنجاب یونی ورسٹی

والے ایم اے فارسی کے سلسلے میں ایک کورس تجویز کر رہے ہیں۔ آپ کا مطبوعہ کلام ہو، تو اس میں درج کر دیا جائے۔ ان کا ارادہ ہے کہ اس امتحان کا ایک پرچہ ہندوستان کے شعراء کا ہو، اس ضمن میں وہ بھی آجائیں گے۔ [۲۰]

اس اثنا میں اکبر الٰہ آبادی نے مثنوی پڑھے بغیر اعتراضات کر دیے۔ اقبال نے بہ تاریخ ۱۱ر جون اکبر الٰہ آبادی کو تحریر فرمایا کہ میں نے خواجہ حافظ پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ ان کے دیوان سے مے کشی میں اضافہ ہوا ہے۔ میرا اعتراض حافظ پر بالکل مختلف نوعیت کا ہے۔ اسرار خودی میں جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک نصب العین کی تنقید تھی۔ اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں بلکہ یورپ کی علاقائی قوم پرستی ہے، جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اکسا دیا۔ مذہب اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے، جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔ [۲۱]

اسی دن آپ نے مہاراجا صاحب کو ان کی علیل صاحبزادی کے سلسلے میں بھی خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ آج رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ہے، نماز تہجد سے پہلے اور بعد میں بھی اس کی صحت یابی کے لیے دعا کروں گا۔ [۲۲] اس خط کا جواب مہاراجا صاحب نے ۲۸ جون کو دیا اور لکھا کہ وہ گھریلو پریشانیوں سے نجات ملتے ہی مثنوی کا بغور مطالعہ کریں گے۔ بیٹی کے متعلق انھوں نے بتایا کہ اس کی طبیعت رو بہ صحت ہے۔ [۲۳]

جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں ۲ر جولائی کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ۴ر جولائی کو اقبال نے ان کے صاحب زادے میاں محمد شاہ نواز کے نام یہ شعر لکھ کر روانہ فرمایا۔

دوش بر خاک بلبلے نالید و گفت
اندریں ویرانہ ماہم آشنائے داشتیم [۲۴]

۱۱ر جولائی کو سید ناظر الحسن مدیر رسالہ ذخیرہ کا خط موصول ہوا۔ اس خط میں سید صاحب نے اقبال کو مطلع کیا کہ مہاراجا صاحب کا ایک بیٹا کئی دن بخار میں مبتلا رہ کر چل بسا۔ آپ نے اسی روز مہاراجا صاحب کو ایک تعزیت نامہ لکھ دیا۔ [۲۵] مہاراجا صاحب نے ۱۷ جولائی کے خط میں انھیں تحریر کیا کہ آپ نے جن الفاظ میں مخلصانہ طور پر شاد ناشاد کی دلجوئی کی ہے، ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ [۲۶]

۲۰ر جولائی کو اقبال نے اکبر الٰہ آبادی کے نام خط تحریر فرماتے ہوئے شکوہ و شکایت کیا کہ آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں، یہ درست نہیں بلکہ میری بدنصیبی ہے کہ آپ نے مثنوی اسرار خودی

کو اب تک نہیں پڑھا۔ میں اس خودی کا حامی ہوں جو سچی بے خودی سے پیدا ہوتی ہے۔[۲۷]

۲۵ر جولائی کے ایک خط میں اقبال نے اپنی اہلیہ کی علالت کا ذکر فرمایا۔[۲۸]

۲۸ر جولائی کو سید نادر حسین، تحصیلدار فوجی بھرتی کے کام میں مصروف تھے کہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش میں قتل کر دیے گئے۔ نادر حسین آپ کے دوست، ڈاکٹر محمد حسین کے بھائی تھے۔[۲۹]

جولائی کے آخری دنوں میں اقبال کو سیالکوٹ سے اعجاز احمد کا خط ملا۔ اس میں درج تھا کہ ان کے والد بیمار ہیں۔ اس دوران بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی طرف سے سیالکوٹ جلد پہنچنے کا تار ملا۔ لیکن اس کے بعد میاں جی کی طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ لہٰذا اعجاز احمد نے بذریعہ تار دونوں بھائیوں کو ان کی صحت یابی کے بارے میں مطلع کر دیا۔[۳۰]

انگریزی رسالہ *EAST AND WEST* کے شمارہ جولائی میں عبدالرحمٰن بجنوری کا یہ مضمون شائع ہوا: IQBAL - HIS PERSIAN MASNAVIS[۳۱]

بہ تاریخ ۲ر اگست اقبال نے اعجاز احمد کو خط تحریر فرمایا کہ وہ ۵ر اگست کی شام لاہور سے سیالکوٹ کے لیے روانہ ہوں گے۔ اس روز حسب وعدہ آپ والد کی عیادت کرنے سیالکوٹ پہنچ گئے۔ بلکہ اگست کا زیادہ تر حصہ آپ نے سیالکوٹ میں گزارا۔[۳۲]

سیالکوٹ پہنچ کر آپ نے احباب کو والد مکرم کی ناسازی طبیعت سے آگاہ کیا۔ اس سلسلے میں اکبر الٰہ آبادی کا خط موصول ہوا تو آپ نے انھیں ۱۴ر اگست کو جواب دیا اور لکھا، آپ نے سچ فرمایا کہ ہزار کتب خانے ایک طرف اور باپ کی نگاہ شفقت ایک طرف۔ اسی لیے پہاڑ پر جانے کے بجائے ان کی گرمی صحبت سے مستفید ہو رہا ہوں۔[۳۳]

۹ر ستمبر کو اقبال بچوں کے ہمراہ واپس لاہور آ گئے۔ ان دنوں تُرشی کے زیادہ استعمال سے آپ کے دانت میں سخت درد ہو گیا، اس تکلیف نے کئی روز تک آپ کو بے قرار رکھا۔[۳۴]

۱۲ر ستمبر کو اقبال نے فارسی میں مولوی عزیز الدین نظامی کے نام خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ دو فارسی مثنویوں کا مقصود شاعری نہیں بلکہ بعض مسائل کی توضیح تھی۔ اگر آپ محاورہ سیکھنا چاہتے ہیں، تو اس ضمن میں مولانا گرامی سے رجوع کریں۔ ان کے اشعار لطفِ محاورہ اور حلاوت بیان میں نظیری سے کم نہیں[۳۵] ستمبر کے آخری ہفتے آپ دوبارہ سیالکوٹ لے گئے۔ ۳۰ر ستمبر کو واپس آئے۔[۳۶]

۱۲ر اکتوبر کو مولانا گرامی کو تحریر فرمایا کہ گرامی ''مسلم'' ہے اور ''مسلم'' تو وہ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے۔ یہ ایک قوۃ نورانیہ ہے کہ جامع ہے جواہر موسویت اور ابراہیمیت کی!

آگ اسے چھو جائے تو بردو سلام بن جائے۔ پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے۔ یہ آسمان و زمین اس میں سما نہیں سکتے کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہوئی ہیں۔ [۳۷]

اکتوبر کے مہینے میں پنجاب میں ایک موذی بیماری، انفلوئنزا پھیل گئی۔ بہ تاریخ ۲۸ را کتوبر اقبال نے لسان العصر کو تحریر فرمایا کہ لاہور میں انفلوئنزا کی بہت شدت ہے، یہاں تک کہ گورکن میسر نہیں۔ اس وبا کے باعث لاہور میں قریباً ڈھائی سو اموات روزانہ ہو رہی ہیں۔ [۳۸]

اگلے روز نیاز الدین کو بھی اسی قسم کا خط تحریر فرمایا۔ یہ بھی لکھا کہ اطباء اس کی تشخیص نہیں کر پا رہے۔ لاہور کے لوگ بیماری کے خوف سے محفوظ مقامات کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ نواب ذوالفقار علی خاں بھی شملہ چلے گئے تھے مگر بیماری کا زور ٹوٹنے پر وہ واپس لاہور آ گئے۔ [۳۹]

۳۰ را کتوبر کو سید سلیمان ندوی کو تحریر فرمایا کہ رموز بے خودی میں استعمال شدہ محاوروں کی اساتذہ کے کلام سے اسناد حسب وعدہ حاضر ہیں۔ اب بتائیے کہ ان میں سے کون سی صحیح ہیں اور کون سی غلط؟ [۴۰]

۴ ر نومبر کو اقبال کے نام مولانا گرامی کا خط موصول ہوا۔ اس روز آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ لاہور میں اب بیماری کم ہو رہی ہے۔ [۴۱] اس دوران نیاز الدین نے آپ کو دو جوڑے کبوتر بھیج دیے۔ ۱۲ ر نومبر کے خط میں آپ نے اس تحفے کا شکریہ ادا کیا۔ [۴۴]

مولانا گرامی نے اپنی ایک فارسی غزل آپ کو ارسال فرمائی۔ ۲۰ ر نومبر کے خط میں اقبال نے اس غزل کو دلآویز قرار دیا۔ انھوں نے تحریر فرمایا کہ اس کے ایک ایک شعر پر دل تڑپتا ہے، کس کس کی داد دوں؟ اگر آپ اسی طرح کلام ارسال کرتے رہے تو میں تھوڑے عرصے میں آپ کا مجموعہ تیار کر کے دنیا کے سامنے یہ بیش بہا خزانہ کو پیش کر دوں گا۔ [۴۵]

اسلامیہ کالج لاہور میں فلسفے کے پروفیسر ہیگ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو کر اچانک چل بسے۔ انجمن کی درخواست پر اقبال نے عارضی طور پر دو ماہ کے لیے طلبہ کو فلسفے کی تعلیم دی۔ بہ تاریخ ۲۸ ر نومبر اکبر الٰہ آبادی کو آپ نے خط تحریر فرمایا کہ انجمن حمایت اسلام کے اصرار پر دو ماہ کے لیے کالج میں ایم اے کی جماعت لینی پڑی...... یہ لڑکے شام کو ہر روز میرے مکان پر آ جاتے ہیں۔ [۴۶]

۱۱ ر نومبر کے روز پہلی عالمی جنگ سرکاری طور پر اختتام کو پہنچی۔ اس فتح کی خوشی میں ۲۸ نومبر کو جشن منایا گیا۔ لاہور کے بریڈلا ہال میں ۱۵ ر دسمبر کو سرکاری سطح پر ایک مشاعرے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اس میں پنجاب کے گورنر سر مائیکل اڈوائر بھی شریک تھے۔ اقبال کو بھی سرکاری طور پر مدعو

کیا گیا۔ آپ نے دو نظمیں پیش کیں جو براہ راست جنگ سے متعلق نہیں تھیں۔ صدر مشاعرہ نواب ذوالفقار علی خاں تھے۔ چودھری شہاب الدین نے ایک پنجابی نظم پڑھی۔ نواب صاحب کے کہنے پر اقبال نے پہلے فارسی کی ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد سامعین کے اصرار پر نظم ''شعاعِ آفتاب'' بہ ترنم پڑھی۔[۴۷]

مولانا گرامی نے اپنی ایک فارسی غزل آپ کو ارسال فرمائی۔ اقبال نے غزل کو ''دفتر معرفت'' کا خطاب دیا اور اس کے دو شعر اکبر الٰہ آبادی کو لکھ بھیجے۔ ۲؍دسمبر کے خط میں اقبال نے مولانا کو تحریر فرمایا کہ فلسفہ حال کے بعض حقائق ان اشعار میں ایسی خوبصورتی سے نظم ہوئے ہیں کہ اگر انھیں مغربی معلم سنیں، تو پھڑک جائیں۔[۴۸] اسی روز آپ نے سید سلیمان ندوی کو خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ ایک انگریز مصنف کا کہنا ہے، دکھ دیوتاؤں کی ایک رحمت عظیم ہے۔ ان کا وجود اس لیے ہے تا کہ انسان زندگی کے ہر پہلو کا مشاہدہ کر سکے...... پنجاب میں بھی بیماری نے غضب ڈھایا۔ لاہور میں تو چند روز یہ حالت رہی کہ گورکن بھی نہیں مل سکتے تھے۔[۴۹]

سنڈیکیٹ کی مقرر کردہ سب کمیٹی کا اجلاس ۴؍دسمبر کو سینٹ ہال میں میاں فضل حسین بیرسٹر کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ یہ اجلاس اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں بلایا گیا تھا۔ اقبال نے مذکورہ اجلاس میں شرکت فرمائی۔[۵۰]

اقبال نے بروز ۸؍دسمبر سید سلیمان ندوی کو تحریر فرمایا کہ رموز بے خودی کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ پورا کیجیے۔ مزید براں روس کے مسلمانوں کے متعلق جو مضمون معارف میں شائع ہوا تھا، اسے ایک علیحدہ رسالے کی صورت میں شائع کرنا چاہیے۔[۵۱]

بہ تاریخ ۱۴؍دسمبر کو مولوی نجم الغنی رامپوری کو بذریعہ خط مطلع فرمایا کہ اخبار الصنادید کی دو جلد میں مل گئی ہیں۔ آپ نے ان کی تحقیقی کاوش کی تعریف فرمائی۔ آپ نے لکھا کہ قوم افغان کی اصلیت پر آپ نے خوب روشنی ڈالی ہے۔ کشامرہ اور افاغنہ یقیناً اسرائیلی الاصل ہیں۔ میرے خیال میں حال کی پشتو زبان میں بہت سے الفاظ عبرانی اصل کے موجود ہیں۔[۵۲]

۱۶؍دسمبر کے خط میں اقبال نے منشی محمد الدین فوق کو رسالہ نظام کے اجرا پر مبارک باد دی۔[۵۳]

۱۹؍دسمبر کے دن مہاراجا صاحب نے آپ کو خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ کیا آپ کو جامعہ عثمانیہ یعنی اردو یونی ورسٹی سے بھی خاص دلچسپی نہیں؟[۵۴] اس روز سوا پانچ بجے سینٹ ہال میں جسٹس شادی لال کی زیر صدارت اورینٹل فیکلٹی کا اجلاس ہوا۔ اقبال نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔

۱۹۱۹ء کے لیے آپ کو متفقہ طور پر فیکلٹی کا ڈین منتخب کر لیا گیا۔[۵۵]

اقبال کے بڑے صاحبزادے، آفتاب اقبال کو ان کے نانا ڈاکٹر شیخ عطا محمد نے دہلی کے سینٹ سٹیفنز کالج کے تھرڈ ایئر میں داخل کرا دیا تھا۔ اقبال اپنے فرزند کو ۳۵ روپے ماہوار برائے تعلیمی اخراجات ارسال کرنے لگے۔ کچھ عرصے بعد آفتاب اقبال نے آپ سے مطالبہ کیا کہ ۵۰ روپے ماہوار کے حساب سے دو سال کے ۱۲۰۰ روپے یکمشت ادا کر دیئے جائیں۔ اس پر اقبال کی اہلیہ سردار بیگم نے اپنے خسر مکرم میاں جی کو لکھا کہ ان کا زیور فروخت کر کے یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ جب میاں جی نے سردار بیگم کو جوابی خط لکھا، تو اسے اقبال نے پڑھ لیا۔ آپ نے پھر بیوی کے زیور فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور آفتاب اقبال کو تحریر فرمایا کہ اگر کچھ عرصے بعد ان کے ہاتھ روپیہ آ گیا تو وہ اسے یکمشت بارہ سو روپے بھجوا دیں گے۔[۵۶]

اس سال آپ کے عزیزوں نے انارکلی میں جائیداد خرید لی۔ آپ نے اپنے عزیز، ڈاکٹر غلام محمد کو مشورہ دیا کہ وہ بیع نامہ اور مکمل دستاویزات کا مسودہ مولوی احمد دین سے لکھوائیں۔ ڈاکٹر غلام محمد آپ کی بیگم کریم بی بی کے بھائی تھے۔[۵۷]

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کا مجموعہ کلام گل کدہ اس سال نول کشور پریس لکھنو سے شائع ہوا۔ اس میں شاعر ہذا کے متعلق اقبال کی یہ رائے بھی درج تھی کہ میں آپ کا کلام ہمیشہ بنظر استفادہ دیکھتا ہوں...... میں نے اسے پنجاب یونی ورسٹی کے امتحان، آنرز ان اردو کے نصاب میں داخل کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ آپ کے کلام کی جدت حیرت انگیز ہے۔[۵۸]

جنگ عظیم اوّل جب ختم ہوئی تو اس کے بعد حجاز میں شریف حسین کی جگہ سلطان عبدالعزیز ابن مسعود کی حکومت قائم ہوگئی۔ شریف حسین نے سلطنت عثمانیہ سے بغاوت کر کے اتحادیوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس کی وجہ سے اقبال کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے پھر متعدد شعروں میں یہ واقعہ بیان کیا۔ یہ جنگ جب زوروں پر تھی تو یونی ورسٹی ہال لاہور میں ایک دربار منعقد کیا گیا۔ گورنر پنجاب، اوڈوائر نے نواب ذوالفقار علی خاں کے توسط سے آپ کو دربار میں شامل ہونے اور جنگ سے متعلق ایک نظم پڑھنے کی فرمائش کی۔ اقبال نے ''پنجاب کا جواب'' کے عنوان سے ایک مسدس سنائی۔ اس کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے:

اے تاجدار خطۂ جنت نشانِ ہند
روشن تجلیوں سے تری خاوران ہند

مذکورہ دربار میں شیخ اعجاز احمد اور چودھری محمد حسین بھی شریک تھے۔[۵۹]

گورنمنٹ کالج لاہور میں اقبال کی زیرِ صدارت ایک مزاحیہ مشاعرہ منعقد ہوا۔ انٹرمیڈیٹ کے ایک طالب علم، ریاض قریشی نے ہری چند اختر کی ایک نظم پر پیروڈی کہی:

کہا تھوڑی سی مے پی لوں، کہا تھوڑی سی مے پی لو
کہا قرآن کا ڈر ہے، کہا قرآن تو ہو گا

اقبال نے ریاض قریشی کو بری شاعری (Bad Poetry) کے شعبے میں پہلا انعام دیا۔[۶۰]

زمانہ کانپور میں مدیر منشی دیانرائن نگم نے کلام اقبال پر تبصرہ شائع کیا۔[۶۱]

انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں اقبال نے ایک نظم ''میں اور تو'' بہ ترنم سنائی۔[۶۲]

اس سال آپ مولوی سید میر حسن کے بھتیجے، سید نذیر نیازی سے متعارف ہوئے۔[۶۳]

سال کے آخر میں اقبال نے اپنے فارسی مجموعہ کلام پیام مشرق، مدون کرنے کے کام کا آغاز کیا۔ نظم ''بوئے گل'' اس سال کی یادگار ہے۔[۶۴]

سال رواں ۱۹۱۷ء۔۱۹۱۸ء میں اقبال کو ۴۲۲۵ روپے آمدن ہوئی۔ اس پر آپ نے ۱۱۰ روپے کا انکم ٹیکس ادا کیا۔[۶۵]

❁......❁......❁

حواشی

۱- اقبال بنام شاد، ص ۳۲۷
۲- روح مکاتیب اقبال، ص ۱۹۲
۳- ایضاً، ص ۱۹۳
۴- اقبال بنام شاد، ص ۲۳۹
۵- ایضاً، ص ۲۳۹۔۲۴۱
۶- ایضاً، ص ۲۴۱۔۲۴۲
۷- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں، ص ۱۲
۸- اقبال بنام شاد، ص ۳۳۱
۹- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں، ص ۱۳

۱۰- اقبال بنام شاد،ص۲۴۴
۱۱- ایضاً،ص۲۴۳-۲۴۴
۱۲- روح مکاتیب اقبال،ص۱۹۷
۱۳- اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۴۷
۱۴- ایضاً،ص۱۲۹
۱۵- اقبال اور ظفر علی خاں،ص۷۷
۱۶- اقبال بنام شاد،ص۳۳۲
۱۷- اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۳۰
۱۸- روح مکاتیب اقبال،ص۲۱۵
۱۹- روح مکاتیب اقبال،ص۱۹۹؛ انوار اقبال،ص۲۸۷
۲۰- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۴۴
۲۱- روح مکاتیب بنام اقبال،ص۲۰۰
۲۲- اقبال بنام شاد،ص۲۴۵
۲۳- ایضاً،ص۳۳۴
۲۴- روح مکاتیب اقبال،ص۲۰۲
۲۵- اقبال بنام شاد،ص۲۴۶
۲۶- ایضاً،ص۳۳۵
۲۷- روح مکاتیب اقبال،ص۲۰۳
۲۸- ایضاً،ص۲۰۳
۲۹- روزگار فقیر،جلداول،ص۱۹۰
۳۰- مظلوم اقبال،ص۲۴۴
۳۱- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۹۶
۳۲- مظلوم اقبال،ص۲۴۴
۳۳- روح مکاتیب اقبال،ص۲۰۳
۳۴- ایضاً،ص۲۰۵
۳۵- ایضاً،ص۲۰۵
۳۶- مکاتیب اقبال بنام خان نیازالدین خاں،ص۱۳
۳۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۴۷
۳۸- روح مکاتیب اقبال،ص۲۰۸

۳۹- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص۱۴
۴۰- روح مکاتیب اقبال، ص۲۰۹
۴۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۵۱
۴۲- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص۱۴
۴۳- اقبال ریویو، جنوری۱۹۸۳ء، ص۴۶
۴۴- انوار اقبال، ص۲۳۷
۴۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۵۱
۴۶- روح مکاتیب اقبال، ص۲۰۳
۴۷- انوار اقبال، ص۲۳۷
۴۸- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۵۴۔۱۵۵
۴۹- اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۴۳
۵۰- مفکر پاکستان، ص۱۸۲
۵۱- روح مکاتیب اقبال، ص۲۱۳
۵۲- ایضاً، ص۲۱۴
۵۳- ایضاً، ص۲۱۵
۵۴- اقبال بنام شاد، ص۳۳۶
۵۵- مفکر پاکستان، ص۱۸۲
۵۶- مظلوم اقبال، ص۲۳۹۔۲۴۱
۵۷- اقبال کی صحبت میں، ص۴۴۴
۵۸- اوراق گم گشتہ، ص۷۸
۵۹- انوار اقبال، ص۲۱۵۔۲۱۷؛ سرگزشت اقبال، ص۱۳۴۔۱۳۵ ؛اقبال کی صحبت میں، ص۹۹
۶۰- روزگار فقیر، ص۱۸۹
۶۱- اقبال ریویو، لاہور جنوری۱۹۸۳ء، ص۴۶
۶۲- روزگار فقیر، جلد دوم، ۶۰۵
۶۳- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۳۹۶
۶۴- ایضاً، ص۱۳۱
۶۵- زندہ رود، ص۲۱۵

۱۹۱۹ء......وولٹ ایکٹ کا ہنگامہ

۳/جنوری ۱۹۱۹ء کو اقبال نے اخبار اودھ پنچ لکھنؤ کا تراشہ ارسال کرنے پر بذریعہ خط سید شوکت حسین کا شکریہ ادا کیا۔آپ نے انھیں انگریزی میں جواب دیا اور لکھا کہ یہ نظم آج سے بیس سال پہلے لکھی گئی تھی۔اس پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کی بنیاد دراصل طباعت کی غلطیاں ہیں۔وہ غزل یہ تھی:

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
نو گرفتار پھڑکتا ہے تہ دام ابھی[۱]

۶/جنوری کو آپ نے شوکت حسین کو دوبارہ خط لکھا اور بتایا، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے نظم کا ابتدائی (مطبوعہ) متن ڈھونڈ نکالا ہے۔میرے پاس بھی اصل مسودے کی نقل موجود ہے۔لکھنوی نقادوں کو ابھی منفی تنقید کے اصول سیکھنے کی ضرورت ہے۔[۲]

۲۸/جنوری اقبال نے نیاز الدین خان کے نام خط لکھا اور تاکید کی کہ مارچ میں لاہور آتے وقت گرامی صاحب کو بھی ہمراہ لائیں......آپ نے یہ غلط سنا ہے کہ اقبال نے وکالت چھوڑ دی ہے کسی نے یہ خوب گپ اڑائی ہے۔[۳]

انھی دنوں مولانا گرامی بستی دانش منداں جالندھر چلے گئے۔نیاز الدین سے بھی ملاقات ہوئی۔نیاز صاحب نے اقبال کو اس ملاقات کی خبر دی تو آپ نے ۵/فروری کو انھیں لکھا کہ کاش میں بھی بستی میں موجود ہوتا اور مولانا گرامی کے تازہ افکار سے بہرہ اندوز ہو کر لذت روحانی حاصل کرتا۔ آخر فروری یا ابتدائی مارچ میں دہلی جانے کا قصد ہے۔لاہور سے دہلی جاتے یا وہاں سے واپس آتے ہوئے جالندھر ٹھہروں گا۔تب آپ اور گرامی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔[۴]

لاہور کے مشہور معالج، ڈاکٹر محمد حسین اقبال کے ساتھ اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ان کے بھائی سید نادر حسین تحصیل دار گزشتہ برس ۲۸/جولائی کو سرکاری فوجی بھرتی کر رہے تھے کہ برطانوی

حکومت کے خلاف ایک سازش میں قتل کر دیے گئے۔ ڈاکٹر محمد حسین نے اس صدمہ جانکاہ کو ایک قطعہ کی صورت میں محفوظ کر لیا۔ وہ بغرض اصلاح قطعہ لے کر اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اقبال نے ۷؍فروری کے خط میں ڈاکٹر محمد حسین کو لکھا کہ دل میں درد ہو تو اس کے اظہار کا بہترین طریق شعر ہے۔ بھائی کے فراق نے آخر آپ کو شاعر بنا دیا۔ مگر جو اشعار آپ نے کہے ہیں، وہ سنگ مزار کے لیے موزوں نہیں۔ میں قطعہ تاریخ درج کر رہا ہوں جو الہامی ہے:

کشت سید گرا یزید کافرے[۵]

۱۳۳۷ھ

فروری میں رسالہ نظام کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ اس کے ایڈیٹر محمد الدین نے اقبال کی نظم ''مکافات عمل'' رسالے میں شامل کی تھی۔[۶]

انفلوئنزہ کی وبا پنجاب سے نکل ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی پہنچ گئی۔ حیدر آباد دکن بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہاں طاعون بھی پھیل گیا۔ مہاراجا کشن پرشاد اس سے بچنے کے لیے حیدر آباد سے دس میل دور بمقام کوہ مولی جا ٹھہرے۔ اس سلسلے میں مہاراجا صاحب نے ۸؍فروری کو بذریعہ خط اقبال کو اطلاع دی۔[۷]

۱۴؍فروری کو نیاز الدین کے نام خط لکھا کہ آپ کے اشعار پڑھ کر مجھے تعجب ہوا۔ آپ تو چھپے رستم نکلے۔ لیکن وافر اور ظاہر قوافی اس غزل میں درست نہیں۔[۸]

۱۵؍فروری کو اقبال نے سینیٹ ہال میں اورینٹل فیکلٹی کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔[۹]

مہاراجا صاحب نے سیتارام سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک تار دیا جو ۲۱؍فروری کی صبح آپ کو ملا۔ اقبال نے دیش اخبار کے ایڈیٹر لالہ دینا ناتھ کو بلوا کر سیتارام کے بارے میں دریافت کیا مگر وہ ان سے لاعلم تھے۔ آپ نے ادھر ادھر سے معلومات حاصل کر کے اسی روز مہاراجا صاحب کو جواب دیا کہ سیتارام ایف اے پاس نہیں اور ''کھتری پتر'' کا نامی اخبار نکالنے کا قصد رکھتا ہے۔ لالہ کاشی رام ایڈیٹر ''بلاٹن'' اس کا رشتہ دار ہے۔ ایک بھائی، اننت رام بیرسٹر ہے۔[۱۰]

۱۶؍فروری کو مولانا گرامی کا مکتوب موصول ہوا۔ اسی روز اقبال نے انھیں جواب دے دیا۔[۱۱]

سیالکوٹ سے میاں جی کا آپ کو کارڈ ملا کہ وہ لاہور آنا چاہتے ہیں۔ اقبال نے اسی روز ۲۲؍فروری کو جواب دیا کہ وہ بہ تاریخ ۲۸؍فروری دہلی دو چار روز کے لیے جا رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ وہ

ابھی آ جائیں۔ کیا وہ انھیں لا نے اعجاز یا علی بخش کو سیالکوٹ بھیج دیں؟ اعجاز تو امتحان میں مصروف ہوگا، اس لیے علی بخش کو بھیج دیا جائے گا۔[۱۲]

اسی روز آپ کو بڑے بھائی کی طرف سے خیریت کا خط موصول ہوا۔[۱۳]

زمانہ کانپور فروری میں شعبہ خطوط میں لیفٹینینٹ کرنل بھولا ناتھ کا ایک خط شائع ہوا۔ اس خط میں بھولا ناتھ نے زمانہ جنوری میں چھپے ہوئے کلام اقبال پر فن عروض اور محاورے کی اغلاط کی نشاندہی کی۔[۱۴]

۲۵ رفروری کو اقبال نے فوق کے نام خط میں لکھا کہ نظام میں اشاعت کے لیے جو نظم ارسال کی گئی تھی، اس کی ایک نقل انھیں بھیج دیں۔[۱۵]

۲۶ رفروری کو آپ نے مہاراجا صاحب کو اطلاع بھجوائی کہ وہ بتاریخ ۲۸ رفروری دہلی جا رہے ہیں۔ وہاں سے ممکن ہوا تو سرکار خواجہ میں بھی حاضر ہوں گے۔ کل کے اخبارات میں امیر حبیب اللہ والی افغانستان کے قتل کی خبر شائع ہوئی۔[۱۶]

مذکورہ خط کا جواب مہاراجا صاحب نے ۸ رمارچ کو دیا۔ انھوں نے اقبال کو مطلع کیا کہ کھتری پتر کا کے ایڈیٹر نے اخبار کے لیے ایک مضمون کی خواہش کی تھی، اس لیے انھوں نے سیتا رام سے متعلق خط لکھا تھا۔[۱۷]

اقبال دہلی تشریف لے گئے۔ خواجہ حسن نظامی سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر دوبارہ حاضر ہوئے۔ قوالی سنی جو اقبال کو بہت پسند تھی۔ اس موقع پر آپ کو مہاراجا صاحب کی یاد ستائی۔ دہلی میں نواب صاحب لوہارو سے ملاقات ہوئی۔ نواب صاحب کی خواہش پر آپ نے انھیں اپنے کچھ اشعار سنائے۔ بعد ازاں حکیم اجمل صاحب نے باصرار ٹھہرالیا، اس لیے آپ جالندھر نہ جا سکے۔ اقبال پھر واپس لاہور آ گئے۔ ۱۳ مارچ کو نیاز الدین[۱۸] اور ۱۶ رمارچ کو مولانا گرامی کو سفر دہلی سے متعلق خطوط لکھے۔[۱۹]

جالندھر سے نیاز الدین نے بغرض اصلاح اپنا کلام بھیجا۔ اقبال نے ۲۱ مارچ کے خط میں انھیں جواب دیا کہ دونوں شعروں کا مضمون لاجواب ہے، مگر بندش کھٹکتی ہے۔[۲۰]

۲۹ رمارچ کو آپ نے مہاراجا صاحب کو کتابیں موصول ہونے کی اطلاع دی اور مثنوی آئینہ وحدت کو بلحاظ زبان اور خیالات پسند فرمایا۔[۲۱]

اسی روز آپ نے سیتاپور کے ذی علم، رئیس حاجی محمد احمد خان کے نام خط میں لکھا کہ اعلیٰ درجے کے شعراء کے خطوط شائع کرنا ادبی اعتبار سے عطیہ ہے۔[۲۲]

زمانہ کانپور کے شمارہ مارچ میں الہلال کے سابق مدیر خواجہ عبدالواجد ندوی نے کلام اقبال پر بھولا ناتھ کے اعتراضات کا مدلل انداز سے جواب دیا۔[۲۳]

رولٹ کمیشن کی سفارشات حکومت نے منظور کر کے رولٹ ایکٹ کا نام دے دیا۔ یہ بل شدید مخالفت کے باوجود ۱۸؍مارچ ۱۹۱۹ء کو پاس ہو گیا۔ گاندھی اس ایکٹ کے خلاف ہڑتالیں اور مظاہرے کرانے لگے۔ محمد علی جناح نے احتجاجاً وائسرائے کی امپیریل کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ ایکٹ کے نفاذ سے ہندوستان کے حالات مزید خراب ہو گئے۔ امن درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ ریل گاڑیوں کی آمد و رفت میں بھی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ حکومت جلسے جلوس روکنے کے لیے طاقت کا استعمال کرنے لگی۔[۲۴]

لاہور میں انارکلی بازار سے ایک روز جلوس نکلا۔ لوگ رولٹ بل کے خلاف فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ اقبال کے سب گھر والے دریچوں سے جلوس کا نظارہ کر رہے تھے۔ فوجیوں نے مظاہرین پر گولی چلا دی۔ بیسیوں لوگ مارے گئے۔ یہ کشت و خون دیکھ کر سردار بیگم زار و قطار رونے لگیں۔ انھوں نے روتے روتے اقبال سے کہا: ''ظالموں نے ماؤں کے لال موت کے گھاٹ اتار دیے''۔

آپ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ پھر آہستہ سے سر اٹھا کر دلگیر لہجے میں فرمایا: ''میرے مولا کو یہی منظور ہے، سرتابی کی مجال نہیں۔ وہ ان شہدا کی قربانیاں ضرور قبول کرے گا جنھوں نے عروس آزادی کی مانگ بھرنے کے لیے اپنا گرم اور نوجوان خون پیش کیا ہے''۔ یہ کہہ کر پھر سر جھکا لیا۔ اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

امرتسر میں مظاہرین نے تین انگریزوں کو مار ڈالا، ایک انگریز عورت کو بھی پیٹا گیا۔ پنجاب کے گورنر اڈوائیر نے جنرل ڈائر کو امرتسر میں امن قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ ڈائر نے جلسوں پر پابندی لگا دی۔ اس کے باوجود لوگوں نے ۱۳؍اپریل کو جلیانوالہ باغ میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا۔ جنرل ڈائر نے جلوس پر بڑی بے دردی سے اندھا دھند گولیاں چلوائیں اور سیکڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس سانحہ کے بعد ۱۵؍اپریل کو پنجاب میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ اس سانحہ سے متاثر ہو کر اقبال نے یہ اشعار کہے:

ہر زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاک باغ
غافل نہ رہ جہاں میں گردوں کی چال سے

سینچا گیا ہے خون شہیداں سے اس کا تخم
تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے[25]

اقبال ایک مقدمے کے سلسلہ میں ۱۵/اپریل کو پٹیالہ جانے والے تھے، لیکن بدامنی کی وجہ سے نہ جا سکے۔ اس روز آپ نے اپنے بڑے بھائی کو خط تحریر فرمایا جو کہ رخصت لے کر سیالکوٹ پہنچ گئے تھے۔ آپ نے لکھا کہ لاہور میں آج چھ روز سے ہڑتال ہے۔ غالباً آج یا کل شہر کو فوجیوں کے قبضے میں دے دیا جائے گا۔[26]

۱۳/اپریل کو مہاراجا صاحب نے اقبال کے نام خط میں لکھا کہ ان دنوں رولٹ بل نے تمام ہندوستان میں ایک اودھم مچا رکھا ہے۔ مہاتما گاندھی جی کا ہر طرف جے جے کار ہے۔ ساڑھے گیارہ سال دکن کا وزیر رہا اور خدا کے واسطے مختلف اقوام کی خدمت گزاری اپنا فریضہ سمجھ کر سب کو ٹھنڈے دل سے لے کر چلا۔ مگر آپ کے لاہور کے ایک اخبار میں لکھا تھا: ''آصف جاہ کا نمک کھانے سے کشن پرشاد کا خون سفید ہو گیا ہے''۔ ایک اور نے لکھا: ''محمدؐ کی تعریف کرنے والا ہرگز ہندو نہیں ہو سکتا''۔ میری خواہش ہے کہ فساد ترک کر کے صرف ایک برہم یا خدا کے واسطے ہندو مسلمان ایک ہو جائیں۔ اس وقت ہندو محمدؐ کا کلمہ پڑھیں اور مسلمان گائے کشی چھوڑ دیں اور رام اور کرشن کو پیغمبر برحق سمجھیں۔[27]

اقبال نے ۲۰/اپریل کو نیاز الدین اور اکبر الہ آبادی کے نام خطوط تحریر فرمائے۔[28]

۲۵/اپریل کو مہاراجا صاحب کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ میں رامائن کا اردو ترجمہ کرنا چاہتا ہوں۔ مسیح جہانگیری (نامی شاعر) نے رامائن کے قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ اگر سرکار کے کتب خانے میں وہ موجود ہوں تو کیا چند روز کے لیے عاریۃً مل سکتا ہے؟''[29]

شیخ عطا محمد رخصت گزار کر واپس اپنی ملازمت پر چلے گئے۔ خراب حالات کی وجہ سے وہ اقبال سے ملنے لاہور نہ جا سکے۔ البتہ ۵/مئی کو ان کی جانب سے خیریت کا کارڈ اقبال کو موصول ہوا۔ اسی روز اقبال نے سیالکوٹ اپنے والد مکرم کو خیریت کا خط تحریر فرمایا۔[30]

مہاراجا صاحب نے ۳/مئی کو جواب دیتے ہوئے لکھا، یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ نے رامائن کو اردو نظم میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ خدا مبارک کرے اور آپ کے اس عزم کو تکمیل تک پہنچائے۔ مسیح جہانگیری نے رامائن کا جو فارسی حصہ لکھا ہے، وہ شاد کے کتب خانے میں موجود نہیں۔ مہاراجا نے مزید لکھا کہ حقیقتاً رولٹ ایکٹ کے سب احکام ازل سے دیسی ریاستوں میں

جاری ہیں، خدا ہی اصلاح کرے۔[۳۱]

۲۴/اپریل سے ان لوگوں پر مقدمہ چلنے لگا جنھوں نے قصور، امرتسر اور گوجرانوالہ وغیرہ میں قانون اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اگلے روز آپ نے مہاراجا صاحب کو مارشل لا سے متعلق خط تحریر فرمایا۔ رامائن کے سلسلے میں لکھا کہ مسیح جہانگیری نے رامائن کا حصہ فارسی میں نظم کیا ہے۔ افسوس وہ مثنوی کہیں دستیاب نہیں، مگر سرکار کے کتب خانے میں ہو تو کیا چند روز کے لیے عاریۃً مل سکتی ہے؟[۳۲]

شیخ عطا محمد کی تعیناتی جنگ زدہ علاقے میں تھی، اس لیے اقبال کو ان کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ ۱۲/مئی کو آپ نے صبح انھیں تار دیا اور ان کی خیریت دریافت کی۔ بعد ازاں ان کی خیریت کے دو خطوط مل گئے۔ اسی روز اعجاز احمد کے بی اے امتحان کا پہلا پرچہ ہوا جو انگریزی کا تھا۔ اس روز آپ نے میاں جی کو سیالکوٹ خط تحریر فرمایا۔[۳۳]

دو روز بعد آپ نے پھر سیالکوٹ خیریت کا خط ارسال فرمایا۔[۳۴]

اقبال کی ہمشیر کا نام کریم بی بی تھا۔ ضلع گوجرانوالہ کہ موضع نت میں مقیم احمد دین سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ ان کا اپنے ایک عزیز سے تنازع تھا۔ انھوں نے میاں جی کے نام خط میں ایک بار لکھا کہ اللہ تعالیٰ منصف ہے، وہ انصاف کرے گا۔ اقبال نے ۱۰/مئی کو والد محترم کو لکھا کہ ہم خدا کے اس انصاف کے متحمل نہیں ہو سکتے البتہ وہ ہم پر اپنا فضل و رحم کرے۔[۳۵]

حافظ محمد اسلم جیراجپوری نے مثبت انداز میں الناظر میں اسرار خودی پر تبصرہ کیا۔ بہ تاریخ ۱۷/مئی آپ نے حافظ صاحب کو تحریر فرمایا کہ تصوف جب فلسفہ بننے کی کوشش اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کرنے والا کشفی نظریہ پیش کرے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کر دیتی ہے۔[۳۶]

نیاز الدین فارسی میں شعر کہتے اور گرامی و اقبال سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ۱۹/مئی کے خط میں اقبال نے نیاز صاحب کو تحریر فرمایا کہ مجھے یقین ہے، مولانا گرامی آپ کو شاعر بنا کے چھوڑیں گے۔[۳۷]

اسی روز آپ نے اعجاز کے امتحانی پرچوں کے متعلق اپنے والد کو خط لکھا۔[۳۸]

مئی اور جون میں اقبال یونی ورسٹی کے امتحانی پرچوں کی مارکنگ میں مصروف رہے۔ اعجاز احمد بی اے کا امتحان دے کر سیالکوٹ چلے گئے۔

ان کا ارادہ تھا کہ ایم اے تاریخ کریں گے۔ تعلیم کے دوران وہ ملازمت بھی کرنا چاہتے تھے تاکہ کسی پر بوجھ نہ بنیں۔ اعجاز نے اس سلسلے میں آپ کو خط لکھا۔ اقبال نے ۱۱رجون کے انگریزی خط میں اعجاز کو ملازمت کرنے سے منع کیا اور ان کے تعلیمی اخراجات خود پورے کرنے کی ہامی بھرلی۔[۳۹]

اقبال نے ۹رجون کے خط میں میاں جی کو مطلع کیا کہ مہینے کے آخر میں وہ سیالکوٹ آئیں گے لیکن وہ چندر کاوٹوں کے باعث اپنے آبائی شہر نہ جاسکے۔[۴۰]

۲۰رجون کو میاں جی کا کارڈ ملا تو اقبال نے اسی روز جواب میں عرض کیا کہ مختار بیگم اپنے میکے لدھیانہ گئی ہوئی ہے۔ ریل گاڑی بند ہے۔ دونوں ملازم بھی اپنے گاؤں جانا چاہتے ہیں۔ ماہ جولائی کے مقدمات ختم ہونے کا انتظار ہے۔ اگر وہ کسی کے سپرد ہوجائیں تو میں کہیں آجاسکوں۔[۴۱]

۲۶رجون کی صبح سیالکوٹ سے مستری نوردین اقبال سے ملنے آیا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ آج کل وزیرآباد سے لاہور آنے کے لیے سرکار سے پرمٹ لینا پڑتا ہے۔[۴۲]

۸رجولائی کو آپ نے بذریعہ خط اعجاز احمد کو پیغام بھجوایا کہ وہ بہ تاریخ ۲۹رجولائی سیالکوٹ آنے کا قصدر کھتے ہیں۔ کیا موٹر میں سات آدمیوں کے سفر کرنے کی گنجائش ہے۔[۴۳]

۱۸رجولائی کو بی اے کا نتیجہ آیا اور اعجاز احمد پاس ہوگئے۔ اگلے روز آپ نے اپنے والد کو مبارک باد کا خط لکھا اور دریافت فرمایا کہ اعجاز ایم اے کرنا چاہتا ہے یا ایل ایل بی؟[۴۴]

۲۴رجولائی کو اقبال انجمن حمایت اسلام کی کانفرنس میں بطور رکن سب کمیٹی ایجوکیشن شریک ہوئے۔[۴۵]

اسی روز ایک مقدمے کے سلسلے میں آپ پٹیالہ تشریف لے گئے۔ پیرزادہ خاندان کا یہ مقدمہ پوری ریاست میں مشہور ہوگیا تھا۔ آپ مقدمہ جیت کر ۲۶رجولائی کو واپس آگئے۔[۴۶]

۲۸رجولائی کو اقبال نے لاہور میں ایک مقدمے کی وکالت فرمائی۔[۴۷]

آپ نے بڑی سعی سے ریل گاڑی میں سیالکوٹ کے لیے نشست مختص کرائی۔ اس کے بعد اعجاز احمد کو بہ تاریخ ۲راگست تار دیا کہ وہ کرم الٰہی کی موٹر لے کر لاہور نہ آئیں۔[۴۸]

اقبال مقررہ تاریخ پر اہل خانہ کو لے کر لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ ان کی نشستیں فوجی افسروں کو دے دی گئی ہیں۔ چناں چہ سب لوگ رات کو ایک بجے واپس گھر آگئے۔ صبح ۳راگست کو اقبال نے بذریعہ خط سیالکوٹ پیغام بھجوایا کہ اب میں ریل میں سفر کے لیے دوبارہ

ہمت نہیں کر سکتا۔ ادھر اعجاز احمد اپنے خالہ زاد بھائی فیض کے ہمراہ موٹر لے کر ۲/اگست کی شام وزیر آباد پہنچ گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ وہاں پر چچا جان کو ریل گاڑی سے اتار کر موٹر کار کے ذریعے سیالکوٹ لے آئیں گے۔ لیکن راستے میں موٹر خراب ہوگئی اور وہ لوگ بھی پلٹ گئے۔[۴۹]

۷/اگست کو اعجاز احمد کو آپ نے بذریعہ خط مشورہ دیا کہ ایل ایل بی پاس کر لینے میں بھی زیادہ فائدہ ہے۔ دو سال کے لیے تمھیں بیرسٹری کرنے کے لیے ولایت بھی بھیج دیا جائے گا۔[۵۰]

۲/اگست کو ریل سفر کے سلسلے میں جو کوفت ہوئی تھی اس سے سردار بیگم علیل ہوگئیں۔ اقبال نے ۱۱/اگست کو خط کے ذریعے اعجاز کو اس امر کی اطلاع دی۔ دریں اثنا اقبال کو بھی پیچش ہوگئی۔ دوسرے روز پھر خط لکھنا پڑا۔ اسی خط میں آپ نے اعجاز کو لکھا کہ کشمیری سوٹ تم سلوا لو فی الحال اس کی مجھے ضرورت نہیں۔ نیز لکھا، قانون کی تعلیم کے سلسلے میں تم پر کوئی مجبوری نہیں ہے۔ یہ بھی دریافت فرمایا کہ وزیر آباد تک موٹر لانے میں کتنا نقصان ہوا؟[۵۱]

حکومت پنجاب نے ۲/اگست ۱۹۱۹ء کو حسب سابق انجمن حمایت اسلام سے ان تین مسلمانوں کے نام دریافت کیے جو امپیریل کونسل میں مسلمانان پنجاب کی نمائندگی کر سکیں۔ ۱۰/اگست کے اجلاس میں اقبال منتخب ہوئے۔[۵۲]

اعجاز احمد نے آپ کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ وہ تاریخ میں ایم اے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ خط اقبال کو ۲۰/اگست کو ملا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیا کہ مطالعہ تاریخ کے لیے فارسی کا جاننا ازحد ضروری ہے۔[۵۳]

دو چار احباب نے بھی اعجاز احمد کو قانون کی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ آخر انھوں نے چچا کو لکھ دیا کہ وہ ایل ایل بی کرنا چاہتے ہیں۔[۵۴]

اقبال نے جواب میں بھتیجے کو فرمایا کہ فی الوقت میں مکان تبدیل کرنے کی فکر میں مبتلا ہوں۔ جب تک نئی کوٹھی نہیں ملتی، تم لا کالج ہوسٹل یا مسلم ہوسٹل میں مقیم رہو۔ دریں اثنا ایل ایل بی میں داخلے کے لیے لا کالج لاہور کے پرنسپل لالہ کنور سین بیرسٹر کو درخواست دے ڈالو۔[۵۵]

چند روز بعد دوسرے خط میں آپ نے اعجاز کو قانونی کتب خریدنے کا مشورہ دیا۔[۵۶]

۲۶/اگست کو اقبال نے ایک فارسی شعر کے سلسلے سید سلیمان ندوی کے نام خط تحریر فرمایا۔[۵۷]

۳۰/اگست کو نیاز الدین خان کو تحریر فرمایا کہ تعجب ہے، آپ غزل تو مولوی گرامی صاحب کی صحبت میں کہتے ہیں لیکن اصلاح کے لیے مجھ سے رابطہ کرتے ہیں۔ گرامی صاحب سے کہیے کہ علم

کی ہجو میں کوئی شعر فرمایئے مگر وہ صوفیانہ رنگ میں نہ ہو۔[۵۸]

۲۰ رفروری کو افغانستان کے امیر حبیب اللہ خان قتل ہو گئے۔ ان کی جگہ امان اللہ نئے امیر مقرر ہوئے۔ ان کے عہد میں تیسری اینگلو افغان جنگ شروع ہوئی۔ ۸راگست کو معاہدہ راولپنڈی کے بعد جنگ بند ہوگئی اور انگریزوں نے افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم کر لی۔[۵۹]

دوران ملازمت شیخ عطا محمد کی رخصت منظور ہوگئی۔ انھوں نے سیالکوٹ آنے کی اطلاع اقبال کو بذریعہ خط دی۔ آپ نے بھی سیالکوٹ جانے کے لیے ریل گاڑی میں نشست مخصوص کرالی۔ ۳رستمبر کو آپ نے اعجاز کو لکھا کہ بھائی صاحب بروز اتوار وہاں سے روانہ ہوں گے۔ غالباً یہ بھی اسی دن رات کی گاڑی میں چلیں گے۔[۶۰]

۴ستمبر کو اقبال نے نیاز الدین کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ کبوتروں کا ایک جوڑا بچے نہیں دیتا بلکہ انڈے توڑ دیتا ہے۔ دوسرے جوڑے نے بچے دیے ہیں مگر ان میں سے دو جو بہت اچھا اڑتے تھے، شکاری جانوروں کا شکار ہو گئے۔ بہتر ہے کہ چند بچوں کے جوڑے اور بھجوا دیجیے۔[۶۱]

اسی روز آپ نے رسالہ نقیب بدایوں میں شائع کرانے کے لیے اس کے مدیر وحید احمد کو فارسی کے تین شعر بھجوائے۔[۶۲]

اعجاز احمد کے والد شیخ عطا محمد پشاور سے دس روز کی رخصت پر سیالکوٹ پہنچے۔ اقبال بھی اہل خانہ کے ہمراہ آبائی گھر پہنچ گئے۔ ایک ہفتہ قیام کے بعد آپ تنہا لاہور چلے آئے۔ شیخ عطا محمد کی زوجہ مہتاب بیگم نے سردار بیگم کو چند روز کے لیے سیالکوٹ روک لیا۔[۶۳]

سیالکوٹ میں دوران قیام اعجاز احمد نے بھوک ہڑتال کے ذریعے آپ کی رائے تبدیل کرانی چاہی۔ دراصل اعجاز احمد کی ایم اے کی طرف زیادہ رغبت تھی۔ وہ لا کالج میں داخلے کے خواہش مند نہیں تھے۔ اقبال کے سامنے تو بھوک ہڑتال کا اعلان کرنے کی جرأت نہ تھی، وہ خواتین پر ہڑتال کا رعب ڈال کر کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اقبال کو خبر ہوئی تو آپ نے کہا کہ اس بھوک ہڑتال کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اور کوئی اس کے کمرے کا رخ نہ کرے۔ گرمیوں کا پہاڑ سا دن اعجاز نے مشکل سے کاٹا۔ دن بھر کسی نے انھیں گھاس نہ ڈالی۔ رات ہوئی تو گھر کے سب لوگ سونے چھت پر چلے گئے۔ مگر ماں کا دل کب تک صبر کرتا، چھت پر جانے سے پہلے وہ ایک خوان میں کھانا اور پانی لے کر آئی اور دروازہ کھٹکھٹا کر کہا ''تمھارا کھانا رکھ چلی ہوں، بھوک لگے تو کھا لینا''۔ بھوک سے تو وہ نڈھال ہو رہے تھے۔ ماں چلی گئی تو دروازہ کھولا اور خوان کمرے میں

لے جا کر خوب سیر ہو کر کھایا۔ صبح اقبال ان کے کمرے میں گئے اور اپنے مخصوص تبسم کے ساتھ فرمایا ''یہ تم گاندھی کے چیلے کب سے بن گئے؟''۔ پھر دیر تک انھیں قانون کی تعلیم کے فوائد بیان کرتے رہے۔[۶۴]

اقبال نے بہ تاریخ ۱۷ر ستمبر مہاراجا صاحب کو خط لکھا اور ان کی جانب سے عید کارڈ موصول ہونے کی اطلاع دی۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ عثمانیہ یونی ورسٹی کا آغاز ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسکالرشپ اور قلمی قدر دانیوں سے ارکان یونی ورسٹی کو کئی طرح کے فائدے پہنچائیں گے۔[۶۵]

اسی دن آپ نے نقیب کے لیے سید سلیمان ندوی کو تین شعر ارسال فرمائے۔[۶۶]

اس سال مولانا محمد علی چار سال کی نظر بندی کاٹ کر ۲۲ر ستمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسے میں شریک ہونے لکھنو پہنچے۔ اسی احتجاجی جلسے میں خلافت کانفرنس قائم کی گئی۔[۶۷]

۲۳ر ستمبر کو دہلی میں جلسہ ہوا، جس میں گاندھی اور چند ہندو رہنما بھی شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں خلافت کانفرنس نے طے کیا کہ مسلمانانِ ہند ترکیہ کی تقسیم اور مسلم مقامات مقدسہ پر غیر مسلم قبضہ کے خلاف احتجاجی مظاہرے کریں گے۔ انگریزی حکومت سے عدم تعاون کا رویہ اختیار کر کے انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔[۶۸]

بعد میں مولانا محمد علی بحیثیت قائد تحریک خلافت لاہور پہنچے اور اقبال سے ملنے انارکلی والے مکان میں آئے۔ اقبال بیٹھک میں دھسہ اوڑھے بیٹھے حقہ کے کش لگا رہے تھے۔ مولانا محمد علی سے آپ کی بڑی بے تکلفی تھی۔ مولانا نے آپ کو دیکھتے ہی طنزاً فرمایا ''ظالم! ہم تو تیرے شعر پڑھ کر جیلوں میں جاتے ہیں اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، لیکن تو ویسے کا ویسا دھسہ اوڑھے حقہ کے کش لگاتا رہتا ہے، گویا کچھ ہوا ہی نہیں''۔

یہ سن کر آپ نے برجستہ جواب دیا: ''مولانا میں تو قوم کا قوال ہوں، اگر قوال خود ہی وجد و حال میں شریک ہو کر ہوحق میں تہہ و بالا ہونے لگے تو قوالی ہی ختم ہو جائے''۔[۶۹]

بہ تاریخ ۲۷ر ستمبر آپ نے سید سلیمان ندوی کو چند اشعار معارف کے لیے بھجوائے۔ خط میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ واقعات صاف اور نمایاں ہیں، مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان ان کو نہیں سمجھتے اور لندن میں آغا خان کے اشارے پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے تین اشعار یہ ہیں:

بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے
مگر آج ہے وقت خویش آزمائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی[۷۰]

ماہ ستمبر میں خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ برطانوی حکومت پر دباؤ ڈال کر اسے خلافت ترکیہ پر ظلم وزیادتی کرنے سے روکا جائے۔[۱]

۶/ اکتوبر کی شام اقبال اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ حیدر آباد سے مہاراجا صاحب کا پارسل موصول ہوا۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی تھا۔ مہاراجا صاحب نے اپنی مثنوی خمار شاد کے چند نسخے آپ کو ارسال کیے تھے۔ وہ نسخے اسی وقت احباب میں تقسیم ہو گئے۔ اگلے روز آپ نے مہاراجا صاحب کو خط لکھ کر اطلاع دی کہ مثنوی کے نسخے موصول ہو گئے ہیں۔ سر سید علی امام کے متعلق فرمایا کہ وہ نہایت نکتہ رس اور تعلقات نبھانے والے آدمی ہیں۔[۲]

۹/ اکتوبر کو میاں جی کے نام خط میں انھیں مطلع کیا کہ غلام محمد کے لڑکے کا میڈیکل اسکول امرتسر میں داخلہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ داخلے بند ہو چکے ہیں۔[۳]

۱۰/ اکتوبر کو سید سلیمان ندوی کو بذریعہ خط مطلع فرمایا کہ فی الحال ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب لکھ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں اپنے دل و دماغ کی سرگزشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ سرگزشت کلام میں روشنی ڈالنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اقبال نے سید صاحب کو یہ بھی لکھا کہ یاجوج ماجوج پر کوئی مضمون لکھیے، یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔[۴]

۱۴/ اکتوبر کو مہاراجا صاحب کو خط موصول ہوا۔ انھوں نے لکھا کہ شاد کو مثنوی خمار شاد سے دادِ سخن لینی منظور نہیں بلکہ مجبور ہو کر ان حضرات اہل اسلام اور مہمان ہندو بھائیوں کی مہربانیوں کا جواب پیش کیا ہے جو شاد کے متعلق انواع واقسام کی چہ میگوئیاں فرماتے ہیں۔ اگرچہ بڑا جواب تو یہی تھا کہ:

جواب جاہلاں باشد خموشی[۵]

۱۴/ اکتوبر کو آپ نے بذریعہ خط نیاز الدین کو اطلاع دی کہ حیدر آباد سے نواب عزیز جنگ نے اپنا دیوان مجھے ارسال کیا ہے۔[۶]

۱۹/ اکتوبر کے ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا کہ مجھے یہ جان کر تعجب ہوا، آپ میرے خطوط

محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ خطوط ہمیشہ عجلت میں لکھے جاتے ہیں اور ان کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔ ان کی اشاعت نظر ثانی کے بعد ہی ہونی چاہیے۔[۷۷]

اس مہینے اقبال کو خیال آیا کہ کیوں نہ اردو اور فارسی منظومات ملا کر ایک مجموعہ تیار کر لیا جائے۔[۷۸]

مسٹر رچی، ایم اے، ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب ایک سال کی رخصت پر انگلستان جانے لگے تو ان کے اعزاز میں میاں فضل حسین بار ایٹ لا نے یکم نومبر ہفتہ کی شب سینڈوز ہوٹل میں ایک الوداعی دعوت کا اہتمام کیا۔ اقبال بھی اس دعوت میں شریک ہوئے اور ایک نظم سنائی۔[۷۹]

۴ر نومبر کے ایک خط میں اقبال نے عبدالحیٔ شوق سندیلوی کو ان کے کلام کی اصلاح کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اس رنگ کے شاعر نہیں ہیں۔ ویسے بھی بظاہر انھیں کوئی غلطی نظر نہیں آئی۔[۸۰]

۹ر نومبر کو نیاز الدین کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ مسئلہ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے۔ اس خیال سے کہ مسئلے کے متعلق مسلمانوں کو امر بالمعروف کرنا میرا فرض ہے۔ میں جلسے میں چلا گیا...... میں انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری کا عہدہ حاصل کرنے کی خاطر کوشش نہیں کر رہا۔ تاہم مسلمان عوام نے میرے سپرد یہ کام کر دیا ہے اور میں نے بعض معززین سے وعدہ کیا ہے کہ اگر عبدالعزیز صاحب مستعفی ہو جائیں تو میں یہ کام اپنے ذمہ لے لوں گا۔ میں نے ۲۳ر دسمبر کو دہلی جانا ہے۔ وہاں سے ۲۵ یا ۲۶ کو ایک آدھ روز کے لیے آپ کی خدمت میں بھی ٹھہروں گا۔ مولانا اکبر الہ آبادی دہلی میں ہیں، ان کی زیارت ضروری ہے۔ اگر مولانا کی کشش نہ ہوتی تو فقیر سید نجم الدین کے لڑکے کی شادی میں شرکت نہ کرتا اور معافی مانگ لیتا۔[۸۱]

۱۰ر نومبر کو اقبال نے سید سلیمان ندوی سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ جب موکلین وکلا کے پاس مقدمات کی پیشی کے لیے آئیں تو ان میں سے بعض پھل، پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لاتے ہیں۔ یہ ہدیہ فیس مقررہ کے علاوہ ہوتا ہے اور لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں۔ کیا یہ مال مسلمانوں کے لیے حلال ہے؟ مولانا آزاد کا تذکرہ بہت دل چسپ ہے۔ دیباچہ میں یہ کہنا کہ اقبال کی مثنویاں تحریک الہلال ہی کی باز گشت ہیں، درست نہیں۔ میں تو یہ خیالات ۱۹۰۷ء سے برابر ظاہر کر رہا ہوں۔[۸۲]

نومبر کے دوسرے ہفتے میں آپ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ ۱۸ر نومبر کو کچھ افاقہ ہوا۔[۸۳]

۲۷ر نومبر کو وحید احمد مسعود بدایونی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ ان کی زندگی میں ایسا کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا جو دوسروں کے لیے سبق آموز ہو سکے۔ ہاں خیالات کا تدریجی انقلاب

البتہ سبق آموز ہو سکتا ہے۔[۸۴]

۴ دسمبر کو نواب ذوالفقار علی خان کی کوٹھی پر ایک اجلاس ہوا، جس میں اقبال کو انجمن حمایت اسلام کا سیکرٹری چنا گیا اور عبدالعزیز کو سبک دوش کر دیا گیا۔[۸۵]

اقبال کی ہمشیر کریم بی بی نے ایک خواب دیکھا، جس کی تعبیر میاں جی نے فرمائی۔ کریم بی بی نے اپنا خواب اور تعبیر اقبال کو بھی لکھ کر بھیجی۔ جواب میں آپ نے ۸/دسمبر کو بہن کو جواب دیا کہ جو خواب تم نے دیکھا اور والد مکرم نے جو نتیجہ نکالا وہ خدا کے فضل و کرم سے صحیح ہے۔ میرا بھی عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نئی زندگی عطا کرے گا...... وہ انھیں ذلیل و رُسوا نہ کرے گا۔ مسلمان کی بہترین تلوار دعا ہے، سو اسی سے کام لینا چاہیے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ زندگی تمام و کمال نبی کریمؐ کی خدمت میں بسر ہو۔[۸۶]

مہاراجا صاحب نے ۸/دسمبر کو جو خط تحریر کیا تھا، وہ آپ کو ۱۳/دسمبر کے دن موصول ہوا۔[۸۷]

۱۵/دسمبر کو آپ نے جواب میں لکھا کہ جشن صلح کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ آج رات سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جائے گا۔ مولانا اکبرالہ آبادی آج کل خواجہ حسن نظامی کے حجرہ رین بسیرا میں مقیم ہیں۔ ۲۳ دسمبر کو میں بھی ان کی زیارت کے لیے دہلی جاؤں گا۔[۸۸]

۱۵/دسمبر کو بذریعہ خط آپ نے خان نیاز الدین سے دریافت فرمایا کہ دسمبر کی تعطیلات میں آپ جالندھر میں مقیم ہوں گے یا کسی اور جگہ جانے کا ارادہ ہے؟[۸۹]

۲۳/دسمبر کو اقبال اور میاں فضل حسین نے گوجرانوالہ وقف کے سلسلے میں انجمن حمایت اسلام کے مقدمہ کی پیروی لاہور ہائیکورٹ میں فرمائی۔ اپیل خارج ہوگئی اور انجمن کے حق میں ثلث جائیداد کی ڈگری بحال رہی۔[۹۰]

فقیر نجم الدین کے لڑکے کی بارات ۲۳/دسمبر کو روانہ ہونی تھی۔ شدید بارش اور سردی کی وجہ سے آپ بارات کے ساتھ نہ جا سکے۔ ۲۵ دسمبر کو بذریعہ خطوط آپ نے بڑے بھائی اور نیاز الدین کو مطلع فرمایا کہ بارات کے ساتھ کیوں نہیں جا سکے۔[۹۱]

۳۰/دسمبر کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں آپ نے تقریر فرمائی اور دو مختصر بیان بھی دیے۔[۹۲]

دسمبر کے آخر میں کانگریس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے۔ اس موقع پر چوٹی کے ہندو مسلم رہنما امرتسر پہنچے۔ علی برادران بھی جیل سے رہا ہو کر امرتسر تشریف لائے، نواب ذوالفقار علی خان اور مرزا جلال الدین کے ساتھ اقبال بھی صبح موٹر میں امرتسر جاتے

اور شام کو واپس آ جاتے۔ دو روز تک آپ امرتسر تشریف لے گئے، گاندھی اور سروجنی نائیڈو بھی کانگریس کے اجلاس میں شریک تھے۔ سروجنی نائیڈو نے کوشش کر کے اقبال کی گاندھی سے ملاقات کرادی۔ کسی کے پوچھنے پر آپ نے بتایا کہ گاندھی جی اچھے آدمی ہیں۔ کھانے پینے میں احتیاط کرتے ہیں اور ان کے تندرست رہنے کی یہی وجہ ہے۔ اپنی عمر کے اعتبار سے توانا ہیں۔[۹۳]

دسمبر ہی میں ترکی کے ساتھ اتحادی طاقتوں کے نامناسب سلوک پر ایک احتجاجی جلسہ عام فضل حسین کی صدارت میں موچی دروازہ کے باہر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اقبال نے اکبرالہ آبادی کا یہ شعر پڑھ کر قرارداد پیش فرمائی۔

جو ہنس رہا ہے، وہ ہنس چکے گا، جو رو رہا ہے، وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر، جو ہو رہا ہے، وہ ہو چکے گا

اس موقع پر یہ قرارداد پیش کی گئی:

مسلمانانِ لاہور جلسے کے ذریعے اس پریشانی اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں، جو پیرس کی صلح کانفرنس میں اب تک سلطنت عثمانیہ اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق قابلِ اطمینان فیصلہ نہ ہونے سے انھیں لاحق ہوئی ہے۔ مسلمان حکومت کو وہ وعدے یاد دلاتے ہیں جو مسٹر لائڈ جارج وزیراعظم برطانیہ نے جنوری ۱۹۱۸ء میں تمام اسلامی دنیا سے سلطنت ترکی کے متعلق کیے تھے...... یاد رہے، سلطنت عثمانیہ کے کسی حصے پر صراحتاً یا اشارتاً کسی دوسری سلطنت کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے۔"

قرارداد کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے اقبال نے فرمایا:

"جس قوم نے دنیا میں آزادی اور حریت کی اشاعت کی تھی آج اسی سے آزادی چھینی جا رہی ہے۔ خوشامد، منت یا مانگنے سے کبھی کسی کو کچھ نہیں ملا۔ خدا کی اطاعت کے سوا کسی کی اطاعت ہمارے لیے واجب نہیں۔ ہمارے حقوق کا خیال رکھا جائے......"[۹۴]

رسالہ نظام لاہور کے شمارہ فروری میں "مکافات عمل" کے نام سے آپ کے چار اشعار شائع ہوئے۔[۹۵]

زمانہ کانپور کے شمارہ اپریل میں ایک ویدمنتر کا ترجمہ تین شعروں کی صورت شائع ہوا۔[۹۶]

ماہ دسمبر ہی میں اسلامیہ کالج لاہور میں انجمن حمایت اسلام کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اقبال صدارت گاہ کے عقب میں برآمدے کے قریب کھڑے میاں شاہ نواز سے باتیں کر رہے تھے۔ کسی نے

آپ سے کہا ''آپ نے ٹائمز کی یہ خبر پڑھی؟ آرک بشپ آف کنٹر بری نے کہا ہے کہ ترکوں نے ارمنوں پر جو مظالم ڈھائے، ان سے اسلام کا چہرہ داغدار ہو گیا۔ اب جب کہ جنگ ختم ہو چکی ہے، مسلمانان ہند کو چاہیے کہ اور نہیں تو محض اسلام کی خاطر ہم سے مل جائیں اور ترکوں کے خلاف آواز اٹھائیں''۔ یہ سن کر میاں صاحب کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ کہنے لگے۔ ''خوب! بلی چوہے کو دعوت اتحاد دے رہی ہے''۔ اقبال بھی اس بیان سے نہایت محظوظ ہوئے اور برجستہ قطعہ فرمایا:

اخبار میں یہ لکھتا ہے لندن کا پادری
ہم کو نہیں ہے مذہب اسلام سے عناد
لیکن وہ ظلم ننگ ہے تہذیب کے لیے
کرتے ہیں ارمنوں پہ جو ترکان بد نہاد
مسلم بھی ہوں حمایت حق میں ہمارے ساتھ
مٹ جائے گا جہاں سے بنائے شر و فساد
سن کر یہ بات خوب کہی شاہ نواز نے
بلی چوہے کو دیتی ہے پیغام اتحاد[97]

اسی سال اقبال نے تاریخ تصوف لکھنے کا آغاز کر دیا۔[98]

۱۹۔۱۹۱۸ء کے سال آپ کو ۴۱۸۳ روپے آمدنی ہوئی۔ اس پر اقبال نے ۱۰۷ روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔[99]

❋……❋……❋

حواشی

۱- اوراق گم گشتہ، ص۱۵۳
۲- روح مکاتیب اقبال، ص۲۱۶
۳- ایضاً، ص۲۱۷
۴- ایضاً، ص۲۱۷
۵- روز گار فقیر، ص۱۹۲۔
۶- حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں، ص۳۰۱۔

۷- اقبال بنام شاد ،ص۳۳۷
۸- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان،ص۱۶۔۱۷
۹- مفکر پاکستان ،ص۱۸۲
۱۰- اقبال بنام شاد ،ص۲۴۶۔۲۴۷
۱۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۱۵۵
۱۲- مظلوم اقبال ،ص۲۴۵۔۲۴۶
۱۳- ایضاً،ص۲۴۶
۱۴- اوراق گم گشتہ،ص۴۲۰
۱۵- انوار اقبال ،حاشیہ ص۴۶
۱۶- اقبال بنام شاد ،ص۲۴۷
۱۷- ایضاً،ص۳۳۹
۱۸- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان ،ص۱۷
۱۹- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۱۵۷
۲۰- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان،ص۱۷۔
۲۱- اقبال بنام شاد ،ص۲۵۰
۲۲- روح مکاتیب اقبال،ص۲۲۵
۲۳- اوراق گم گشتہ،ص۴۲۲
۲۴- زندہ رود ،ص۲۴۳
۲۵- ایضاً،ص۲۴۴۔۲۴۵؛اقبال کے آخری دو سال،ص۶۹
۲۶- مظلوم اقبال،ص۲۴۸۔۲۴۹
۲۷- اقبال بنام شاد ،ص۳۴۰۔۳۴۳
۲۸- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان،ص۱۹
۲۹- اقبال بنام شاد،ص۲۵۱
۳۰- مظلوم اقبال ،ص۲۵۱۔
۳۱- اقبال بنام شاد،ص۳۴۳۔۳۴۴
۳۲- ایضاً،ص۲۵۱۔۲۵۲
۳۳- مظلوم اقبال،ص۲۵۲
۳۴- ایضاً
۳۵- ایضاً،ص۳۵۴

۳۶- روح مکاتیب اقبال،ص۲۲۸
۳۷- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۱۸۔۲۰
۳۸- مظلوم اقبال ،ص۲۵۴
۳۹- ایضاً،ص۲۵۷۔۲۵۸
۴۰- ایضاً،ص۲۵۶۔۲۵۹
۴۱- ایضاً،ص۲۵۹۔۲۶۰
۴۲- ایضاً،ص۲۶۱
۴۳- ایضاً،ص۲۶۲۔۲۶۳
۴۴- ایضاً،ص۲۶۴۔۲۶۵
۴۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۶
۴۶- مظلوم اقبال،ص۲۶۶
۴۷- ایضاً،ص۲۶۶
۴۸- ایضاً،ص۲۶۸
۴۹- ایضاً،ص۲۶۶۔۲۶۸
۵۰- ایضاً،ص۲۶۸۔۶۹
۵۱- ایضاً،ص۲۷۰۔۲۷۱
۵۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،حاشیہ،ص۱۷۷
۵۳- مظلوم اقبال،ص۲۷۳۔۲۷۴
۵۴- ایضاً،ص۲۷۴
۵۵- ایضاً،ص۲۷۴۔۲۷۵
۵۶- ایضاً،ص۲۷۶۔۲۷۷
۵۷- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۴۸
۵۸- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۲۰
۵۹- زندہ رود،ص۲۶۲
۶۰- مظلوم اقبال،ص۲۷۸
۶۱- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان،ص۲۱
۶۲- روح مکاتیب اقبال،ص ۲۳۱
۶۳- مظلوم اقبال،ص۲۶۸۔۲۷۹
۶۴- ایضاً،ص۱۳۹۔۱۴۰

۶۵- اقبال بنام شاد، ص۲۵۲
۶۶- اقبال - سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۴۹
۶۷- زندہ رود، ص۲۴۶
۶۸- ایضاً
۶۹- ایضاً، ص۲۴۶۔۲۴۷
۷۰- اقبال- سیدسلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۵۰
۷۱- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۷۵
۷۲- اقبال بنام شاد ،ص۲۵۳
۷۳- مظلوم اقبال ،ص۲۸۱
۷۴- روح مکاتیب اقبال، ص۲۳۳۔
۷۵- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص۲۲
۷۶- ایضاً، ص۲۳
۷۷- ایضاً
۷۸- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۱۲۹
۷۹- مفکر پاکستان، ص۲۲۰
۸۰- روح مکاتیب اقبال، ص۲۳۷
۸۱- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص۲۴
۸۲- روح مکاتیب اقبال، ص۲۳۷
۸۳- ایضاً
۸۴- ایضاً، ص۲۳۸
۸۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۷
۸۶- مظلوم اقبال ،ص۲۸۱
۸۷- اقبال اور شاد، ص۲۵۵
۸۸- ایضاً، ص۲۵۵
۸۹- روح مکاتیب اقبال، ص۲۳۹
۹۰- اقبال اورانجمن حمایت اسلام ،ص۱۷۷
۹۱- مظلوم اقبال ،ص۲۸۳
۹۲- ایضاً، ص۲۸۳
۹۳- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۳۶۱

۹۴- اقبال کی صحبت میں، ص۲۹۲

۹۵- زندہ رود ، ص۲۴۷_۲۴۸

۹۶- ایضاً، ص۲۲۰

۹۷- باقیات، ص ۲۲۱

۹۷- اقبال کے حضور، ص۲۰

۹۸- زندہ رود، ص۲۱۴

۹۹- ایضاً، ص۲۱۵

۱۹۲۰ء...... بارگاہِ رسولؐ میں حاضری

یکم جنوری کو آپ نے میاں جی کے نام سیالکوٹ خط تحریر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ امرتسر میں خوب رونق رہی۔ میں بھی دو روز تک وہاں گیا۔ کانگریس کا جلسہ اس زور سے ہوا کہ اس سے پہلے آج تک نہیں ہوا تھا...... مرزا صاحب کی کتاب اچھی ہے۔[1]

مولانا گرامی بد پرہیزی کی وجہ سے بیمار رہتے تھے۔ وہ ذیابیطس کے بھی مریض تھے۔ شیخ عمر بخش سے اقبال کو معلوم ہوا کہ مولانا صاحب بغرض علاج لاہور تشریف لا رہے ہیں، لیکن باوجود انتظار کے وہ نہ آئے۔ اس پر آپ نے ۴ر جنوری کو مولانا کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ اپنا علاج لاہور آ کر ہی کرائیے۔ آپ نے اپنی غفلت سے مرض کو بڑھا لیا ہے۔ یہاں آ کر ڈاکٹر محمد حسین صاحب سے علاج کرائیے بشرطیکہ پرہیز کرنے کا ارادہ مستحکم ہو جائے۔ میرے جہاد کو دیکھیے کہ چوبیس گھنٹے صرف ایک دفعہ کھانا کھاتا ہوں۔[2]

رسالہ عبرت نجیب آباد کے منیجر محمد ادریس کو آپ نے بہ تاریخ ۱۲ر جنوری ایک فارسی رباعی، قند پارسی ارسال فرمائی:

مسلماناں مرا حرفے ست در دِل[3]

۱۱ر جنوری کو انجمن حمایت اسلام کا ایک اجلاس مولوی فضل الدین، نائب صدر کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس میں انجمن کا مقدمہ جیتنے پر اقبال کا اور میاں فضل حسین کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اسی روز آپ اسلامیہ کالج کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔[4]

جنوری میں اقبال کو ایک گمنام خط موصول ہوا۔ اس میں درج تھا کہ نبی کریمؐ کے دربار میں تمھاری ایک خاص جگہ ہے، جس کا تمھیں کچھ علم نہیں۔ اگر تم فلاں وظیفہ پڑھا کرو تو تمھیں اس کا علم ہو جائے گا۔ وہ وظیفہ بھی خط میں درج تھا۔ مگر آپ نے اس خط کی طرف توجہ نہ دی اور اسے ضائع کر دیا۔[5]

۱۱ر فروری کو نیاز الدین خان کے نام خط میں انھیں تحریر فرمایا کہ ''مہندرا منڈلی'' کی کسی کو

خوب سوجھی لیکن تعجب ہے کہ وہ ''اندر سبھا'' کو نظر انداز کر گئے......انگلستان میں دو ہاؤس ہیں: ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز۔[6]

اقبال کے بڑے بھائی نے آپ کو ایک کابلی دھسہ اور چمڑے کا سوٹ کیس سیالکوٹ سے بنوا کر بھیجا۔ آپ نے ۱۴ر فروری کے خط میں یہ چیزیں ملنے کی اطلاع دی۔[7]

جنوری کے آخری ہفتے ایک مقدمہ کے سلسلے میں آپ آرہ ضلع بہار گئے۔ واپسی پر دو روز اکبر الہ آبادی کے ہاں قیام فرمایا۔ ۲ر مارچ کو دہلی پہنچے۔[8]

آپ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد لا کالج میں داخلہ لے چکے تھے۔ اب وہ کالج ہوسٹل میں رہتے تھے۔ آپ کی عدم موجودگی میں اعجاز آپ کے گھر ٹھہر جاتے۔ اس دفعہ بھی اعجاز آپ کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ نے مٹکاف ہاؤس دہلی سے بہ تاریخ ۳ر مارچ بذریعہ خط اعجاز کو اطلاع دی کہ مجھے ابھی لاہور سے بیرسٹر جلال الدین کا خط ملا ہے۔ اس نے مجھے ۷ مارچ تک دہلی ٹھہرنے کی ہدایت کی ہے۔ دہلی سے فارغ ہو کر اقبال ۶ر مارچ کو واپس لاہور آ گئے۔ آتے ہی بڑے بھائی کے نام ایک طویل خط تحریر فرمایا۔ یہ خط آپ کی اپنی زندگی اور غالباً پہلی بیوی کریم بی بی سے متعلق تھا۔

۹ر مارچ کو آپ نے نیاز الدین کے نام خط لکھا اور اپنے سفر آرہ سے متعلق بتایا: چیمبر آف پرنسز کے واسطے 'ایوان امرا' کی اصطلاح موزوں رہے گی۔[8]

۱۷ر مارچ کو اکبر الہ آبادی کے نام خط میں لکھا کہ آپ کی باتیں نظم میں ہوں یا نثر میں نوٹ کرنے کے قابل ہیں، مگر افسوس آپ کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں، جو ان رموز و حقائق کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر لے، اگر میں الہ آباد میں ہوتا تو وہی کام کرتا، جو باسولی نے جانسن کے لیے کیا تھا۔[9]

اگلے روز آپ نے بذریعہ خط نیاز الدین کو مشورہ دیا کہ وہ خالد بن ولید سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے طبقات ابن سعد کا مطالعہ کریں۔[10]

شیخ عبدالعزیز کی جگہ اقبال انجمن حمایت اسلام کے اعزازی سیکریٹری منتخب ہوئے تھے۔ مگر مولانا ظفر علی خان بھی یہ عہدہ حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ ۲۹ر مارچ کو مسلمانانِ لاہور کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں مولانا نے دو قراردادیں پیش کیں جو متفقہ طور پر منظور کر لی گئیں۔ صدرِ انجمن کے لیے نواب ذوالفقار علی خان، برائے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اور حاجی

شمس الدین اور صدر مجلس انتظامیہ اسلامیہ کالج میاں فضل حسین کے نام پیش کیے گئے۔[۱۱]

جنرل کونسل نے بتاریخ ۳۱ر مارچ اپنے اجلاس میں نواب صاحب کو صدر انجمن اور اقبال کو سیکرٹری منتخب کر لیا۔[۱۲]

اسی واقعہ پر مولانا ظفر علی خان نے نظم 'حمایت اسلام لاہور' لکھی۔[۱۳]

ماہ مارچ میں مولانا محمد علی جوہر، سید سلیمان ندوی، سید حسن اور محمد حیات وغیرہ پر مشتمل ایک خلافت وفد لندن پہنچا۔ مقصد یہ تھا کہ حکومت برطانیہ اور حکومت فرانس پر مسئلہ خلافت کی اہمیت کے متعلق مسلمانوں کا نقطہ نظر واضح کیا جا سکے۔ وفد اس سلسلے میں پیرس بھی گیا، لیکن مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا۔[۱۴]

انجمن حمایت اسلام کا ۳۵ واں سالانہ جلسہ ۲۔۴ر اپریل کو منعقد ہوا۔ ۲ر اپریل کے اجلاس میں انجمن کے صدر نواب ذوالفقار علی خان نے اقبال کو سیکریٹری منتخب ہونے پر مبارک باد پیش کی اور کہا کہ ان جیسی شخصیت کی نظیر ہندوستان بھر میں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر صاحب میں جو طاقت اور علم ہے، وہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔ اس موقع پر سید محمد شاہ وکیل رکن جنرل کونسل نے کہا کہ ہمیں فخر ہے، سیکرٹری کا عہدہ ڈاکٹر صاحب کے پاس ہے۔ اقبال کے سیکریٹری منتخب ہونے کی خوشی میں اسلامیہ کالج کے طلباء نے انجمن کو پانچ سو روپے کا چندہ پیش کیا۔ مولانا گرامی بھی جلسہ میں شریک ہوئے اور چند اشعار سنائے۔ اقبال نے اس موقع پر ''ارتقا'' اور ''مرد آزاد'' دو نظمیں پڑھیں۔ حکیم احمد شجاع نے تقریر میں کہا کہ صدر انجمن اور سیکریٹری انجمن کو جدید نصاب ترتیب دینے کی سعی کرنی چاہیے۔ مولانا گرامی نے لاہور میں اقبال کے ہاں قیام کیا۔[۱۵]

ایک جلسہ کی صدارت نواب بھوپال حمید اللہ خان نے فرمائی۔ پنجاب کے گورنر ہربرٹ ایمرسن بھی اجلاس میں شریک ہوئے۔ اقبال علالت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ اس موقع پر نواب صاحب نے انجمن کو دس ہزار روپیہ چندہ مرحمت فرمایا۔[۱۶]

سیالکوٹ میں اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد اپنے بیٹے اعجاز احمد کا مناسب رشتہ تلاش کر رہے تھے۔ ۷ر اپریل کو اس سلسلے میں آپ نے انھیں خط لکھا اور کہا کہ رشتہ سیالکوٹ ہی میں ہونا چاہیے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تعلقات کا دائرہ وسیع کیا جائے۔ اس کے علاوہ آپ نے انھیں سیالکوٹ سے ایک نوکر تلاش کرنے کا بھی کہا۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ وہ بروز ہفتہ ایک ہفتے کے لیے شملہ جائیں گے۔[۱۷]

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی اقبال سے ملنے آئے، لیکن آپ گھر پر موجود نہ تھے۔اس لیے ملاقات نہ ہوسکی۔ ۸ر اپریل کو اقبال نے انھیں خط تحریر فرمایا اور ملاقات نہ ہونے پر اظہار افسوس کیا۔[۱۸]

مولانا گرامی ۱۰ر اپریل کو واپس ہوشیار پور چلے گئے۔اس روز آپ نے نیاز الدین کو خط لکھا اور فرمائش کی کہ انھیں دو جوڑے کبوتر بھیج دیجیے۔[۱۹]

۱۶ر اپریل کو پھر خط تحریر فرمایا اور ہدایت کی کہ کبوتر ماسٹر رحمت اللہ ڈرائنگ ماسٹر کے ذریعے بھجوائے جائیں۔ یہ بھی تحریر کیا کہ میرے تجربے میں آپ کے کبوتروں کے برابر کوئی نسل کبوتروں کی نہیں آئی۔[۲۰]

۱۸ر اپریل کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔اس میں مقامی ممبران کونسل کے لیے آپ کو رکن منتخب کیا گیا۔علاوہ ازیں اراکین کے انتخاب کے لیے جو ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی، آپ اس کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔[۲۱]

۲۱ر اپریل کو مذکورہ ذیلی کمیٹی کا اجلاس اقبال کے دولت کدے پر آپ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔اس میں کالج کمیٹی، اسکولز کمیٹی، زنانہ مدارس کمیٹی، ابتدائی تعلیم کمیٹی، فنانس کمیٹی، یتیم خانہ کمیٹی، تالیف وطبع کمیٹی، بلڈنگ کمیٹی اور اشاعت اسلام کمیٹی کے اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔[۲۲]

اسی روز آپ نے محمد اکبر کو بحرین خط تحریر فرمایا اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ عربی سیکھنے کے لیے مصر یا بیروت چلے جائیں۔فلسفہ پڑھنے کے لیے انگریزی کی چار کتب کے نام انھیں بھجوائے۔[۲۳]

۲۱ر اپریل ہی کو کشمیر سے ایک پیرزادہ آپ سے ملنے آیا۔اس کی عمر تیس پینتیس سال تھی۔وہ شریف، ہوشیار۔سمجھ دار اور پڑھا لکھا نوجوان لگتا تھا۔آپ کو دیکھ کر بے اختیار زاروقطار رونے لگا۔آپ نے سمجھا کہ وہ مصیبت زدہ اور مدد کا طالب ہے۔پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اسے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔اس پر خدا کا بڑا فضل ہے۔مفصل کیفیت پوچھنے پر اس نے بتایا کہ نوگام میں میرا گھر ہے۔میں نے عالم کشف میں نبی کریم کا دربار دیکھا۔جب نماز کے لیے صف کھڑی ہوئی تو حضور سرور کائناتؐ نے پوچھا کہ محمد اقبال آیا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ وہ محفل میں نہیں تھا۔اس پر ایک بزرگ کو اقبال کے بلانے کے واسطے بھیجا گیا۔تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ایک جوان آدمی جس کی ڈاڑھی منڈھی ہوئی تھی اور رنگ گورا تھا، ان بزرگ کے ساتھ صف نماز میں داخل ہو کر حضور سرور کائناتؐ کے دائیں جانب کھڑا ہوگیا۔جب میں نے کشمیر میں بزرگ نجم الدین سے

یہ قصہ بیان کیا تو انھوں نے آپ کی نشاندہی فرمائی۔ سو محض آپ سے ملاقات کی خاطر میں کشمیر سے یہاں آیا ہوں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے رونا آ گیا کیونکہ میرے کشف کی تصدیق ہو گئی۔ اقبال نے یہ سارا واقعہ اپنے والد بزرگوار کو ۲۳/ اپریل کے خط میں لکھ بھیجا اور ان سے رہبری کی درخواست کی۔ اس میں اقبال نے اس گمنام خط کا ذکر بھی کیا جسے آپ نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔[۲۴]

۲۵/ اپریل کو یونی ورسٹی کی جانب سے مارکنگ کے لیے امتحانی پرچے آ گئے۔[۲۵]

۱۱ مئی کو نیاز الدین کا خط آپ کے نام موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ نواب ابراہیم علی خان صاحب نے کنج پورہ سے چند سفید کبوتر بھیجے ہیں۔ کیا عجب کہ وہ اوصاف میں بھی اچھے ہوں۔ چونکہ بھیجنے والا بانی کعبہ کا ہم نام ہے، اس واسطے میں نے ان کبوتروں کو کبوتران حرم کا خطاب دیا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل کے کبوتران حرم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا...... آپ کا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا، منگوا کر دیکھوں گا...... ایران کے فلسفے پر میں نے ایک کتاب لکھی تھی۔ وہ محض ایک خاکہ تھا، جس پر بعد میں کام کرنے کا ارادہ تھا، مگر وقت نے مساعدت نہ کی۔[۲۶]

جب جنگ عظیم اول بند ہوئی تو سارے عالم اسلام پر اتحادی ممالک مسلط ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ملت اسلامیہ میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان دردناک حالات میں مولانا محمد حسین عرشی امرتسری نے روزنامہ زمیندار میں اقبال کے نام ایک پیغام شائع کرایا۔ یہ منظوم پیغام ۱۳/ مئی کے زمیندار میں شائع ہوا۔

خیز و گلبانگ دہل در گنبد خضرا فگن

مولانا ظفر علی خان زمیندار کا یہ پرچہ لے کر خود اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنا پیغام مثنوی اسرار و رموز میں دے چکا ہوں۔ تاہم آپ نے پانچ شعر لکھ کر مولانا کو مرحمت فرمائے:

دانی کہ چیست شیوہ مردان پختہ کار
عرشی گماں مدار کہ پیمانہ ام شکست

آپ کے جواب پر محاکمہ کرتے ہوئے دوسرے روز مولانا نے کہا:

بندہ خوار ہم سے نہیں کچھ چھپی ہوئی
رہبر فلک کی شعبہ بازی کی بود و ہست

اس کے ساتھ ہی حکیم فیروز الدین طغرائی امرتسری نے بھی اسی زمین میں مولانا ظفر علی خان اور عرشی امرتسری کی تائید میں اپنے خیالات پیش کیے جو نظم کی صورت میں زمیندار میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد اقبال نے مجبوراً ایک نظم تحریر فرمائی:

شعلہ در آغوش دارد عشق بے پروائے من [۲۷]

۱۶ رمئی کو اقبال انجمن کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس کی صدارت مولوی فضل الدین نائب صدر نے کی تھی۔ مذکورہ اجلاس میں ایک چار رکنی کمیٹی قائم کی گئی۔ اقبال اس کے بھی رکن منتخب ہوئے۔[۲۸]

۱۸ رمئی کو نیاز الدین کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ میں نے نبی کریمؐ کو مخاطب کر کے ایک فارسی قصیدہ لکھنا شروع کیا ہے...... عرشی امرتسری نے چند شعر لکھ کر میرے زخم چھیڑ دیے ہیں۔ ان کا معمولی جواب تو میں نے زمیندار میں شائع کر دیا تھا، اصلی جواب ابھی باقی ہے۔[۲۹]

۲۱ رمئی کے خط میں اقبال نے ان کو ایک رشتے سے متعلق کوائف تحریر کیے۔[۳۰]

اقبال نے ۳ رجون کو اپنے والد کے نام خط تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے انسانی صحت پر خوراک کی اہمیت کا ذکر کیا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ میں نے یورپ کے ایک مشہور حکیم کی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ہر روز دہی کی لسی پیے، اس کی عمر بڑھتی ہے...... کوئی اچھا مکان نہیں ملتا...... ڈاکٹر عبداللطیف نے آپ کے دانت بنائے تھے۔ اگر وہ خراب ہو گئے ہوں، تو انھیں ڈاک میں بھیج دیجیے گا، پھر مرمت کرا دیے جائیں گے۔ روحانی کیفیات کا سب سے بڑا مدومعاون یہی کھانے پینے میں احتیاط ہے۔[۳۱]

مئی میں معاہدہ سیورے (sevres) عمل میں آیا۔ اس معاہدے کے خلاف مسلم ہند میں احتجاج کا غلغلہ بلند ہو گیا۔ خلافت کانفرنس نے اس کے خلاف مظاہروں کا اہتمام کیا۔ سال کے وسط میں ہندوستان کی اہم جماعتوں نے عدم تعاون یا ترک موالات کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے ہندوستان کی آزادی وخود مختاری کا مطالبہ کیا۔ جمعیت علمائے ہند نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس ملک سے ہجرت کر کے کسی مسلم ملک میں آباد ہو جائیں۔ گرمیوں میں افغانستان ہجرت کرنے کا اعلان ہوا۔ اس فتویٰ کے زیر اثر سندھ، پنجاب اور سرحد کے ہزاروں لوگ درہ خیبر کی طرف بڑھنے لگے۔[۳۲]

اقبال کے بعض خطوط میں ان مہاجرین کی روانگی کے متعلق اشارے ملتے ہیں۔

۱۰؍جون کے خط میں نیاز الدین کو لکھتے ہیں کہ انسانوں کو خدا نے قبائل میں تقسیم کیا ہے، اس واسطے کہ ان کی شناخت کی جا سکے، اس لیے نہیں کہ یہ امتیاز سلسلہ ازدواج میں ممدومعاون ہو...... آموں کی کشش علم سے کچھ کم نہیں۔ یہ بات بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کھانے پینے کی چیزوں میں صرف آم ہی ایسی شے ہے جس سے مجھے محبت ہے...... جولائی میں عدالت بند ہونے کے بعد شاید کلکتہ یا الہ آباد جانا ہو، کیوں کہ وہاں ہندوستان کی یونی ورسٹیوں کی کانفرنس ہے اور پنجاب یونی ورسٹی نے مجھے اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے...... مثنوی اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ جو پروفیسر نکلسن نے کیا ہے، تیار ہو کر ناشر کے پاس چلا گیا ہے۔ پروفیسر نکلسن نے یہاں ایک پروفیسر کو لکھا ہے کہ اس مثنوی کے خیالات Most Original and Remarkable (انتہائی حقیقی اور شاندار) ہیں۔[۳۳]

۴؍جولائی کو اقبال انجمن حمایت اسلام کی یتیم خانہ کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ اسی دوران جنرل کونسل کے اجلاس میں بھی شریک ہوئے۔[۳۴]

۱۲؍جولائی کے مولانا گرامی کے نام خط میں اطلاع دی کہ میاں عبدالعزیز آپ کے منتظر ہیں...... سندھی مہاجرین کابل کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں اسٹیشن پر ان کے استقبال کو حاضر تھے۔ چند روز بعد پھر خط لکھا اور عید کی مبارک دی۔[۳۵]

۱۹؍جولائی کی خط میں اقبال انھیں لکھتے ہیں کہ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے، اسرار خودی کا انگلستان میں خوب چرچا ہو رہا ہے۔ کیمبرج یونی ورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس پر متعدد لیکچر دیے ہیں۔ اس کے مطالب پر مختلف ادبی سوسائٹیوں میں خوب بحث ہو رہی ہے۔ انگریزی ترجمہ موسم سرما میں شائع ہوگا۔ مسٹر محمد علی جوہر نے ایک پبلک ڈنر میں جس میں ایرانی و ترک و عرب شریک تھے، تقریر کرتے ہوئے اس کے اشعار سنائے تو وہ لوگ محو حیرت و استعجاب ہو گئے...... عرفی کی غزل پر غزل لکھنا صرف گرامی ہی کا کام ہے۔[۳۶]

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری ۱۹۱۴ء میں وفات پا گئے تھے۔ ان کے کتبہ پر کندہ کرانے کے لیے اقبال نے ایک فارسی مثنوی بہ تاریخ ۲؍ستمبر مرحوم کے والد مولوی نورالاسلام کو ارسال فرمائی:

دل من رازدان جسم و جان است[۳۷]

۳؍ستمبر کو فقیر سید سراج کے نام خط میں انھیں ملازمت ملنے پر خوشی کا اظہار کیا اور اس یقین کا اظہار فرمایا کہ ملازمت میں تم اپنے والد کے نقش قدم پر چلو گے۔ یاد رکھو صرف محنت اور دیانت ہی

ترقی کی راہیں کھولتی ہے۔[۳۸]

۲۱ر ستمبر کے خط میں علامہ محمد مبین چڑیا کوٹی کو ان کی مرسلہ نظم کی رسید بھجوائی اور خصوصاً اُن کے اس شعر کی تعریف فرمائی:

پہچانتا نہیں ہے مجھ آستاں نشین کو
تو نے جو ساتھ چھوڑا اے داغ جبہ سائی[۳۹]

تین روز بعد شاہ اسدالرحمٰن قدسی کے نام خط میں اقبال لکھتے ہیں کہ گل حسن شاہ، مولف تذکرہ غوثیہ قریباً ایک سال ہوا، رحلت فرما گئے ہیں۔[۴۰]

۲۸ر ستمبر کو حاجی محمد احمد خان سیتاپوری کے نام مکتوب میں اقبال نے آب رواں، محرّم، تنخواہ اور حسین وغیرہ الفاظ پر بحث فرمائی۔[۴۱]

۳ر اکتوبر کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں بلڈنگ کمیٹی، ابتدائی تعلیم، تالیف وطبع کمیٹی، یتیم خانہ کمیٹی اور کالج کمیٹی کے جلسوں کی قراردادیں پیش ہوئیں۔ اقبال نے بحیثیت اعزازی سیکریٹری چار قراردادیں پیش کیں۔[۴۲]

۴ر اکتوبر کو اکبر منیر کے نام خط لکھا اور انھیں ایران کے سفر کی مبارک باد دی۔ نیز ان سے لطائف غیبی خریدنے کی فرمائش کی۔[۴۳]

خلافت وفد کے ہمراہ سید سلیمان ندوی یورپ کے دورے پر گئے تھے۔ مقصد میں کامیابی تو نہ ہوسکی، لیکن بخیر وعافیت وطن لوٹنے پر اقبال نے انھیں ۱۰ر اکتوبر کے خط میں مبارک باد دی۔ لکھتے ہیں کہ آپ نے بڑا کام کیا ہے جس کا صلہ قوم کی طرف سے شکر گزاری کی صورت میں مل رہا ہے اور دربار نبویؐ سے نہ معلوم کس صورت عطا ہوگا۔ اقبال یوں تو تحریک خلافت کے حامی تھے، لیکن وفد کا یورپ آپ کو پسند نہ آیا۔ چار اشعار پر مشتمل اپنی ایک مختصر نظم ''دریوزہ خلافت'' میں آپ نے واضح الفاظ میں اپنا نقطہ نظر بیان کر دیا:

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی![۴۴]

اکتوبر کے وسط میں آپ کے بڑے بھائی سیالکوٹ میں بیمار ہو گئے۔ آپ نے اعجاز احمد کو فوراً سیالکوٹ بھیجا اور ہدایت کی کہ وہاں پہنچ کر انھیں تار دیا جائے۔ بھائی کے مرض میں افاقہ ہو رہا تھا، اس لیے اعجاز احمد نے اقبال کو تار دے دیا کہ سیالکوٹ آنے کی ضرورت نہیں۔ مذکورہ تار آپ کو

بہ تاریخ ۱۷؍اکتوبر ملا۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ وہ منگل کے روز سیالکوٹ آرہے ہیں۔[۴۵]

۱۸؍اکتوبر کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں آپ نے شرکت فرمائی۔ اجلاس میں کثرت رائے سے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ والی زمین فروخت نہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ طے پایا کہ ہوسٹل کے لیے مطلوبہ تین کنال زمین خود خریدی جائے گی۔[۴۶]

محمد الدین فوق نے ایک کتاب تاریخ حریت اسلام تحریر فرمائی۔ آپ کو کتاب کا معلوم ہوا تو آپ نے بہ تاریخ ۲۷؍اکتوبر محمد الدین فوق کو تحریر فرمایا کہ یہ کتاب لاجواب ہوگی اور مسلمانوں کے لیے تازیانے کا کام دے گی۔[۴۷]

۲۸؍اکتوبر کو نیاز الدین خان کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ علی گڑھ سے ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی۔ اسلامیہ کالج میں بھی وہی حالات پیدا ہو چلے تھے مگر طلبہ کو چھٹی دے دی گئی...... الحاق کے بارے میں خود میری رائے میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔[۴۸]

شیخ عطا محمد اپنے لڑکے اعجاز احمد کی شادی کے سلسلے میں کوشش کر رہے تھے۔ ایک لڑکی بھی دیکھ لی گئی۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنے چھوٹے بھائی اقبال کو لاہور خط لکھا۔ اقبال نے ۳؍نومبر کو انھیں جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے، لڑکی کے متعلق آپ کا علم محض شنید ہے۔ اس سے زیادہ تحقیق مطلوب ہے۔ آپ کے لیے گائے منٹگمری سے منگوا دوں گا۔[۴۹]

۵؍نومبر کو نواب ذوالفقار علی خان، صدر انجمن حمایت اسلام کی زیرِ صدارت انھی کی کوٹھی پر جنرل کونسل کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں انجمن کے سیکریٹری اقبال کے علاوہ اور بہت سے فعال اراکین شریک ہوئے۔ اقبال نے ترک موالات پر بحث کرنے کے بعد کہا کہ گزشتہ اجلاس میں الحاق برقرار رکھنے کے متعلق جس طریق سے رائے لی گئی تھی، وہ طریقہ قطعاً غیر آئینی تھا۔ اسی اجلاس میں اسلامیہ کالج کے پرنسپل ہنری مارٹن معزول جب کہ پروفیسر حاکم علی موقوف کیے گئے۔ انھوں نے بعض بے ہودہ تحریریں اور فتویٰ شائع کر کے قواعد انجمن کی خلاف ورزی کی تھی۔[۵۰]

آپ کا ملازم علی بخش ہوشیار پور کا رہنے والا تھا۔ اس کے ہاتھ مولانا گرامی کی بیگم نے آپ کی بیگم کے لیے ایک تحفہ ارسال کیا۔ تحفہ ملنے پر آپ نے ۷؍نومبر کے خط میں مولانا صاحب کی بیگم کا شکریہ ادا کیا۔ اقبال نے مولانا کو یہ بھی تحریر فرمایا اگر وہ لاہور آتے، تو وہ انھیں طالب آملی کے دیوان کا ایک قدیم نسخہ دکھلاتے، جو انھیں شیخ نصر الدین کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا۔[۵۱]

تحریک خلافت کے دوران مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دیگر اصحاب اپنی تحریک کو مقبول بنانے کی غرض سے لاہور آئے۔ علی برادران کے ایما پر انجمن حمایت اسلام کی مجلس عامہ کا ایک جلسہ ۱۴ نومبر کو زیر صدارت نواب ذوالفقار علی خان منعقد ہوا۔ مجلس عامہ کے ۵۱ ارکان اس میں شریک ہوئے۔ اقبال نے افتتاحی تقریر میں فرمایا:

'مسٹر محمد علی، مسٹر شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے اصحاب لاہور آئے ہوئے ہیں۔ ان کے خیالات سننے کے لیے ارکان انجمن کے دو جلسے ہو چکے۔ اسلامیہ کالج میں جو جلسہ ہوا تھا، اس میں مجلس عامہ کے ۲۱ ارکان شریک تھے۔ جن میں ۱۹ ارکان نے غور وفکر کے لیے ذیل کی دو تجاویز پیش کیں:

۱: اسلامیہ کالج اور انجمن کے اسکولوں کے لیے حکومت سے جو سالانہ عطیات اور امدادی رقوم لی جاتی ہیں، انھیں ترک کر دیا جائے۔

۲: اگر اسلامیہ کالج کے طلبہ کی اکثریت موجودہ نظام تعلیم پر عدم اطمینان کا اظہار کرے تو کالج کا رشتہ الحاق پنجاب یونی ورسٹی سے منقطع کر لیا جائے۔

تحریک ترک موالات کے رہنماؤں نے (حکومت کی مالی امداد کے بجائے) انجمن کو سالانہ گیارہ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ نیز متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں اسلامیہ کالج کو یونی ورسٹی سے علیحدہ کر دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے''۔

اقبال نے پھر اپنی رائے دی کہ انجمن الحاق اور حکومت سے امداد لینے کے مسائل کا فیصلہ علما سے مشورہ لیے بغیر اور دینی احکام معلوم کیے بغیر نہیں کر سکتی۔ لیکن آپ کی یہ تجویز منظور نہ ہوئی۔[۵۲]

اس اجلاس کی کارروائی زمیندار اخبار نے ۱۵ر نومبر کو شائع کر دی۔ اقبال نے اسی روز اخبار کو ایک وضاحتی خط تحریر فرمایا۔[۵۳]

انجمن کی جنرل کونسل نے اپنے ہنگامی اجلاس میں یونی ورسٹی سے کالج کا الحاق قائم رکھنے اور سرکاری امداد بدستور حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کی روشنی میں پرنسپل ہنری مارٹن نے کالج کھول دیا۔ انھوں نے ترک موالات کے حامی اور اس تحریک کے سرکردہ آٹھ طلبہ لیڈروں کو کالج چھوڑنے کا حکم دیا، لیکن سب نے انکار کر دیا۔ اس پر کالج کمیٹی کی منظوری سے پرنسپل نے انھیں معطل کر کے زبردستی کالج سے باہر نکال دیا۔ اس واقعہ پر طلبہ نے زبردست مظاہرہ کیا۔ ہنری مارٹن کو پرنسپل شپ سے ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا۔ ۱۶ر نومبر کو مسلمانان لاہور کا ایک اہم جلسہ ہوا۔

اس میں ہنری مارٹن کو کالج سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ سرفہرست تھا۔

اسی روز بیرون دہلی دروازہ لاہور میں بھی ایک جلسہ ہوا۔ اس میں سیکریٹری کالج کمیٹی کے پاس ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۷ نومبر کو یہ وفد اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے طلبہ کی معطّلی کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے میاں فضل حسین، سیکریٹری کالج کے نام ایک خط تحریر فرمایا کہ وہ اس بے جا کارروائی کے خلاف مناسب کارروائی کریں، لیکن وفد کو ناکامی ہوئی۔ آخر بڑی جدوجہد کے بعد ہنری مارٹن کو پرنسپل شپ سے ہٹا دیا گیا۔ نیز ترک موالات کے مخالف کالج کے پروفیسر مولوی حاکم علی بھی معطل کر دیے گئے۔ ۲۱ نومبر کو انجمن حمایت اسلام کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ انجمن کونسل کے ۲۰ اراکین نے شرکت فرمائی۔ علی برادران کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی شریک جلسہ تھے۔ اجلاس میں حکومت سے تیس ہزار روپیہ کالج گرانٹ نہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بھی طے پایا کہ اگر طلبہ کی کثیر تعداد منظور کرے تو کالج کا الحاق یونی ورسٹی سے ختم کر دیا جائے گا۔ اقبال نے بحیثیت جنرل سیکریٹری یہ تجاویز منظوری کے لیے پیش کیں۔ اس کے بعد پنجاب یونی ورسٹی غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دی گئی۔ اسلامیہ کالج بند کرنے کی سرتوڑ کوشش ہوئی، لیکن وہ بند نہ ہو سکا۔[۵۴]

تحریک ترک موالات نے جیسے ہی زور پکڑا، مولانا محمد علی وغیرہ نے علی گڑھ محمڈن کالج کے طلبہ کی بڑی تعداد توڑ کر دہلی میں آزاد قومی یونی ورسٹی یا جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔[۵۵]

۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء کو مولانا محمد علی نے تجویز پیش کی کہ اقبال کو درخواست دی جائے کہ وہ نئی یونی ورسٹی میں پرنسپل کا عہدہ قبول کر لیں اور ساتھ ہی خلافت کانفرنس کے رہنماؤں نے اخبارات میں یہ خبر شائع کرا دی کہ اقبال نے علی گڑھ محمڈن کالج کے مقابلے میں نئی قائم شدہ آزاد قومی یونی ورسٹی کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ اقبال کو یہ خبر پڑھ کر سخت ذہنی کوفت ہوئی۔ آپ نے فوراً علی گڑھ کالج کے آنریری سیکریٹری کو خط لکھ کر مطلع کیا کہ اخباروں میں جو کچھ لکھا گیا، بالکل غلط ہے۔ میں نے تحریک کے رہنماؤں سے اس بارے گفتگو نہیں کی ہے۔[۵۶]

اسی اثنا میں مولانا محمد علی وغیرہ کے ایما پر مہاتما گاندھی نے اقبال کو ایک خط لکھا اور کہا کہ مسلم نیشنل یونی ورسٹی آپ کو آواز دے رہی ہے۔ اگر آپ اس کے پرنسپل بن جائیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی صحیح رہنمائی میں ترقی کرے گی۔ حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری اور علی برادران کی یہی خواہش ہے۔[۵۷]

اقبال نے پنڈت موتی لعل نہرو کی معرفت گاندھی کو بہ تاریخ ۲۹ر نومبر جواب دیتے ہوئے لکھا کہ مجھے بے حد افسوس ہے، بعض وجوہ کی بنا پر میں عہدہ قبول نہیں کر سکتا...... یونی ورسٹی چلانے کے لیے مجھ میں موزوں صلاحیتیں نہیں ہیں اور نہ میں وہ مسائل حل کر سکتا ہوں جو مختلف کشمکشوں اور رقابتوں کی صورت میں ابتدائی مراحل میں جنم لیتے ہیں۔[۵۸]

۵ر دسمبر کو اقبال انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شریک ہوئے۔[۵۹]

۷ار دسمبر کو لاہور کے ہفت روزہ الداعی میں آپ کی ایک تحریر شائع ہوئی۔ اس میں حالات حاضرہ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے اقبال نے لکھا کہ ملت اسلامیہ کو درپیش موجودہ مسائل کا حل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے عملی نظام کار سے ڈھونڈنا چاہیے۔[۶۰]

تحریک ترک موالات کے دوران چند واقعات ایسے رونما ہوئے اور ایسے فیصلے کیے گئے جو آپ کی مرضی کے خلاف تھے، اس لیے آپ نے انجمن حمایت اسلام کی سیکریٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا۔ البتہ کام کرتے رہے۔[۶۱]

سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف سیرت عائشہ آپ کو ارسال فرمائی۔ ۲۳ر دسمبر کے خط میں اقبال نے انھیں پارسل ملنے کی اطلاع دی۔ آپ نے لکھا کہ یہ ہدیۂ سلیمانی نہیں، سرمۂ سلیمانی ہے۔ یہ کتاب پڑھنے سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا ہے۔[۶۲]

اسی روز آپ نے ضیاء الدین برنی کو بذریعہ خط تحریر فرمایا کہ وہ مجموعہ نظم مرتب کر رہے ہیں۔ کچھ نظموں کی نظر ثانی کا کام باقی ہے۔[۶۳]

آپ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد اپنے سب سے چھوٹے بیٹے، مختار احمد کو بغرض تعلیم لاہور کے کسی اسکول میں داخل کرانا چاہتے تھے، کیوں کہ ان دنوں پشاور میں تحریک ترک موالات زوروں پر تھی۔ اقبال نے ۳۰ر دسمبر کو انھیں خط تحریر فرمایا اور برادر اکبر کو اپریل تک انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔[۶۴]

گزشتہ برس جلیانوالہ باغ امرتسر میں انگریزی حکومت نے بڑی بے دردی سے لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا تھا۔ اس سانحہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے کانگریس نے امرتسر میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ علی برادران بھی جیل سے رہا ہو کر امرتسر پہنچے۔ جلسے کے صدر موتی لعل نہرو تھے۔ اس جلسہ کے فوراً بعد امرتسر کے چوک فرید میں مسلم لیگ نے جلسہ کیا۔ حکیم اجمل خان نے صدارت فرمائی۔ علی برادران کی آمد کے بعد اقبال مع احباب نواب ذوالفقار علی خان، میاں عبدالعزیز اور

میاں عبدالحئی وغیرہ ہال میں داخل ہوئے۔ ان کے آتے ہی جلسے کا رنگ بدل گیا۔ ان اصحاب کو اسٹیج پر جگہ دی گئی۔ اقبال نے علی برادران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چار شعر پڑھے۔ پہلا شعر ملاحظہ فرمائیں:

ہے اسیری اعتبار افزا جو فطرت ہو بلند
قطرۂ نیساں ہے زنداں صدف سے ارجمند

سید سلیمان ندوی نے رسالہ معارف شمارہ دسمبر میں یہ خبر شائع کر دی کہ نکلسن اسرار خودی کا ترجمہ کر رہے ہیں۔[۶۶]

دسمبر کی تعطیلات میں اعجاز احمد سیالکوٹ آئے ہوئے تھے۔ وہ شہر میں ایک مشاعرے میں شریک تھے کہ میرٹھ سے آئے ایک شخص سے علیک سلیک ہوگئی۔ ایک دن اس شخص نے اعجاز احمد سے کہا کہ آپ اپنے چچا کے کلام کا مجموعہ خود شائع کیوں نہیں کرتے؟ پھر اس نے بڑے اصرار کے ساتھ اعجاز احمد سے اقبال کے نام خط لکھوایا کہ اگر انھیں اجازت دی جائے تو وہ مجموعہ شائع کرنے پر تیار ہیں۔[۶۷]

شادی لال ۱۹۱۳ء میں پنجاب کی عدالت عالیہ میں ایڈیشنل جج مقرر ہوا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں اُسے مستقل جج بنا دیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں جب عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کی تقرری کا سوال سامنے آیا، تو میاں گھرانے کے سربراہ محمد شفیع نے وائسرائے کو سفارش کی کہ یہ عہدہ شادی لال کو دے دیا جائے۔[۶۸]

آپ کی فارسی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کیمبرج کے مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن نے کیا تھا، جو لندن سے اس سال شائع ہوا۔ ترجمہ شروع کرنے سے قبل نکلسن نے آپ سے اجازت مانگی تھی اور اس سلسلے میں خط لکھا۔ خط پا کر اقبال زار زار رونے لگے۔ اسی دوران میں فقیر سید نجم الدین آپ سے ملاقات کرنے آ گئے۔ سید صاحب نے آپ کو تنہائی میں روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ آپ نے جواب دینے کے بجائے ان کی طرف خط بڑھا دیا، جو لندن سے اسی دن آیا تھا۔ سید صاحب نے تعجب سے پوچھا اس خط میں ایسی کون سی بات ہے کہ آپ آنسو بہانے لگے؟ آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے اہل علم آپ کے کلام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور دوسرے یورپیوں کو بھی اس سے آشنا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگے، مجھے اس بات پر رونا آیا کہ جس قوم کے دل میں احساس

خودی پیدا کرنے کے لیے میں نے یہ کتاب لکھی تھی، وہ نہ تو پوری طرح اس کا مطلب سمجھتی ہے اور نہ اس کی قدر کر سکی۔ دوسری طرف ولایت والوں کا یہ حال ہے کہ وہ میرا پیغام اپنے ملک کے لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہیں حالانکہ یہ کتاب میں نے ان کے لیے نہیں لکھی۔[۶۹]

۱۹۱۹ـ۲۰ء کے سال آپ کو ۱۱۶۸۹ روپے آمدن ہوئی اس پر اقبال نے ۵۴۸ روپے ٹیکس ادا کیا۔[۷۰]

❀......❀......❀

حواشی

۱- مظلوم اقبال، ص ۲۸۴ـ۲۸۵
۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۵۸
۳- روح مکاتیب اقبال، ص ۲۴۰
۴- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۷
۵- زندہ رود، ص ۲۶۶
۶- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص ۲۷
۷- مظلوم اقبال، ص ۲۸۵
۸- مظلوم اقبال، ص ۲۸۵ـ۲۸۸؛ مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص ۲۷ـ۲۸
۹- روح مکاتیب اقبال، ص ۲۴۲
۱۰- ایضاً، ص ۲۴۳
۱۱- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، حاشیہ ص ۱۷۷
۱۲- ایضاً، ص ۱۷۷
۱۳- روح مکاتیب اقبال، ص ۲۴۲۔
۱۴- زندہ رود، ص ۲۴۹
۱۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۶ـ۸۷
۱۶- اقبال کی صحبت میں، ص ۸۷
۱۷- مظلوم اقبال، ص ۲۸۹
۱۸- روح مکاتیب اقبال، ص ۲۴۳

۱۹- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان،ص۲۸ـ۲۹
۲۰- ایضاً،ص۳۰
۲۱- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۵۹
۲۲- ایضاً،ص۵۹
۲۳- اقبال نامہ، حصہ دوم،ص۱۵۴
۲۴- مظلوم اقبال،ص۲۹۰ـ۲۹۲
۲۵- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان ،ص۳۰
۲۶- ایضاً
۲۷- اقبال اور ظفر علی خان ،ص۱۸۲ـ۱۸۴
۲۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۵۹
۲۹- مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان،ص۳۱
۳۰- ایضاً،ص۳۲
۳۱- مظلوم اقبال،ص۲۹۲
۳۲- زندہ رود ،ص۲۴۹ـ۲۵۰
۳۳- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۳۳
۳۴- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۵۹
۳۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۵۹
۳۶- ایضاً،ص۱۶۳
۳۷- اقبال ریویو ،جنوری۱۹۸۳،ص۴۳
۳۸- روز گار فقیر،جلداول،ص۵۹
۳۹- روح مکاتیب اقبال ،ص۲۵۱
۴۰- اقبال اور بھوپال،ص۶۶
۴۱- انوار اقبال،ص۱۱ـ۱۲
۴۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۵۹
۴۳- اقبال نامہ دوم،ص۱۵۶ـ۱۵۹
۴۴- انوار اقبال،جلد۱،ص۱۱۲
۴۵- مظلوم اقبال ،ص۲۹۵ـ۲۹۶
۴۶- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۶۰
۴۷- روح مکاتیب اقبال،ص۲۵۳۔

۴۸- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان ،ص ۳۵
۴۹- مظلوم اقبال ،ص۲۹۶
۵۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۹۵-۹۶
۵۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۱۶۶
۵۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۹۶؛اقبال کی صحبت میں ،ص۱۱۲؛ گفتار اقبال،ص۲۶۸
۵۳- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۹۸-۱۰۳
۵۴- ایضاً،ص۶۱-۶۳
۵۵- زندہ رود،ص۲۵۱
۵۶- ایضاً،ص۲۵۱-۲۵۲
۵۷- ایضاً،ص۲۵۲
۵۸- ایضاً،ص۲۵۲
۵۹- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۸۵
۶۰- اوراق گم گشتہ ،ص۱۰۴
۶۱- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۳۶
۶۲- اقبال- سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۵۷
۶۳- روح مکاتیب اقبال،ص۲۵۷
۶۴- مظلوم اقبال،ص۲۹۷
۶۵- ذکر اقبال ،ص۱۰۵-۱۰۶
۶۶- اقبال- سید سلیمان ندوی کی نظر میں ،ص۳۷
۶۷- مظلوم اقبال،ص۳۰۰
۶۸- زندہ رود،ص۲۸۵-۲۸۶
۶۹- روز گار فقیر I،ص۳۵
۷۰- زندہ رود،ص۲۱۵

۱۹۲۱ء......اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ

اعجاز احمد موسم سرما کی تعطیلات سیالکوٹ میں گزار کر واپس لاہور گئے۔ میاں جی نے پوتے کی زبانی اپنے بیٹے اقبال کو پیغام پہنچایا کہ ان کے بغیر اُن کی طبیعت اداس رہتی ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے والد ماجد کو بہ تاریخ ۳؍جنوری ۱۹۲۱ء خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ یورپ میں خریدی ہوئی ایک کتاب ان تعطیلات میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کا آغاز اور اختتام یہ فقرہ ہے: ''میری کوئی چیز نہیں، میرے لیے تمام اشیا کا وجود و عدم برابر ہے''...... یہ ساری کتاب اس جملے کی تشریح ہے اور حقیقت میں خوب ہے...... اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ ہو گیا ہے۔ مغرب والے مترجم کے دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک زبردست آواز ہے، جو مسلمانوں کو محمدؐ اور قرآن کی طرف بلاتی ہے۔ اس آواز میں صداقت کی آگ ایسی ہے کہ ہم اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے[۱]

میرٹھ کے رہنے والے ایک صاحب کے کہنے پر اعجاز احمد نے اقبال کو مجموعہ کلام کی اشاعت کے بارے میں تحریر کیا تھا۔ آپ نے بہ تاریخ ۱۰؍جنوری انگریزی میں جواب دیا اور بھتیجے کو لکھا کہ وہ خود اپنے مجموعہ کلام کی تدوین میں مصروف ہیں۔ اس لیے وہ ان کے دوست کی استدعا قبول نہیں کر سکتے[۲]

نیاز الدین نے آپ کو تحریر کیا کہ وہ مارچ میں لاہور آئیں گے۔ ۲۱؍جنوری کو اقبال نے انھیں جواب میں لکھا کہ مارچ میں ان سے ملاقات کر کے ان کو بڑی مسرت ہو گی...... اسرار خودی کے انگریزی ترجمے پر انگلستان اور امریکا کے اخباروں میں عجیب و غریب تبصرے شائع ہو رہے ہیں[۳]

۲۳؍جنوری کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ طے پایا کہ انجمن کا سالانہ جلسہ ایسٹر کی تعطیلات میں ۲۴ یا ۲۶ مارچ تک منعقد ہو گا۔ اسی اجلاس میں ۲۷ مارچ کو ہونے والی

تعلیمی کانفرنس کا اہتمام کرنے کے لیے ایک دس رکنی کمیٹی مقرر کی گئی، اقبال بھی اس کے رکن منتخب ہوئے۔ سالانہ جلسہ کے انتظام کرنے کے لیے چودہ رکنی کمیٹی میں بھی آپ رکن منتخب ہوئے۔[۴]

آپ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے جھنگ ڈسٹرکٹ بورڈ میں ملازمت کے لیے درخواست دی تھی۔ بعدازاں وہاں جانے سے معلوم ہوا کہ مہینے کا زیادہ حصہ ضلع میں دورے کرتے ہوئے گزرے گا۔ انھوں نے ملازمت کرنے سے انکار کر دیا اور لاہور بھائی کو خط لکھا۔ جواب میں آپ نے انھیں ۲۸ر نومبر کو تحریر کیا کہ اگر ملازمت کا خیال ہو تو سوائے سیالکوٹ کے دوسری جگہ کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے...... اسرار خودی کے تبصرے انگریزی زبان میں ہیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ہو جانے میں خدا کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔[۵]

نکلسن کے ترجمہ اسرار خودی پر انگلستان اور امریکا کے اخبار و رسائل میں متعدد تبصرے ہوئے۔ تاہم ایک انگریز نقاد، ڈکنسن کے چند اعتراضات نے فکر اقبال کے متعلق غلط فہمیاں پھیلا دیں۔ اس نقاد نے دعویٰ کیا کہ اقبال کا انسان کامل اور ارتقائے حیات کا تصور جرمن مفکر نطشے اور فرانسیسی مفکر برگساں کا مرہونِ منت ہے۔ ڈکنسن کا مجموعی تاثر یہ تھا کہ اقبال نے ایشیا کی پسماندہ اقوام اور خصوصاً مسلمانوں کو جنگ کی تعلیم دی ہے۔ اقبال نے نکلسن کے نام ایک طویل خط میں ان اعتراضات کا جواب دیا۔ یہ جواب آپ نے جنوری میں تحریر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں، لیکن مادی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ میں ان تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں، جن کا مقصد کشور کشائی یا ملک گیری ہو۔ میں کبھی کشمکش کو سیاسی حیثیت نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں۔[۶]

۱۷ر فروری کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ آپ نے بحیثیت سیکریٹری سب کمیٹی کی وہ رپورٹ پیش کی جو اسلامیہ کالج کے ہوسٹل کی تعمیر کے سلسلے میں قطعہ اراضی خریدنے سے متعلق تھی۔ اس اجلاس میں چھ رکنی سب کمیٹی بنائی گئی، جس کو یہ کام سونپا گیا کہ کوئی اور قطعہ زمین خریدنے کا انتظام کیا جائے۔ اقبال اس چھ رکنی کمیٹی کے رکن بھی چنے گئے۔[۷]

۹ر مارچ کو آپ نے انجمن کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ جلسہ کی صدارت بہادر شیخ امیر علی نے کی تھی۔[۸]

مارچ میں ایک مقدمے کے سلسلے میں اقبال کو پہلی بار کشمیر تشریف لے جانا تھا۔ جموں میں مقدمے کی تاریخ ۸ر مارچ ملی لیکن آپ اس تاریخ کو نہ جا سکے۔ آپ نے اپریل کی تاریخ طلب

کی جو نہ مل سکی۔ اسی اثنا شملے کا ایک مقدمہ آپ کو مل گیا جس کی تاریخ اپریل میں تھیں۔ بعد میں ریاست کی طرف سے تار موصول ہوا کہ حسب خواہش وسط اپریل ہی کی تاریخ مقرر ہوگئی ہے۔ مگر آپ شملہ کا مقدمہ قبول کر چکے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے مؤرخہ ۱۰ر مارچ بڑے بھائی کو سیالکوٹ خط لکھا اور درج بالا مقدمات کا ذکر کیا۔ ریاست نے جموں والے مقدمے کی تاریخ ۱۸ر اپریل مقرر کی تھی۔ مگر اس دن آپ کو شملہ جانا تھا۔ اس لیے اقبال نے مقدمہ واپس کر دیا۔[۹]

۱۳ر مارچ کو منشی محمد الدین فوق کے نام مکتوب تحریر فرمایا۔ اس میں اقبال نے ان کی کتاب حریت اسلام کو پنجاب کے اسلامی ادب میں قابل قدر اضافہ قرار دیا۔[۱۰]

سید سلیمان ندوی نے معارف کے شمارہ مارچ میں اسرار خودی کے نکلسن کے انگریزی ترجمہ پر تبصرہ کیا۔[۱۱]

۲۳ر مارچ کو سردار امراؤ سنگھ آپ سے ملاقات کرنے لاہور آئے۔ اگلے روز آپ نے مولانا گرامی کو خط لکھ کر بتایا کہ سردار صاحب آج شملہ جائیں گے۔ شہزادی دلیپ سنگھ انھیں دیکھنے کی مشتاق ہیں۔[۱۲]

بتاریخ ۳۰ر مارچ آپ نے بڑے بھائی کو ایک سو روپے ارسال کیے۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ اعجاز کو ساٹھ روپے کپڑے خریدنے کے واسطے دیے تھے۔[۱۳] اگلے روز آپ نے مولانا گرامی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ ظہوری کے شعر میں آپ نے جو تصرف کیا، وہ لاجواب ہے۔[۱۴]

شیخ عطا محمد اپنے بیٹے اعجاز احمد کا رشتہ جلد از جلد طے کرنا چاہتے تھے۔ جب سیالکوٹ میں ایک رشتہ پسند کر لیا تو چھوٹے بھائی اقبال کو لاہور خط لکھ کر اس کی بابت بتایا۔ آپ نے مورخہ ۱۳ر اپریل بڑے بھائی کو جواب میں لکھا کہ سیالکوٹ سے باہر بھی تلاش رشتہ ضروری ہے۔ مثلاً امرتسر، لاہور وغیرہ میں۔ میری رائے تو یہی ہے کہ ابھی تلاش جاری رکھیے۔ اچھے رشتے کی توقع ہے۔[۱۵]

اپریل کے دوسرے ہفتے اقبال نواب ارشاد علی خان کا مقدمہ لڑنے شملہ تشریف لے گئے۔ دس روز وہاں قیام رہا۔ واپس آ کر آپ نے بہ تاریخ ۲۳ر اپریل نیاز الدین کو خط لکھا اور بتایا کہ وہ شملہ میں تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبدالقادر صاحب جج ہوگئے ہیں۔[۱۶]

اگلے روز بڑے بھائی کو سیالکوٹ خط تحریر فرمایا اور بتایا کہ شملہ میں ۴۔۵ اور ۷ مئی کی تاریخوں میں مقدمات پر بحث ہوگی۔ اعجاز سے معلوم ہوا کہ آپ میونسپل انتخاب (سیالکوٹ) میں کامیاب نہیں ہوئے۔[۱۷]

۲۷ر اپریل کے خط میں بھائی سے درخواست کی کہ گھر کے لیے ملازم تلاش کیجیے۔[۱۸]

۲۸ر اپریل کو ایک مقدمے کے سلسلے میں پٹیالہ تشریف لے گئے۔ ۳۰ر اپریل تک وہاں قیام رہا۔ اقبال ایک سو روپیہ ماہوار سیالکوٹ بھیجا کرتے تھے۔ اس میں سے پندرہ روپے اپنی چھوٹی بہن، کریم بی بی کو دیا کرتے تھے۔ ۲ر مئی کے خط میں بڑے بھائی کو اطلاع دی کہ طاہر دین آج انھیں روپیہ ارسال کرے گا۔ اس میں سے پندرہ روپے ہمشیرہ کو دے دیجیے۔[۱۹]

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ۸ر مئی کو زیر صدارت مولوی محمد فضل الدین، وکیل ہائی کورٹ و نائب صدر انجمن منعقد ہوا۔ آپ بھی مذکورہ اجلاس میں شریک ہوئے۔[۲۰]

۲۱ر مئی کو آپ کے برادر نسبتی، ڈاکٹر شیخ غلام محمد ۲۹ برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ نے ڈاکٹر شیخ عطا محمد کے نام گجرات ایک تعزیتی خط تحریر کیا۔[۲۱]

اعجاز احمد ایل ایل بی کا امتحان دے کر گھر سیالکوٹ چلے گئے۔ انھوں نے وہاں سے چچا کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ کامیابی کی صورت میں انھیں کہاں پریکٹس کرنی چاہیے۔ آپ نے ۱۰ر جون کو جواب دیا کہ جون کے آخر اس کا تک نتیجہ نکل آئے گا۔ اس وقت تک تم دیوانی اور فوجداری ضابطے کا خوب مطالعہ کرو۔............... تمھارے لیے چکوال کی سب ڈویژن اچھی ہے۔ اتفاق سے وہاں کے افسران بالا مسلمان اور میرے احباب میں سے ہیں۔[۲۲]

۱۷ر جون کو نیاز الدین کے نام خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ فتح نامہ تیموری نامی کتاب کا مجھے علم نہیں البتہ تیموری ترک مشہور ہے۔ اس کی نسبت بھی بعض مورخین کو شک ہے کہ وہ تیمور کی لکھی ہوئی نہیں، تزک پڑھنے کا شوق ہو تو تزک بابری بہترین کتاب ہے۔[۲۳]

اگلے روز آپ نے بذریعہ خط ماسٹر طالح محمد مقیم جلال پور جٹاں کو تحقیق الفاظ و زبان سے متعلق ہدایت دی کہ وہ مرزا یاس عظیم آبادی، ایڈیٹر کار امروز اور مرزا عزیز لکھنوی سے خط کتابت کریں۔[۲۴]

ماہ رجون میں اقبال زندگی میں پہلی مرتبہ منشی سراج الدین کا ایک مقدمہ لڑنے کشمیر تشریف لے گئے۔ مولوی احمد دین ایڈووکیٹ اور منشی طاہر الدین آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ تقریباً دو ہفتہ تک سری نگر ٹھہرے اور ہاؤس بوٹ میں قیام فرمایا۔ مقدمہ ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں تھا، لیکن اس کا فیصلہ حسب منشا نہ ہوا۔ سری نگر میں دوران قیام آپ کو ایک اور مقدمہ مل گیا۔ یہ سری نگر کے ایک قتل

کا مقدمہ تھا۔ مجرم پھانسی سے تو بچ گیا، لیکن قید کی سزا پائی۔ فارغ اوقات میں اقبال شکارے میں بیٹھ کر جھیل کی سیر کرتے۔ احباب کے ہمراہ نشاط باغ اور شالیمار باغ میں دن گزارے۔ پیام مشرق کا ساقی نامہ نشاط باغ ہی میں بیٹھ کر تحریر فرمایا۔[۲۵]

اسرار خودی پر انگلستان کے ہفتہ وار اینتھم ۱۹۲۱ء میں پہلا تبصرہ شائع ہوا تھا۔ وہ معارف جون میں باقی شائع ہوا۔[۲۶]

سری نگر میں آپ کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی۔ ٹانگوں میں درد کی شکایت بھی رہنے لگی۔ لاہور واپس آکر آپ نے منشی سراج الدین کو بہ تاریخ ۱۱ر جولائی خط لکھا اور مطلع کیا کہ رخصت ہو کر وہ پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے چھ بجے شام کی ریل بھی مل گئی تھی۔[۲۷]

۱۳ر جولائی کے زمیندار میں مولانا گرامی کی ایک غزل اقبال کو پڑھنے کا موقع ملا۔ اگلے روز آپ انھیں خط لکھا اور بتایا کہ کشمیر سے بیمار ہو کر واپس آیا ہوں۔ ٹانگ میں درد ہے، جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بھی دقت ہے۔[۲۸]

مولوی سید میر حسن پنجاب یونی ورسٹی کے ممتحنوں میں سے تھے۔ یونی ورسٹی کی طرف سے جب معاوضے کی ادائیگی بروقت نہ ہوئی تو میر صاحب نے شیخ عطا محمد سے درخواست کی کہ وہ لاہور اقبال کو اس بابت لکھیں۔ شیخ عطا محمد نے اقبال کو اس سلسلے میں لکھ دیا۔ اقبال نے ۱۷ر جولائی کو جواب دیا کہ یونی ورسٹی نے ان کے روپے بھیج دیے ہیں۔ مولوی صاحب کی طبیعت خراب تھی۔ اقبال نے اپنے برادر کو تحریر فرمایا کہ ان کی طرف سے شاہ صاحب کی خیریت دریافت کرلیں۔ میر صاحب تندرست ہوئے تو آپ نے اقبال کو اپنی خیریت بذریعہ خط بتائی۔[۲۹]

مولانا گرامی نے اقبال کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ وہ ان کی عیادت کرنے لاہور آرہے ہیں۔ لیکن مولانا بوجوہ نہ آسکے۔ ۲۰ر جولائی کو اقبال نے مولانا کے نام خط میں لکھا کہ اب قدرے آرام ہے، گو حرکت میں ابھی تک اشکال ہے۔ اگر میں لاہور میں فوت ہوا اور آپ اس وقت میاں میر میں ہوئے، تو میں اپنے ورثا کو وصیت کر جاؤں گا کہ مولانا گرامی کو اطلاع نہ دی جائے۔ اسی خط میں آپ نے فارسی کا ایک قطعہ بھی تحریر فرمایا جو بیماری کے عالم میں گزشتہ رات ذہن میں آیا تھا۔

بانویسندہ کردار چناں گفت شریف
اے کہ از خامۂ تو کار جزا را تاسیس[۳۰]

سری نگر میں منشی سراج الدین کے مقدمے کا فیصلہ ان کے حق میں نہ ہوسکا۔ بعدازاں سیٹھ کریم بخش نے اقبال کو فیصلے کی نقل بھیج دی۔ اس سلسلے میں آپ نے مؤرخہ ۱۳راگست منشی صاحب کو سری نگر خط تحریر فرمایا کہ ہائی کورٹ میں فیصلے کے خلاف چارہ جوئی ہوسکتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمے کا فیصلہ آپ کے حق میں نہیں ہوسکا۔[۳۱]

اگلے روز آپ نے انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔[۳۲]

اقبال جب سری نگر سے واپس آئے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہی تھی۔ احباب کے مشورے سے آپ تبدیلی آب و ہوا کے لیے شملہ چلے گئے۔ مگر وہاں پہنچتے ہی طبیعت اور زیادہ بگڑ گئی۔ اس لیے چار پانچ روز قیام کرنے کے بعد واپس لاہور چلے آئے۔[۳۳]

مثنوی کے انگریزی ترجمے پر امریکی ادیب و نقاد، ہربرٹ ریڈ نے تبصرہ کیا جو رسالہ نیو ایج میں ۲۵راگست کو شائع ہوا۔ انھوں نے اقبال کا موازنہ مشہور امریکی فلسفی شاعر، وٹمین سے کرتے ہوئے تحریر کیا کہ مثنوی نے ہندی مسلم نوجوانوں کے خیالات میں محشر برپا کر دیا ہے...... انھیں انسان کامل کے تخیل کی صداقت کا نطشے یا وٹمین کی نسبت زیادہ وثوق سے ادراک ہے''۔[۳۴]

۳۰راگست کو وحید احمد مسعود بدایونی کے نام مکتوب میں اقبال نے تحریر کیا کہ اب کسی قدر اچھا ہوں۔ اگر ہندوستان کی بیداری کی تاریخ میں میرا نام تک بھی نہ آئے تو مجھے قطعاً اس کا ملال نہیں۔

وحید صاحب اپنے رسالہ نقیب کے لیے اقبال پر ایک مضمون لکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے آپ کو اس سلسلے میں خط لکھا۔ جواب میں آپ نے بہ تاریخ ۷رستمبر انھیں تحریر فرمایا کہ اگر آپ کو مضمون لکھنے کی زحمت گوارا کرنی ہی ہے تو ایک رباعی حاضر کرتا ہوں، اس پر لکھیے۔

تو اے کودک منش خود را ادب کن

......حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا۔[۳۵]

۹رستمبر کو اکبر الہ آبادی اس فانی دنیا سے عالم بقا کو سدھار گئے۔ مرحوم اقبال کے عزیز دوست تھے۔ اقبال جب کبھی الہ آباد جاتے تو انھی کے ہاں قیام کرتے تھے۔ اقبال نے ۱۳رستمبر کو ان کے صاحبزادے سید عشرت حسین کے نام تعزیتی تار بھجوایا۔[۳۶]

اس موقع پر گرامی نے اقبال کے نام خط لکھ کر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار فارسی اشعار کی صورت میں کیا۔ آپ نے ۱۶رستمبر کے خط میں مولانا کو تحریر فرمایا کہ اکبر مرحوم کے انتقال سے میری طبیعت پہلے ہی افسردہ تھی۔ (آپ کے) مصرع نے نشتر کا کام کیا...... اکبر مرحوم بے نظیر آدمی

تھے۔ وہ اپنے رنگ میں پہلے اور آخری شاعر تھے، مگر شاعری چھوڑ کر روحانیت میں بھی ان کا پایہ کم بلند نہ تھا۔[۳۷]

۲۵ ستمبر کو اقبال انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شریک ہوئے۔[۳۸]

معارف ستمبر میں سجاد علی انصاری نے ڈکنسن کے تبصرے کا اردو میں ترجمہ کیا۔[۳۹] ڈکنسن نے لندن کے ہفتہ وار اخبار نیشن میں تبصرہ کیا تھا۔

۵ اکتوبر کو آپ نے سید سلیمان ندوی سے مسٹر ڈکنسن کا انگریزی تبصرہ طلب فرمایا۔ اقبال نے خط میں فرمایا کہ اگر آپ کے پاس رسالہ نیشن [Nation] موجود ہو جس میں انگریزی تبصرہ شائع ہوا تھا، تو ایک آدھ روز کے لیے بھیج دیجیے...... کیا حکمائے صوفیہ اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے؟[۴۰]

۱۱ اکتوبر کو آپ نے مہاراجا کشن پرشاد کے نام خط میں لکھا کہ سال گزشتہ نقرس نے بہت پریشان و مضمحل رکھا۔ امسال کشمیر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں سے اسی مرض میں مبتلا ہو کر واپس آیا۔ سرکار نے میرا ترجمہ ''گائتری'' پسند فرمایا، میرے لیے یہ بات سرمایہ فخر و امتیاز ہے...... اب گیتا کا اردو ترجمہ کرنا چاہتا ہوں۔ فیضی نے اس کے فارسی ترجمہ میں مضامین اور انداز بیان کے ساتھ بالکل انصاف نہیں کیا۔ بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ فیضی ''گیتا'' کی روح ہی سے ناآشنا ہے...... ناگپور کے بزرگ مولانا تاج الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد ہے۔[۴۱]

مہاراجا صاحب نے جواب میں آپ کو سفر نامہ ناگپور ارسال کر دیا۔ اس کتاب میں بابا تاج الدین ناگپوری کا تفصیلی ذکر موجود تھا۔ ۲۷ اکتوبر کو اقبال پیچش میں مبتلا ہو گئے۔ دوران بیماری آپ گھر ہی پر رہے۔ اسی روز آپ نے بذریعہ خط مہاراجا صاحب کے عارضے سفر نامہ ناگپور موصول ہونے کی اطلاع دی۔[۴۲]

تحریک ترک موالات سال بھر سے جاری تھی۔ اس دوران بعض مسلم قائدین کو خیال آیا کہ خلافت کانفرنس نے کانگریس سے اتحاد کر کے مسلم لیگ کی اہمیت ختم کر دی ہے۔ آغا خان ایک طرف تو تحفظ خلافت کی حمایت میں بیانات دینے لگے، دوسری طرح محمد علی جناح کے ذریعے احیائے مسلم لیگ کی کوششیں تیز تر کر دیں۔ اقبال نے اس محکومانہ سیاسی حکمت عملی کو تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور ''صدائے لیگ'' کے عنوان سے چند اشعار کہے جو زمیندار میں بہ تاریخ ۹ نومبر کو شائع ہوئے۔ ان اشعار میں آپ نے آغا خان اور محمد علی جناح پر چوٹ فرمائی:

لندن کے چرخ نادرہ فن سے پہاڑ
اترے مسیح بن کے محمد علی جناح[۴۳]

۱۸ تا ۲۰ رنومبر کو جمعیۃ العلمائے ہند کا اجلاس بریڈلے ہال لاہور میں منعقد ہوا۔ جلسے میں داخلہ بذریعہ دعوت نامہ تھا۔ ہجوم بہت تھا، تمام علما اور مندوبین ہال کے عقبی دروازے سے داخل ہوئے۔ اقبال کے ساتھ عبداللہ چغتائی بھی شریک جلسہ تھے۔ اس جلسہ میں چغتائی نے سید انور شاہ کا تعارف اقبال سے کرایا۔[۴۴]

۲۸ رنومبر کو اقبال نے سید سلیمان ندوی سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ کیا کتب خانہ بانکی پور سے ایک قلمی کتاب عاریۃً مل سکتی ہے؟ اسی روز آپ کو سید صاحب کا کارڈ موصول ہوا۔[۴۵]

۴ ردسمبر کو آپ نے انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ صدارت نائب صدر مولوی محمد فضل الدین کر رہے تھے۔[۴۶]

۸ ردسمبر کو نیاز الدین کا تحریر کردہ خط موصول ہوا۔ اسی روز اقبال نے انھیں جواب دیتے ہوئے لکھا کہ سردار امراؤ سنگھ شملہ بلا رہے ہیں...... آپ کے کبوتر اپنے بچوں کی پرورش سے بہت بےزار ہیں۔[۴۷]

۱۳ ردسمبر کو نیاز الدین کے چھوٹے بھائی آپ سے ملاقات کرنے لاہور آئے۔ اسی روز آپ کو نیاز الدین کا ایک اور خط موصول ہوا۔[۴۸]

اعجاز احمد ایل ایل بی کے امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ اب اقبال نے انھیں ہدایت دی کہ چکوال کے بجائے سب سے پہلے سیالکوٹ میں پریکٹس کرنا بہتر ہے۔ اعجاز نے سیالکوٹ کی عدالت میں پریکٹس شروع کردی۔ ساتھ ہی وہ نوجوان وکلا کے ساتھ تحریک خلافت میں حصہ لینے لگے۔ اس صورت حال سے گھبرا کر اعجاز احمد کے والد نے اقبال کو لاہور خط لکھا تاکہ آپ بھتیجے کو سمجھا سکیں۔ آپ نے ۱۴ دسمبر کو جواب میں تحریر فرمایا کہ اعجاز کو چاہیے، وہ پہلے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے پھر ملک کی تحریکوں میں حصہ لے...... خلافت کمیٹیوں کے بعض رکن ہر جگہ قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ وہ بظاہر جوشیلے مسلمان معلوم ہوتے ہیں، لیکن باطنی طور پر اخوان الشیاطین ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کے سیکریٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔[۴۹]

۲۵ ردسمبر کو آپ نے مولانا گرامی کے نام فارسی کی ایک غزل ارسال فرمائی۔ اس کے مقطع کے بارے میں تحریر کیا کہ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں یہ بارگاہ نبویؐ میں مقبول ہوا۔[۵۰]

۳۰؍دسمبر کے مکتوب میں اقبال نے مولانا گرامی کو لکھا کہ آپ کی رباعی کی داد دینا بھول گیا۔ آپ نے ایک نہایت طویل وعریض مضمون کو ایک مصرع میں نظم کر دیا۔ سلطان ابوالخیر کی روح بھی تڑپ اٹھی ہوگی۔[۵۱]

میاں بشیر احمد ماہ دسمبر میں اردو کا ایک رسالہ ہمایوں جاری کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک نظم کی استدعا کی۔ اقبال نے جواب میں فرمایا کہ تم رسالہ کیوں نکالتے ہو؟ اردو کے رسالے تو نکلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔ تم اردو لٹریچر کے لیے کوئی اور زیادہ مفید کام کرو۔ میاں بشیر احمد کے پوچھنے پر فرمایا کہ تم فرانسیسی زبان سے واقف ہو، گارسین دتاسی کی تصانیف کو اردو میں منتقل کر دو...... چند روز بعد آپ نے ہمایوں کے لیے ایک نظم روانہ کر دی۔[۵۲]

پروفیسر شیخ غلام محمد طور سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مرے کالج اور علی گڑھ کالج میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ دہلی کے ایک ناشر، نسیم ایجنسی نے اس سال ان کا مجموعہ کلام کلام طور شائع کیا۔ اقبال نے اس پر تبصرہ فرمایا۔[۵۳]

پروفیسر براؤن نے رسالہ ایشیا ٹک سوسائٹی لندن میں اسرار خودی کے ترجمے پر تبصرہ فرمایا۔[۵۴]

اٹلی کے فاضل، اے بونوچی (A. Bonnoci) نے ڈاکٹر نکلسن کے انگریزی ترجمہ کا اطالوی زبان میں ترجمہ کیا۔[۵۶]

ظفر برادرز لاہور نے اس سال روایات اسلام شائع کی۔ اس میں اقبال کی نظم مثنوی ''صدیقؓ'' بھی شامل ہے۔[۵۲]

اس سال آپ نے پروفیسر نکلسن کو ایک خط لکھا جس میں اسرار خودی پر ڈکنسن کے اعتراضات کا شافی جواب دیا۔[۵۷]

نواب ذوالفقار علی نے لدھیانہ میں ایک گنج بنایا تو آپ نے تاریخ کہی:

برزمیں خلد بریں آراستہ۔ اس سے ۱۹۲۱ء کا سال نکلتا ہے۔[۵۸]

اس برس سر محمد شفیع کی کوششوں سے شادی لعل پنجاب چیف کورٹ کے چیف جسٹس بن گئے۔ اب انھوں نے محمد شفیع کے گھرانے کو اپنا حریف سمجھ لیا کیونکہ اقبال کے اس گھرانے سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ ایک بار شادی لعل نے مرزا جلال الدین سے آپ کے متعلق کہا کہ محمد شفیع انھیں ناپسند کرتے ہیں۔ اگر اقبال میرے ساتھی بن جائیں تو بہت اچھا ہے۔ مرزا صاحب نے

آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''مرزا صاحب! شادی لال اپنا الوسیدھا کرنا چاہتا ہے، ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ اس جھگڑے میں پڑیں۔ ہم اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔[۵۹]

نورالٰہی محمد عمر نے روح سیاست و جان ظرافت کے نام لیے ایک ڈراما اسٹیج پر پیش کرنے کے لیے لکھا تھا۔ آپ نے اس ڈرامے کو اردو ادب میں نہایت مفید اضافہ قرار دیا۔[۶۰]

رسالہ اینتھم میں اسرار خودی پر مشہور انگریزی ادیب، ای ایم فورسٹر نے تبصرہ کیا۔ عبداللہ چغتائی مذکورہ شمارہ پنجاب پبلک لائبریری سے لے کر اپنے بھائی عبدالرحمٰن چغتائی کے ہمراہ اقبال سے ملے اور آپ کو رسالہ دکھایا۔ آپ نے یہ شمارہ نہیں دیکھا تھا۔ تبصرہ پڑھ کر بڑے خوش ہوئے۔[۶۱]

اس سال آپ کی آمدنی ۸۶۸۹ روپے رہی۔ اس پر اقبال نے حکومت کو دوسو بہتّر روپے اور آٹھ آنے ٹیکس ادا کیا۔[۶۲]

❋......❋......❋

حواشی

۱- مظلوم اقبال، ص۲۹۸-۲۹۹
۲- مظلوم اقبال، ص۳۰۰-۳۰۱
۳- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص۳۶۵
۴- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۶۴
۵- مظلوم اقبال، ص۳۰۴
۶- زندہ رود، ص۲۳۹-۲۴۰
۷- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۱۸۵-۶۵
۸- ایضاً ص۱۸۵
۹- مظلوم اقبال، ص۳۰۵-۳۰۶
۱۰- انوار اقبال، حاشیہ ص۷۰
۱۱- اقبال- سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۳۸
۱۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۱۷۰

۱۳- مظلوم اقبال ،ص۳۰۷
۱۴- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۱۷۴
۱۵- مظلوم اقبال ،ص۳۰۸-۳۰۹
۱۶- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان ،ص۳۷
۱۷- مظلوم اقبال ،ص۳۰۹
۱۸- ایضاً ،ص۳۱۰
۱۹- ایضاً ،ص۳۱۰-۳۱۱
۲۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۳۷
۲۱- ڈاکٹر منیر احمد سلیچ ،اقبال اور گجرات ،سلیچ پبلی کیشنز ، گجرات ،۱۹۹۸ ،ص۱۲۷-
۲۲- مظلوم اقبال ،ص۳۱۳
۲۳- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان ،ص۳۸
۲۴- روح مکاتیب اقبال ،ص۲۶۲
۲۵- زندہ رود ،ص۲۵۷
۲۶- اقبال کی صحبت میں ،ص۱۰۱
۲۷- انوار اقبال ،ص۱۶۰-۱۶۱
۲۸- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۱۷۵-۱۷۶
۲۹- مظلوم اقبال ،ص۳۰۲
۳۰- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۱۷۶
۳۱- انوار اقبال ،ص۱۶۱-۱۶۲
۳۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۱۸۵
۳۳- اوراق گم گشتہ ،ص۱۷۷
۳۴- زندہ رود ،ص۲۴۰
۳۵- اوراق گم گشتہ ،ص۲۷۷-انوار اقبال ،ص۱۷۶
۳۶- انوار اقبال ،ص۱۹۶-؛اکبر الہ آبادی ،تحقیق وتنقید ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ،ص۵۰
۳۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۱۷۶
۳۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۱۸۵
۳۹- اقبال کی صحبت میں ،ص۱۰۲
۴۰- اقبال- سید سلیمان ندوی کی نظر میں ،ص۱۵۸
۴۱- اقبال بنام شاد ،ص۲۵۶-۲۵۸

۴۲- ایضاً،ص۲۶۳
۴۳- زندہ رود،ص۲۵۸
۴۴- اقبال کی صحبت میں،ص۱۲۴۔۱۲۶
۴۵- اقبال- سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۵۹
۴۶- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۸۵
۴۷- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان،ص۳۸
۴۸- ایضاً،ص۳۹
۴۹- مظلوم اقبال،ص۳۱۴
۵۰- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۷۹
۵۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۸۳
۵۲- ملفوظات اقبال،ص۴۶
۵۳- انوار اقبال،ص۳
۵۴- اقبال کی صحبت میں،ص۱۰۴
۵۵- ایضاً،ص۱۰۴
۵۶- اوراق گم گشتہ،ص۳۳
57- Latif Ahmed, *Speeches, Writings & Statements of Iqbal*, p. 189.
۵۸- اقبال کی صحبت میں،ص۲۲۳
۵۹- زندہ رود،ص۲۸۶
۶۰- روح مکاتیب اقبال،ص۲۶۳
۶۱- اقبال کی صحبت میں،ص۱۰۴
۶۲- زندہ رود ،ص۲۱۵

۱۹۲۲ء...... بیماریوں کی زد میں

۵ جنوری ۱۹۲۲ء کو مولانا گرامی کا خط اقبال کے نام موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز مولانا کو جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ آپ کے شعر:

کتاب عقل ورق در ورق فرو خواندیم
تمام حیلہ فروشی و مدعا طلبی است

نے مجھے تڑپا دیا۔ مضمون میرے حسب حال تھا۔ تمام عمر کتابوں کی ورق گردانی میں گزری اور آخر میں یہ معلوم ہوا کہ کتاب حیلہ فروشی اور مدعا طلبی کے سوا کچھ نہیں۔ عقل تو اس سے بڑھ جاتی ہے، مگر دل روشن نہیں ہوتا۔ اگر آپ تشریف لانا چاہتے ہیں، تو میں علی بخش کو جالندھر بھیج دوں۔[۱]

علی بخش اپنے ایک کام کے سلسلے میں ہوشیار پور جانا چاہتا تھا۔ آپ نے اسے روک لیا کہ شاید مولانا گرامی اس کے ہمراہ لاہور آنے کا فیصلہ کرلیں۔ ۶ ر جنوری کو آپ نے مولانا صاحب کو اسی سلسلے میں خط لکھا۔[۲]

اسی روز آپ نے شیخ عطاء اللہ کو بھی ان کے خط کا جواب دیا اور لکھا کہ بوجہ تعلقات دیرینہ آپ کے خط نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا ہے...... زاویہ نشینی کی وجہ سے قرآن کریم پر غور و خوض کرنے کا بہتر موقع ملتا ہوگا۔[۳]

نواب ذوالفقار علی دہلی جانا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مولانا گرامی ان کے جانے سے قبل لاہور تشریف لے آئیں۔ اس لیے علی بخش ۱۰ ر جنوری کو منگل کی صبح ہوشیار پور کے لیے روانہ ہوگیا۔ اقبال نے اسے تاکید کردی کہ وہ صرف ایک دن ہوشیار پور میں قیام کرے۔ اسی دن آپ نے بذریعہ خط مولانا گرامی کو مطلع کر دیا کہ علی بخش ۱۱ ر جنوری، بدھ کی شام ان کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ ۱۲ ر جنوری یعنی جمعرات کے روز آپ وہاں سے لاہور کے لیے سوار ہو جائیں۔[۴]

انھی دنوں سید علی امام کے چھوٹے بھائی سید حسن امام ایک مقدمے کے سلسلے میں لاہور

آئے۔ وہ اقبال سے ملاقات کرنے ان کے گھر آئے۔[5]

حسب خواہش مولانا گرامی علی بخش کے ہمراہ لاہور آ گئے۔[6]

۱۴ رجنوری کو نیاز الدین کے دو خطوط کا جواب دیتے ہوئے اقبال نے تحریر فرمایا کہ نبی کریمؐ کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تا کہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے۔[7]

اعجاز احمد چار پانچ ماہ سے سیالکوٹ میں پریکٹس کر رہے تھے۔ ایک دن سید میر افضل علی، انکم ٹیکس کلکٹر نے ان سے ذکر کیا کہ محکمہ انکم ٹیکس کلکٹر میں دو ایک اسامیاں نکلنے والی ہیں۔ ان دنوں اقبال کے دوست، مسٹر ارلنگ انکم ٹیکس کمشنر تھے۔ ملازمت حاصل کرنے کے سلسلے میں اعجاز احمد نے چچا جان کو خط لکھا۔ اقبال نے ۱۷ رجنوری کو جواب دیا اور بھتیجے کو بتایا کہ انگریز صرف ان لوگوں کو ملازمت دیتے ہیں، جنھوں نے زمانہ جنگ میں کوئی خدمت کی ہو۔ نواب صاحب (ذوالفقار علی خان) بھی چودھری محمد حسین کے لیے کوشش کر رہے تھے، مگر انھیں ناکامی ہوئی۔ تاہم اقبال نے اعجاز احمد کو لکھا کہ وہ خود ارلنگ صاحب سے بات کریں گے اور نواب صاحب سے بھی کہلوا دیں گے۔[8]

جواب میں اعجاز احمد نے آپ کو خط تحریر کیا کہ اسامیوں کی خبر بالکل درست ہے۔ آپ نے انھیں ہدایت دی کہ اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل مسٹر ہنری مارٹن اور پنجاب یونی ورسٹی کے وائس چانسلر مسٹر وکز سے سندات حاصل کر لیں۔[9]

مولانا گرامی لاہور میں آپ کے ہاں ہفتہ عشرہ رہ کر واپس چلے گئے۔ جالندھر پہنچ کر انھوں نے آپ کو خط لکھا جو بہ تاریخ ۲۵ رجنوری وصول ہوا۔ مولانا صاحب نے اپنی ایک غزل بھی کسی اخبار میں اشاعت کے لیے ارسال کی۔ آپ نے اسی روز مولانا گرامی کو جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ ایسی اچھی غزل مخزن یا کسی اور رسالے میں شائع ہونی چاہیے۔ اخبار اس کے قابل نہیں۔ آپ کے چلے جانے سے غزل خوانی کی تحریک افسردہ ہو کر ختم ہو گئی۔ اقبال آپ کا پیر نہیں بلکہ گرامی پیر اقبال ہے۔ اسی روز یعنی ۲۵ جنوری کی صبح مولانا گرامی سے ملنے مرزا سلطان احمد اقبال کے گھر پہنچے لیکن پتہ چلا کہ وہ تو واپس اپنے گھر ہوشیار پور چلے گئے ہیں۔[10]

۲۷ رجنوری کو مسٹر ڈارلنگ کی بیوی کا خط اقبال کو موصول ہوا۔ اس نے بہ تاریخ ۵ رفروری آپ کو اپنے ہاں دوپہر کے کھانے پر بلایا تھا۔[11]

محمد منیر اکبر کی طرف سے آپ کو ملا صدر الدین شیرازی کی تحریر کردہ تفسیر قرآن موصول ہوئی۔ ۳۰رجنوری کے خط میں آپ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ یہ بھی فرمایا کہ عصر آزادی میں ان کی دونوں نظمیں دلآویز ہیں...... عرصہ دراز سے میرا ارادہ ہے کہ فارسی میں ایک انٹرنس کورس ترتیب دیا جائے۔ جدید فارسی نظم ونثر کے کچھ عمدہ اور آسان نمونے مل جائیں تو وہ یہاں کے طلبہ کے لیے مفید رہے گا۔[۱۲]

۳رفروری کو اقبال نے مہاراجا صاحب کے خط کا جواب دیا اور تحریر کیا کہ شہزادہ عالی مقام فروری کے آخر میں لاہور میں جلوہ افروز ہوں گے......شاید کچھ عرصے کے لیے مجھے ہندوستان سے باہر جانا پڑے۔[۱۳]

۵رفروری کو اقبال انکم ٹیکس کمشنر کی بیوی کی دعوت پر کھانے میں شریک ہوئے۔ موقع پاکر اعجاز احمد کے لیے انکم ٹیکس کلکٹر کی اسامی کے لیے سفارش بھی کر دی۔ یہ بھی حوالہ دیا کہ اعجاز احمد کے والد انگریزی فوج کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اقبال کی کوشش بر آئی اور اعجاز احمد ملازمت کے لیے منتخب ہو گئے۔ تین ماہ کی تربیت کے لیے انھیں پشاور تعینات کر دیا گیا۔[۱۴]

۶رفروری کو مولانا گرامی کے نام مکتوب میں اقبال نے لکھا کہ میں نے غزل تنقید ہی کے لیے آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی، اس پر خوب تنقید کیجیے۔ پھر میں اس پر ان شاء اللہ نظر ثانی کروں گا۔ سردار امراؤ سنگھ شملہ سے دو ماہ کے لیے لاہور آ گئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں......اپنے دوست صفدر علی شاہ صاحب کا کام کرانے کے لیے آپ کو خود نواب صاحب کے ذریعے افسر مالی سے ملنا ہوگا، کیونکہ دنیاوی معاملات میں شاعر کا وجود اس کے کلام سے زیادہ ضروری ہے۔[۱۵]

۸رفروری کو سردار امراؤ سنگھ اقبال سے ملاقات کرنے آئے۔ دیر تک مولانا گرامی کا ذکر ہوتا رہا اور شعر بازی ہوتی رہی۔ اس روز اقبال شہزادی دلیپ سنگھ کے ہاں تشریف لے گئے اور چائے نوش فرمائی۔[۱۶]

مولانا گرامی کا خط موصول ہوا تو ۹رفروری کو آپ نے انھیں جواب میں تحریر فرمایا کہ غزل کے تمام اشعار پر تنقید کیجیے۔ آپ نے تو صرف ایک شعر پر تنقید کی ہے۔ مجھے تو آپ کی تعریف سے اس قدر خوشی نہیں ہوتی جتنی اعتراض سے، کیوں کہ تنقید سے میرے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ مذکورہ خط میں ہی اقبال نے گرامی صاحب کے متعلق لکھا کہ گرامی کا جسم جہان سے رخصت ہو سکتا

ہے، مگر گرامی اس جہاں میں رہے گا۔ وہ ایک زندہ ہستی ہے، اسے فنا نہیں۔[۱۷]

مذکورہ خط سپرد ڈاک کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ مولانا گرامی ۲۱ رفروری کو لاہور آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اگلے روز انھیں تحریر فرمایا کہ اگر واقعی آپ لاہور آنا چاہتے ہیں، تو علی بخش کو جالندھر بھیج دیا جائے تاکہ وہ انھیں لاہور لے آئے؟[۱۸]

نیاز الدین نے آپ کو تحریر کیا کہ فلسطین کے سفر کے لیے انھیں ضرور جانا چاہیے۔ یاد رہے، اقبال کو حکومت نے مقامات مقدسہ فلسطین و شام سے متعلق ایک کمیشن کا رکن بنانا چاہا تھا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔[۱۹]

۱۷ رفروری کو مولانا گرامی کا خط موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب لکھا کہ پرائی بات میں قیاس نہیں چل سکتا، اس کے لیے بھی سند نکالنی ہوگی۔ اگر حکومت نے اصرار کیا اور وہ تمام دقتیں رفع ہو گئیں تو سفر کا قصد کر لوں گا۔ اس دوران آپ سے ملنے جالندھر بھی آؤں گا۔[۲۰]

انجمن حمایت اسلام کی قائم کردہ مدارس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۹ فروری میں آپ نے شرکت فرمائی۔[۲۱]

انھی دنوں مہاراجا صاحب کا خط موصول ہوا۔ ۲۲ رفروری کو آپ نے انھیں جواب دیتے ہوئے بتایا کہ مالی مشکلات سے مجبور ہو کر رائل کمیشن میں شامل ہونے سے انکار کیا ہے۔ کمیشن کا کام قریباً دو سال رہے گا۔ اجلاس کے لیے ہر سال فلسطین جانا پڑے گا اور میں ایک بڑی مالی قربانی دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔[۲۲]

۱۲ مارچ کو پیرزادہ غلام احمد مہجور کے نام خط میں اقبال نے لکھا کہ انھیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی، آپ تذکرہ شعرائے کشمیر لکھنے والے ہیں۔ میں بھی کئی برس سے دوسروں کو اس موضوع پر لکھنے کی تحریک دے رہا ہوں، مگر افسوس کسی نے ادھر توجہ نہ دی، کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر میں فارسی شعرا کی تاریخ لکھیں۔[۲۳]

۱۸ رمارچ کو محمد نیاز الدین کو تحریر فرمایا کہ پہلے کی نسبت اب کچھ افاقہ ہے۔[۲۴]

۲۳ رمارچ کو مولانا گرامی کے نام مکتوب میں لکھا کہ چلنے پھرنے سے قاصر ہوں۔ انگریزی دوائی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آج سے حکیم اجمل خان صاحب کی دوا شروع ہے، جو کل دہلی سے آئی تھی۔ آج پندرہ روز ہو گئے کہ گھر سے نیچے نہیں اتر سکا۔[۲۵]

۱۱ اپریل کو بمبئی سے ایک عربی کا خط ملا۔ موصوف نے آپ سے اسرار خودی کو عربی

میں ترجمہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ اسی روز گورداسپور سے ایک حکیم صاحب آپ سے بغرض ملاقات تشریف لائے۔ انھوں نے آپ کو ایک دوا دی جس سے آپ نے کچھ افاقہ محسوس کیا۔ حکیم اجمل خان کی دوا زیادہ مفید ثابت نہ ہو سکی۔ ۱۱،۱۲/اپریل کو زمیندار اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ شیخ محمد اقبال بروز ۱۶/اپریل، اتوار کی شام آٹھ بجے بعد نماز مغرب اردو نظم ''خضر راہ'' پڑھیں گے۔ مولانا گرامی کے نام ۱۲/اپریل کے خط میں اقبال نے ان تمام باتوں کا ذکر کیا۔[۲۶]

اسی روز آپ نے ضیاء الدین برنی کو تحریر فرمایا کہ انھوں نے جہاں آرا بیگم کی سوانح عمری بہت اچھی لکھی ہے۔[۲۷]

تیسرا خط مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کو تحریر فرمایا اور انھیں بتایا کہ وہ کہیں باہر جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ انھیں جب فرصت ہو، برائے ملاقات تشریف لا سکتے ہیں۔[۲۸]

اس سال انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ اسلامیہ ہائی اسکول شیرانوالہ گیٹ کے صحن میں ہوا۔ آپ نواب ذوالفقار علی خان اور مہر عبدالقادر کے ساتھ ۱۶/اپریل کی شام اجلاس میں شریک ہوئے۔ آپ نے ترنم کے ساتھ ''خضر راہ'' نظم پڑھی۔ اس نظم میں آپ نے ملت اسلامیہ کی یاس و نومیدی اور یورپ کی غلامی کا بڑی خوبصورتی سے نقشہ کھینچا۔ جب آپ نے یہ مصرع پڑھا:

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰؐ

تو سامعین کے دل میں دکھ درد کی جو کیفیت پیدا ہوئی، اس کا تمام و کمال اظہار مشکل ہے۔

جب آپ اس شعر پر پہنچے:

ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز

تو خود اقبال کو بھی ضبط کا یارا نہ رہا، آپ شدتِ جذبات کے باعث تھوڑی دیر کے لیے رک گئے۔ آنکھیں اشک بار، سننے والے بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔ بعض کی تو چیخیں نکل رہی تھیں۔[۲۹]

۱۷/اپریل کو مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام خط میں لکھا کہ مجھے آپ سے قلبی تعلق ہے۔ آپ کا خط ملے تو مجھے مسرت ہوتی ہے۔ پیام مشرق اپریل کے آخر تک شائع ہو جائے گی۔

میرے ایک سکھ دوست اسرار خودی کا بھگوت گیتا سے مقابلہ کر رہے ہیں۔[۳۰]

سری نگر کا رہنے والا رحمان نامی شخص ایک قتل کے مقدمے میں ماخوذ تھا۔ اس کا مقدمہ اقبال نے لڑا تھا۔ اس کے مقدمے کا فیصلہ ہو گیا۔ پھانسی سے تو وہ بچ گیا مگر قید کی سزا ہو گئی۔ مفتی سراج الدین نے آپ کو فیصلے سے آگاہ کیا تو آپ نے ۲۰ راپریل کے خط میں پیش کش کی کہ اگر رحمان راہ کے وارث اپیل کرنا چاہتے ہیں تو وہ بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل لکھ دیں گے۔[۳۱]

اسی روز آپ نے سید سلیمان ندوی کو تحریر فرمایا کہ متکلمین میں سے بعض نے علم مناظر و مرایا کی رو سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رؤیت ممکن ہے۔ یہ بحث کہاں مل سکتی ہے؟...... نیز مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم کیا ہے؟

ہر کجا ہنگامہ عالم بود
رحمۃ للعالمینے ہم بود[۳۲]

۲۲ راپریل اقبال نے روزنامہ زمیندار لاہور کے منیجر شفاعت اللہ خان کے نام خط میں اخبار کے لیے چھ اشعار ظریفانہ بعنوان ''اتحاد'' بغرض اشاعت روانہ کیے۔ آپ نے آخری شعر کی اس طرح تصحیح فرمائی۔

مندر سے تو بیزار تھا پہلے ہی سے بدری
مسجد سے نکلتا نہیں مسیتا[۳۳]

۱۵ رمئی کو اقبال کی رہائش گاہ پر بورڈ آف اسٹڈیز عربی فارسی کا اجلاس آپ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔[۳۴]

اعجاز احمد انکم ٹیکس کلکٹر کی تربیت پانے کے لیے اپنے ماموں، غلام نبی، سب ڈویژنل آفیسر ملٹری ورکس جمرود چھاؤنی میں رہائش پذیر تھے۔ وہ سائیکل پر روزانہ پشاور میں واقع انکم ٹیکس کے دفتر جاتے تھے۔ ماہ رمضان میں بھی انھیں سائیکل پر سفر کرنا پڑتا۔ اس باعث انھیں اختلاج قلب کی شکایت ہو گئی۔ اقبال کو اس کی خبر ملی تو آپ نے بہ تاریخ ۱۲ رمئی اعجاز احمد کو لکھا کہ مجھے بھی زمانہ طالب علمی میں اسی قسم کی شکایت ہو گئی تھی، اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔[۳۵]

۱۴ رمئی کے خط میں اقبال نے سید سلیمان ندوی کو مطلع کیا کہ میرا مسلک وہی ہے جو قرآن کا ہے۔[۳۶]

نیاز الدین کا مکتوب موصول ہوا۔ آپ یونی ورسٹی کے امتحانی پرچوں کی پڑتال میں مصروف

تھے، اس لیے جواب نہ دے سکے۔ ۱۵ رمئی کو ان کا دوسرا خط ملا۔ جواب میں آپ نے پہلے خط کا جواب نہ دینے کی وجہ تحریر فرمائی۔ یہ بھی لکھا کہ میں نے سید صفدر علی شاہ کے ہاتھ آپ کے لیے ''خضرِ راہ'' کی نقل ارسال کی تھی، تعجب ہے کہ وہ آپ تک نہیں پہنچی۔ آپ کے فارسی اشعار بہت عمدہ ہیں۔ فارسی اشعار کی اصلاح مولوی صاحب سے لیجیے۔[۳۷]

اس سے ایک روز قبل آپ نے مولانا گرامی کو بھی خط لکھا اور بتایا کہ وہ ان کے پہلے خط کا جواب کیوں نہ دے سکے۔ خط کے ساتھ چودھری خوشی محمد کا خط سید صفدر علی شاہ صاحب کو دینے بھیجا جن کا کام سفارش کے باوجود نہ ہو سکا۔[۳۸]

نیاز الدین نے اپنے دوسرے خط میں آپ کو مطلع کیا کہ مولانا گرامی کو ''خضرِ راہ'' پسند نہیں آئی۔ اس کے تمام اشعار بے لطف ہیں اور بعض غلط ہیں۔ اس سلسلے میں اقبال نے ۱۶ مئی کو مولانا گرامی کو تحریر فرمایا کہ آپ کے اعتراض کا پہلا حصہ صحیح ہے، مگر یہ اعتراض گرامی کے شایانِ شان نہیں۔ یہ اعتراض منصور کے لیے شبلی کے پھول کی حیثیت رکھتا ہے۔ خضر کے کلام میں پختگی اور حکمت تلاش کرنی چاہیے کہ تخیل! مجھے یقین ہے کہ نیاز الدین صاحب نے آپ کا اعتراض سمجھنے میں مزید غلطی کی ہے۔[۳۹]

اکبر شاہ خان نجیب آبادی کا خط موصول ہوا۔ جواب میں آپ نے انھیں ۱۷ رمئی کے خط میں تحریر فرمایا کہ وہ ان کا خط حاجی شمس الدین، سیکریٹری انجمن حمایت اسلام کو پہنچا دیں گے۔ میں نے بوجہ صحت اس عہدے سے استعفیٰ دیا ہے۔[۴۰]

پشاور میں ایک عیسائی انکم ٹیکس افسر سے اعجاز احمد تربیت حاصل کر رہے تھے۔ وہ شخص ان سے بڑا تعصب برت رہا تھا۔ اعجاز احمد نے آپ سے اس متعصب افسر کے متعلق شکایت کی۔ اقبال نے ۲۱ رمئی کے خط میں انھیں جواب دیا کہ اگر تم کام کر سکتے ہو، تو کر و ورنہ کچھ پروا نہیں۔ آخر تمھارے ہاتھ میں ایک مفید پیشہ ہے جس سے تم بخوبی فائدہ اٹھا سکتے ہو۔[۴۱]

مولانا گرامی نے اقبال کے خط مورخہ ۱۶ رمئی کے جواب میں دو خط آپ کو تحریر فرمائے۔ ان خطوط میں انھوں نے آپ کی وضاحت بسلسلہ خضر کو درست قرار دیا۔ اقبال نے ۲۴ رمئی کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اقبال کے نزدیک آپ کا فرمودہ وحی و الہام ہے نہ کسی اور کا۔ بلکہ آپ کے خط سے تو میرے خیال کی تائید ہوتی ہے...... میں تو آپ کو ولی سمجھتا ہوں۔[۴۲]

معارف مئی میں ''خضرِ راہ'' کے متعلق خبر شائع ہوئی۔ سید سلیمان ندوی نے خبر میں تحریر فرمایا کہ ہم کو اس نظم کے جس شعر نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ ہے:

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشتِ بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز[۴۳]

اقبال نے ۲۹ مئی کے خط میں سید صاحب کے مختصر نوٹ کا شکریہ ادا کیا۔[۴۴]

ماہ مئی میں آپ نے فارسی نظم شاہین و ماہی تخلیق فرمائی۔[۴۵]

۳۱ مئی کو ساڑھے پانچ بجے شام سینٹ ہال میں اورینٹل فیکلٹی کا اجلاس آپ کی صدارت میں منعقد ہوا۔[۴۶]

ماہ رمضان کے بعد عید الفطر قریب آ گئی۔ اعجاز احمد نے گھر پر عید منانے کے لیے کلکٹر صاحب سے اجازت طلب کی۔ اس متعصب افسر نے کہا کہ محکمہ انکم ٹیکس میں کوئی چھٹیاں نہیں ہوتیں۔ تم مردان جا کر کچھ ٹیکس دہندگان کے حسابات کی پڑتال کر آؤ۔ یہ سن کر اعجاز نے ملازمت سے استعفیٰ دیا اور گھر سیالکوٹ چلے آئے۔ وہاں سے انھوں نے پھر بذریعہ خط اقبال کو حالات لکھ بھیجے۔ آپ نے ۸ جون کو جواب میں انھیں لکھا کہ قرآن پڑھا کرو اور جہاں تک ممکن ہو نماز میں بھی باقاعدہ ہو جاؤ...... اس کے علاوہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا بھی اکسیر ہے۔ سیالکوٹ میں دو آدمی ہیں، جن کی زندگی اور صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ یعنی تمھارے دادا اور شاہ صاحب۔ کبھی کبھی شاہ صاحب کی خدمت میں چلے جایا کرو۔ کیا اچھا ہو کہ صبح سویرے تم ان کے ساتھ سیر کر لیا کرو۔[۴۷]

آپ کی پہلی بیوی کریم بی بی دوسری بیویوں کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اس لیے ۱۹۱۷ء میں ان کی والدہ زینب بی بی لاہور آ کر انھیں اپنے ساتھ ریاست مالیر کوٹلہ لے گئیں۔ وہاں ڈاکٹر شیخ عطا محمد سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد چیف میڈیکل افسر مقرر ہو گئے تھے۔[۴۸]

ڈاکٹر اقبال ان کو ۳۰ روپے ماہوار بھیجنے لگے۔[۴۹]

ایک بار کریم بی بی نے آپ کو خط لکھا کہ پانچ سال کا خرچہ انھیں پیشگی دے دیا جائے کیوں کہ ان کا بیٹا آفتاب اقبال لندن میں زیر تعلیم اور مالی مشکلات کا شکار تھا۔ آپ نے خط کا جواب نہیں دیا۔ ۱۲ جون کو کریم بی بی کا دوسرا خط آیا۔ انھوں نے لکھا کہ اگر آپ مجھے پیشگی روپیہ نہیں

دے سکتے تو مہر دے دیا جائے۔ اس سلسلے میں آپ نے اسی روز اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو سیالکوٹ خط لکھا اور صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد بتایا کہ پیشتر اس کے کہ میں انھیں اس خط کا جواب دوں، میں کاغذ مہر دیکھنا چاہتا ہوں۔ کاغذات میں سے تلاش کر کے وہ کاغذ بذریعہ رجسٹری بحفاظت میرے نام بھیج دیجیے۔[۵۰]

اعجاز احمد نے بھی اپنے ایک خط میں کریم بی بی کی طلب کا ذکر کیا۔ اپنی صحت کے متعلق بھی لکھا۔ جواب میں اقبال نے ۱۵ رجون کو انھیں لکھا کہ میری خواہش تھی، وہ اپنا حق مہر طلب کر لیں۔ اس وقت اسلامی دنیا کی وہی حالت ہے جو نپولین کے وقت جرمنی کی تھی۔ میرا پیغام بھی مسلمان نوجوانوں کے نام وہی ہے جو نپولین نے دیا تھا۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ میں نے (Art) آرٹ کی جگہ Religion (مذہب) رکھ دیا ہے۔ آرٹ میں اطمینان ضرور ہے مگر قوت نہیں۔ مذہب میں اطمینان اور قوت دونوں چیزیں مل جاتی ہیں۔[۵۱]

کئی روز سے مولانا گرامی کا خط آیا پڑا تھا لیکن مصروفیات کی وجہ سے آپ جواب نہ دے سکے۔ آخر ۲۲ رجون کو جواب میں تحریر فرمایا کہ کیا خوب غزل کہی ہے...... میں تو گرمی میں آپ کو دعوت دیتے ہوئے ڈرتا ہوں...... آج کل پیغمبری دعا عام ہو چکا ہے۔ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں کیا خوب کہا مولانا اکبر مرحوم نے:

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ[۵۲]

۲۴ جون کو ہوشیار پور کے تحصیل دار آپ سے ملاقات کرنے آئے۔ دوران گفتگو مولانا گرامی کا ذکر خیر بھی آیا۔ آپ نے ۲۶ رجون کے خط میں مولانا گرامی کو اس ملاقات کا حال تحریر فرمایا۔ یہ بھی لکھا کہ آپ کے الفاظ میرے لیے حوصلہ افزا ہیں اور آپ کے اشعار لاجواب۔[۵۳]

انکم ٹیکس کی کلکٹری سے مستعفی ہونے کے بعد اعجاز احمد سیالکوٹ کورٹ میں پریکٹس شروع کرنے لگے۔ انھوں نے سید مظہر حسین کے ساتھ مل کر مشترکہ پریکٹس کا آغاز کیا۔ سید مظہر حسین کے والد سید فقیر علی شاہ اقبال کے احباب میں سے اور ڈسٹرکٹ اور سیشن کورٹ میں سررشتہ دار تھے۔ اس تعلق کی بنا پر انھیں کام ملنے لگا اور وکالت کی گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ شیخ عطا محمد نے بھائی کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ اقبال نے بہ تاریخ ۱۰ رجولائی اپنے بھائی کو بذریعہ خط لکھا کہ ذکی شاہ کے ذریعے آپ کو آم بھیج چکا ہوں، یہ ملتان کے ہیں...... یہ جان کر خوشی ہوئی کہ

اعجاز کا کام چل نکلا ہے۔[۵۴]

جولائی کے آخری عشرے میں اعجاز احمد لاہور آئے۔ چند روز رہ کر واپس سیالکوٹ چلے گئے۔ اقبال نے ۲۶/جولائی کو بڑے بھائی کے نام خط میں لکھا کہ اعجاز کی گاڑی چلے جانے کے بعد ریلوے اسٹیشن سے آم کی ٹوکری ملی۔ اگر چند منٹ پہلے مل جاتی تو اعجاز کے ہاتھ بھیج دی جاتی...... آج شام شملہ کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ اگر شملہ کی آب و ہوا نے پاؤں کو تکلیف نہ دی تو وہاں کچھ مدت قیام رہے گا ورنہ واپس آ جاؤں گا۔ اس کے بعد ایک آدھ روز لاہور میں قیام کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا...... اعجاز بہت دبلا پتلا ہو گیا ہے۔ اس کی صحت کی فکر کریں۔[۵۵]

۲۶/جولائی کو آپ شملہ روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر نو بہار کوٹھی میں قیام کیا۔[۵۶]

آپ نے بوجہ علالت انجمن کی سیکریٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ جنرل کونسل کی ہدایت پر ۳۱/جولائی کو مولوی احمد دین، شیخ گلاب دین اور سید محمد شاہ وغیرہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حسب قرارداد جنرل کونسل آپ انجمن کے ساتھ اپنا تعلق ضرور رکھیں اور استعفیٰ واپس لے لیں۔ آپ نے نیم رضامندی کا اظہار کر دیا۔ کونسل میں شکریہ کی قرارداد پیش ہوئی۔[۵۷]

شملہ میں نو بہار میں قیام کے دوران آپ نے ۳/اگست کے خط میں سید سلیمان ندوی سے دریافت فرمایا کہ یہ شعر کس کا ہے؟

مردان خدا، خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند[۵۸]

آپ نے شملہ میں خیریت سے قیام کیا۔ واپس آتے ہوئے لدھیانہ میں ٹھہرے، لیکن وہاں نقرس کی شکایت پھر ہو گئی۔[۵۹] اس لیے آپ واپس لاہور چلے آئے۔ یہاں چند گھنٹے قیام کر کے سیالکوٹ چلے گئے کیوں کہ آپ کے بڑے بھائی علیل تھے۔

سید محمد سعید الدین جعفری نے بذریعہ خط آپ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی اور دریافت کیا کہ ان دنوں آپ کیا کر رہے ہیں؟ اقبال نے ۱۳/اگست کو انھیں خط لکھ کر دعوت قبول کرنے سے معذرت کر لی اور تحریر فرمایا کہ میں انگریزی میں ایک مفصل مضمون The Idea of Ijtihad in the Law of Islam لکھ رہا ہوں۔ ایک اور فارسی کتاب زبورِ جدید زیرِ تصنیف ہے۔[۶۰]

۱۷/اگست کو آپ نے نیاز الدین کے نام خط میں اپنے سفر شملہ سے متعلق حالات تحریر فرمائے۔ یہ بھی تحریر کیا کہ ستمبر میں ممکن ہے وہ پھر شملہ جائیں۔[۶۱]

اسی روز انگریزی میں ماسٹر طالع محمد کو جواب دیا کہ جرمنی کی درس گاہوں میں جنگ عظیم اول کی وجہ سے بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اس لیے انھیں کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جو حال ہی میں اس ملک سے آیا ہو۔ اقبال نے انھیں یہ بھی لکھا کہ میونخ یونی ورسٹی کے ارباب اختیار نے انھیں یونی ورسٹی میں قیام کی شرط سے مستثنیٰ کر کے انگریزی میں مقالہ لکھنے کی خاص اجازت مرحمت فرمائی تھی۔[۶۲]

۲۲/اگست کو سید سلیمان ندوی کا خط موصول ہوا۔ اسی روز آپ نے انھیں لکھا کہ تحقیق زمان، عبقات، جوہر الفرد اور حافظ امان اللہ بنارسی کی دیگر تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی؟...... میرے لیکچر *Reconstruction of Religious Thought in Islam* آکسفورڈ یونی ورسٹی چھاپ رہی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کر لیا ہے۔[۶۳]

اس کے بعد اقبال سیالکوٹ بڑے بھائی کی عیادت کرنے تشریف لے گئے۔ سیالکوٹ ہی سے بہ تاریخ ۲۵/اگست کو میر خورشید احمد، ملازم محکمہ امور خارجہ حکومت ہند کو ایک خط تحریر فرمایا اور اُسے اردو کے ایک شعر کی تشریح لکھ کر بھجوائی۔[۶۴]

پیرزادہ ابراہیم حنیف فلسفے پر کوئی کتاب لکھ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اقبال اس کی تکمیل میں مدد دیں تاکہ مذکورہ کتاب یونی ورسٹی کے نصاب میں بھی شامل ہو جائے۔ اس سلسلے میں پیرزادہ صاحب نے آپ کو خط تحریر کیا۔ آپ نے یکم ستمبر کے مکتوب میں مدد دینے سے معذوری ظاہر کی۔ نصاب میں شامل کرنے کے سلسلے میں مشورہ دیا کہ اشاعت کے بعد کتاب کی ایک کاپی بھیج دیں۔ وہ اسے بورڈ کے سامنے پیش کر دیں گے۔[۶۵]

محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی، ایڈیٹر عبرت نے امیر خان پر ایک مضمون لکھا، جسے اقبال نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ ۲۲/ستمبر کے خط میں ان کے مذکورہ مضمون کی تعریف فرمائی۔ اقبال نے حضرت ابوبکر صدیقؓ پر بھی ان کے تحریر کردہ ایک اور مضمون کو خوب سراہا۔ اقبال نے لکھا کہ میں نے ان کی زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں بند کر دیے ہیں:

ہمت او کشتِ ملت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر[۶۶]

خواجہ حسن نظامی نے ایک قرآن آسان قاعدہ تحریر کیا تھا۔ انھوں نے اس کی نسبت مختلف اہلِ علم سے رائے مانگی۔ ۲۷ ستمبر کو آپ نے اس پر یہ رائے دی کہ قرآن آسان قاعدہ خوب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ضرور کرنا چاہیے۔[٦٧]

ماہ ستمبر میں آپ کے بڑے بھائی دوبارہ بیمار ہوگئے۔ حالانکہ انھیں کوئی خاص عارضہ لاحق نہ تھا۔ ان کی ناسازی کی بڑی وجہ ذہنی تفکرات تھے۔ ان کا بخار اترا تو اعجاز احمد نے آپ کو صحت یابی سے مطلع کیا۔ اقبال نے ۲۸ ستمبر کو اپنے بڑے بھائی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ میں آپ کے لیے دعا کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ آپ کی صحت ضرور اچھی ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ آپ کی تمام مشکلات رفع کرے اور برکت نازل دے گا۔ اس خط میں آپ نے ملت اسلامیہ کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ کس طرح دنیا میں مسلمانوں کو آزادی مل رہی ہے۔[٦٨]

انارکلی والی رہائش گاہ آپ کے لیے مناسب نہیں تھی۔ علمی و ادبی شخصیات جب بالائی منزل پر چڑھتی اور اترتی تھیں تو کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس لیے اقبال بڑے عرصے سے کسی مناسب رہائش گاہ کی تلاش میں تھے۔ آخر لکشمی چوک کے قریب آپ کو ایک کوٹھی ایک سو ستر روپے ماہوار کرایہ پر مل گئی۔ یہ کوٹھی ایک ہندو بیوہ اور اس کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ اس گھر کی حالت خستہ تھی، لیکن ماحول نہایت پرسکون تھا۔ کوٹھی کے بالمقابل میدان تھا۔ مہمان خانہ، برآمدے، گیراج اور نوکروں کے چند کوارٹر بھی تھے۔ کوٹھی کی بغل میں ایک قبرستان تھا۔ اقبال نئے مکان میں منتقل ہوئے تو تھوڑا بہت فرنیچر اور ساز و سامان بھی خرید فرمایا، دو چار معمولی قسم کے قالین بھی۔ ۴ راکتوبر کے خط میں مولانا گرامی کو لکھا کہ میں نئے مکان میں منتقل ہو گیا ہوں۔[٦٧]

۱۱ راکتوبر کو اقبال نے مہاراجا کشن پرشاد کے نام خط تحریر کیا۔ آپ نے انھیں حیدرآباد دکن ریاست کی وزارت عظمیٰ سنبھالنے کی پیشگی مبارکباد ایک قطعہ کی صورت دی۔

سال ایں معنی سروش غیب داں
جان سلطان سرکشن پرشاد گفت[٧٠]

۱۳۴۱ھ

۱۴ راکتوبر کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں آپ نے بھی شرکت فرمائی۔[٧١]

خلافت بمبئی کے شمارہ ۲۱ راکتوبر میں خواجہ حسن نظامی کے قرآن آسان قاعدہ کا اشتہار شائع ہوا، جس میں اقبال کی رائے درج تھی۔[٧٢]

۲۴؍اکتوبر کو سر محمد شفیع سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو انھوں نے اقبال سے ذکر کیا کہ وہ علی گڑھ بھی گئے تھے۔ وہاں مسٹر حیدری صاحب نے انھیں بتایا کہ ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ اقبال نے ۲۶؍اکتوبر کے خط میں مہاراجا صاحب کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔[۴۳]

۱۹؍نومبر کو مہاراجا صاحب نے بذریعہ خط اطلاع دی کہ بہ تاریخ ۷؍ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ ایک اور فقیرزادی کی شادی ہے، مگر اقبال اپنی بیماری اور طویل سفر کی وجہ سے شادی میں شرکت نہ کر سکے۔ لیکن ریاست کے حاکم نے محلات میں رونق افروز ہو کر شادی کو مفتخر و شادکام کر دیا۔ مہاراجا صاحب نے ۱۳؍دسمبر کے خط میں آپ کو فخریہ انداز میں تحریر کیا، تاریخ آصفیہ میں یہ پہلی نظیر ہے کہ بادشاہ وقت شادی میں شریک ہوا اور خاتون تاجدار نے تمام رسومات میں حصہ لیا۔[۴۴]

صغرا بیگم ہمایوں مرزا نے آپ کو اپنا رسالہ النساء مطالعہ کے لیے ارسال کیا۔ نیز مضمون کے لیے استدعا کی۔ اقبال نے انھیں ۲۸؍نومبر کو جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ کچھ مدت سے اردو میں بہت کم لکھ رہے ہیں۔[۴۵]

نومبر دسمبر میں عجیب قسم کا موسم آ گیا، دوپہر کو گرمی رہتی اور رات کو خوب سردی ہوتی۔ اس عجیب و غریب موسم نے اقبال کو کئی روز تک بیمار رکھا۔ اوپر سے نزلہ اور کھانسی نے بھی آپ کو پریشان کیے رکھا۔ ۱۰؍دسمبر کو مولانا گرامی کا مکتوب موصول ہوا۔ اس سے قبل مولانا صاحب آپ کو ایک رباعی:

ماہ و شب ماہ و آفتاب ست و سحر
اقبال و جلال و ذوالفقار و اصغر
یک جذبہ و یک ضمیر و یک دل و یک جاں
در چشم ستارہ چار یارند مگر

اپنے پہلے خط میں ارسال کر چکے تھے۔ مذکورہ خط میں آپ نے مزید رباعیاں لکھ بھیجیں۔

آپ نے اس روز اپنے عزیز دوست کو جواب دیتے ہوئے چار یار والی رباعی اور نئی رباعیوں کی تعریف فرمائی۔ آپ نے لکھا کہ آج کے خط میں جو رباعیاں آپ نے لکھیں، وہ لاجواب ہیں...... مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ جواہر گراں بہا آپ بے پروائی سے ضائع کر دیں گے۔[۴۶]

۱۳؍دسمبر کو میر خورشید احمد کے نام خط میں اپنی غزل

کبھی اے حقیقت منتظر

کے چھ اشعار لکھ کر بھیجے۔ اس کے علاوہ مولوی عبدالسلام نیازی کی دونوں کتب سے مستفید ہونے کا ذکر فرمایا۔[۷۷]

۱۴ردسمبر کو آپ کے خسر مکرم، ڈاکٹر شیخ عطا محمد گجرات میں وفات پا گئے۔ تعزیت کے لیے آپ گجرات تشریف لے گئے۔[۷۸]

۱۹ردسمبر کو منشی محمد الدین فوق کو تعزیتی خط تحریر فرمایا۔ ان کے لڑکے رحلت فرما گئے تھے۔ مزید لکھا کہ شباب کشمیر کو ضرور لکھیے۔ میں نے کشمیر پر ایک نظم فارسی میں لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعہ میں شامل ہوگی۔[۷۹]

مالیر کوٹلہ میں جج کا عہدہ خالی تھا۔ اس ضمن میں اقبال نے ۱۹ردسمبر کو نیاز الدین کے نام خط میں درخواست دینے کا طریقہ بتلایا۔ اسی خط کے ساتھ نیاز صاحب کی خواہش پر اپنی ایک تصویر بھی بھجوائی۔[۸۰]

سال رواں میں ایم اے او کالج علی گڑھ کو یونی ورسٹی کا درجہ مل گیا۔ اب اس کا نام مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ رکھا گیا۔ پہلی وائس چانسلر بیگم صاحبہ بھوپال مقرر ہوئیں۔ یونی ورسٹی کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد اسٹریچی ہال میں بیگم صاحبہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اقبال اور عبداللہ چغتائی قبل دوپہر موٹر سے علی گڑھ پہنچے اور سیدھے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ جب آپ دونوں جلسہ گاہ پہنچے تو بیگم صاحبہ یہ کلمات ادا کر رہی تھیں:

میرے پیارے بچو! حضرت علیؓ کا قول ہے:

من تعلم حرفاً من احد فھو مولاہ

یعنی جس نے کسی سے ایک لفظ بھی پڑھ لیا (تو وہ پڑھانے والا) اس کا مولا یا آقا بن گیا۔[۸۱]

ماہ دسمبر میں آپ کے عزیز، ڈاکٹر غلام محمد لدھیانہ سے لاہور تشریف لائے۔ انھوں نے عبداللہ چغتائی کو ہمراہ لیا اور مال روڈ پر والٹر لاک کمپنی پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مستری عبداللہ تھے، جو انھیں ان کی موٹر کے سلسلہ میں صلاح مشورہ دیا کرتے تھے۔ کمپنی والوں نے ایک سیکنڈ ہینڈ موٹر چلا کر دیکھنے کے لیے انھیں دی۔ وہ اسے لے کر لاہور چھاؤنی کی طرف چل دیے۔ سب کو موٹر پسند آئی۔ منشی طاہر دین بھی ہمراہ تھے۔ یہی موٹر پھر اقبال نے خرید لی۔ علم الدین کو اس کا ڈرائیور رکھا گیا، جو پہلے باغبانپورہ میں میاں خاندان کے ہاں ڈرائیور رہ چکا تھا۔[۸۲]

یکم دسمبر کو علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر خواجہ منظور حسین کا خط آپ کو ملا۔ انھوں نے آپ سے میگزین کے لیے کلام اور دستخط بھجوانے کی درخواست کی تھی۔ یونی ورسٹی کے رجسٹرار سجاد حیدر بلورم تھے۔ خط موصول ہوتے ہی چند روز کے اندر اندر اقبال نے سید سجاد یلدرم کو اپنی نظم ''تنہائی'' برائے خواجہ منظور حسین ایڈیٹر علی گڑھ میگزین لکھ بھیجی۔ انھوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ بشیر کمالی، شامی مصنف کی کتاب صفحات محمد عاکف کا اردو ترجمہ کرایا جائے۔[۸۳]

ملک ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی کی کتاب فلسفہ اور معجزہ کو اقبال نے بذریعہ خط نہایت مفید اور دلچسپ قرار دیا۔[۸۴]

کانپور کے رسالہ زمانہ کے آخری صفحہ پر خواجہ حسن نظامی کی کتاب قرآن آسان قاعدہ کا اشتہار شائع ہوا۔ اس میں آپ کی رائے بھی درج تھی۔[۸۵]

جسٹس شاہ دین مرحوم کے فرزند، میاں بشیر احمد جب اپنے والد کا اردو کلام جمع کرنے لگے تو کئی بار انارکلی والے مکان پر اقبالسے مشورہ کرنے حاضر ہوئے۔ ایک روز مولانا گرامی بھی موجود تھے۔ گرامی صاحب نے بشیر احمد سے شعر سنانے کی فرمائش کی۔ بشیر احمد نے جواب دیا کہ انھیں شعر کہنا نہیں آتا، بستک بندی کر لیتا ہوں، اصرار کیا تو بشیر احمد نے دو تین شعر سنائے۔ ایک شعر میں انھوں نے مسیحائی بروزن بھلائی باندھا تھا۔ اقبال نے بتایا کہ لفظ سچائی ہے، مسیحائی نہیں۔[۸۶]

آپ کے دوست نواب ذوالفقار علی خان نے اقبال کی شاعری سے متعلق انگریزی میں درج ذیل کتاب تحریر فرمائی:

Voice from the East or Poetry of Iqbal[87]

کتاب کا دیباچہ سردار امراؤ سنگھ نے تحریر کیا۔ یہ کتاب مرکنٹائل الیکٹرک پریس ریلوے روڈ، لاہور سے شائع ہوئی۔

مئی کے ماہ میں لاہور کے شاہ عالمی دروازہ کے باہر ہندوؤں نے ایک مندر تعمیر کر لیا۔ مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ مندر کے ساتھ مسجد بھی تعمیر ہونی چاہیے۔ جلد ہی یہ مطالبہ سارے شہر میں پھیل گیا۔ یہ دور ہندو مسلم اتحاد کا دور چل رہا تھا۔ سیکڑوں مسلمانوں نے مندر کے ساتھ بلدیہ لاہور کے ملکیتی قطعہ اراضی پر نمازِ عشاء کے بعد تعمیراتی مسالہ اکٹھا کیا اور راتوں رات دو دکانیں اور ان کے اوپر مسجد تعمیر کر دی۔ اقبال نے مسلمانوں کے اس جذبہ دینی سے متاثر ہو کر چار اشعار

تخلیق کیے۔ پہلا شعر ملاحظہ ہو:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا[۸۸]

اس برس اعجاز احمد کا رشتہ طے ہو گیا۔ عدالتوں کی تعطیلات میں اقبال اپنی دونوں بیویوں کو لے کر سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ گھر کی خواتین آپس میں مشورہ کرنے لگیں کہ شادی میں ان کی طرف سے کیا کیا زیور اور کپڑے دیے جائیں۔ سردار بیگم نے یہ کہہ کر سب کو تعجب میں ڈال دیا کہ ڈاکٹر صاحب (اقبال) شادی پر دلہن کے لیے پاؤں کا کوئی طلائی زیور تیار کرانا چاہتے ہیں۔

بڑے بھائی کے دریافت کرنے پر اقبال نے بتایا کہ بے جی کی وفات سے تین چار سال پہلے کی بات ہے، میں تعطیلات میں گھر آیا ہوا تھا۔ ایک دن بے جی کی مجلس میں محلے کے کسی تاجر گھرانے کی ایک شادی کا ذکر ہو رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ لڑکے والوں نے دلہن کو علاوہ اور زیورات دینے کے سونے کے پازیب بھی پہنائے ہیں۔ اعجاز بے جی کے قریب ہی لیٹا تھا۔ بے جی نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا: ''اس کی شادی ہو گی تو میں بھی اس کی دلہن کو سونے کے پازیب پہناؤں گی۔'' میں چاہتا ہوں کہ بے جی کی اس خواہش کو پورا کر دیا جائے۔

یہ سن کر عطا محمد نے کہا، بے جی نے لاڈ میں یہ بات کہہ دی ہو گی۔ ورنہ وہ کبھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر کچھ کرنے کی عادی نہ تھیں۔ میاں جی سے اس بات کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا کہ جو جذبہ اس ارادے کا محرک ہے، وہ تو قابل غور ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا ہمارے حالات میں اسراف ہو گا اور اسراف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ والد محترم کا یہ فیصلہ سن کر اقبال نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔[۸۹]

سیالکوٹ آنے کے دو تین دن بعد نقرس نے پھر آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ کے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کے جوڑ میں شدید تکلیف ہونے لگی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ رات کو تیسری منزل پر سب سوتے تھے۔ تکلیف کے باعث آپ سیڑھیاں چڑھ نہیں پاتے تھے۔ آپ کے بھانجے، فضل حق اقبال کو اپنی پیٹھ پر لاد کر چھت پر لے جاتے اور صبح اتار لاتے۔ ایک دن ڈاکٹر کشن چند کو اعجاز احمد گھر پر لائے۔ آپ نے ہفتہ بھر ان سے علاج کرایا۔ خوش قسمتی سے پھر صحت بحال ہو گئی۔[۹۰]

آپ کا تیسرا فارسی مجموعہ کلام پیام مشرق اشاعت کے لیے زیر ترتیب تھا۔ ایک مقدمے کی پیروی کرنے اقبال لائل پور/ جھنگ تشریف لے گئے۔ ریل کے سفر میں شیخ عبدالقادر اور چودھری ظفر اللہ ان کے ہم سفر تھے۔ وہ بھی اس مقدمے میں دوسرے فریق کی طرف سے پیروی

کرنے جارہے تھے۔ دورانِ سفر آپ نے ہم راہیوں کو پیام مشرق کی ''پیش کش'' کے وہ اشعار سنائے جن میں آپ نے اپنا اور گوئٹے کا مقابلہ ''او کہ بودومن کیم'' کہہ کر کیا ہے۔

ان اشعار سے چودھری ظفر اللہ اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے آپ سے استدعا کی، پیام مشرق کی اشاعت اول کے لیے کاغذ پیش کرنے کی سعادت انھیں عطا کی جائے۔ اقبال نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''تم جاٹوں کو میری شاعری سے کچھ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ اسرار خودی کے پہلے ایڈیشن کے لیے کاغذ شہاب دین نے پیش کیا تھا۔ اب پیام مشرق کے پہلے ایڈیشن کے لیے کاغذ تم پیش کررہے ہو''۔[91]

سال کے آخر میں گورنر ہاؤس میں پنجاب کے گورنر میکلیگن نے نمایندوں کے لندن ٹائمز کے اعزاز میں ایک دعوت دی۔ شہر کے دوسرے معززین کے علاوہ گورنر نے اقبال کو بھی مدعو کیا۔ دعوت میں آپ سے ''سر'' کے خطاب پر گفتگو کرتے رہے، جو حکومت آپ کو دینا چاہتی تھی۔ آپ نے یہ اعزاز قبول کرنے کی ہامی بھرلی۔ اس کے بعد گورنر نے بتایا کہ شمس العلماء کے خطاب کے لیے اس دفعہ پنجاب کی باری ہے۔ میں نے چند سرکردہ مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ کوئی موزوں نام تجویز کریں۔ اگر آپ کے ذہن میں بھی کوئی مناسب نام ہو تو بتائیے گا۔

اقبال نے فرمایا: ''میں اس شرط پر بتاؤں گا کہ اس کے بعد کسی اور نام پر غور نہ کیا جائے''۔ گورنر نے اس اقرار سے پہلے کچھ تامل کیا اور پھر کہا ''اچھا! نام بتایئے'' آپ نے اپنے استادِ محترم، مولوی سید میر حسن (سیالکوٹی) کا نام لیا۔ گورنر فرمانے لگے، میں نے اس سے قبل یہ نام نہیں سنا، اچھا یہ بتایئے کہ انھوں نے کون کون سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ انھوں نے کوئی کتاب تو تصنیف نہیں کی، لیکن میں ان کی زندہ تصنیف آپ کے سامنے ہوں، جسے گھر بلا کر سر کا خطاب پیشکیا جارہا ہے۔ مزید فرمایا کہ اگر شمس العلماء کے خطاب کی سفارش قبول ہو جائے تو میرے ضعیف العمر استاد کو یہ سَند لینے کے لیے سیالکوٹ سے لاہور آنے کی زحمت نہ دی جائے۔[92]

اس سال کے آخر میں اقبال نے ''طلوعِ اسلام'' سپردِ قلم کرنا شروع کردی۔[93]

۱۹۲۱۔۱۹۲۲ء اقبال میں کو دس ہزار چوراسی روپے کی آمدن ہوئی۔ اس پر آپ نے پانچ سو تیئس روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔ آپ کو پہلی بار اسرار و رموز کی رائلٹی ۳۲ روپے ادا کی گئی۔[94]

❀......❀......❀

حواشی

۱- مکاتیب گرامی بنام اقبال،ص۱۸۴_۱۸۶
۲- ایضاً،ص۱۸۶_۱۸۷
۳- انوار اقبال،ص۱۸۸
۴- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۸۸
۵- ایضاً،ص۱۸۹
۶- مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خان،ص۴۰
۷- ایضاً،ص۴۰
۸- مظلوم اقبال،ص۳۱۶
۹- ایضاً،ص۳۱۷_۳۱۸
۱۰- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص ۱۹۰_۱۹۱
۱۱- مظلوم اقبال،ص۳۱۹
۱۲- روح مکاتیب اقبال،ص۲۸۰
۱۳- اقبال بنام شاد،ص۲۶۴
۱۴- مظلوم اقبال،ص۳۱۹
۱۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۱۹۲
۱۶- ایضاً،ص۱۹۴
۱۷- ایضاً،ص۱۹۴_۱۹۵
۱۸- ایضاً،ص۱۹۶
۱۹- ایضاً،ص۱۹۸
۲۰- ایضاً،ص۱۹۸_۱۹۹
۲۱- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۷
۲۲- اقبال بنام شاد،ص۲۶۵_۲۶۶
۲۳- روح مکاتیب اقبال،ص۲۸۴
۲۴- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۴۱
۲۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی ،ص۲۰۰
۲۶- ایضاً،ص۲۰۱_۲۰۲
۲۷- انوار اقبال ،ص۱۴۶

۲۸- روح مکاتیب اقبال،ص۲۸۸
۲۹- اقبال کی صحبت میں،ص۱۱٦؛ دانائے راز ،ص۲۹۲؛اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں ،ص٦۲
۳۰- روح مکاتیب اقبال،ص۲۸۸
۳۱- ایضاً،ص۲۸۹۔۲۹۰
۳۲- اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۲۵۹
۳۳- روح مکاتیب اقبال،ص۲۹۰
۳۴- مفکر پاکستان،ص۱۸۳
۳۵- مظلوم اقبال،ص۳۱۹
۳٦- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱٦۱
۳۷- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۴۲
۳۸- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۰۴
۳۹- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۰۵۔۲۰٦
۴۰- انوار اقبال،ص۳۱٦
۴۱- مظلوم اقبال،ص۳۳۱
۴۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۰۵
۴۳- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص٦۲
۴۴- ایضاً،ص۱٦۲
۴۵- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۱۳۱
۴٦- مفکر پاکستان،ص۱۸۳
۴۷- مظلوم اقبال،ص۳۲۳۔۳۲۴
۴۸- علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال،ص۸۹
۴۹- مظلوم اقبال،ص۱۰۴
۵۰- اقبال اور گجرات،ص۷۸
۵۱- اقبال اور گجرات،ص۷۸؛ مظلوم اقبال ،ص۳۲۵
۵۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۱٦۔۲۱۷
۵۳- ایضاً،ص۲۱۸
۵۴- مظلوم اقبال،ص۳۲۹۔۳۳۰
۵۵- ایضاً،ص۳۳۲

۵۶- ایضاً،ص۳۳۲
۵۷- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۶۵
۵۸- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۶۴
۵۹- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۴۳
۶۰- روح مکاتیب اقبال،ص۲۹۶
۶۱- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۴۳
۶۲- روح مکاتیب اقبال،ص۲۶۷
۶۳- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۶۵
۶۴- انوار اقبال،ص۱۴۸
۶۵- روح مکاتیب اقبال،ص۲۹۹
۶۶- ایضاً،ص۳۰۰
۶۷- اوراق گم گشتہ،ص۴۶
۶۸- مظلوم اقبال،ص۳۴۰
۶۹- زندہ رود،ص۲۶۱؛ مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۲۱
۷۰- اقبال بنام شاد،ص۲۶۸
۷۱- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۸
۷۲- خلافت کمیٹی،۲۱اکتوبر۱۹۲۲ء
۷۳- اقبال بنام شاد،ص۲۶۹
۷۴- ایضاً،ص۲۵۶
۷۵- روح مکاتیب اقبال،ص۳۰۳
۷۶- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۲۳۔۲۲۴
۷۷- انوار اقبال،ص۱۵۰
۷۸- علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی،ص۲۳
۷۹- انوار اقبال،حاشیہ ص۱۷؛حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں،ص۳۲۲۔۳۲۳
۸۰- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۴۳۔۴۴
۸۱- اقبال کی صحبت میں،ص۲۹۳
۸۲- ایضاً،ص۱۳۶
۸۳- اوراق گم گشتہ،ص۹۳
۸۴- روح مکاتیب اقبال،ص۳۰۸

۸۵- انوار اقبال، ص۲۸۳
۸۶- ملفوظات اقبال، ص۴۸
۸۷- روز گار فقیر، جلد اول، ص۲۱۵
۸۸- زندہ رود، ص۳۶۱
۸۹- مظلوم اقبال، ص۴۶۔۴۷
۹۰- ایضاً، ص۱۱۷۔۱۱۸
۹۱- ایضاً، ص۱۴۷
۹۲- علامہ اقبال کے استاد، مولوی سید میر حسن
۹۳- قومی زبان، کراچی، نومبر ۱۹۸۰ء
۹۴- زندہ رود، ص۲۱۵

۱۹۲۳ء......سر کا خطاب

یکم جنوری ۱۹۲۳ء کے دن سال کی خوشی کے موقع پر حکومت نے اقبال کو "سر" یعنی Knight Hood کے خطاب سے نوازا۔ اسی موقع پر آپ کے استادِ گرامی مولوی سید میر حسن کو بھی شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔ دوست احباب آپ کو مبارکباد پیش کرنے لگے۔[۱]

مہاراجا کشن پرشاد نے حیدر آباد سے ۴ جنوری کو مبارک باد کا خط تحریر کیا۔ اسی خط میں مہاراجا صاحب نے اپنی بیٹیوں کی شادی اور رشتوں کی تفصیل بھی لکھی۔[۲]

کئی احباب نے اس اندیشے کا اظہار کیا کہ شاید یہ خطاب قبول کرنے کے بعد اقبال اپنے شیوہ حق گوئی کو قائم نہ رکھ سکیں۔ جب سید غلام بھیک نیرنگ نے اسی خدشے کا اظہار کیا تو آپ نے انھیں ۴/ جنوری کے خط میں جواب دیا:

> باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا۔ سو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان و آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور میں مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی طاقت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اِن شاءاللہ۔[۳]

انجمن حمایت اسلام کا اجلاس ۷/ جنوری کو مولوی فضل الدین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں آپ کی علمی صلاحیتوں کو سراہا گیا اور "سر" کا خطاب ملنے پر مبارک باد کی قرارداد منظور کی گئی۔[۴]

اسی روز آپ نے مولانا گرامی کو خط میں تحریر فرمایا کہ آپ نے سن لیا ہوگا، امسال اقبال خلاف توقع خطاب یافتہ ہو گیا ہے۔[۵]

مولانا نے جواب میں لکھ بھیجا کہ اقبال کو سر کا خطاب ملا۔ ایک جہان شور دردِ سر ہے، بے معنی شور ہے۔ اس شور سے بوئے حسد آ رہی ہے۔ اس موقع پر عبدالمجید سالک کی ایک نظم "سر ہو گئے اقبال" خاصی مشہور ہوئی۔ یہ نظم ۸/ جنوری کو زمیندار میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے:

لو مدرسہ علم ہوا قصر حکومت
افسوس کہ علامہ سے سر ہو گئے اقبال [۶]

۱۷؍جنوری کو لاہور کے معززین نے خطاب ملنے پر آپ کے لیے مبارک کی تقریب کا اہتمام مقبرہ جہاں گیر میں کیا۔ معززین میں سبھی مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ تقریب میں گورنر پنجاب سمیت تمام سرکاری غیر سرکاری عمائدین شریک ہوئے۔ یورپی خواتین کے علاوہ ہندوستانی خواتین بھی شریک تھیں۔ تقریب کے میر میزبان ذوالفقار علی تھے۔ تقریب کو کامیاب بنانے میں سر فضل حسین کا بڑا عمل دخل تھا۔ طلبہ اور اساتذہ کی بڑی تعداد بھی شریک جلسہ تھی۔ اقبال نے انگریزی میں تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ وہ گوئٹے کے دیوان مغرب کے جواب میں ایک کتاب تحریر کر رہے ہیں، جس کا نام پیام مشرق ہوگا۔ دعوت کے بعد اقبال کے ہمراہ اعلیٰ شخصیات کی تصاویر لی گئیں۔[۷]

۱۹؍جنوری ۱۹۲۳ء کو پنجاب گزٹ کے پارٹ ۲ کے صفحہ ۱۰ پر اقبال کو خطاب عطا کیے جانے کی خبر شائع ہوئی۔[۸]

لاہور کے اخبار بندے ماترم نے اپنی اشاعت ۲۰؍جنوری میں مبارک باد پارٹی کی روداد شائع کی۔[۹]

۲۳؍جنوری کو گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کی انجمن بریٹ نے خطاب ملنے کی خوشی میں آپ کو استقبالیہ دیا۔ صدر شعبہ پروفیسر چٹرجی نے آپ کو مدعو کیا۔[۱۰]

۲۴؍جنوری کو اقبال نے مہاراجا صاحب کے خط مورخہ ۴؍جنوری کا جواب دیا۔ آپ نے مہاراجا صاحب کو تحریر کیا کہ لڑکیوں کے رشتوں کی طرف وہ پوری توجہ دیں گے۔ بعض باتیں شرعی نقطہ نگاہ سے بھی پوچھی جاتی ہیں۔ خطاب کے متعلق آپ نے جو کچھ سنا، وہ صحیح ہے۔ یہ اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اس پر یورپ اور امریکا میں متعدد تبصرے شائع ہونے کا نتیجہ ہے۔[۱۱]

معارف جنوری میں بھی آپ کو سر کا خطاب ملنے کی خبر شائع ہوئی۔ سید سلیمان ندوی نے مسرت کا اظہار کیا۔[۱۲]

زمانہ کانپور نے بھی شمارہ جنوری میں مستقل عنوان، علمی نوٹ اور خبریں کے تحت یہ خوش

خبری شائع کی۔ یہ بھی لکھا اب دیکھنا یہ ہے کہ سر کا خطاب ملنے کے بعد اقبال کے علمی وادبی شغف کا کیا رنگ ہوتا ہے۔[۱۳]

فروری کے پہلے ہفتے میں حیدرآباد دکن کے ایک حاسد نے مقامی اخبار رہبر دکن میں آپ کو خطاب ''سر'' ملنے کے خلاف فارسی میں قطعہ چھپوا کر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ مہاراجا صاحب اپنی جاگیر میں ''الوال'' سری بالا کی یاترا کرنے گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو مذکورہ قطعہ کا علم ہوا۔ آپ نے فوراً فارسی میں ایک قطعہ لکھ کر اسی روز اخبار کو بھیج دیا۔ ۱۱رفروری کے خط میں مہاراجا صاحب نے اقبال سے ان قطعات کا ذکر کیا۔ شرعی نقطہ نظر کے سلسلے میں مہاراجا صاحب نے تحریر کیا کہ میں قوم کا کھتری ہوں۔ نطفے کی تبدیلی محال ہے، یہ سری کشن کا نطفہ ہے۔[۱۴]

بنگلور سے عبدالواحد نے اقبال کو اپنے شہر آنے کی دعوت دی۔ آپ نے ۸رفروری کے مکتوب میں ان کی دعوت کا شکریہ ادا کیا۔[۱۵]

۲۰رفروری کو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔[۱۶]

ارکان انجمن نے آپ سے درخواست کی کہ سالانہ اجلاس میں شریک ہونے کے سلسلے میں مولانا گرامی کو خط لکھیے اور اجلاس میں اپنا کلام بھی پڑھ کر سنایئے۔ ارکان انجمن کو دراصل بخوبی علم تھا کہ مولانا صاحب صرف اقبال کے کہنے پر لاہور آسکتے ہیں، آپ نے ۲۳رفروری کو بذریعہ خط انھیں ارکان کی خواہش سے آگاہ کیا اور اپنے متعلق لکھا کہ وہ بھی ایک نظم ''طلوع اسلام'' پڑھیں گے۔ خدا کرے، اس وقت تک ختم ہو جائے۔[۱۷]

۲۸رفروری کو اقبال نے صغرا بیگم ہمایوں مرزا کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ فارسی مجموعہ نظم پیام مشرق تیار ہو رہا ہے۔[۱۸]

لاہور کے رسالے ہزار داستان شمارہ فروری میں چودھری محمد حسین کا پیام مشرق پر مبسوط تبصرہ چھپا۔ تبصرے کے ساتھ اقبال کی تصویر بھی شائع ہوئی۔[۱۹]

فروری کے آخری دنوں میں پیام مشرق کی کتابت شروع ہوگئی۔[۲۰]

اقبال نے محمد الدین فوق کو ان کے خط کے جواب میں بہ تاریخ ۴رمارچ تحریر فرمایا کہ عشق پیچہ شاعر نہ تھے، ہاں تُک بند ضرور تھے۔ سیالکوٹ کے قدیم شعراء میں سے شیخ محمد علی رائج مشہور ہیں۔ ان کا دیوان فارسی میں نے خود دیکھا ہے۔[۲۱]

مولانا گرامی نے اپنے جوابی خط میں انجمن کے اجلاس میں شریک ہونے کی ہامی بھرلی۔ مولانا صاحب نے خط میں فارسی کی نئی رباعیات بھی لکھ کر ارسال کیں۔ مولانا کا خط اقبال کو ۷؍مارچ کو موصول ہوا۔ اگلے روز آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر آپ نے حسب عادت یہ وعدہ پورا نہ کیا تو ارکان انجمن کی نگاہ میں میری بہت کرکری ہوگی۔ اگر آپ تیار ہوں تو فوراً مطلع کیجیے تاکہ میں انجمن کی طرف سے ابھی آدمی بھجوادوں۔ اس خط میں اقبال نے یہ بھی لکھا کہ نواب امین جنگ، پرائیویٹ سیکریٹری سرکار نظام نے انھیں اپنی انگریزی تصنیف ارسال کی ہے۔ اس کے آخر میں ان کا بھی ذکر ہے۔[۲۲]

نیازالدین نے بذریعہ خط آپ سے رموز بے خودی اور پیام مشرق کے انگریزی تراجم کے متعلق دریافت کیا۔ ۱۰۔۱۱؍مارچ کو لاہور میں سرد ہوا چل پڑی جس سے اقبال کو دردِ گردہ کی شکایت پیدا ہوگئی۔ آپ نے فوراً حفاظتی تدابیر اختیار کرلیں اور یوں درد سے نجات پاکر تندرست ہوگئے۔ ۱۲؍مارچ کو نیازالدین کے خط کا جواب دیتے ہوئے اقبال نے لکھا کہ رموز بے خودی کے ترجمے کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں، مگر امید نہیں کہ اس کا ترجمہ یورپ میں ہوسکے گا۔ پیام مشرق کا ترجمہ ہونا ممکن ہے۔ یعنی مجھے اس قدر فرصت نہیں کہ اس کا ترجمہ کرسکوں۔[۲۳]

۱۹؍مارچ کے خط میں آپ نے انھیں مطلع کیا کہ پیام مشرق چھپ رہی ہے۔ جلد اس کی کاپی پیش کروں گا۔[۲۴]

اسی روز آپ نے مہاراجا صاحب کو پیام مشرق کے شائع ہونے کی اطلاع دی۔[۲۵]

زمیندار کے شمارہ ۱۷۔۱۹۔۲۱؍مارچ میں چودھری محمد حسین نے پیام مشرق کا تعارف شائع کیا۔[۲۶]

انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ ۲۹ تا ۳۱ مارچ منعقد ہوا۔ اس کے آخری اجلاس میں اقبال نے طلوع اسلام پیش کی۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد آپ نے دلآویز اور صداقت بھرے انداز میں نظم پڑھی۔ یہ نظم کیا ہے؟ اس میں اسلام اور عالم اسلام کے درخشندہ مستقبل کی پیشین گوئی کے ساتھ ساتھ اُمت کے فریضہ عمل اور اسلام کے سیاسی و اجتماعی نصب العین کی ترجمانی کی گئی۔[۲۷]

راؤ علی محمد خان، رائے کوٹ لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ کئی برس سے وہ امریکا میں مقیم تھے۔ ۱۹۲۲ء میں وہ ہندوستان آئے، تو ان کے ہاتھ چودھری رحمت علی نے اقبال کو انگریزی کی درج ذیل کتاب بھجوائی:

Mohammaden Theories of Finance by Nicholas P. Aghnides. Columbia University. New York 1916.

انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں راؤ علی محمد خان بھی عبداللہ چغتائی کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ جب اقبال "طلوع اسلام" پڑھ کر فارغ ہوئے تو عبداللہ چغتائی نے راؤ صاحب کا تعارف کرایا اور آپ کو متذکرہ کتاب دے دی۔ کتاب پڑھ کر آپ بڑے خوش ہوئے اور فوراً مطالعہ شروع کر دیا۔ دوپہر کے بعد عبداللہ چغتائی دوبارہ آپ کی کوٹھی پر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "ماسٹر، وہ کتاب جو تم دے گئے تھے، بہت دل چسپ ہے۔ اس میں ایک مقام ایسا بھی ہے جس کی تحقیق لازمی ہے۔ کتاب میں ص ۱۹۱ پر درج ذیل فقرے اقبال کی علمی جستجو کا باعث بن گئے:

"As Regards the Ijma some Hanifites and the Mu'tazilites held that the Ijma can repeal the Koran and the Sunnah"[۲۸]

۱۷/اپریل کو آپ لدھیانہ تشریف لے گئے۔ مولانا گرامی کو اقبال کے سفر کا علم نہیں تھا۔ انھوں نے آپ کو لاہور کے پتے پر خط ارسال کر دیا۔ یہ خط لاہور سے ہوتا ہوا اقبال کو بہ تاریخ ۲۴/اپریل لدھیانہ میں ملا۔ اسی روز آپ نے مولانا صاحب کو جواب دیا اور لکھا کہ کل لاہور واپس جا رہا ہوں۔ مجموعہ اردو ابھی تیار نہیں ہوا۔ پیام مشرق جلد خدمت والا میں پہنچے گا۔ اردو نثر میں بھی ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔[۲۹]

۲۳/اپریل کو مہاراجا صاحب نے آپ کو اجمیر شریف سے چھ میل دور لشکر کے مقام پر دیوی کے مندر میں پیش آنے والا ایک واقعہ تحریر کیا۔ وہاں ایک جوگی کے کہنے پر لڑکی لڑکا نظر آنے لگی تھی۔ مہاراجا صاحب نے اپنے وارث اور جانشین راجا خواجہ پرشاد کی آنکھ کے نیچے ایک کیل چبھ جانے کا ذکر بھی کیا۔[۳۰]

مئی کے ابتدائی دنوں میں اقبال علیل ہو گئے۔ علالت کے اسی دور میں فارسی مجموعہ کلام پیام مشرق مئی کے پہلے عشرہ میں چھپ کر تیار ہو گیا۔ اس مجموعۂ کلام کی کتابت عبدالمجید نے کی تھی۔ یہ ایک ہزار کی تعداد میں لاہور کے مطبع کریمی سے باہتمام میر امیر بخش شائع ہوئی۔ ملنے کا پتا شیخ غلام علی، تاجر کتب، لوہاری دروازہ، لاہور تھا۔ آپ کی ہدایات کے مطابق شیخ غلام علی نے کتاب کا ایک اعزازی نسخہ مہاراجا صاحب کو حیدرآباد ارسال کر دیا۔[۳۱]

۱۴/مئی کے خط میں مہاراجا صاحب نے اقبال کو پیام مشرق موصول ہونے کی اطلاع دی۔ انھوں نے لکھا کہ شاعری میں رنگ قادر الکلامی نکھرا ہوا ہے۔ آپ نے لطافت زبان و حسن

بیان کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔[۳۲]

یہ خط موصول ہونے سے قبل اقبال نے ۱۸ رمئی کو مہاراجا صاحب کو ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ آج سفر نامہ شاد نظر سے گزرا۔ بڑا دل چسپ ہے۔ پیام مشرق پبلشر نے آپ کو بھیج دی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ خواجہ پرشاد کو چشم روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔[۳۳]

آپ نے پیام مشرق کے تین نسخے عبداللہ چغتائی کو دیے تا کہ ایک کتاب پروفیسر نکلسن کو برطانیہ، ایک مولانا سید انور شاہ کو دیو بند بھیج دی جائے اور تیسری کتاب وہ خود رکھ لیں۔[۳۴]

پیام مشرق کو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اقبال ۲۵ رمئی کے خط میں نیاز الدین کو لکھتے ہیں کہ شیخ مبارک علی کو کہہ دوں گا، وہ کتاب آپ کو ارسال کر دیں۔ شاید نصف کے قریب نکل بھی گئی ہے......بعض لوگ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ لاہور کی نیابت کونسل میں کرو لیکن دیگر امیدوار بھی ہیں۔ اگر لاہور کے لوگوں نے مجبور کیا تو یہ بوجھ سر پر اٹھانا ہوگا۔[۳۵]

انھی دنوں اقبال کا مسوڑا پھول گیا۔ آپریشن کرایا تو تکلیف میں اضافہ ہوا۔ چند روز بعد آرام آ گیا۔[۳۶]

۲۶ مئی کو میر خورشید احمد کے نام مکتوب میں لفظ درہ کی صحت کے بارے میں یہ رائے دی کہ سائل دہلوی کا جواب صحیح ہے......ساقی نامہ کشمیر کے متعلق بعض لوگوں کا گلہ سن کر مجھے تعجب ہوا۔ جو لوگ میرے اشعار کو کشمیریوں کی ہجو تصور کریں، وہ شعر کے مذاق اور مقاصد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔[۳۷]

۳۱ رمئی کے خط میں میر صاحب کو لفظ دُر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی صفت ''یتیم'' ہے، جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ اگلے روز پھر اس لفظ کی وضاحت تحریر فرمائی اور لکھا کہ دُرّ مع التشدید جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ ایسی صورت میں دُرّ یکتا کیوں کر غلط ہو سکتا ہے؟۔[۳۸]

۲ رجون کو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اجلاس میں مقامی ارکان کا انتخاب عمل میں آیا۔ آپ ۲۱ ووٹ حاصل کر کے رکن چنے گئے۔[۳۹]

اسرار خودی سے متاثر ہو کر سید ضامن نقوی نے ایک سلسلہ مضامین ہمایوں لاہور میں شائع کرایا۔ بعد میں اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے ضامن صاحب نے ایک مثنوی اسرار ہستی لکھی اور اقبال کو بغرض تنقید ارسال کر دی۔ آپ نے ۱۱ رجون کے خط میں انھیں تحریر فرمایا کہ یہ مثنوی نہایت سبق آموز ہے۔ اس کا طرز بیان بھی دل چسپ ہے۔[۴۰]

۲۰ رجون کو میر خورشید کو ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے خط میں لکھا کہ امام شرف الدین کا

لقب بصیری ہے۔ مگر عربوں میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ رموزِ بے خودی میں بھی ان کا ذکر آیا ہے۔[۴۱]

کامریڈ غلام حسین ایڈورڈ کالج پشاور میں پروفیسر تھے۔ وہ ستمبر ۱۹۲۲ء میں مستعفی ہو کر لاہور کے اخبار انقلاب سے منسلک ہو گئے، جو اشتراکی خیالات کی ترویج کے لیے نکالا گیا تھا۔ چند دن بعد غلام حسین اور دیگر آدمی گرفتار ہو گئے۔ انھی دنوں شمس الدین مدیر انقلاب نے اپنے ایک مضمون مورخہ ۲۲ر جون میں لکھا کہ اگر بالشویک خیالات کا حامی ہونا جرم ہے، تو پھر ہمارے ملک کا سب سے بڑا شاعر، ڈاکٹر سر محمد اقبال کیوں قانون کی زد میں نہیں آتا؟ صاحب مضمون نے اس سلسلے میں آپ کی ان نظموں کا حوالہ دیا جن میں سرمایہ و محنت کے متعلق اظہارِ خیال ہوا تھا۔ یہ مضمون زمیندار کے شمارہ ۲۳ر جون میں شائع ہوا۔[۴۲]

اقبال نے اس سلسلے میں ۲۴ر جون کو ایک مکتوب بغرض اشاعت زمیندار میں بھجوایا۔ آپ نے لکھا کہ بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔ اسلام سرمائے کی قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا بلکہ فطرت انسانی پر عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے۔ موجودہ صورت میں روسیوں کا اقتصادی نصب العین خواہ کتنا ہی محدود کیوں نہ ہو، ان کے طریق عمل سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔[۴۳]

۲۴ جون کو انجمن حمایت اسلام کی مجلس عامہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ انتخاب بڑے بحث اور جھگڑوں کے بعد عمل میں آیا۔[۴۴]

نیاز الدین نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک ''اقبال فنڈ'' قائم کیا جائے۔ اس کے ذریعے کلام اقبال شائع کر کے ان لوگوں تک پہنچایا جائے جو اسے خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ۲۵ر جون کے خط میں آپ نے نیاز صاحب کی اس تجویز کو قبول نہ فرمایا۔ اقبال نے لکھا کہ مسلمان غریب قوم ہے اور گزشتہ دس بارہ برسوں میں وہ ایک کروڑ روپے سے زیادہ رقم چندے کی شکل میں دے چکی ہے۔[۴۵]

اگلے روز آپ نے میر خورشید احمد کو بذریعہ خط ایک عربی شعر کے متعلق بتایا کہ یہ امام شرف الدین بصیری کا ہے، جن کی تصنیف قصیدہ بردہ ہے۔[۴۶]

غازی پور کے رہائشی سید شاہ نصیر احمد ہاشمی آپ کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ شائع کرنے کے خواہش مند تھے۔ انھوں نے بذریعہ خط اس کی اجازت طلب فرمائی۔ اقبال نے ۲۹ر جون کو خط لکھ کر انھیں مطلع کیا کہ مجھے آپ کے ترجمے اور تمہید کی اشاعت میں کیوں کر عذر ہو سکتا ہے؟ تاہم

اجازت دینے سے پہلے میں آپ کی کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ ستمبر کے آخر تک مجھے بالکل فرصت نہیں۔ کیا میر غلام بھیک نیرنگ نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے؟ ان کی کیا رائے ہے؟[۴۷]

۸ر جولائی کو انجمن حمایت اسلام کے آپ دوبارہ اعزازی جنرل سیکریٹری مقرر ہوئے۔ یہ انتخاب پانچ بجے شام حبیبیہ ہال، اسلامیہ کالج کی جنرل کونسل کے اجلاس میں ہوا۔ مولوی احمد دین کی تحریک اور میاں حسام الدین، میونسپل کمشنر، امرتسر کی تائید سے آپ بالاتفاق جنرل سیکریٹری مقرر ہو گئے۔ اس موقع پر اقبال نے ایک مختصر تقریر بھی فرمائی۔[۴۸]

پنجاب کے صوبائی انتخابات قریب آرہے تھے۔ کئی وفود اقبال کے پاس یہ عرض لے کر آئے کہ آپ لاہور سے انتخاب میں حصہ لیجیے۔ لاہور سے میاں عبدالعزیز امیدوار کی حیثیت سے کھڑے تھے۔ نیاز الدین نے بھی آپ کو حصہ لینے کے سلسلے میں خط تحریر کیا۔ آپ نے ۲۰ر جولائی کو نیاز الدین کو جواب دیا کہ میں میاں عبدالعزیز سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتا، ان سے دیرینہ تعلقات ہیں...... مثنوی کے تیسرے حصے کے لیے دل و دماغ تیار ہو رہے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کے لیے آئندہ سو سال تک کے افکار و اعمال کا مواد ہوگا۔ برلن سے ایک پروفیسر نے لکھا ہے کہ یہ حیرت انگیز کتاب ہے۔ پروفیسر ہاروویٹیز جو علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر تھے، اب جرمنی میں اس پر تبصرہ لکھ رہے ہیں، جو جرمن اخبارات میں شائع ہوگا۔ پروفیسر نکلسن اس کا انگریزی ترجمہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ گوئٹے کے دیوان مغربی کا ایک قابل تحسین جواب ہے اور جدید اور حقیقی خیالات وافکار سے پُر ہے۔[۴۹]

۲۳ر جولائی کو آپ نے ایک مدرس کی تبدیلی کے سلسلے میں جسٹس شیخ دین محمد کو رقعہ لکھا۔[۵۰]

اگلے روز آپ نے کشمیر میں مقیم سید محمد سعید الدین جعفری کو خط تحریر فرمایا کہ کشمیر سے واپسی پر آپ سے ملاقات ہوگی۔ آپ نے انھیں اپنی رہائش گاہ کا پتہ بھی تحریر کیا۔ یہ بھی لکھا کہ وہ ۲ یا ۳ر اگست تک لاہور ہی میں ہوں گے۔[۵۱]

۲۸ر جولائی کو اقبال نے نیاز الدین کے نام خط میں تحریر کیا کہ پیام مشرق کے متعلق میں نے جو کچھ آپ کو لکھا، وہ نجی خطوط کا اقتباس تھا۔ یورپیوں کے نزدیک نجی خطوط یا ان کا اقتباس بغیر ان کی اجازت کے شائع کرنا درست بات نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ فرنک فورٹ کے پروفیسر ہارو واٹیرز کا تبصرہ عنقریب ہندوستان نہیں آئے گا۔ اس کا (جرمن سے) انگریزی ترجمہ کرا کے یہاں شائع کیا جائے گا۔[۵۲]

۲۹ رجولائی کو اقبال سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ پانچ چھ روز قیام کے بعد آپ واپس لاہور آئے۔ لاہور میں آتے ہی آپ کی اہلیہ کو بخار ہو گیا۔ دو ہفتے بعد بخار اترا۔ اس دوران آپ کو کمزوری حد سے زیادہ ہو گئی۔ اسی لیے آپ شملہ بھی نہ جا سکے۔[۵۳]

سردار عبدالرب نشتر نے آپ کو زبان سے متعلق ایک خط تحریر کیا۔ بہ تاریخ ۱۹ راگست اقبال نے سردار صاحب کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ زبان کو میں ایک بُت تصور نہیں کرتا، کہ جس کی پُرستش کی جائے، بلکہ اظہار مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ جب اس میں انقلاب سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی تو مُردہ ہو جاتی ہے۔[۵۴]

چودھری محمد حسین کا خط ملنے پر آپ نے انھیں ۹ راگست کے مکتوب میں اہلیہ کے متعلق تحریر فرمایا کہ مریضہ کی حالت بدستور خراب ہے۔ بخار ۱۰۳ اور ۱۰۴ کے درمیان رہتا ہے۔ میں نے قصیدہ بردہ کا ایک شعر لکھ کر اس کی پیشانی پر لگا دیا ہے...... علی گڑھ میگزین بابت مئی جون، جولائی میں پیام مشرق کے متعلق ایک عمدہ مضمون شائع ہوا ہے۔[۵۵]

چودھری محمد حسین نے آپ کے خط کا جواب دیا۔ انھوں نے اپنے خط میں شیطان سے متعلق ایک بحث چھیڑ دی۔ اقبال نے انھیں ۱۹ راگست کے خط میں تحریر فرمایا کہ تعجب ہے، شیطان کو اگر ہستی سمجھا جائے تو آپ اس کو مخلوق مانتے ہیں۔ جب اس کو ہستی نہیں بلکہ محض حقیقت سمجھا جائے تو اس کے ازلی و ابدی ہونے کی بحث اٹھاتے ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ قرآنی روایت کا مقصد علم انسانی کی حقیقت واضح کرنا ہے، کسی فلسفیانہ بحث کا فیصلہ کرنا مقصد نہیں ہے...... ان دنوں چودھری صاحب نواب صاحب کے ہمراہ کوٹھی نو بہار، شملہ میں مقیم تھے۔[۵۶]

اقبال اور ان کی بیویوں کی خواہش تھی کہ کرایے پر رہنے کی بجائے اب اپنی ذاتی کوٹھی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں آپ نے احباب سے کہا کہ کوئی مناسب کوٹھی تلاش کیجیے۔ ایک کوٹھی خریدنے کی بات چیت ہونے لگی۔ قیمت بھی طے ہو گئی، لیکن جب ادائیگی کرنے لگے تو ہندو مالک وعدے سے مکر گیا۔ اڑتی سی خبر مولانا گرامی کو پہنچی کہ اقبال نے لاہور میں نئی کوٹھی خرید لی ہے۔ مولانا نے مبارکباد کا خط لکھا تو آپ نے ۲۲ راگست کو اپنے جوابی مکتوب میں ہندو مالک کے مکر جانے کی خبر دی۔[۵۷]

اقبال کو تین تار آئے کہ عثمانیہ یونی ورسٹی سے متعلق ضروری مشورہ کرنے کے لیے حیدر آباد دکن تشریف لائیے۔ مگر آپ نے بیگم کی علالت کے باعث انکار کر دیا۔ حیدر آباد والوں نے ایک اہل کار لاہور آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے اسے متعلقہ امور کے سلسلے میں ضروری ہدایات دے۔[۵۸]

۲۷/اگست کو مولانا گرامی کا خط موصول ہوا۔ مولانا صاحب نے اقبال کو تحریر کیا کہ وہ ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہیں اور علاج کے لیے دہلی، حکیم اجمل خان کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے اسی روز مولانا کو جواب میں اس مرض کا مجرب نسخہ تحریر کیا کہ جامن کی گٹھلی سائے میں خشک کیجیے۔ پھر اسے پیس کر کپڑے میں چھان لیجیے اور ذرا سا نمک ملا کر پانی کے ساتھ بقدر دو تین ماشہ صبح کھایا کیجیے۔ حکیم اجمل خان شاید سولن میں ہیں۔ اس لیے آپ لاہور آ کر ڈاکٹر محمد حسین سے علاج کرائیے۔[۵۹]

پیام مشرق کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ آپ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی تیاری کرنے لگے۔ اس ضمن میں شیخ مبارک علی، تاجر و ناشر، کتب لاہور کو پیشکش، سرورق، دیباچہ اور اشتہار وغیرہ کے سلسلے میں ضروری ہدایات دیں۔ کچھ عرصہ بعد کتابت کے سلسلے میں بھی چند مفید مشورے دیئے۔[۶۰]

۱۰/ستمبر کے خط میں اقبال نے نیاز الدین کو تحریر فرمایا کہ پیام مشرق کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہو رہی ہے۔ اس میں بہت سا اضافہ ہو جائے گا۔[۶۱]

شملہ سے چودھری محمد حسین کا خط موصول ہوا تو اقبال نے انھیں ۱۰/ستمبر کو جواب میں تحریر فرمایا کہ ابھی مجھے بڑودہ سے رام بابو، پرائیویٹ سیکریٹری ہز ہائی نس مہارانی صاحبہ کا خط آیا ہے۔ انھوں نے شکایت کی ہے کہ نواب صاحب نے میری نظم پر جو کتاب تحریر کی تھی، اس کا کوئی نسخہ ان کو نہیں ملا۔ مہربانی کر کے ان کو وہ کتاب بھجوا دیں۔ شاید میں اور مرزا صاحب کل شملہ آئیں۔[۶۲]

اقبال شملہ نہ جا سکے لیکن مرزا صاحب شملہ چلے گئے۔

۱۷/ستمبر کو چودھری صاحب کا نیا خط موصول ہوا۔ اسی روز اقبال نے انھیں جواب دیتے ہوئے رقم فرمایا کہ سردار امراؤ سنگھ صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے، اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو وہ بذریعہ خط دریافت کر سکتے ہیں...... چھوٹے میاں کو دعا۔[۶۳]

۲۴/ستمبر کو پنجاب یونی ورسٹی کے وائس چانسلر، سر جان مینارڈ کی زیر صدارت پروفیسر شپ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ مذکورہ اجلاس میں اقبال بھی شریک ہوئے، کیوں کہ آپ اس کمیٹی

کے رکن تھے۔[۶۴]

اہلیہ کے بعد آپ خود بھی بیمار ہو گئے۔ ۲۷ ستمبر کو افاقہ ہوا، لیکن نقاہت طاری رہی۔ بستر پر لیٹے لیٹے آپ نے مہاراجا صاحب کے خط مورخہ ۱۹ر ستمبر کا جواب ۲۹ ستمبر کو دیا۔ مہاراجا صاحب نے اپنے خط میں اپنے بیٹے کی آنکھ کی بینائی سے متعلق لکھا تھا کہ اس کی بصارت کام نہیں کرتی۔ مہاراجا صاحب نے آپ کو دعا کرنے کے لیے کہا تھا اور فقرائے لاہور سے بھی دعا کی استدعا فرمائی تھی۔ آپ نے مہاراجا صاحب کو جواب میں تحریر فرمایا کہ گزشتہ تین ماہ سے بیماریوں کی وجہ سے مسلسل آلام وافکار میں گرفتار ہوں...... ان شاء اللہ دعا کر دوں گا۔[۶۵]

۲۹ر ستمبر کو آپ نے چودھری محمد حسین کے خط کا جواب دیا جو آپ کو ایک روز قبل موصول ہوا تھا۔ جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ آج مرزا صاحب کو بخار ہو گیا ہے۔ میں ابھی بہت کمزور ہوں۔ یہ خاص قسم کا بخار ہے، بہت کمزور کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے مفاصل میں سخت درد ہوتا ہے۔[۶۶]

مہاراجا صاحب نے ۸ر اکتوبر کے خط میں اپنی ایک چھوٹی بیٹی کے مرجانے کی خبر دی۔[۶۷]

۱۱ر اکتوبر کو آپ نے مولانا گرامی کے ایک خط کا جواب دیا۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ خدا نہ کرے آپ کو نقرس ہو۔ یہ بڑا کم بخت درد ہے۔ میں دو چار روز تک نئے مکان میں منتقل ہو جاؤں گا۔[۶۸]

۱۵ر اکتوبر کو آپ نے اپنے ناشر کو رقعہ لکھ بھیجا کہ پیام مشرق کی ایک جلد صغرا بیگم ہمایوں مرزا کو بھیج دی جائے۔[۶۹]

۲۰ر اکتوبر کو مہاراجا صاحب کا خط اقبال کے نام موصول ہوا۔[۷۰]

اگلے روز مولانا گرامی کا مکتوب ملا۔ اقبال نے خط ملتے ہی مولانا کو جواب دیا کہ آپ کی رباعیات نے بڑا لطف دیا۔[۷۱]

۲۲ر اکتوبر کو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ریڈنگ نے لاہور کا دورہ کیا۔ ان کی آمد سے قبل شہر کی خوب سجاوٹ کی گئی۔ ۲۳ر اکتوبر کو انھوں نے لاہور ہائی کورٹ کی عمارت کا افتتاح کیا۔ ہائی کورٹ کے برآمدے میں ججوں، وکلا اور صوبے کے سرکاری حکام کا بہت بڑا اجتماع ہوا۔ سر شادی لعل، چیف جسٹس نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ وائسرائے نے جوابی تقریر میں تعریفی انداز میں اقبال کا بھی ذکر کیا۔[۷۲]

۲۴/اکتوبر کو اقبال نے مہاراجا صاحب کی صاحبزادی کی موت پر ایک تعزیتی خط لکھا۔ انھوں نے گزشتہ روز ہائی کورٹ کی رسم افتتاح کا ذکر بھی فرمایا۔[۷۳]

۳۰/اکتوبر کو پیام مشرق کی ایک کتاب آپ نے پروفیسر ریوبن لیوی (Ruben Levy)، پروفیسر فارسی، کیمبرج یونی ورسٹی کو بطور تحفہ بھجوائی۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا کہ شاید آپ کو میری یہ کتاب گوئٹے کے دیوان مغرب کے جواب میں لکھی گی ہے، باعث دلچسپی معلوم ہو۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ عنقریب شائع ہوگا۔[۷۴]

یکم نومبر کو پنجاب یونی ورسٹی میں وائس چانسلر کی زیر صدارت پروفیسر شپ کمیٹی کا اجلاس ہوا، جس میں اقبال بھی شریک تھے۔[۷۵]

۳ نومبر کو اقبال کا ۲۴/اکتوبر والا خط مہاراجا صاحب کے پاس پہنچا۔ مہاراجا صاحب نے اسی روز جواب دیا کہ حیدرآباد کی مدارالمہا ابھی پردہ راز میں ہے۔ اس خدمت کے لیے کس شخصیت کا انتخاب ہوا ہے، اس کا نام خدا ہی جانتا ہے...... یہ معلوم کر کے بہت خوش وقت وشادکام ہوں کہ وائسرائے ہند نے اقبال کی تعریف عام مجمع میں عمدگی کے ساتھ کی ہے۔[۷۶]

۳/نومبر کو آپ نے مولانا عبدالماجد دریابادی کی تصنیف پیام امن ملنے پر انھیں شکریے کا خط تحریر فرمایا۔[۷۷]

۱۴/نومبر کو ایک طویل مکتوب میں آپ نے سید محمد سعیدالدین جعفری کے استفسارات کے جوابات دیے۔ اقبال نے اپنے عقیدے کے متعلق تحریر فرمایا: ''میرا عقیدہ محض خاندانی قربت اور ماحول کے اثرات کا نتیجہ نہیں بلکہ بیس سال کے نہایت آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس وقت اقوام انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت اسلام ہے''۔[۷۸]

۱۹/نومبر کو پروفیسر شپ کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت وائس چانسلر پنجاب یونی ورسٹی منعقد ہوا۔ اس میں اقبال بھی شریک ہوئے۔[۷۹]

اقبال کو سر کا خطاب عطا ہوا، تو مولوی شیخ عبداللہ، ساکن چک عمر، ضلع گجرات کے جانشین محمد سلام اللہ شائق نے ۱۳۴۱ھ میں آپ کی خدمت میں یہ قطعہ تاریخ لکھ کر پیش کیا:

مبارک صد مبارک بہر اقبال
خطاب عزت و اقبال عالی

۱+۱۳۴۰ =۱۳۴۱ [۸۰]

سال رواں میں حیدر آباد دکن کے رہائشی عبدالرزاق راشد نے اقبال کی اردو نظموں کا ایک مجموعہ آپ کی اجازت کے بغیر شائع کر دیا۔ اس غیر اخلاقی و ناجائز حرکت پر آپ نے انھیں قانونی چارہ جوئی کا نوٹس دیا۔[۸۱]

ڈاکٹر سید یامین ہاشمی، ایل ایل بی، ایم اے علیگ پی ایچ ڈی (لندن) نے ایک نظم بغرض اصلاح ایک قطعہ کے ساتھ اقبال کی خدمت میں ارسال کی۔ آپ نے انھیں شاعری کرتے ہوئے عرب کے قدیم شعراء کو پیش نظر رکھنے کا مشورہ دیا۔ قطعہ آپ کی تعریف میں تھا۔[۸۲]

اس سال اقبال نے انٹرنس طلبہ کے لیے فارسی کی نصابی کتاب آئینہ عجم مرتب فرمائی۔ اسکول بورڈ آف دی پنجاب یونی ورسٹی نے اسے منظور کر لیا۔ تعداد ایک سو۔[۸۳]

اسرار رموز یکجا صورت میں پہلی بار ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ اسرار خودی کی اشاعت سوم اور رموز بے خودی کی اشاعت دوم ہے۔ مثنوی کے متعدد اشعار اس نئے ایڈیشن میں حذف کر دیے گئے۔ کئی حصوں میں ترمیم کی گئی اور بعض اشعار کا اضافہ بھی ہوا۔[۸۴]

آپ کے انگریزی لیکچر Political Thought in Islam کو چودھری محمد حسین نے اردو میں خلافت اسلامیہ کے نام سے ترجمہ کیا جو کتابچے کی صورت ظفر برادرز، لاہور سے شائع کیا۔[۸۵]

اس سال جامعہ ملیہ دہلی کے تین پروفیسر، ڈاکٹر سید عابد حسین، حبیب الرحمٰن اور غلام السیدین کشمیر جاتے ہوئے لاہور سے گزرے تو بطور خاص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے پیام مشرق کا ۱۹۲۳ء کا ایڈیشن دیکھا تو اس کی طباعت اور پیش کش کو ناپسند کیا۔ جامعہ ملیہ کے پریس کی کارکردگی بیان کرتے ہوئے انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ پیام مشرق کا ایک اور ایڈیشن وہ اپنی نگرانی میں شائع کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ نے اجازت دے دی۔[۸۶]

معارف جون میں پیام مشرق شائع ہونے کی یہ خبر شائع ہوئی:

> یہ ڈاکٹر اقبال کے دماغ و قلم کا شاہکار ہے۔ شاید اقبال بھی اس سے بہتر (شاعری) کبھی نہ کہہ سکیں گے۔[۸۷]

پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات منعقدہ ۱۹۲۳ء کے موقع پر آپ میاں عبدالعزیز (مالواڈہ) کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ اس سلسلے میں لوگوں نے اقبال کو بہت مجبور کیا۔ کئی وفود

بھی آپ کے پاس آئے۔[۸۸]

اس سال ترک اسمبلی نے اعلان کیا کہ ترکی ایک لادین جمہوریہ بن گیا ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا اس کے صدر مقرر ہوئے۔[۸۹]

سر فضل حسین نے اپنی الگ سیاسی پارٹی ''یونینسٹ'' بنالی۔[۹۰]

سال ۱۹۲۲۔۱۹۲۳ء میں اقبال کو ۱۹۲۷ روپے آمدن ہوئی۔ اس پر آپ نے ۲۲۴ روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔[۹۱]

❁……❁……❁

حواشی

1- *Punjab Gazette,* P:10, Part II.

۲- اقبال بنام شاد، ص ۳۵۷

۳- سرگزشت اقبال، ص ۱۶۰؛ ذکر اقبال، ص ۱۱۷

۴- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، حاشیہ ۱۷۸

۵- سرگزشت اقبال، ص ۱۶۰

۶- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۱۸۵۔۱۸۶

۷- زندہ رود، ص ۲۶۹

8- *Punjab Gazette,* P:10, Part II.

۹- ملفوظات اقبال، ص ۲۲۷

۱۰- اقبال کی صحبت میں، ص ۲۹

۱۱- اقبال بنام شاد، ص ۲۷۳

۱۲- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۱۱۵

۱۳- اوراق گم گشتہ، ص ۴۳۰

۱۴- اقبال بنام شاد، ص ۳۶۱

۱۵- مجلہ اقبال ریویو، لاہور، جنوری ۱۹۸۳، ص ۴۵

۱۶- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۸

۱۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۲۵

۱۸- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۱۰

۱۹- اقبال کی صحبت میں، ص ۱۳۷
۲۰- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۳۰
۲۱- انوار اقبال، ص ۷۳-۷۴؛ حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں، ص ۲٦۸
۲۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۲٦-۲۲۷
۲۳- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۴۴
۲۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۱۲
۲۵- اقبال بنام شاد، ص ۲۷۴
۲٦- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۷۷
۲۷- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۸۸-۸۹
۲۸- اقبال کی صحبت میں، ص ۲۹۹
۲۹- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۰۳
۳۰- اقبال بنام شاد، ص ۳٦٦
۳۱- زندہ رود، ص ۲۷۷
۳۲- اقبال بنام شاد، ص ۳۲۹
۳۳- ایضاً، ص ۲۷۵
۳۴- اقبال کی صحبت میں، ص ۱۳۷
۳۵- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۴۴
۳٦- ایضاً، ص ۴۴
۳۷- انوار اقبال، ص ۱۵۰-۱۵۱
۳۸- ایضاً، ص ۱۵۲-۱۵۳
۳۹- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۷۸
۴۰- انوار اقبال، ص ۱۹۹
۴۱- ایضاً، ص ۱۵۳
۴۲- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۲۰۸-۲۰۹
۴۳- ایضاً، ص ۲۰۹
۴۴- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۰٦؛ گفتار اقبال، ص ۸
۴۵- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۴۵
۴٦- انوار اقبال، ص ۱۵۴
۴۷- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۱۷

۴۸- گفتار اقبال، ص ۸-۹
۴۹- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۳۶
۵۰- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۱۸
۵۱- اوراق گم گشتہ، ص ۱۱۷
۵۲- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۱۹-۳۲۰
۵۳- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۴۷
۵۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۲۰
۵۵- مکتوبات اقبال بنام چودھری محمد حسین، ص ۱۴-۳۶
۵۶- ایضاً، ص ۱۵-۱۶-۲۸-۲۹
۵۷- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۲۷-۲۲۸
۵۸- ایضاً، ص ۲۲۸-۲۲۹-
۵۹- ایضاً، ص ۲۲۸
۶۰- انوار اقبال، ص ۳۲۲
۶۱- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۴۸
۶۲- مکتوبات اقبال بنام چودھری محمد حسین، ص ۱۷-۴۰-۴۱
۶۳- مکتوبات اقبال، ص ۱۸-۴۲-۴۳
۶۴- مفکر پاکستان ، ص ۱۸۴
۶۵- اقبال بنام شاد، ص ۲۷۶
۶۶- مکتوباتِ اقبال، ص ۱۹-۴۴-۴۵-
۶۷- ایضاً، ص ۳۷۲
۶۸- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۳۰-۲۳۱
۶۹- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۲۴
۷۰- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۳۵
۷۱- اقبال بنام شاد، ص ۲۳۵
۷۲- زندہ رود، ص ۲۸۰
۷۳- اقبال بنام شاد، ص ۲۷۷-۲۷۸
۷۴- اقبال یورپ میں، ص ۵۰-۶۱
۷۵- مفکر پاکستان، ص ۱۸۴
۷۶- اقبال بنام شاد، ص ۳۷۵

۷۷- روح مکاتیب اقبال،ص۳۲۸
۷۸- اوراق گم گشتہ،ص۱۱۸
۷۹- مفکر پاکستان،ص۱۸۴
۸۰- اوراق گم گشتہ،ص۱۱۰
۸۱- اقبال اور حیدر آباد،ص۹۵
۸۲- اوراق گم گشتہ ،ص۱۸۶
۸۳- اقبال ریویو،۱۹۸۴ء،ص۴۹
۸۴- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۱۰۲
۸۵- ایضاً،ص۳۴۱
۸۶- اقبال کی صحبت میں،ص۱۳۸
۸۷- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۶۵
۸۸- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۳۵
۸۹- زندہ رود،ص۲۶۲
۹۰- ایضاً،ص۲۹۳
۹۱- ایضاً،ص۲۱۵

۱۹۲۴ء......خوشی اور غم ساتھ ساتھ

یکم جنوری کو مقدمات کے سلسلے میں اقبال کرنال تشریف لے گئے۔ ان مقدمات کا تعلق کرنال کے نوابوں سے تھا۔ ۹ رجنوری تک آپ نے کرنال میں قیام فرمایا۔ ۱۰ رجنوری کو واپس لاہور تشریف لے آئے۔ گھر پر مہاراجا صاحب کی جانب سے نوروز کی مبارک باد کا کارڈ موجود پایا۔ مہاراجا صاحب اور ان کی بیٹیوں کی تصویریں بھی خط کے ساتھ پائیں۔[۱]

۸ رجنوری ۱۹۲۴ء کو احمد یار خان دولتانہ کی بیوی وفات پا گئی۔ اس موقع پر آپ نے قطعہ تاریخ کہا:

رخت سفر چو مادر ممتاز بست و رفت
گفتہ بگو کہ قربت او اسمان مقام[۲]

۱۳۴۲ھ

ملیح آباد، لکھنو کے ایک نوجوان شاعر شبیر حسین اقبال سے ملاقات کرنے آئے۔ انھوں نے آپ سے استدعا کی کہ مہاراجا کشن پرشاد کے نام ایک تعارفی خط لکھ دیں تاکہ انھیں حیدر آباد میں کوئی مناسب ملازمت مل سکے۔ آپ نے ۱۴ رجنوری کو مہاراجا صاحب کے نام ایک تعارفی خط میں تحریر فرمایا کہ یہ نوجوان نہایت قابل اور ہونہار شاعر ہیں۔ خداداد قابلیت رکھنے کے علاوہ لکھنو کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ سرکار ان کے حال پر عنایت فرمائیں گے۔[۳]

۲۰ رجنوری کو نیاز الدین کے خط کا جواب دیتے ہوئے اقبال نے لکھا کہ نواب ذوالفقار علی خان سے آپ کی تحریروں کے متعلق میری کوئی بات نہیں ہوئی......امید ہے، آپ کنج پورہ میں کوئی مفید کام کر سکیں گے۔ نواب کنج پورہ نیک نفس آدمی ہیں، ان سے آپ کا نباہ بھی خوب ہوگا۔[۴]

۲۳ رجنوری کو سید سلیمان ندوی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ رسالہ ذخیرۃ الدینیہ جاوا سے نکلنا شروع ہوا ہے......امام مالکؒ کے نزدیک اولیس کا کوئی تاریخی وجود ہی نہیں۔ اگر حضرت امام

مالکؒ کی تحقیق زیرِ نظر ہو، تو حوالے سے آگاہ فرمائیے۔[۵]

یکم فروری کو سید سلیمان ندوی کے نام ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا کہ معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے، بالخصوص آپ کے مضامین کے حوالے سے کہ آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ خوبیوں سے بھی مالا مال ہوتی ہے...... مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو اضافے انھوں نے یونانیوں کی منطق پر کیے، اس کے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں ان کتابوں کے نام تحریر فرمائیے جنھیں پڑھنا ضروری ہے۔[۶]

محمد اکبر منیر نے اسلامی ممالک کے سفر کے دوران اقبال کو خطوط لکھے۔ منیر صاحب شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے کچھ اشعار بھی اقبال کو لکھ بھیجے۔ بہ تاریخ ۲؍فروری آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ کو اسلامی ممالک کے سفر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اشعار نہایت دل چسپ ہیں اور بالخصوص ''مسلمانے نمی بینم'' نے تو مجھے رلا دیا۔[۷]

آپ کی فارسی مثنوی پیام مشرق کا پہلا ایڈیشن ۲؍فروری تک ختم ہو گیا۔[۸]

اس دوران نیاز الدین کنج پورہ جا کر ادبی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے آپ کو ایک خط لکھ کر چند حکما کے متعلق استفسار کیا۔

کئی روز کی متواتر بارش نے سردی میں اضافہ کر دیا۔ کڑے موسم کے باعث اقبال کی کمر میں درد ہونے لگا۔ ڈاکٹر سے معائنہ کرایا۔ ان کی ہدایت پر پیشاب کا طبی امتحان ہوا، تو یورک ایسڈ کی زیادتی نکلی۔[۹]

۱۱؍فروری کو نیاز الدین کے نام خط میں اقبال لکھتے ہیں کہ یورک ایسڈ دور کرنے کی دوائی پی رہا ہوں...... پیام مشرق چھپ رہا ہے۔ مجموعہ اردو مرتب ہو چکا۔ حکما کے نام اچھی طرح پڑھے نہیں گئے۔ اگر یہ فلسفیوں کے نام ہیں تو ان میں سے اکثر غیر معروف ہیں۔[۱۰]

معارف فروری میں، گرامی کی ایک فارسی غزل شائع ہوئی۔ غزل کا یہ شعر

فقر از ترکمائی ہم ہست

اقبال کو بہت پسند آیا۔ اس پر آپ نے تضمین کی اور سید سلیمان ندوی کو خط میں لکھ کر ارسال کر دی۔[۱۱]

پیام مشرق کے دوسرے ایڈیشن کے لیے مسودہ پریس کے حوالے کر دیا۔ فروری کے مہینے ہی میں اردو مجموعہ کلام بانگ درا کا مسودہ بھی کاتب عبدالمجید کے سپرد کر دیا گیا۔ بانگ درا کی بیشتر نظمیں اور غزلیں جلسوں میں سنائی جا چکی تھیں۔ کئی ایک اخبارات و رسائل میں شائع ہو گئی

تھیں۔ مجموعے کا دیباچہ شیخ عبدالقادر نے تحریر فرمایا۔[۱۲]

مارچ کے پہلے ہفتے میں پیام مشرق چھپ کر مارکیٹ میں آ گئی۔ تعداد ایک ہزار تھی، قدرت اللہ نے مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے شائع کیا۔[۱۳]

۱۰/مارچ کو آپ نے پیام مشرق کی اشاعت دوم کی ایک کاپی پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن کو پروفیسر آرا ے نکلسن کے ذریعے بھجوائی۔[۱۴]

۲۷/مارچ کو ایک اعزازی نسخہ میاں نظام الدین کے نام ارسال کیا۔[۱۵]

علی بخش روزانہ کاتب سے بانگ درا کی کتابت شدہ کاپیاں تصحیح کے لیے لے آتا تھا۔

۳/اپریل کے زمیندار اخبار میں پیام مشرق کی ایک غزل شائع ہوئی جس کا مطلع ہے:

سر خوش از بادہ تو خم شکنے نیست کہ نیست
مست لعلین تو شیریں سخنے نیست کہ نیست[۱۶]

انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں اقبال بھی شریک تھے۔ اس موقع پر سید سلیمان ندوی سے ملنے کی توقع تھی، مگر سید صاحب اس دفعہ جلسے میں نہ آ سکے۔[۱۷]

اپریل کے دوسرے ہفتے شہر لاہور میں طاعون کا موذی مرض پھیل گیا۔ اقبال بیگمات کے ہمراہ لدھیانہ چلے گئے۔ چوتھے ہفتے لاہور واپس آئے تو مرض کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ لدھیانہ ہی سے آپ نے ۲۲/اپریل کو نیاز الدین کے خط کا جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ دو چار روز میں واپس لاہور جاؤں گا...... قلندر صاحب بڑے پائے کے بزرگ تھے۔[۱۸]

یکم مئی کے خط میں اقبال نے سید سلیمان ندوی سے دریافت فرمایا کہ کیا روسی مسلمانوں میں ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی ہے؟ مفتی عالم جان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود مذہبی انقلاب لانا بھی تھا؟۔[۱۹]

محمد شفیع اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر تھے۔ ۲ مئی کو آپ نے انھیں جواب دیتے ہوئے رقم فرمایا کہ آپ کے متعلق میری سفارش کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اب آپ کے لیے دعا کرنے کو جی چاہتا ہے۔[۲۰]

۱۴/مئی کو سید سلیمان ندوی کے نام مکتوب میں لکھا کہ رویت باری کے متعلق استفسار اس لیے

کیا تھا کہ شاید اس بحث سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریہ نور پر کچھ روشنی پڑ سکے۔[۲۱]

انجمن حمایت اسلام کا اجلاس ۱۹ مئی کو مولوی فضل الدین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اقبال کی خواہش پر انجمن کی جنرل سیکریٹری شپ سے آپ کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔ ملک برکت علی نے اس استعفیٰ کی تائید کی لیکن آپ کا انجمن کے ساتھ تعلق قائم رہنا، ادارے کے حق میں مفید تھا۔ لہٰذا انجمن نے آپ کو کثرت رائے سے صدر منتخب کر لیا۔ لیکن اقبال نے صدر بننا بھی قبول نہ کیا۔ پہلے کے مانند ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صدارت قبول کرنے کی استدعا کی، لیکن کونسل کے ارکان میں شدید اختلافات پائے جانے کی وجہ سے اقبال نے معذوری ظاہر کر دی۔[۲۲]

۲۳ جون کے زمیندار اخبار میں آپ کا ایک مراسلہ شائع ہوا۔ اس میں آپ نے اپنے سوشلسٹ ہونے کی تردید فرمائی۔[۲۳]

شاکر صدیقی نے آپ کی فارسی نظم ''تنہائی'' کو اردو کے قالب میں ڈھالا تھا۔ انھوں نے اقبال سے اس اردو ترجمہ کو شائع کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے ۲۴ جون کو انھیں لکھا کہ آپ کا ترجمہ میری ناقص رائے میں اشاعت کے قابل نہیں۔[۲۴]

انجمن حمایت اسلام کی صدارت سے ۲۸ جون کو تحریری طور پر استعفیٰ دے دیا، کیوں کہ ادارے کی حالت اچھی نہیں رہی تھی۔ بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں شامل ہو چکے تھے۔[۲۵]

حیدر آباد دکن کے نائب صدر محاسب، عبدالرزاق راشد نے ماہ جون میں اقبال کی شاعری رسالوں، اخباروں اور کتابچوں سے نقل کر کے کلیات اقبال کے نام سے ایک کتاب تیار کی اور بغیر اجازت شائع کر دی۔ آپ نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔[۲۶]

اقبال کی دونوں ازواج امید سے تھیں۔ موسم گرما میں آپ شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانیؒ کے مزار پر سرہند شریف تشریف لے گئے اور اولاد نرینہ کے لیے دعا فرمائی۔ دعائے خیر کے لیے آپ شرق پور بھی گئے۔ وہاں ایک ولی اللہ میاں شیر محمد کا فیض عام جاری تھا۔ آپ ان کی خدمت میں پہنچے۔ میاں صاحب ہمیشہ احترام شریعت پر اصرار کرتے تھے۔ جو کوئی بھی ملنے آتا، اسے ڈاڑھی رکھنے کی سخت تاکید کرتے تھے۔

جب اقبال انھیں ملے تو وہ مسجد میں بیٹھے تھے۔ پوچھا، کیسے آئے ہو؟ جواب دیا: میرے لیے دعا کیجیے۔ فرمایا: تم ڈاڑھی منڈاتے ہو۔ میں تمھارے لیے دعا نہیں کروں گا۔ اقبال یہ سن کر اٹھے اور مسجد سے نکل کر تانگوں کے اڈے کی طرف چل دیے۔ اسی اثنا میں میاں شیر محمد کے قریب

بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے کہہ دیا کہ یہ تو اقبال تھے۔

یہ سن کر میاں صاحب کی عجیب حالت ہوگئی۔ مسجد سے نکل کر وہ ننگے پاؤں اڈے کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ تانگہ پر سوار ہو ہی رہے تھے کہ یہ آن پہنچے۔ بے حد معذرت کی اور کہا کہ میں عام لوگوں کو ڈاڑھی رکھنے کی تاکید کرتا رہتا ہوں، لیکن میرے نزدیک آپ جیسے شخص پر جس نے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے قلوب میں ایمان اور علم کے چراغ روشن کر دیے ہیں، ڈاڑھی کے معاملے میں سختی کرنا مناسب نہیں۔ اس کے بعد آپ کے لیے دعا فرمائی اور اقبال شاد و مطمئن واپس لاہور آئے۔[۲۷]

۵ر جولائی کے خط میں اقبال نے سید سلیمان ندوی کو تحریر فرمایا کہ پیام مشرق سے متعلق معارف میں آپ کے تبصرہ کے لیے سراپا سپاس ہوں، پروفیسر نکلسن کا خط بھی آیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور غالباً اس کا ترجمہ بھی کریں گے...... انجمن کے جلسے میں صرف آپ کے لیے گیا تھا۔ سوچا تھا کہ آپ کو اپنے یہاں مہمان بنا کے لیتا آؤں گا۔ مگر جلسے میں جا کر مایوسی ہوئی۔ کیونکہ آپ موجود نہ تھے۔[۲۸]

لاہور ہائی کورٹ نے سیالکوٹ کے ڈسٹرکٹ جج سے جونیر وکلا کے نام طلب کیے تا کہ ان کو بحیثیت سب جج منتخب کیا جاسکے۔ شیخ عطا محمد نے اس سلسلے میں آپ کو خط تحریر فرمایا۔ آپ نے بہ تاریخ ۱۳ر جولائی برادر اکبر کو جواب دیا کہ آپ بذریعہ ڈاک اعجاز کا نام بھجوا دیجیے۔ میں چیف جج سے اس کا ذکر پہلے ہی کر چکا ہوں۔[۲۹]

جولائی کا مہینہ شروع ہوتے ہی اقبال بخار میں مبتلا ہوگئے۔ آپ کا مسوّدہ بھی پھول گیا۔ اُسے چیرا دلانا پڑا۔ ۱۳ر جولائی کو نیاز الدین کا خط موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ میں کئی روز تک بیمار رہا ہوں۔ اردو مجموعہ چھپ گیا ہے، دو ہفتہ تک تیار ہو جائے گا...... میں بھی اگست میں شملہ جانے کا قصد کر رہا ہوں...... ایک چھوٹی سی کتاب لکھ رہا ہوں جس کا نام غالباً یہ ہوگا: *Songs of A Modern David*[۳۰]

۱۴ر جولائی کے زمیندار میں زبور عجم میں شامل فارسی کی غزل شائع ہوئی جس کا مطلع ہے:

غزل سرا و نواہائے رفتہ باز آور
بہ ایں فسردہ دلاں حرف دلنواز آور[۳۱]

سیالکوٹ میں شیخ رحیم بخش ڈسٹرکٹ جج، کالج میں اقبال کے ساتھی تھے۔ اعجاز احمد نے

اقبال کو خط لکھا کہ شیخ رحیم بخش کی بھی سفارش کرائی جائے۔ آپ نے ۳۰؍ جولائی کے خط میں بڑے بھائی کو جواب دیا کہ شیخ رحیم بخش کو خوب معلوم ہے کہ اعجاز میرا بھتیجا ہے۔ انھوں نے خود مجھ سے ذکر بھی کیا تھا۔ موجودہ حالات میں کسی خاص سفارش کی ضرورت نہیں۔[۳۲]

آپ کی ہمشیر کریم بی بی چند روز سے اقبال کے پاس لاہور آئی ہوتی تھیں۔ یہاں آ کر وہ اپنے والد مکرم میاں جی کو یاد کرتے ہوئے اداس ہو گئیں اور سیالکوٹ خط لکھ دیا۔ میاں جی نے اعجاز احمد کو کہا کہ وہ اقبال کے نام خط لکھے۔ تاکہ کریم بی بی کو جلد سیالکوٹ بھیج دیں۔ اعجاز احمد کا خط ملا تو اقبال نے میاں جی کو ۱۰؍ اگست کو خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ میں نے مختار سے کہہ دیا ہے، اگر گاڑی جانے میں کافی وقت ہے تو آج ہی ہمشیر کو لے جائے ورنہ کل روانہ ہو جائے...... مجھے مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لیے شملہ جانا ہے اور ان کی تاریخ کا انتظار ہے۔ اس خط کے آخر میں اقبال نے اعجاز احمد کو ہدایت فرمائی کہ دن میں ایک دفعہ وقت نکال کر میاں جی کے پاس ایک آدھ گھنٹہ ضرور بیٹھا کرو۔[۳۳]

اسی دوران سید محمد سعید الدین جعفری نے آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ اقبال نے ۱۲؍ اگست کو معذرت کرتے ہوئے انھیں خط لکھا کہ وہ طویل سفر نہیں کر سکتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ایک مفصل مضمون انگریزی میں لکھ رہے ہیں۔ جس کا نام: The Idea of Ijtihad in the Law of Islam ہے۔[۳۴]

لاہور سے حکیم یوسف حسن نے ماہِ اگست میں نیرنگ خیال کا پہلا شمارہ شائع کیا۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر اس کے شریک مدیر تھے۔ اقبال کو اس کی اعزازی کاپی موصول ہوئی تو آپ نے ۱۷؍ اگست کو رسالے پر اس طرح اظہار خیال فرمایا:

رسالہ نیرنگ خیال لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ بہت ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مضامین میں پختگی اور متانت پائی جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ پنجاب میں صحیح ادبی ذوق پیدا کرنے میں بہت مفید ثابت ہوگا۔[۳۵]

اگلے روز اقبال نے سید سلیمان ندوی کو خط لکھ کر ایک دینی مسئلہ دریافت فرمایا۔ آپ نے پوچھا کہ امریکا کی مشہور یونی ورسٹی کولمبیا نے ''مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات'' پر جو کتاب شائع کی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اجماع امت نص قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے۔ کیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟[۳۶]

اقبال نے بہ تاریخ ۱۹؍ اگست بذریعہ خط سید صاحب کو مطلع فرمایا کہ پنجاب میں مشرقی

صاحب نے تذکرہ کے نام سے قرآن کی تفسیر شائع کی ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ اس پر ایک مفصل تبصرہ آپ کے قلم سے ہونا چاہیے۔[۳۷]

۲۵؍ اگست کو اپنے ایک مکتوب میں آپ نے شاد عظیم آبادی کی تصانیف تمام ملک کے لیے مفید قرار دیں۔[۳۸]

اس سے اگلے روز آپ نے شیخ مبارک علی، تاجر و ناشر کتب، لاہور کو بانگ درا کی کتابت و طباعت کی اجرت کے متعلق ایک خط تحریر فرمایا۔[۳۹]

اس دوران سید سلیمان ندوی نے فقہی مسئلہ کے سلسلے میں اقبال کو جواب دیا۔ آپ نے ۲۷؍ اگست کے خط میں ان سے مزید استفسار فرمایا کہ فقہا کے اجماع سے نص کی تخصیص جائز ہے تو اس تخصیص یا تعمیم کی کوئی مثال بتائیے؟ ایسی تخصیص یا تعمیم اجماع صحابہ ہی کر سکتا ہے یا علماء و مجتہدین امت بھی؟ کوئی حکم ایسا بھی ہے، جو صحابہ نے نص قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو؟[۴۰]

ڈسٹرکٹ جج شیخ رحیم بخش نے سیالکوٹ تحصیل ہیڈ کوارٹر میں پریکٹس کرنے والے ایک ایسے وکیل کا نام جوڈیشل سروس کے لیے ہائی کورٹ کو بھیج دیا، جو اعجاز احمد سے دو سال جونیئر تھا۔ اعجاز احمد ڈپٹی کمشنر سے ملے اور ان سے اپنا نام نہ بھجوانے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس معاملے میں ڈسٹرکٹ جج ان سے مشورہ کرنے کے پابند نہ تھے۔ لہٰذا مشورہ نہیں کیا گیا۔ مزید کہا کہ اگر ہائی کورٹ تمھاری درخواست پر غور کر لے، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اعجاز احمد کی درخواست پر انھوں نے اپنے نکات کو تحریری شکل دے دی۔ اعجاز احمد نے ساری صورت حال بذریعہ خط اپنے چچا کو لاہور لکھ بھیجی۔ اقبال نے جواب دیا کہ مجھے شیخ صاحب سے کوئی توقع نہ تھی، اسی واسطے میں نے انھیں خط لکھنے سے احتراز کیا تھا۔ اب سیالکوٹ کے وکلاء کو خاص طور پر اس امر کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے کہ سیشن جج صاحب نے سفارشات میں ان کے حقوق نظر انداز کر دیے ہیں۔[۴۱]

بانگ درا تیاری کے آخری مراحل میں تھی۔ اقبال نے محمد عبداللہ چغتائی سے فرمایا کہ وہ اس کی تقسیم اور فروخت کا کام سنبھال لیں۔ اگرچہ یہ منفعت بخش کام تھا مگر انھوں نے معذرت کر لی۔ اس موقع پر آپ نے اکبر الٰہ آبادی کے خطوط کا مجموعہ شائع کرنے کا ذکر بھی کیا اور کہا کہ اس کی فروخت کا کام بھی چغتائی ہی کریں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے بعد منشی طاہر الدین کی معرفت شمس العلما مولوی ممتاز علی کے ادارے، دارالاشاعت پنجاب کے ساتھ معاملہ طے پا گیا۔

مولوی ممتاز علی کے لڑکوں، سید حمید علی اور سید امتیاز علی تاج نے کتاب فروخت کرنے کی ذمے داری قبول کر لی۔ بعد ازاں دار الاشاعت پنجاب نے بانگ درا کی تشہیر کے لیے ایک بڑا اشتہار بھی شائع کیا اور شہر میں جگہ جگہ دیواروں پر چسپاں کر دیا۔[۴۲]

بانگ درا ۳؍ ستمبر کو منظر عام پر آئی۔[۴۳]

اس کتاب کا ایک اعزازی نسخہ لاہور کے رئیس میاں نظام الدین کے سپرد کیا گیا۔[۴۴]

سید سلیمان ندوی نے بذریعہ خط تحریر فرمایا کہ وہ لاہور میں ختم نبوت کے موضوع پر ایک تقریر کرنا چاہتے ہیں...... انجمن حمایت اسلام کی صدارت سے مستعفی ہونے کی وجہ اور تذکرہ کے مصنف مشرقی سے متعلق تفصیل بھی پوچھی۔ آپ نے انھیں ۵؍ ستمبر کو جواب دیا اور لکھا کہ یہاں کے لوگوں کو ختم نبوت کے مسئلے میں بڑی دل چسپی ہے۔ آپ کی تقریر ان شاء اللہ بے حد توجہ سے سنی جائے گی...... مشرقی امرتسر کے رہنے والے ہیں اور نوجوان آدمی ہیں۔ کیمبرج سے ریاضی کا اعلیٰ امتحان پاس کیا ہے۔ کچھ مدت کے لیے پشاور کالج کے پرنسپل رہے۔ تذکرہ پر حال ہی میں ایک مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے۔[۴۵]

اقبال کو حیدر آباد دکن سے سر اکبر حیدری کا خط موصول ہوا۔ حیدری صاحب نے ساتھ میں منشی عبدالرزاق کا ایک خط بھی بھیجا۔ اقبال نے ان خطوط کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں منشی صاحب کو مزید مہلت طلبی دینے پر رضامند ہیں۔[۴۶]

اسی دوران سردار بیگم ہی اپنے سسرال سیالکوٹ چلی گئیں۔ ۵؍ اکتوبر کی صبح نو بجے سردار بیگم نے ایک خوب صورت بچے کو جنم دیا۔ گھر بھر میں خوشیاں منائی گئیں۔ اقبال کو لاہور بذریعہ تار اطلاع ملی۔ بڑے پوتے کی نسبت سے لڑکے کا نام قمر الاسلام تجویز ہوا۔ ہفتے کے روز اقبال بچہ دیکھنے سیالکوٹ تشریف لے گئے اور بچے کا نام جاوید اقبال رکھا۔[۴۷]

پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی لاہور نے ۱۸؍ اکتوبر کو اقبال کے نام مکتوب لکھا۔ ادارہ آپ کی چار نظمیں ہمالہ، پیام صبح، جگنو اور شعاع آفتاب نصاب میں شامل کرنے کی اجازت چاہتا تھا۔ اگلے روز آپ نے بذریعہ خط کمیٹی کو نظمیں نصاب میں شامل کرنے کی اجازت دے دی۔[۴۸]

۱۸؍ اکتوبر کی صبح آپ کو بیگم ڈارلنگ، انکم ٹیکس کمشنر کا دعوت نامہ ملا۔ انھوں نے آپ کو اتوار کی شام کھانے پر مدعو کیا تھا۔ لیکن اقبال کو بسلسلہ مقدمہ جھنگ جانا تھا۔ آپ نے دعوت ملنے پر جانے کا ارادہ بدل دیا اور دوسری تاریخ کے لیے جھنگ تار دے دیا۔ شملہ سے سردار امراؤ سنگھ سے

مبارکباد کا خط آپ کے نام آیا۔ ان کی بیوی نے سردار بیگم کو لڑکے کی پیدائش پر مبارک باد دی تھی۔

آپ نے بہ تاریخ ۱۸ر اکتوبر بڑے بھائی کو سیالکوٹ خط تحریر فرمایا کہ اب وہ ۲۹ر اکتوبر کے دن جھنگ جائیں گے۔[۴۹]

آپ کی دوسری بیوی مختار بیگم زچگی کے لیے اپنے میکے لدھیانہ چلی گئیں۔ ۱۸ر اکتوبر کو آپ کو لدھیانہ سے تار ملا کہ مختار بیگم کی حالت تشویش ناک ہے۔ اسی روز آپ نے بڑے بھائی کو سیالکوٹ تار دیا کہ اعجاز احمد کو فوراً لاہور بھیج دیں۔ اعجاز احمد اگلے روز پہلی گاڑی سے لاہور آ گئے۔ اسی روز یعنی بہ تاریخ ۱۹ر اکتوبر ریل گاڑی سے مختار احمد کو ساتھ لے کر اقبال لدھیانہ پہنچ گئے۔ مختار بیگم کو نمونیہ ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ بڑی کمزور ہو گئی تھیں اور وضع حمل کی تکلیف برداشت کرنے کے قابل نہ رہی تھیں۔ ۲۱ر اکتوبر کو دردِ زہ بند ہو گیا۔ ڈاکٹروں سے کہا گیا کہ جہاں تک ہو سکے، زچہ کی جان بچانے کی کوشش کریں۔ لیکن ڈاکٹروں کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور مختار بیگم ۲۱ر اکتوبر کو فانی دنیا سے کوچ کر گئیں۔ وفات سے پندرہ منٹ پہلے اقبال نے ان کو دیکھا اور حال دریافت کیا۔ انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بتایا کہ اچھی ہوں۔[۵۰]

مختار بیگم کی رحلت کے بعد آپ نے سیالکوٹ بڑے بھائی شیخ عطا محمد، لاہور میں منشی طاہر الدین، چودھری محمد حسین اور عبداللہ چغتائی کو تار دے دیے۔ مرحومہ کی نماز جنازہ اقبال نے پڑھائی اور اسی روز انھیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

لاہور سے عبداللہ چغتائی، منشی طاہر الدین اور چودھری محمد حسین اسی رات بمبئی سے لدھیانہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ گاڑی نصف شب کو لدھیانہ پہنچی۔ یہ لوگ آدھی رات کو سبحان منزل پہنچے۔ اقبال بیٹھک ہی میں آرام کر رہے تھے۔ ان کے پہنچنے پر اٹھ کر بیٹھ گئے اور آبدیدہ ہوتے ہوئے تمام کیفیت بتائی۔ اس دوران آپ کی چھوٹی ہمشیر زینت بی بی بھی اپنے خاوند بابو غلام رسول کے ہمراہ فیروز پور سے وہاں آ گئی۔ سیالکوٹ سے کوئی عزیز نہ پہنچ سکا۔ ۲۲ر اکتوبر کو سیالکوٹ سے بڑے بھائی کا تعزیتی کارڈ موصول ہوا۔ اسی روز آپ نے جواب دیا اور لکھا کہ اس موقع پر آپ اور بھاوج صاحبہ یا گھر کا کوئی اور آدمی آ جائے تو بہت بہتر ہے۔ میں ۲۵ر اکتوبر تک یہیں رہوں گا اور قل کرنے کے بعد جاؤں گا۔ سردار بیگم سے کہہ دیجیے کہ وہ زہرہ اور عائشہ کے نام بہت ہمدردی کا خط لکھ دیں، کیوں کہ ان دونوں لڑکیوں کا رونا کوئی شخص بھی نہیں سن سکتا چاہے کیسا ہی سنگ دل ہو۔ ان کی ہر طرح تسلی کرنی چاہیے اور لکھنا چاہیے کہ میں تا عمر تمھاری امی رہوں گی اور ہمیشہ تمھیں

بیٹیوں کی طرح سمجھوں گی۔

۲۲/اکتوبر کو عبداللہ چغتائی لدھیانہ کی مسجد اہل حدیث سے مولوی محمد امین کو اقبال کے پاس لے آئے۔آپ نے ان سے اجماع کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔

۲۴/اکتوبر کو قل ہوگئے۔لاہور سے چودھری محمد حسین، عبداللہ چغتائی اور منشی طاہرالدین رسم قل میں شریک ہوئے۔سید انور شاہ اور محمد زکریا بھی فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لائے۔

مرحومہ کے بھائیوں نے ان کا تمام زیور اور سامان واپس کر دیا، ہر چند آپ نے کہا کہ شریعت کی رو سے بیشتر حصے کے وارث مرحومہ کے بھائی ہی ہیں، مگر انھوں نے ایک نہ مانی۔

لدھیانہ ہی میں وفات کے دوسرے تیسرے روز اقبال نے قطعہ تاریخ کہا:

اے دریغا! زمرگ ہم سفر
بشہادت رسید و منزل کرد[۵۱]

مولانا گرامی کا ایک مکتوب لاہور سے ہوتا ہوا آپ کو بہ تاریخ ۲۵/اکتوبر لدھیانہ میں موصول ہوا۔اسی روز آپ نے مولانا صاحب کو تحریر فرمایا کہ میری لدھیانہ والی بیوی ۲۱/اکتوبر کو انتقال کر گئی ہیں۔مرحومہ گزشتہ دس بارہ برس میری زندگی میں شریک رہیں۔اس مدت میں انھوں نے جس طرح میری خدمت گزاری کی، کسی بیوی نے کم ہی اپنے شوہر کی کی ہوگی۔۱۹/اکتوبر سے لدھیانہ میں ہوں، آج شام لاہور واپس جاؤں گا۔آپ سے التماس ہے کہ کوئی عمدہ مادہ تاریخ نکال لیے۔[۵۲]

اقبال ۲۵/اکتوبر کی رات لاہور واپس آگئے۔اگلے دن دوست احباب فاتحہ خوانی کے لیے آنے لگے۔۲۷/اکتوبر کے دن سیالکوٹ بڑے بھائی کو واپس آنے کی اطلاع بذریعہ خط بھجوائی۔[۵۳]

۲۹/اکتوبر کو مقدمہ کے سلسلے میں جھنگ تشریف لے گئے۔[۵۴]

۳۰/اکتوبر کو آپ نے انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں نظم ''میں اور تو'' پڑھ کر سنائی:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا

یہ جلسہ اسلامیہ ہائی اسکول، بھاٹی دروازہ میں منعقد ہوا۔[۵۵]

مولوی عبدالحق نے رسالہ اردو کے شمارہ اکتوبر میں بانگ درا پر تبصرہ کیا۔[۵۶]

اکتوبر کے آخری دنوں میں مسلم آوٹ لک کے نمائندہ نے آپ سے انٹرویو لیا۔اس نے یہ تجویز دی کہ حجاز کا نظام حکومت سابق خلیفہ کے سپرد کر دیا جائے۔اقبال نے اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اس تجویز کو نامناسب قرار دیا۔آپ نے فرمایا: ''میں اس انتظام کو عارضی اور

ہنگامی طور پر بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ایسی تجویز پیش کرنا ہی ایک غلطی ہے...... میں حجاز کی موجودہ صورت حالات سے پورے طور پر مطمئن ہوں...... سلطان نجد روشن خیال آدمی ہیں وہ موتمر کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔آپ کا یہ انٹرویو زمیندار کے شمارہ ۴ نومبر کو شائع ہوا۔[۵۷]

۵ نومبر کو سیالکوٹ سے بڑے بھائی کا کارڈ موصول ہوا۔آپ نے اسی روز جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اگر جاوید اور اس کی والدہ تندرست ہوگئی ہیں تو ۱۰ ؍نومبر تک آجائیں۔ڈاکٹر میر حیدر کا نسخہ ہمراہ لے آئیں...... نئے گورنر صاحب کے آنے کی وجہ سے بہت سے ڈنر ہیں، وہاں جانا ہے...... علی گڑھ کے ایک پروفیسر ملنے آرہے ہیں۔میں دسمبر میں حاضر ہوں گا۔[۵۸]

اس کے بعد اعجاز احمد سردار بیگم اور نومولود جاوید اقبال کو سیالکوٹ سے لاہور لے آئے۔بہ تاریخ ۲۶ ؍نومبر اقبال نے مولانا عبدالماجد دریا ابادی کو ان کے صاحبزادے کے سلسلے میں دو خطوط تحریر فرمائے۔[۵۹]

کنج پورہ کے نواب صاحب کا ایک مقدمہ چل رہا تھا۔نیاز الدین خان نے اقبال کو خط لکھ کر مقدمے کی فیس سے متعلق استفسار کیا۔آپ نے ۲۹ ؍نومبر کو انھیں جواب میں لکھا کہ اس کام کے لیے وہ دل وجان سے حاضر ہیں۔باقی رہا فیس کا معاملہ، تو خدانخواستہ یہاں دکانداری نہیں، خلوص اور خدمت کی بات ہے۔[۶۰]

۲۹ ؍نومبر کی شام آپ نواب ذوالفقار علی خان کے ہمراہ کرنال تشریف لے گئے۔محمد الدین فوق نے ایک کتاب ملک العلما علامہ عبدالحکیم مع تواریخ سیالکوٹ تحریر کی تھی۔ ۳ ؍دسمبر کو آپ نے اس کتاب کی تقریظ تحریر فرمائی۔[۶۱]

۵ ؍دسمبر کو آپ نے زمیندار اخبار میں بغرض اشاعت ایک خط بھیجا۔یہ خط انجمن حمایت اسلام سے متعلق تھا۔۷ دسمبر کو آپ نے غلام رسول مہر کو مذکورہ خط میں کچھ ترمیم واضافہ کرنے کے لیے خط تحریر فرمایا کہ اس میں انجمن حمایت اسلام کے سیکریٹری شیخ عبدالعزیز کا نام لکھ دیجیے اور آخر میں یہ فقرہ لکھ دیجیے، ''مجھے معلوم نہیں اخباروں میں جو خبر اس وفد کے متعلق شائع ہوئی ہے، اس کا ذمے دار کون ہے؟''[۶۲]

۱۵ ؍دسمبر کو مہاراجا شادصاحب نے سٹی پیلس، حیدرآباد دکن سے اقبال کے نام خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ فقیر شاد اگست میں مع اہل خانہ آستانہ بوسی کے لیے اجمیر شریف گیا تھا۔ارادہ ہوا کہ احباب سے ملاقات کے لیے پنجاب بھی جاؤں، لیکن نواب صاحب رام پور، ملاقات کے لیے

بمبئی میں مقیم تھے، مجبوراً وہاں جانا پڑا۔ چودہ روز بمبئی میں قیام کیا۔ محرم کے مہینے میں حیدر آباد میں طاعون نے حملہ کر دیا۔ مجبوراً جا گر الوال اور پھر کوہ مولا علی کے دامن میں جا چھپا۔ مہاراجا صاحب نے خط کے ہمراہ کرسمس کارڈ بھی بھیجا۔[۶۳]

۲۲؍دسمبر کو یہ خط آپ کو موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز مہاراجا صاحب کو جواب دیا اور مطلع کیا کہ ان کی زوجہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ دوسری بیگم کے ہاں لڑکا ہوا، جس سے کسی قدر تلافی ہوگئی۔ بچے کا نام جاوید رکھا ہے۔ میاں سر محمد شفیع ملازمت سے سبکدوش ہو کر ۲۴ کو لاہور پہنچنے والے ہیں۔ یہاں ان کا زور و شور سے استقبال ہوگا۔ سنا ہے، وہ لاہور ہائی کورٹ میں بیرسٹری کا کام شروع کریں گے۔[۶۴]

۲۳؍دسمبر کو اقبال نے نیاز الدین کے خط کا جواب دیا اور لکھا کہ نواب صاحب...... میموریل لکھنے کے لیے حاضر ہوں۔ وہ تمام متعلقہ کاغذات لاہور لے آئیں تا کہ کام کی کیفیت و کمیت کا اندازہ لگایا جا سکے کہ اس میں کامیابی کی توقع ہے یا نہیں؟[۶۵]

ماہ دسمبر میں حبیبیہ ہال، اسلامیہ کالج لاہور میں شیخ عبدالقادر کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا۔ اقبال کے علاوہ دیگر اہل علم حضرات بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ آپ نے ایک طویل مقالہ بعنوان ''اجتہاد فی الاسلام'' پڑھ کر سنایا۔ اسے پڑھنے سے قبل اقبال نے اس کی اہمیت اور پس منظر بیان کیا۔ معلوم ہوا کہ نیویارک میں چھپی ایک انگریزی کتاب مقالہ تحریر کرنے کی وجہ بنی۔[۶۶]

ہائی کورٹ کی ججوں کی سلیکشن کمیٹی نے شیخ اعجاز احمد کو جوڈیشنل سروس کے لیے منتخب کر لیا۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر شادی لال کی کوششوں کا بھی اس انتخاب میں عمل دخل تھا۔[۶۷]

اقبال نے اس سال چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعت کے طلبہ کے لیے اردو کی نصابی کتب اردو کورس کے نام سے مرتب کیں۔ آپ کے ساتھ بحیثیت مرتب حکیم احمد شجاع بی اے علیگ، اسسٹنٹ سیکریٹری پنجاب لیجسلیٹو کونسل بھی شامل تھے۔ یہ کتب گلاب چند کپور اینڈ سنز، لاہور نے طبع کیں۔[۶۸]

اس سال دیو بند کے علمائے کرام نے اقبال کے اعزاز میں نہایت شاندار دعوت کا اہتمام کیا۔ اس میں مولوی احمد علی، مولانا سید انور شاہ اور اُن کے دوسرے رفقائے دیو بند کے علاوہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی وغیرہ بھی مدعو تھے۔[۶۹]

سرگودھا کی مسلم ایجوکیشن کانفرنس میں راشد الخیری شریک ہوئے۔ واپسی پر انھوں نے دو روز لاہور میں قیام کیا۔ مولانا سالک کے ہمراہ راشد صاحب آپ سے ملاقات کے لیے تشریف

لائے، انھیں دور سے دیکھتے ہی اقبال کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''ارے مولانا، آپ کس طرح گھر سے نکل آئے''؟[۵۰]

سال رواں کے آخری ہفتوں میں آپ نے اورینٹل کالج لاہور کے ہیڈ مولوی نجم الدین کے نام ایک رقعہ بھیجا اور لکھا کہ مولانا نورالحق کے ہاتھ ایک اسلامی کتاب بھیج دیں۔ اس موقع پر مولانا نورالحق کے چھوٹے بھائی غلام جیلانی برق بھی موجود تھے۔ غلام جیلانی نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مذکورہ فقہی کتاب وہ خود لے کر اقبال کے پاس جائیں گے۔ لہٰذا غلام جیلانی کتاب لے کر آپ کے پاس گئے لیکن وہ آپ کے سوالات کا تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ اقبال نے انھیں کہا کہ کل مولوی نورالحق کو بھیج دیجیے گا۔[۵۱]

گورنمنٹ کالج لاہور نے فیصلہ کیا کہ سال کے آخری مہینے میں کالج کے مجلّے راوی کا گولڈن جوبلی نمبر نکالا جائے۔ مدیر محمد صغیر ہاشمی کی خواہش تھی کہ اس نمبر کے لیے اقبال کی کوئی تازہ تحریر مل جائے۔ اس لیے وہ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ مولانا ظفر علی خان بھی اس وقت آپ کے پاس موجود تھے۔ اقبال نے ان سے فرمایا کہ پروفیسر نکلسن نے پیام مشرق کے چند ترجمے بڑے پائے کے کیے ہیں، آپ انھیں استعمال میں لا سکتے ہیں۔ بعد عنایت ایک صفحہ جمیلہ پر اقبال دستخط کرنے پر راضی ہو گئے۔ راوی کے ذکر پر ظفر علی خان نے فی البدیہہ چند اشعار کہے۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

یہ کہتی ہے اٹھ اٹھ کے ہر موج راوی
مسلمان و ہندو کا حق ہے مساوی[۵۲]

سردار بیگم اور مختار بیگم میں بڑی گہری دوستی تھی۔ اسی لیے سردار بیگم سے مختار بیگم کی جدائی برداشت نہ ہوتی تھی۔ گھر میں تنہا بیٹھی روتی رہتی تھیں۔ اقبال نے انھیں صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ مگر سردار بیگم کا کہنا تھا کہ مرحوم کی گیارہ سالہ رفاقت کے بعد وہ شدید تنہائی محسوس کر رہی ہیں۔ انھوں نے پھر اقبال سے کہا کہ وہ مرحومہ کی کسی خالہ زاد بہن سے عقد کر لیں تاکہ انھیں مختار بیگم کے بجائے ان کی بہن کی رفاقت میسر آ جائے۔ پہلے تو آپ اسے مذاق سمجھ کر ٹالتے رہے لیکن سردار بیگم نے اصرار کیا کہ دو گھرانوں میں تعلقات قائم رہنے چاہئیں۔ لہٰذا اقبال اس سلسلے میں مرحومہ کے بھائی سے بات کریں۔ آخر مرزا جلال الدین نے مرحوم کے بھائی لالہ غلام محمد سے بات چھیڑی، لیکن انھوں نے بات ٹال دی اور یوں سردار بیگم کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔[۵۳]

روایت ہے سر فضل حسین نے سر میلکم ہیلی گورنر پنجاب کو ترغیب دی تھی کہ وہ اقبال کو عدالت عالیہ میں جج کا عہدہ دیں۔[۷۴]

اس سال چودھری محمد حسین اقبال کی خدمت میں بلا ناغہ حاضر ہوتے اور روزانہ کی روداد ایک ڈائری میں قلمبند کرتے رہے۔ انھوں نے صرف ۲۷ روز کی ڈائری قلمبند کی ہے۔

سال ۱۹۲۳۔۱۹۲۴ میں ۱۳۶۰۸ روپے آمدن پر اقبال نے ۶۳۷ روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔[۷۵]

❁......❁......❁

حواشی

۱- اقبال بنام شاد، ص ۲۷۸
۲- سید عبدالواحد معینی، باقیات اقبال، آئینہ ادب، انارکلی، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۴۹۱
۳- اقبال بنام شاد، ص ۲۷۸
۴- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۱۴۸
۵- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۱۶۸
۶- ایضاً، ص ۱۶۹
۷- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۳
۸- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۳۳
۹- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۴۹
۱۰- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۳۰
۱۱- معارف، جلد ۱۳ نمبر ۲، فروری ۱۹۲۴ء، ص ۱۴۴۔
۱۲- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۲۲۔۱۳۰۔۱۳۳
۱۳- ایضاً، ص ۱۳۳
۱۴- اقبال یورپ میں، ص ۴۸
۱۵- اوراق گم گشتہ، ص ۱۳۸
۱۶- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۷۶
۱۷- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص ۱۷۲۔
۱۸- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۳۱؛ مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص ۵۰
۱۹- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۳۱

۲۰- ایضاً،ص۳۳۲
۲۱- ایضاً،ص۳۳
۲۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۸
۲۳- گفتار اقبال،ص۶۔۸
۲۴- روح مکاتیب اقبال،ص۳۳۳
۲۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۹
۲۶- روز گار فقیر،جلددوم،ص۴۷۵
۲۷- زندہ رود ،ص۲۸۲؛ذکر اقبال،ص۱۳۰۔۱۳۱
۲۸- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۷۲
۲۹- مظلوم اقبال ،ص۳۴۲۔۳۴۳
۳۰- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان ،ص۵۰
۳۱- اقبال اور ظفر علی خان،ص۷۶
۳۲- مظلوم اقبال،ص۳۴۴
۳۳- ایضاً،ص۳۴۵
۳۴- اوراق گم گشتہ،ص۱۱۸
۳۵- ایضاً،ص۵۰
۳۶- روح مکاتیب اقبال،ص۳۳۴
۳۷- ایضاً،ص۳۳۵
۳۸- ایضاً
۳۹- انوار اقبال،ص۱۷۱۔۱۷۲
۴۰- روح مکاتیب اقبال،ص۳۳۶۔
۴۱- مظلوم اقبال،ص۳۴۸۔۳۴۹
۴۲- اقبال کی صحبت میں،ص۱۶۹۔۱۷۱
۴۳- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۲۳
۴۴- اوراق گم گشتہ،ص۱۳۸
۴۵- روح مکاتیب اقبال،ص۳۳۷
۴۶- ایضاً،ص۳۳۶
۴۷- زندہ رود،ص۲۸۳
۴۸- روز گار فقیر،جلداول،ص۱۰۶

۴۹- مظلوم اقبال،ص۳۵۰۔۳۵۱
۵۰- زندہ رود،ص۲۸۳؛مظلوم اقبال،ص۳۵۰۔۳۵۲
۵۱- اقبال کی صحبت میں،ص۱۶۳؛زندہ رود ،ص۲۸۳؛مظلوم اقبال،ص۳۵۴
۵۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۳۷
۵۳- مظلوم اقبال،ص۳۵۳
۵۴- ایضاً،ص۳۵۱
۵۵- زندہ رود،ص۲۸۴
۵۶- اقبال اور عبدالحق،ص۹۶
۵۷- گفتار اقبال،ص۱۰
۵۸- مظلوم اقبال ،ص۳۵۵
۵۹- روح مکاتیب اقبال،ص۳۴۱
۶۰- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۵۱
۶۱- حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں،ص۲۶۹۔۲۷۰
۶۲- روح مکاتیب اقبال،ص۳۴۲
۶۳- اقبال بنام شاد،ص۳۷۷
۶۴- ایضاً،ص۲۷۹۔۲۸۰
۶۵- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان،ص۵۲
۶۶- اقبال کی صحبت میں،ص۳۰۳
۶۷- مظلوم اقبال،ص۳۵۶۔۲۲۵
۶۸- روزگار فقیر،جلداول،ص۱۰۵؛تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۴۲۰
۶۹- اقبال کی صحبت میں،ص۴۶۰
۷۰- اوراق گم گشتہ،ص۶۳
۷۱- ایضاً،ص۱۹۰
۷۲- اقبال اور ظفر علی خان،ص۳۲
۷۳- زندہ رود ،ص۲۸۴
۷۴- ایضاً،ص۳۰۵
۷۵- یہ ڈائری چودھری محمد حسین کے پوتے ،ثاقب نفیس،اسسٹنٹ پروفیسر،اردو گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور کے پاس ہے۔
۷۶- زندہ رود،ص۲۱۵

❁.....❁.....❁

۱۹۲۵ء...... مدراس سے دعوت

۴؍جنوری ۱۹۲۵ء کو مہاراجا کشن پرشاد کا خط اقبال کے نام موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیا، اور مہاراجا صاحب کو سالِ نو کی مبارک باد دی۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ بانگ درا کا نسخہ ارسالِ خدمت کر دیا گیا ہے...... وزارت حیدر آباد کے سلسلے میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ سر شفیع، حضور نظام سے خط کتابت کر رہے ہیں۔[۱]

۹؍جنوری کے مکتوب میں مہاراجا صاحب نے آپ کو تحریر فرمایا کہ ۱۹۲۴ء ہم سے رخصت ہو گیا، مگر چلتے چلتے غم کی خبر دے رہا ہے کہ سر اقبال کی بیگم کا انتقال ہو گیا۔ افسوس! لیکن اس نے دوسری خبر مسرت و شادمانی کی دی کہ اقبال کی دوسری بیوی سے فرزند نرینہ پیدا ہوا۔ مبارک! خدا اس کو بااقبال کرے اور اقبال کے سائے میں پروان چڑھائے۔[۲]

مہاراجا صاحب نے ۱۱؍جنوری کو آپ کے مکتوب کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ہم نے اپنے حسن تدبر اور اپنی مردانہ کوشش سے فطرت تک کو دبا لیا مگر کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکے کہ اس ظالم زمانے کا قدم روکیں جو نہایت تیزی کے ساتھ دوڑتا اور بھاگتا چلا جاتا ہے۔[۳]

اقبال اور حکیم احمد شجاع کی مرتب کردہ اردو کورس کی کتب ۱۲؍جنوری کو پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کے اجلاس میں پیش کی گئیں۔ کمیٹی نے انھیں نصاب میں شامل کرنے کی باضابطہ منظوری دے دی۔[۴]

جنوری کے دوسرے عشرے میں اقبال دانتوں کی تکلیف میں مبتلا رہے۔ مسوڑے پھول جانے کی وجہ سے سخت تکلیف رہی۔ آپ کے یکے بعد دیگرے دو آپریشن ہوئے۔[۵]

۱۹؍جنوری کو آپ نے میاں محمد شریف، ساکن علی گڑھ یونی ورسٹی کے نام مکتوب میں فرمایا کہ علی گڑھ یونی ورسٹی نے میری جو قدر افزائی کی ہے، اس کے لیے میں نہایت شکر گزار ہوں...... امید نہیں کہ ایک ہفتے تک اس شدید سردی میں سفر کے قابل ہو سکوں۔[۶] اگلے روز اقبال نے

نیاز الدین کو تحریر فرمایا کہ میموریل لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام سامان موجود ہو، ورنہ میموریل لکھنا فضول ہے۔[۷]

تازہ دودھ کی مسلسل فراہمی کے لیے اقبال نے ایک گائے پالی ہوئی تھی۔ جنوری میں گائے نے ایک بچہ دیا۔ آپ نے علی بخش کے ہاتھ چاندی کے ورق لگا اور پستہ چھڑک کر مولانا ظفر علی کو کھیس بھجوائی۔ مولانا نے اس خوشی کے موقع پر جواب میں سات اشعار لکھ کر علی بخش کے ہاتھ آپ کو روانہ کیے۔ پہلا شعر تھا:

جو اپنی میٹھی کھیس زمیندار کو کھلائے
دودھوں نہائے ڈاکٹر اقبال کی وہ گائے[۸]

سیالکوٹ میں شیخ گلاب دین کا مکان کشمیری محلّہ کے ساتھ والی گلی میں تھا۔ وہ عرصہ دراز سے لاہور کی ضلعی عدالتوں میں وکالت کر رہے تھے۔ لاہور میں ان کی سکونت بھاٹی دروازہ کے اندر اقبال کے پڑوس میں تھی۔ اعجاز احمد نے بھی کچھ وقت ان کے ساتھ ضلعی عدالتوں میں کام کیا تھا۔ سیالکوٹ میں شیخ صاحب کا کسی سے تنازع چل رہا تھا۔ اقبال نے ۷رفروری کو سیالکوٹ، بھائی کے نام خط لکھا کہ شیخ گلاب دین کے معاملے کا فیصلہ کرانے کی کوشش کیجیے۔ ضرورت پڑے تو اعجاز احمد بھی اس معاملے میں شیخ صاحب کی مدد کرے۔[۹]

۶رمارچ کو پروفیسر سردار محمد کوان کے استفسار پر اقبال نے تحریر فرمایا کہ خجستہ پا، خجستہ پے، خجستہ گام اور خجستہ قدم، یہ ساری اردو اصطلاحیں درست ہیں۔ لیکن ان میں سے کسے استعمال کیا جائے؟ یہ استعمال کرنے والے کی ضرورت اور مزاج پر منحصر ہے۔[۱۰]

پروفیسر محمد اکبر منیر، گورنمنٹ کالج ملتان میں پڑھاتے تھے۔ بہ تاریخ ۱۷رمارچ ان کے خط کا جواب دیتے ہوئے اقبال رقم طراز ہوئے کہ زندگی کا راز یہی ہے، جہاں رہو جس حالت میں ہو، خوش اور مطمئن رہو...... ماہ نو ضرور مرتب کیجیے...... زبور عجم کی تکمیل کے لیے ایک مدت درکار ہوگی۔[۱۱]

اقبال نے مولانا عبدالماجد دریابادی سے اپنے انگریزی مقالے ''اجتہاد'' پر رائے طلب فرمائی۔ مولانا صاحب نے منفی رائے دی۔ ۲۲رمارچ کو اقبال نے مولانا صاحب کے نام خط میں لکھا، آپ کا نوٹ پڑھ کر مجھے تعجب ہوا۔ معلوم ہوتا ہیکہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ نے وہ مضمون بہت سرسری نظر سے دیکھا ہے۔[۱۲]

ماہِ مارچ میں لاہور میں خدام الدین جماعت کے امیر مولانا احمد علی نے ایک شاندار جلسہ منعقد کیا۔ اس میں علمائے دیو بند بھی تشریف لائے۔ اقبال نے اس موقع پر سید انور شاہ کو خط میں تحریر فرمایا کہ وہ مورخہ ۱۳؍ مارچ شام کا کھانا ان کے گھر پر تناول فرمائیں۔ آپ نے مولوی حبیب الرحمٰن، مولوی بشیر احمد اور مفتی عزیز الرحمٰن کو بھی مدعو کیا۔ مذکورہ جلسہ میں اقبال نے بھی شرکت کی اور بخاری شریف کی پہلی حدیث: انما الاعمال بالنیات پر تقریر فرمائی۔[۱۳]

عید کے موقع پر عبدالرحمٰن چغتائی اور ماسٹر عبداللہ چغتائی کی والدہ دنیا سے چل بسی۔ آپ نے ۲۴؍ اپریل کو عبدالرحمٰن چغتائی کے نام ایک تعزیتی خط تحریر فرمایا۔[۱۴]

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ۶؍ مئی کو ہوا، تو آپ نے بھی شرکت فرمائی۔ مذکورہ اجلاس میں آپ کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔[۱۵]

سید نصیر الدین ہاشمی نے اپنی تصنیف دکن میں اردو اقبال کی خدمت میں ارسال کی۔ آپ نے ۷؍ مئی کے خط میں تصنیف کی تعریف فرمائی اور لکھا کہ نہایت مقصد کی کتاب ہے۔[۱۶]

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے علوم اسلامیہ کا ایک نیا شعبہ قائم کر دیا۔ اس سلسلے میں سر طامس آرنلڈ نے مختلف امتحانات کے لیے ایک نصاب تحریر فرمایا۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے مشاہیر کو اس نئے نصاب پر اظہار خیال کی دعوت دی۔ ۴؍ جون کے خط میں اقبال نے بھی اس سلسلے میں آفتاب احمد خان سیکریٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کو تجاویز دیں۔[۱۷]

مولوی سید عبدالرزاق ریاست حیدر آباد دکن میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے اقبال کی اردو نظموں کا ایک مجموعہ شائع کیا۔ مہاراجا صاحب نے کتاب کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔ کتاب ابھی بازار میں فروخت نہیں ہوئی تھی۔ مولوی صاحب نے بہ توسط مہاراجا صاحب اقبال سے اس کی اجازت چاہی تا کہ اسے بیچا جا سکے۔ مہاراجا صاحب نے اس سلسلے میں خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ مولوی صاحب نے مقصدی کام کیا ہے۔ دکن کے علمی حلقے میں اس کی اشاعت ضروری سمجھی گئی ہے۔ تاہم سید ممتاز علی کا فرمانا تھا کہ مولوی سید عبدالرزاق کی مرتب کردہ کلیات اقبال کی اشاعت سے بانگ درا کی فروخت سست پڑ جائے گی۔ اقبال نے اپنے دوست سر اکبر حیدری کو اس معاملہ کے متعلق خط تحریر فرمایا۔ اکبر حیدری نے ۱۰؍ اگست کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ میں نے عبدالرزاق کو بتایا، آپ پر نظموں کی غیر قانونی اشاعت کا الزام ہے۔ نیز ہوم سیکریٹری سے بھی استفسار کیا ہے کہ حیدر آباد دکن میں آپ کے مطبوعہ کلام کی فروخت

کے سلسلے میں آپ کے حقوق کی حفاظت کی بہترین صورت کیا ہے۔

سید عبدالرزاق نے بہ تاریخ ۷؍ستمبر جواب دیا کہ کلیات کی طباعت سے انھیں مالی منفعت مقصود نہیں اور نہ وہ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کریں گے۔ اس سے قبل امین جنگ نواب احمد حسین نے اقبال کو ۱۸؍جولائی کے ایک خط میں لکھا تھا کہ عبدالرزاق صاحب کو معاف کر دیجیے۔ آپ آفاقی شاعر ہیں اور آپ کا کلام ساری اسلامی دنیا کا ورثہ ہے...... اس سلسلے میں اقبال کو دیگر معززین نے بھی خطوط لکھے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ عبدالرزاق آپ کو ایک ہزار روپے بطور رائلٹی ادا کریں گے۔[۱۸]

۲۳؍اگست کے خط میں آپ نے عبداللہ چغتائی کو مطلع فرمایا کہ میں نے انڈین ریویو کا مضمون دیکھا ہے۔ تصویر طالب علمی کے زمانے کی ہے۔ مضمون میں بہت سی غلطیاں ہیں، فرمایا آپ نیا اردو ترجمہ ابھی شائع نہ کریں...... میں بھی ان شاء اللہ شملہ آؤں گا مگر چند روز کے لیے۔[۱۹]

۲۵؍اگست کے مکتوب میں آپ نے خطاط عبدالمجید رقم کو اپنی رباعیات کی خطاطی کے بارے میں ہدایات دیں۔[۱۹-a]

۲؍ستمبر کو صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نام مکتوب میں اقبال نے فرمایا کہ میں اپنے ایک مضمون، الجہاد کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کتاب کا نام *Islam as I Understand it* ہوگا...... مولوی خواجہ احمد دین امرتسری اگر مجھے مستفیض کرنے کے ارادے سے امرتسر سے لاہور آنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو یہ ان کی مہربانی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ شریعت محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں جس میں عبادات و معاملات کے سلسلے میں صرف قرآن مجید سے استدلال کیا جائے۔[۲۰]

۵؍ستمبر کو آپ خواجہ احمد دین امرتسری کے آنے کا انتظار کرتے رہے مگر وہ نہ آئے۔ اگلے روز اقبال نے صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کو امرتسر خط لکھ کر مطلع فرمایا کہ خواجہ صاحب آنے لگیں، تو ایک روز قبل مجھے بتا دیجیے گا تاکہ میں ان کی آمد کے وقت گھر پر ہی رہوں۔[۲۱]

منشی آدم علی بھائی کے ایک ہندو دوست اسلام کی صداقت دلائل کے ذریعے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ منشی صاحب نے اس سلسلے میں اقبال کو ایک مضمون لکھ کر بھیجنے کی درخواست کی۔ آپ نے بہ تاریخ ۱۷؍ستمبر منشی صاحب کو جواب دیا کہ یہ مضمون ایک یا متعدد خطوط میں نہیں سما سکتا۔ آپ ان کو لاہور بھیج دیں۔ میں اپنے علم و فہم کے مطابق ان کی مدد کو حاضر ہوں۔[۲۲]

دہلی یونی ورسٹی کے رجسٹرار، غلام محی الدین صوفی کا ڈاکٹریٹ مقالہ جانچنے کے لیے اقبال

کے پاس بھجوایا گیا۔ یہ مقالہ کشمیری تہذیب وتمدن پر لکھا گیا تھا۔ اتفاق سے صوفی صاحب ۴/اکتوبر کو لاہور کسی کام سے آئے۔ صوفی صاحبکی ہدایت کے مطابق ان کا ایک دوست خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر کا قلمی نسخہ اقبال کی خدمت میں لے آیا۔ آپ اس وقت فارغ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کتاب کے دو چار ورق ہی الٹے تھے کہ بابا لول حج کا ذکر مل گیا جو کشمیر کے مشائخ میں سے تھے۔ وہ آپ کے جداعلیٰ اور حضرت بابا نصیرالدین کے مرید تھے۔ ان کا ذکر خیر پڑھ کر آپ کو بے حد خوشی ہوئی۔ اگلے روز یعنی بہ تاریخ ۵/اکتوبر آپ نے اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو اس دریافت سے آگاہ کیا۔ اس خط میں یہ بھی لکھا کہ جاوید اب ایک سال کا ہو گیا ہے۔ اس کی والدہ آج قربانی دینے میں مصروف ہے۔ یعنی صدقے کے طور پر بکرا ذبح کیا گیا۔[۲۳]

ان دنوں لاہور ہائی کورٹ میں ایک مسلم جج کی اسامی خالی تھی۔ پنجاب کے گورنر نے سر شادی لال، چیف جسٹس کو اپنے ہاں بلایا اور پوچھا کہ سر محمد اقبال اور خان بہادر شاہ نواز کے متعلق تمھاری رائے کیا ہے؟ شادی لال نے کوئی اچھی رائے نہ دی بلکہ گورنر سے یو پی کے ایک مسلمان، سید آغا حیدر کا تقرر کرالیا۔ حالانکہ صوبہ بھر کے مسلم اخباروں، انجمنوں، وکیلوں اور تعلیم یافتہ لوگوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اقبال کو ان کی قابلیت اور روشن دماغی کی بنا پر عدالت عالیہ کا جج مقرر کیا جائے۔ مگر متعصب چیف جسٹس نے اقبال کے متعلق یہ ریمارکس دیے کہ ہم انھیں شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں، قانون دان کی حیثیت سے نہیں۔[۲۴]

۱۷/اکتوبر کو اقبال نے حکومت ہند کے پولیٹیکل منسٹر سر جے بی ٹامسن کو خط تحریر فرمایا اور یہ تمنا ظاہر کی کہ وہ انھیں ریاست کشمیر کی اسٹیٹ کونسل میں کوئی جگہ دلوانے کی سعی کریں۔ کیوں کہ شادی لال کے باعث ہائی کورٹ میں ان کے لیے پریکٹس کرنا مشکل ہو گیا ہے۔[۲۵]

۲۰/اکتوبر کو اقبال نے حکیم سید رحمت اللہ شاہ کے نام مکتوب میں تحریر کیا کہ انھیں غلام سرور مغل کا فارسی دیوان، دیوان طرزمی بھجوادیں۔ سید صاحب نے دیوان بھیج دیا۔ آپ نے ۳ نومبر کے خط میں دیوان کی وصولی کا ذکر کیا۔[۲۶]

سید مقبول حسین بلگرامی لکھنو سے ایک رسالہ نکالنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اقبال کو خط لکھا کہ مرقع رسالہ کے سرورق پر شائع کرنے کے لیے کوئی مناسب شعر بھیج دیجیے۔ آپ نے ۱۸/نومبر کو انھیں یہ شعر روانہ فرمایا:

ندارد عشق سامانے و لیکن تیشۂ دارد
شگافد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است[۲۷]

ایک خط میں یہ شعر بھی ارسال کیا:

تاتو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کارے ہست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند[۲۸]

جب اختر شیرانی نے ماہنامہ انتخاب جاری کیا، تو اس کا پہلا شمارہ اقبال کی خدمت میں بھی بھیجا۔ نومبر کے شمارے میں اقبال کی یہ رائے شائع ہوئی:

رسالہ انتخاب کے لیے سراپا سپاس ہوں، ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ یقین ہے، ترقی کرے گا۔[۲۹]

لاہور کے رسالہ نور جہاں کے شمارہ دسمبر میں آپ کا فارسی قطعہ چھپا:

تاب زن مثل گوہر میر خویشتن پیچیدہ بہ[۳۰]

اقبال نے غلام رسول مہر کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ حافظ ابن قیم کی کتب الطرق الحکمیۃ فی سیاسۃ الشرعیہ اور اعلام الموقعین مجھے مرحمت فرمائیے...... مولوی عبدالقادر صاحب لاہور سے تشریف لائے یا نہیں؟ آج شام میرے ہاں آیئے۔[۳۱]

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کو ان کے مکتوب کا جواب دیتے ہوئے اقبال نے لکھا کہ آپ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ سر سید احمد خان کی تحریک سے پیشہ ور مولویوں کا اثر بہت کم ہو گیا تھا۔ مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولیٹیکل مفتیوں کی خاطر ہندی مسلمانوں میں پھر ان کا اقتدار قائم کر دیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کچھ مدت ہوئی، میں نے ''اجتہاد'' پر ایک انگریزی مضمون ایک جلسے میں پڑھا، اس پر بعض لوگ مجھے کافر کہنے لگے۔[۳۲]

اقبال کا پہلا اردو مجموعہ کلام بانگ درا ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں آپ کی ایک نظم ''آفتاب'' بھی شائع ہوئی جو گاتری کا ترجمہ ہے۔ اس کا ابتدائی شعر یہ ہے:

اے آفتاب! روح و روان جہان ہے تو
شیرازہ بند دفتر کون و مکان ہے تو

اسی مجموعہ میں چھ اشعار پر مشتمل ایک نظم ''رام'' بھی موجود ہے:

ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز

اہلِ نظر سمجھتے ہیں ان کو امامِ ہند

بانگ درا کی تین غزلوں میں یہ شعر بھی کہے گئے:

کہاں کا آنا کہاں کا جانا فریب ہے امتیاز عقبیٰ
نمود ہر شے میں ہے ہماری کوئی ہمارا وطن نہیں ہے
خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تیری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
غضب ہیں، مرشدان خود بین خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

اقبال نے اس زمانے میں عرب کے سلطان ابن سعود کی حمایت میں بیان دے کر ان کے مخالف علماء کی عداوت مول لے رکھی تھی۔ اس دور میں مسجد وزیر خان کے خطیب، مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ اپنے شوق تکفیر کے لیے بے حد مشہور تھے۔ پیرزادہ محمد صدیق ساکن سہارن پور نے دیدار علی شاہ کو اقبال کے درج بالا اشعار لکھ کر بھیجے اور ان سے شاعر کے خلاف فتویٰ مانگا۔ دیدار علی نے فتویٰ دیا کہ جب تک ان کفریات سے اشعار کہنے والا توبہ نہ کرے، اس سے ملنا جلنا تمام مسلمان ترک کر دیں ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔

اس فتویٰ کے خلاف ملک بھر میں شور مچ گیا، مولوی دیدار علی پر ہر طرف سے طعن و ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ سید سلیمان ندوی نے زمیندار اخبار میں اس فتویٰ پر شدید رنج و غم کا اظہار فرمایا۔ قریب قریب اسی زمانے میں ڈاکٹر کچلو اور مولانا ظفر علی خان بھی مولوی دیدار علی کے شوق تکفیر کا نشانہ بن گئے۔ اقبال اور ڈاکٹر کچلو نے تو خاموشی اختیار کر لی لیکن ظفر علی خان نے دیدار علی کو آڑے ہاتھوں لیا اور ایسے مفتیوں کے خلاف اخبار میں بہت تند و تیز نظمیں لکھیں۔[۳۳]

سال رواں کے اوائل میں سیٹھ جمال محمد نے اقبال کو مدراس آ کر اجتہاد کے موضوع پر مقالات پڑھنے کی دعوت دی۔ سیٹھ صاحب نے تمام اخراجات برداشت کرنے کی ذمے داری بھی قبول کر لی تھی۔ اقبال نے یہ دعوت قبول کر لی۔ تاریخ کا تعین مستقبل پر چھوڑ دیا گیا۔[۳۴]

ایک روز نیاز محمد خان، ممتاز حسن اور میاں نصیر احمد ملاقات کی غرض سے آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ آپ نے ان طلبہ سے دریافت فرمایا: ''تم کون سے مضامین پڑھتے ہو؟'' ۔ میاں نصیر احمد نے جواب دیا: طبیعیات اور کیمیا''۔

یہ سن کر اقبال نے نظریہ اضافت (Theory of Relativity) کے بارے میں اظہار خیال فرمانے لگے اور کہا کہ یہ نظریہ سمجھنے کے لیے میں نے ریاضی کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، نظریہ اضافت کا یہ مطلب ہے کہ:

دنیا ازلی وابدی نہیں ہے، بلکہ یہ پیدا ہوئی ہے۔ اسے فنا ہونا ہے۔

میاں نصیر احمد نے عرض کیا کہ آج کل ایک امریکی ماہر طبعیات، پروفیسر کامپٹن [Compton] لاہور میں لیکچر دینے آئے ہوئے ہیں۔ آپ ان کا لیکچر سنیں اور تبادلہ خیالات بھی کیجیے۔ اس کا نتیجہ یقیناً مفید رہے گا۔ اقبال بعد ازاں پروفیسر کامپٹن صاحب کا لیکچر سننے تشریف لے گئے اور ان سے سوالات بھی کیے۔ کامپٹن صاحب نے سوالات سے عاجز آ کر کہا:

سائنس قطعی طور پر ان سوالات کے جواب نہیں دے سکتی۔[۳۵]

اسلامیہ کالج لاہور کے رسالہ کریسنٹ میں اقبال کا ایک انگریزی مضمون شائع ہوا، اس کا عنوان تھا:

Philosophy of the Self.[36]

پروفیسر ڈاکٹر نکلسن نے پیام مشرق پر انگریزی میں ایک عادلانہ تبصرہ کیا جو لپزگ (جرمنی) کے رسالہ اسلامیکا کی جلد اول ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔[۳۷]

اس عہد میں ایک متعصب اور اسلام دشمن ہندو ناشر، راج پال مردود نے رسوائے عالم کتاب رنگیلا رسول شائع کر دی۔ کتاب کے مصنف کا نام مخفی رکھا گیا۔ یہ دل آزار کتاب شائع ہونے پر مسلمانوں کو بہت دکھ پہنچا۔[۳۸]

اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں اقبال نے ''اسلام اور اجتہاد'' کے موضوع پر ایک تقریر فرمائی۔ تقریر کے دوران آپ نے ترک شاعر ضیا گوکلپ کی ایک نظم بھی پڑھی۔[۳۹]

اس سال اقبال کو ۱۳۷۰۲ روپے آمدن ہوئی۔ انھوں نے ۶۴۲ روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔[۴۰]

❁......❁......❁

حواشی

۱۔ اقبال بنام شاد،ص۲۸۱
۲۔ ایضاً،ص۳۷۸۔۳۸۳
۳۔ اقبال بنام شاد ،ص۳۸۳۔۳۸۵
۴۔ روز گار فقیر،جلداول،ص۱۰۶۔۱۰۷
۵۔ روح مکاتیب اقبال ،ص۳۴۴
۶۔ ایضاً،ص۳۴۴
۷۔ تصانیف اقبال بنام خان نیازالدین خان ،ص۵۲
۸۔ اقبال اور ظفر علی خان،ص۳۳۔۳۴
۹۔ مظلوم اقبال،ص۳۵۷
۱۰۔ روح مکاتیب اقبال،ص۳۴۵
۱۱۔ ایضاً،ص۳۴۵
۱۲۔ ایضاً،ص۳۴۷
۱۳۔ اقبال کی صحبت میں،ص۱۲۶
۱۴۔ روح مکاتیب اقبال ،ص۳۴۷
۱۵۔ اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۹
۱۶۔ روح مکاتیب اقبال،ص۳۴۷
۱۷۔ اقبال ریویو ،جنوری۱۹۷۹ء،ص۳۸
۱۸۔ اقبال بنام شاد،ص۳۸۶
۱۹۔ روح مکاتیب اقبال،ص۴۴۸
19B۔ مذکورہ کتاب جاوید منزل،اقبال میوزیم میں موجود ہے۔
۲۰۔ روح مکاتیب اقبال،ص۳۴۸
۲۱۔ ایضاً،ص۳۴۹
۲۲۔ ایضاً،ص۳۵۰
۲۳۔ مظلوم اقبال،ص۱۰۔۱۱،۳۵۸۔۳۵۶؛زندہ رود،ص۲
۲۴۔ زندہ رود ،ص۲۸۵۔ اوراق گم گشتہ ،ص۲۷۱
۲۵۔ زندہ رود،ص۴۰۳۔۴۰۴
۲۶۔ روح مکاتیب اقبال،ص۳۵۱

۲۷- انوار اقبال، ص ۱۷۳۔۱۷۴
۲۸- روح مکاتیب اقبال، ص ۲۵۳
۲۹- اوراق گم گشتہ، ص ۱۰۶
۳۰- روز گار فقیر جلد دوم، ص ۴۹۶
۳۱- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۴۵
۳۲- ایضاً، ص ۳۴۶
۳۳- زندہ رود، ص ۲۸۵۔۲۹۰
۳۴- ایضاً، ص ۳۴۳
۳۵- روز گار فقیر، جلد دوم، ۳۲۶
36- *Discourses of Iqbal*, Shahid Hussain Razzaqi, p 179.
۳۷- اقبال کی صحبت میں، ص ۱۳۸
۳۸- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۴۴
۳۹- روز گار فقیر، جلد دوم، ۳۴۳
۴۰- زندہ رود، ص ۲۱۵

۱۹۲۶ء......انتخابات میں کامیابی

۳ رجنوری ۱۹۲۶ء کو اقبال نے سید شوکت حسین کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اخبار موصول ہوا۔ میری یہ نظم بیس برس ہوئے لکھی گئی تھی...... تاہم تنقید کے بعض حصص اغلاطِ کتابت پر معمولی ہونے چاہئیں۔[۱]

۸ رجنوری کو عبدالرحمٰن چغتائی کے نام خط میں اقبال نے لکھا کہ لدھیانہ سے کوئی تصویر یا آئینہ نہیں ملا۔ اس تصویر سے انلارج کر لیں۔[۲]

۱۰ رجنوری کو مہاراجا صاحب کا خط بنام اقبال موصول ہوا۔ اس میں گزرے ہوئے سال اور نئے آنے والے سال کا ذکر ہے۔ لکھتے ہیں کہ جانے والا اگر بُرا بھی تھا تو بھی اس کا ذکر بخیر کرتے ہیں۔ اگر آنے والے کے تیور اچھے نہ نظر آئیں، تو بھی اسے صبر و شکر سے قبول کرتے ہیں۔[۳]

مولانا گرامی نے ہوشیار پور کی سوغات، ریوڑیاں اقبال کی خدمت میں بھجوائیں اور اپنی چند رباعیاں بھی۔ اقبال نے ۱۶ رجنوری کے خط میں وصولی کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا کہ میں نواب سراج الدین خان صاحب سائل کے لیے کوشش کر رہا ہوں...... رباعیاں نہایت شیریں ہیں اور باریک بھی۔ آپ کے ہر حرف میں ایک جہان معنی آباد ہوتا ہے۔[۴]

مہاراجا صاحب اقبال کو بے انتہا چاہتے تھے اور یاد کرتے تھے۔ ہر روز آپ کے مکتوب گرامی کے منتظر رہتے۔ ۲۴ رجنوری کے خط میں مہاراجا صاحب نے آپ کو تحریر فرمایا کہ کاغذ کے پرزے پر غور کیا جائے تو یہ ایک بے حقیقت اور نا قابل التفات شے ہے۔ لیکن اگر اس پرزے پر اقبال کی تحریر ہو، تو وہ محبت کے نگار خانے میں کافی وقعت حاصل کر لے گا...... خواجہ اجمیر کا ایک فقیر ایک اقبال مند دوست کی خبر خیریت پا کر شادکامی حاصل کرے گا...... آپ سے ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے۔[۵]

ماہنامہ ہمایوں نے جنوری کا شمارہ خاص نمبر کی حیثیت سے بطور سالگرہ شائع کیا۔ اس میں اقبال کے فارسی کے تین شعروں کی عکاس تحریر شائع ہوئی:

گرمیِ اندیشہ مارشتہ خام است و لے [6]

ماہنامہ مرقع لکھنو نے بھی جنوری کے پرچے میں آپ کا ایک فارسی قطعہ شائع کیا۔[7]

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے پروفیسر رشید احمد صدیقی نے جنوری میں ایک اردو رسالہ سہیلی کے نام سے جاری کیا۔ اس شمارے میں علی گڑھ کے سات فارسی اشعار مشہور مصور، چغتائی کی تصاویر کے ساتھ شائع ہوئے۔ صدیقی صاحب کی فرمائش پر عبداللہ چغتائی نے اقبال سے یہ اشعار کہنے کی فرمائش کی تھی۔ صدیقی صاحب نے آپ کے فکر وفن پر ایک مقالہ بعنوان ''پیام اقبال'' بھی تحریر کیا جس کی پہلی قسط اسی شمارے میں چھپی۔[8]

انجمن ترقی اردو ہند، اورنگ آباد کے رسالے میں کلیات اقبال مرتبہ مولوی عبدالرزاق، توپ بازار، حیدرآباد دکن کی خبر کچھ اس طرح شائع ہوئی:

مولوی عبدالرزاق صاحب درحقیقت شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بڑی محنت اور کاوش سے ان بے بہا نظموں کو یکجا کر کے شائع کیا ہے۔[9]

رسالہ مرقع کے شمارہ جنوری میں اقبال کا ایک فارسی قطعہ شائع ہوا:

گفتند دل آزاد کے پر بستہ نکوتر [10]

مدراس کے رسالہ انڈین ریویو کے شمارہ جنوری میں آپ کا درج ذیل انگریزی مقالہ شائع ہوا:

The Inner Synthesis of Life.[11]

سید شوکت حسین نے اقبال کے فلسفہ اشک ریزی پر اپنی نظم ''خطاب بہ اقبال'' میں نئے پہلو سے روشنی ڈالی۔ سید صاحب نے اپنی یہ نظم آپ کو ارسال کی تھی۔ ۷ر فروری کے خط میں آپ نے شوکت حسین کو مذکورہ نظم ملنے کی اطلاع دی۔[12]

رامپور کے رسالہ نیرنگ نے شمارہ فروری میں ''شراب مثلث'' کے عنوان سے سعدی شیرازی، ڈاکٹر اقبال اور اکمال نظم اقبال کی تین فارسی نظمیں شائع کیں۔ ان نظموں کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اشیا فانی ہیں اور ترقی وتنزلی دنیا کی ہر شے میں ہے، سوائے ذات باری تعالیٰ کے۔[13]

اقبال نے ۱۸ر مارچ کے اپنے مکتوب میں سید سلیمان ندوی کو ایک اہم دینی کام کی طرف راغب کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی مفصل تاریخ لکھی جائے۔ میں نے اجتہاد پر ایک رسالہ لکھ رکھا ہے، مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق

خود مطمئن نہیں۔ لہٰذا اسے اب تک شائع نہیں کیا۔ ہندوستان کی جمیعۃ العلما کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ آپ چونکہ جمیعت کے صدر ہیں، اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ یہ کام مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیجیے۔[14]

لاہور میں میاں بشیر احمد کی زیرِ ادارت اردو رسالہ ہمایوں شائع ہوتا تھا۔ شمارہ مارچ میں اس رسالے کے بارے میں اقبال کی یہ رائے شائع ہوئی:

رسالہ ہمایوں ہر اعتبار سے اردو کے بہترین رسالوں میں سے ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے خوب کہا ہے کہ ہمایوں بڑھ رہا ہے۔ یہ بڑھے گا اور اس کو کوئی شیر شاہ زک نہ پہنچا سکے گا۔[15]

چنتامنی نے ایک قوم پرست سیاسی تنظیم ''نیشنل لبرل لیگ'' قائم کی تھی۔ اس تنظیم کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات دور کرنا تھا۔ اس کے لیے ہر جماعت اور مذہب کے فرد کو اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ جماعت کے بانی نے بذریعہ تار اقبال سے بھی شمولیت کی استدعا کی۔ آپ نے رسمی طور پر اس کے ممبئی میں ہونے والے جلسے میں شرکت کی حامی بھر لی۔ جب بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ اس جلسے کا مقصد بالخصوص سوراجی جماعت کی مخالفت ہے، تو اقبال نے نیشنل لبرل لیگ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ زمیندار کے شمارہ ۶/اپریل میں اس سلسلے میں آپ کا ایک بیان شائع ہوا۔[16]

۷/اپریل کو اقبال نے اپنے ایک خط میں سید سلیمان ندوی کو مشورہ دیا کہ زمانہ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ ہندوستان کے مسلمان اگرچہ سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن ذہنی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔[17]

۲۴/اپریل کو اقبال نے سید صاحب کے نام ایک اور خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ اپنے مضمون ''اجتہاد'' کی تکمیل کے سلسلے میں بعض سوالات پر روشنی ڈالنے کی استدعا کرتا ہوں ...... ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے، تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا تھا۔[18]

رشید احمد صدیقی کے رسالہ سہیلی کے شمارہ اپریل میں پیام اقبال کی دوسری قسط شائع ہوئی۔ اسی شمارہ سے اسلامیات کے ایک مستقل عنوان کے تحت مباحثے کا آغاز کیا گیا۔ پہلے مباحثے کے لیے علوم اسلامیہ کا موضوع منتخب ہوا۔ اس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان، وائس

چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ اور علامہ اقبال نے حصہ لیا۔ صاحبزادہ صاحب نے مجوزہ موضوع کے سلسلے میں سوالات کیے اور اقبال ان کے جوابات دیتے رہے۔[۱۹]

منشی محمد الدین فوق کا ایک خط اودھ پنچ میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے سلسلے میں اقبال کو موصول ہوا۔ آپ نے ۵ رمئی کو انھیں تحریر فرمایا کہ اودھ پنچ کا مضمون ''بیماران لکھنؤ'' کے جواب میں ہے..... موجودہ لٹریری مذاق کی حالت قابل رحم ہے..... ذخیرة الملوك دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں، کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اردو میں کر رہا ہے۔[۲۰]

شیخ اکرام الحق سلیم نے اقبال کے انگریزی مضمون Self in the Light of Relativity کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے پھر اس کی تصحیح کے لیے اردو ترجمہ سید سلیمان ندوی کے توسط سے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اکرام الحق کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے آپ نے ۱۱ رمئی کو انھیں تحریر فرمایا، کہ میں نے آپ کا مسودہ علامہ سید سلیمان ندوی کی خدمت میں مدراس بھیج دیا تھا۔ مگر ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو۔ اسے تلاش کروں گا، اگر مل گیا تو بھیج دیا جائے گا۔[۲۱]

گورنمنٹ ہائی اسکول، گونڈہ کے ہیڈ ماسٹر منشی رام پرشاد نے ایک کتاب ہندو تہواروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت تحریر کی۔ برائے تبصرہ منشی صاحب نے ایک کتاب اقبال کو بھی ارسال فرمائی۔ آپ نے ۲۸ رجون کے خط میں انھیں تحریر فرمایا کہ کتاب دلچسپ ہے اور بہت سے لوگوں کی معلومات میں اضافہ کرے گی۔[۲۲]

۲۰ رجولائی کو انتخابات کے سلسلے میں اقبال نے اپنی امیدواری کا باقاعدہ اعلان بذریعہ اخبارات کر دیا۔ آپ نے عوام کو بتایا کہ میں یہاں عبدالعزیز صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ حلقہ لاہور کی طرف سے امیدوار بننے کا ارادہ میرے حق میں ترک فرما چکے ہیں۔ اس کی نسبت زمیندار میں ان کا اعلان بھی شائع ہو گیا ہے۔[۲۳]

جولائی میں سرجان مینارڈ، وائس چانسلر پنجاب یونی ورسٹی مستعفی ہو گئے۔ اب اقبال کا نام اس عہدے کے لیے لیا جانے لگا۔ جے سی وولنر رجسٹرار پنجاب یونی ورسٹی اور سر میاں محمد شفیع کے نام بھی سامنے آئے۔ شمارہ ۸ رجولائی میں زمیندار نے اداریہ لکھا کہ یہ عہدہ اقبال کو دیا جائے۔[۲۴]

۵ راگست کو عبداللہ چغتائی کے نام خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ آپ کے پاس راغب اصفہانی کی مفردات ہو تو چند روز کے لیے بھیج دیجیے یا خود لے آیئے۔ لفظ ''سلطان'' اور ''شان'' جو سدرة الترجمہ میں واقع ہوئے ہیں، ان کے معانی دیکھنا مطلوب ہے۔[۲۵]

اقبال نے عبدالرزاق صاحب کے سلسلے میں ایک خط سر اکبر حیدری کو لکھا۔ مذکورہ خط کی نقل سر اکبر حیدری نے بہ تاریخ ۲۱ر اگست عبدالرزاق کو بھجوا دی۔(۲۶)

عبدالرزاق نے اس خط کا جواب حیدری صاحب کو دیا۔ حیدری صاحب نے بہ تاریخ ۲۲ر اگست عبدالرزاق کا جواب اقبال کی خدمت میں بھیجوا دیا۔[۲۷]

اقبال نے بذریعہ خط مولوی احمد علی شباب کی نظم کی اصلاح کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ آپ نے انھیں لکھا کہ اوقات فرصت کا شاعری سے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ اس وقت نظم سے زیادہ نثر کی ضرورت ہے۔[۲۸]

میر انیس کے نواسے، میر فرزند حسین جلیل لکھنوی کچھ دن کے لیے لاہور آئے اور نواب محمد علی خان قزل باش کے ہاں قیام کیا۔ اقبال نے ان کی دو مجالس میں شرکت فرمائی۔ پہلی مجلس نواب صاحب کے دولت کدے نواب پیلس میں منعقد ہوئی۔ میر جلیل اپنا اور اپنے بزرگوں، خاص کر میر انیس کا کلام پڑھتے رہے۔ انھیں سن کر تمام حضرات بہت متاثر ہوئے۔ اقبال تو گئی بار اشک بار ہو گئے۔ دوسری مجلس محلّہ چہل بیبیاں میں نثار حویلی میں منعقد ہوئی۔ اس میں شمولیت کی دعوت دینے کے لیے نواب صاحب خود اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مجلس میں آپ کے ساتھ پروفیسر تاثیر، عبداللہ چغتائی بھی شریک ہوئے۔ اس روز منشی سراج الدین کشمیر والے بھی موجود تھے۔[۲۹]

۷ر ستمبر کو عبداللہ چغتائی کے نام خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ اگر آپ کے پاس ہندوستانی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کا کوئی چھپا ہوا مجموعہ ہو، تو ایک دو روز کے لیے مرحمت کیجیے۔ یا چند مشہور تصاویر کے نام ہی بتا دیجیے۔ ان کے ساتھ مضمون بھی ہونا ضروری ہے۔ بنگال اسکول کی تصاویر کے نام خاص طور پر درکار ہیں۔[۳۰]

۲۴ر ستمبر کو آپ نے اکبر حیدری کے نام عبدالرزاق صاحب کے سلسلے میں ایک اور خط تحریر فرمایا۔[۳۱]

اکبر حیدری نے خط کا جواب ۲۷ر ستمبر کو دیا۔ انھوں نے لکھا کہ شروع ہی سے میرا نظریہ وہی رہا ہے جو آپ کا ہے۔ میرے خیال میں عبدالرزاق صاحب کو آپ کا کلام طبع کرانے سے پہلے دیانت دارانہ طور پر آپ سے اجازت لینی چاہیے تھی۔ پھر جب آپ نے اعتراض کر دیا تو ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ مطلوبہ کتب آپ کے حوالے کر دیتے۔[۳۲]

ماہ ر ستمبر میں بانگ درا کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس کے کاتب عبدالمجید تھے۔[۳۳]

ملک محمد حسین، صدر بلدیہ لاہور بھی آپ کے حق میں الیکشن سے دستبردار ہو گئے۔ ملک

صاحب کی دستبرداری کا اعلان ۳ر اکتوبر کے زمیندار اخبار میں شائع ہوا۔ اقبال نے یہ خوشخبری پڑھی تو اس روز زمیندار کے ایڈیٹر کو خط تحریر فرمایا کہ میں ملک صاحب کی اس عنایت فرمائی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں ان کے اس جذبے کو بے انتہا قابل تعریف سمجھتا ہوں۔[۳۴]

یوں الیکشن میں اب صرف دو ہی امیدوار میدان میں رہ گئے...... ایک اقبال اور دوسرے ملک محمد دین۔ آپ نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز رنگ محل کے علاقے سے کیا جہاں مشن ہائی اسکول کے قریب ماسٹر اللہ بخش آرٹسٹ کے مکان پر آپ کے چند احباب جمع ہوئے۔ ان حضرات میں مصطفیٰ حیرت، ملک لال دین قیصر اور شیخ حسن الدین میونسپل کمشنر وغیرہ شامل تھے۔ یہاں احباب سے صلاح مشورہ ہوا۔ اس کے بعد اقبال مسجد چینیاں والی محلّہ چابک سواراں سے گزر کر تکیہ سادھواں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی بھرپور مدد کا وعدہ کیا۔ وہاں ڈاکٹر محمد امین کے مکان کے قریب اقبال کے پرانے ملنے والے، بابو عبداللہ رہتے تھے۔ آپ نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو معلوم ہوا، وہ آج کل قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ اس پر اقبال نے حیرت کا اظہار فرمایا اور ظریفانہ انداز میں کہا کہ قرآن کریم سے بابو عبداللہ کو کیا سروکار ہے؟ پھر احباب سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو تو! قرآن کریم بھی کس قدر مظلوم ہے کہ ہر شخص اس پر قابض ہو جاتا ہے۔

آپ کی حمایت میں لاہور میں تقریباً ۲۰ جلسے منعقد ہوئے۔[۳۵]

۱۱ر اکتوبر کو ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اقبال نے فرمایا کہ میں نے ۲۵ سال تک اپنے بھائیوں کی مقدور بھر ذہنی خدمت کی۔ اب میں ان کی عملی خدمت کے لیے خاص طور پر اپنے آپ کو پیش کر رہا ہوں۔[۳۶]

۱۵ر اکتوبر کی صبح ایک وفد اقبال کے پاس آیا۔ اس میں ہر صوبے سے مسلمان شامل تھے۔ اس نے مطالبہ کیا کہ آپ کو ملک محمد دین کے حق میں دستبردار ہو جانا چاہیے۔ اقبال نے فرمایا کہ مسلمانوں کا نائب وہی ہو سکتا ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے۔ وفد میں حاجی شمس الدین بھی شامل تھے، انھوں نے اس اصول کو فوراً قبول کر لیا۔ دوسرے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔[۳۷]

۱۵ر اکتوبر کو انتخابی جلسہ ہوا۔ اس کی صدارت ملک محمد حسین نے فرمائی۔ جلسے میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے آپ کی حمایت میں پرزور خطاب کیا۔ جلسے کے اختتام پر اقبال نے بھی تقریر فرمائی اور معززین، حاضرین اور رضا کاروں کا شکریہ ادا کیا۔[۳۸]

مولوی احمد دین کی تالیف اقبال پر رسالہ اردو، شمارہ اکتوبر میں ایک تبصرہ شائع ہوا۔[۳۹]

۶ رنومبر کو انجمن حمایت اسلام کی کالج کمیٹی کا اجلاس زیرِ صدارت خان بہادر شیخ انعام علی منعقد ہوا۔ اجلاس میں آپ بطور رکن کمیٹی شریک تھے۔[۴۰]

۱۹ رنومبر کے انتخابی جلسے میں اقبال نے مسلمانوں کو اتحاد کی تلقین فرمائی۔ آپ نے کہا کہ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو متحد ہو جاؤ۔ اختلاف بھی کرو تو اپنے آباء کی طرح، اور تنگ نظری چھوڑ دو۔[۴۱]

محمد عاشق آپ کی انتخابی مہم کے دفتر کے مہتمم تھے اور میدان کے مشیرِ اعلیٰ پروفیسر تاثیر صاحب۔ انتخابی دفتر خواجہ محمد سلیم کے گھر میں قائم کیا گیا جو کشمیری بازار میں کوچہ کوٹھی داراں میں واقع تھا۔ اقبال کی انتخابی مہم کے سلسلے میں اسلامیہ کالج کے طلبہ نے بھی جلوس نکالا اور قریب قریب شہر کے تمام بازاروں میں گھومے۔ وہ بلند آواز سے آپ کے اشعار پڑھتے رہے۔ نیز ترانہ ملی ''چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا'' کے اشعار بھی ایک ایک کر کے پڑھتے تھے۔

پولنگ اسٹیشن میکلوڈ روڈ والی کوٹھی کے پاس ''نیو ایرا'' تھیٹر کے باہر میدان میں واقع تھا۔ ریٹرننگ آفیسر کرم چند تھے۔ ۲۳ نومبر کو شہر لاہور میں ووٹ ڈالے گئے۔ اس سے اگلے روز چھاؤنی میں سب سے پہلے اقبال نے اپنا ووٹ ڈالا۔ آپ کے بعد علامہ یوسف علی، شیخ اصغر علی اور دیگر احباب نے اپنے اپنے ووٹ ڈالے۔ عبداللہ چغتائی اس پولنگ اسٹیشن پر بطور ایجنٹ متعین تھے۔

لاہور کے حلقہ انتخاب میں ووٹ ڈالنے کے لیے ۲۴ پولنگ اسٹیشن قائم کیے گئے۔ ووٹنگ والے دن کل بارہ ہزار ووٹوں میں سے ۶۸ فیصد ووٹ ڈالے گئے۔ ان میں سے ۵۶۷۵ اقبال جب کہ ۲۴۹۸ آپ کے مدمقابل ملک محمد دین کو ملے۔

پولنگ کے نتائج کا اعلان ہوا تو ایک بہت بڑا ہجوم کامیابی اور شادمانی کے نغمے گاتا ہوا اقبال کی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں نے جوشِ مسرت میں آپ کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ آپ نے اپنے خاص انداز میں لوگوں کا شکریہ ادا فرمایا۔[۴۲]

۵ ردسمبر کو اقبال کی کامیابی کا سرکاری اعلان ہو گیا۔ اس روز اخبار زمیندار نے آپ کی کامیابی کی خبر نمایاں انداز میں شائع کی اور اداریہ بھی لکھا۔ اس کے علاوہ مختلف لوگوں نے مبارک باد کے خطوط اور تار آپ کو بھجوائے۔[۴۳]

اقبال نے اپنے دیرینہ دوست، راجہ کشن پرشاد کو اپنی کامیابی کی اطلاع بذریعہ تار دی۔[۴۴]

۲۲ ردسمبر کو اخبار زمیندار کے ذریعے مبارک دینے والے احباب کا شکریہ ادا کیا۔[۴۵]

۲۵ ردسمبر کے موقع پر مہاراجا کشن پرشاد کی طرف سے اقبال کو کرسمس کارڈ موصول ہوا۔[۴۶]

۲۶ر دسمبر کو لاہور کی ککے زئی برادری نے آپ کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ آپ نے اس تقریب میں ایک موثر تقریر فرمائی۔[۴۷]

۲۸ر دسمبر کو اقبال نے بذریعہ خط مہاراجا کشن پرشاد کو کرسمس کارڈ موصول ہونے کی اطلاع دی۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ وہ تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے پنجاب کونسل کے الیکشن میں کامیاب ہوئے ہیں۔[۴۸]

سوامی شردھانند شدھی تحریک کا بانی تھا۔تحریک ترک تعاون کے زمانے میں اسے گرفتار کیا گیا تھا۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں سزا کی میعاد پوری کرنے سے قبل ہی اسے رہا کر دیا گیا۔ رہائی پانے کے بعد اس نے شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شروع کر دی۔ اس نے راجپوتانہ کو اپنا مرکز بنایا۔ اس کی تحریک سے قدرتی طور پر مسلمانوں کے جذبات کو سخت ٹھیس لگی۔ سوامی جی ایک اخبار تیج نامی بھی نکالتا تھا۔ اس اخبار میں عبدالرشید نامی ایک مسلمان اجرت پر کتابت کا کام کرتا تھا۔ اس نے دسمبر ۱۹۲۶ کے آخر میں سوامی کو قتل کر دیا۔ قتل کے دوسرے دن ہندو عوام کی آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ دہلی میں زبردست فساد ہوا جس میں چھ مسلمان شہید کر دیے گئے۔

ہندو اخبارات میں اسلام پر حملے کیے جانے لگے۔ اس ضمن میں پنجاب کے پرتاپ اور ملاپ اخبار پیش پیش تھے۔[۴۹]

۲۸ر دسمبر کو آپ نے جامعہ ملیہ دہلی کی امداد کے لیے معلم رہنماؤں کے ساتھ ایک اپیل شائع کرائی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد اگرچہ تحریکِ خلافت کے دوران پڑی تھی لیکن وہ اول دن سے ایک مستقل تعلیمی نصب العین رکھتی تھی۔ ۱۹۲۴ میں اس کے تمام ارکان نے یہ فیصلہ کرلیا کہ آئندہ سے ادارہ کو خلافت کمیٹی سے الگ کر کے ایک مستقل اور خالص تعلیمی مرکز کی شکل دے دی جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر پانچ ہزار روپیہ ماہوار آمدنی کا انتظام ہو جائے تو جامعہ ملیہ کی بنیاد اس حد تک مضبوط ہو جائے گی کہ بہتر تعلیمی نتائج فوراً حاصل کیے جا سکیں گے۔ اپیل میں لکھا گیا کہ ”اگر سو اہل خیر ایسے نکل آئیں جو پچاس روپے ماہوار اس عظیم کام کے لیے فراہم کر سکیں، تو یہ کام آسان ہو سکتا ہے۔“[۵۰]

مولانا محمد عبداللہ منہاس کی اہلیہ سعادت سلطان نے اس سال ایک کتاب بعنوان دخترانِ شمشیر شائع کرائی۔ اس میں اقبال کی مشہور نظم، فاطمہ بنت عبداللہ بھی شامل تھی۔[۵۱]

اس سال پروفیسر براؤن چل بسے۔ کیمبرج یونی ورسٹی نے ڈاکٹر نکلسن کی معرفت اقبال سے

موت کی تاریخ کا قطعہ لکھنے کی درخواست کی۔ آپ نے عبداللہ چغتائی سے تاریخ نکالنے والی کتاب منگوائی اور اس کے بعد ایک قطعہ تاریخ تخلیق فرمایا:

نازش اہل کمال ای جی براؤن
فیض او در مغرب و مشرق عمیم
مغرب اندر ماتم او سینہ چاک
از فراق او دل مشرق دونیم
تا بہ فردوس بریں ماویٰ گرفت
گفت ھاتف ذالک الفوز العظیم

اقبال نے یہ قطعہ تاریخ مرقع غالب کے کاتب، منشی اسداللہ سے خوش خط لکھوایا۔ پھر عبدالرحمٰن چغتائی نے نقاشی کے قدیم طریقے پر اسے مطلی و مذہب کیا۔ اس کے بعد اسے عبداللہ چغتائی نے کیمبرج یونی ورسٹی کے ڈاکٹر نکلسن کو بھجوا دیا۔[۵۲]

اس سال پنجاب یونی ورسٹی نے سر اکبر حیدری کو حیدر آباد دکن سے لاہور بلوایا تا کہ وہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر طلبہ سے خطاب کر سکیں۔ ایک روز صبح کے وقت عبداللہ چغتائی اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے اکبر حیدری کی لاہور آمد کا ذکر کیا اور ملنا کا کل ان سے کہا۔ اگلے روز عبداللہ چغتائی اور عبدالرحمٰن چغتائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جلسہ ملنے کا تقسیم اسناد کے بعد سر محمد شفیع کی قیام گاہ پر علامہ صاحب نے ان سے ملاقات فرمائی۔ واپسی پر اقبال مشن روڈ پر بخشی ٹیک چند کے مکان کے بالمقابل ذرا اندر کی طرف ایک مکان کے سامنے اتر گئے۔ یہاں ایک پارسی میاں بیوی، مسٹر و مسز وسوگر رہتے تھے۔ ان کے ہاں اٹلی کے اسکالر ڈاکٹر سکارپا آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر سکارپا افغانستان میں اطالوی سفیر کے مددگار تھے۔ اقبال ان سے ملاقات کرنے تشریف لائے تھے۔[۵۳]

اس سال مولوی سید میر حسن سیالکوٹی کے بڑے صاحبزادے، ڈاکٹر سید علی نقی سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ گورنر ہاؤس میں ان کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر ایک گروپ فوٹو بھی کھینچا گیا۔ اس تقریب اور تصویر میں اقبال بھی شامل تھے۔ تصویر میں پنجاب کے گورنر سر میلکم ہیلی کے دائیں جانب ڈاکٹر محمد اقبال اور بائیں جانب ڈاکٹر سید علی نقی

بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے ڈاکٹر علی نقی کو ایک شعر لکھ کر دیا تھا۔ اُسے ڈاکٹر علی نقی نے نہایت خوش خط لکھوا کر تقریب میں گورنر کو پیش کیا:

پنجاب کی کشتی کو دیا اس نے سہارا
تابندہ ہمیشہ رہے ہیلی کا ستارا[۵۴]

مولانا ظفر علی خان کا مجموعہ کلام حبسیات کے عنوان سے سال رواں میں شائع ہوا۔ اس میں ایک نظم بعنوان دوستانہ شکوہ بھی موجود تھی جو گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ مذکورہ نظم میں مولانا صاحب اپنے دوست اقبال سے شکوہ کرتے ہیں:

ماجرا کیا ہے کہ کچھ روز سے خاموش ہے تو
گرم پرواز ترا فکر سبک بال نہیں [۵۵]

اس سال چودھری محمد حسین نے اقبال کے اصرار پر پنجاب سول سیکرٹیریٹ میں ملازمت اختیار کر لی۔ وہ پریس برانچ سے وابستہ ہوئے۔(۵۶)

اس سال اقبال نے انٹرنس کے طلبہ کے لیے فارسی کی ایک کتاب آئینہ عجم مرتب فرمائی۔ یہ نصاب کی کتاب ہے۔[۵۷]

ایم اسلم نے اولاد سے محرومی کی بنا پر اپنی ایک بھانجی کو لے کر پال لیا تھا۔ یہ لے پالک بچی، اصغری بیگم ۲۸/اگست کو انتقال کر گئی۔ اسلم صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ انھوں نے اظہارِ غم کے طور پر ایک نظم، میرا بچہ لکھ ڈالی۔ اقبال کو جب اسلم صاحب کے رنج و غم کی شدت کا علم ہوا، تو آپ نے موت و حیات کے فلسفے پر انھیں چار پانچ اشعار لکھ کر بھجوا دیے۔[۵۸]

۲۷-۱۹۲۶ میں اقبال کو ۱۲۰۶۲ روپے آمدن ہوئی۔ اس پر آپ نے ۵۶۵ روپے ٹیکس ادا کیا۔[۵۹]

❁......❁......❁

حواشی

۱- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۵۵
۲- ایضاً، ص ۳۵۵
۳- اقبال بنام شاد، ص ۲۰۱

۴- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۲۴۵-۲۴۶
۵- اقبال بنام شاد، ص۴۰۴
۶- اوراق گم گشتہ، ص۱۸۰
۷- انوار اقبال، ص۲۶۹
۸- اقبال کی صحبت میں، ص۲۹۳
۹- اقبال اور مولوی عبدالحق، ص۹۸
۱۰- روز گار فقیر، جلد دوم، ص۲۳۹
11 - *Speeches, Writings and Statements of Iqbal, p* 162.
۱۲- اوراق گم گشتہ ، ص۱۵۶
۱۳- ایضاً، ص۴۳۱-۴۳۴
۱۴- اقبال- سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۸۲
۱۵- انوار اقبال، ص۳
۱۶- گفتار اقبال، ص۱۳
۱۷- اقبال- سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۸۷
۱۸- ایضاً، ص۱۹۰
۱۹- اقبال کی صحبت میں، ص۲۹۳
۲۰- روح مکاتیب اقبال، ص۳۵۹
۲۱- ایضاً، ص۳۶۰
۲۲- ایضاً، ص۳۶۰
۲۳- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۳۶
۲۴- مفکر پاکستان، ص۱۹۰
۲۵- روح مکاتیب اقبال، ص۳۶۱
۲۶- اقبال بنام شاد، ص۳۹۸
۲۷- ایضاً، ص۳۹۹-۴۰۰
۲۸- روح مکاتیب اقبال، ص۳۶۱
۲۹- اقبال کی صحبت میں، ص۲۴۲
۳۰- روح مکاتیب اقبال ، ص۳۶۱-۳۶۲
۳۱- اقبال بنام شاد، ص۴۰۰
۳۲- ایضاً، ص۴۰۰

۳۳- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۲۵۔۲۶
۳۴- اقبال اور ظفر علی خان ،ص۲۱۱
۳۵- اقبال کی صحبت میں،ص۱۷۷؛ گفتار اقبال ،ص۱۶۔۱۸
۳۶- گفتار اقبال ،ص۱۶۔۱۸
۳۷- ایضاً،ص۱۷
۳۸- ایضاً،ص۱۷۔۱۸
۳۹- اقبال اور عبدالحق،ص۱۹۰۔۱۹۱
۴۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۹
۴۱- گفتار اقبال،ص۱۸
۴۲- اقبال کی صحبت میں،ص۱۷۹؛روز گار فقیر ،جلداول،ص۱۰۳۔۱۰۴
۴۳- گفتار اقبال،ص۱۹
۴۴- اقبال بنام شاد ،ص۲۸۲
۴۵- گفتار اقبال ،ص۱۹
۴۶- اقبال بنام شاد،ص۲۸۲
۴۷- گفتار اقبال،ص۲۰
۴۸- اقبال بنام شاد،ص۲۸۲
۴۹- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۵۴
۵۰- گفتار اقبال،ص۲۷۰
۵۱- اوراق گم گشتہ،ص۳۰
۵۲- اقبال کی صحبت میں،ص۲۰۰۔۲۰۱
۵۳- ایضاً،ص۲۱۵
۵۴- روز گار فقیر ،جلداول،ص۱۷۳۔۱۷۴
۵۵- اقبال اور ظفر علی خان،ص۱۸۷
۵۶- زندہ رود،ص۲۹۳
۵۷- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۴۳۰۔۴۳۳
۵۸- اوراق گم گشتہ،ص۱۳۶
۵۹- زندہ رود ،ص۵۴۳

۱۹۲۷ء......مولانا گرامی کی وفات

۳؍جنوری ۱۹۲۷ء کو مجلس وضع قوانین پنجاب کا افتتاحی اجلاس سہ پہر کے وقت ہوا۔ اقبال نے بھی بطور رکن پنجاب لیجسلیٹو کونسل حلف اٹھایا۔[۱]

میر حسن الدین نے اقبال کی تصنیف فلسفہ عجم کا اردو میں ترجمہ کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے ۱۱؍جنوری کو انھیں جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ Development of Metaphysics in Persia کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں...... مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہیں ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے اب تک بہت سے نئے امور کا انکشاف ہو چکا اور خود میرے خیالات میں بھی انقلاب آ گیا ہے۔ بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھ لیجیے۔[۲]

ہوشیار پور سے مولانا گرامی نے آپ کو ایک رقعہ بھیجا۔ ۱۳؍جنوری کو اقبال نے رقعہ موصول ہونے کی اطلاع دی۔ اقبال نے جواب میں تحریر فرمایا کہ لاہور ضرور تشریف لائیے۔ ڈاکٹر محمد حسین یہیں ہیں۔ گلشن راز جدید بھی سناؤں گا۔ محمود شبستری نے جن سوالات کا جواب گلشن راز میں دیا ہے، انھی سوالات پر میں نے زمانہ حال کے مشاہدات و تجربات کے لحاظ سے نظر ڈالی ہے۔[۳]

۲۰؍جنوری کو اقبال نے میر غلام بھیک نیرنگ کے نام مکتوب میں فرمایا کہ چند احباب کی تجویز ہے کہ آئندہ سال لاہور میں مسلمانوں کی ایک کانفرنس کی جائے جس کا خرچہ قریباً تیس ہزار روپیہ ہوگا۔ آپ کی جمعیت اس سلسلے میں کیا مدد کر سکے گی۔[۴]

اسی دن اقبال پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری مقرر ہوئے۔[۵]

سوامی شردھانند کے قتل کے بعد پنجاب کے آریہ سماجی اخبارات پرتاپ اور ملاپ وغیرہ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہایت دل آزار پراپیگنڈا مہم شروع کر دی تھی۔ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے لاہور کے مسلمانوں نے باغ بیرون موچی دروازہ میں دو عام جلسوں کا اہتمام کیا۔ پہلا جلسہ ۲۲ جنوری کو ہوا۔ اس جلسے کی صدارت اقبال نے فرمائی اور ایک

بصیرت افروز تقریر کی۔[۶]

میر غلام بھیک نیرنگ انجمن تبلیغ اسلام کے معتمد تھے۔ انھوں نے اقبال کی خواہش پر ایک مخصوص رقم دینے کی ہامی بھرلی۔ آپ نے ۲۴ رجنوری کے خط میں انھیں تحریر فرمایا کہ اس کانفرنس کے لیے مطلوبہ چندہ جمع ہو جائے گا۔ بڑے آدمیوں کی منت نہیں کرنی پڑے گی۔ فی الحال تین آدمیوں نے آٹھ ہزار روپے جمع کر دینے کا وعدہ کرلیا۔ یورپ اور امریکا سے کم از کم آٹھ دس آدمیوں کو دعوت دی جائے گی۔ اسی خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ اگر چندہ میں کچھ کمی رہ گئی تو والی بھوپال سے مدد کی التجا کرنا بہتر ہوگا۔[۷]

ڈاکٹر نکلسن نے آپ کی فارسی تصنیف اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ اقبال نے ان کے نام ۲۴ رجنوری کے خط میں انسان کامل، خدا اور الوہیت اور فلسفہ سخت کوشی کے بارے میں انگریز نقادوں کے خیالات پر مفصل بحث فرمائی اور اپنے خیالات رقم کیے۔[۸]

۲۶ رجنوری کے زمیندار لاہور میں خبر شائع ہوئی کہ قارئین کو یہ مژدہ سنایا جاتا ہے، علامہ اقبال کی تازہ تصنیف زبور عجم بالکل مکمل ہوگئی ہے، دو چار روز میں اس کی کتابت شروع ہو جائے گی۔[۹]

۳۰ رجنوری کو میرٹھ کے موچی دروازہ میں اقبال کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا۔ یہ غیر مسلموں کے خطرناک پروپیگنڈے کے خلاف بطور احتجاج منعقد ہوا تھا۔ اقبال نے جلسے کے اختتام پر نصیحت آموز تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں سے فرمایا کہ ہمارے باہمی تنازعات بہت افسوسناک ہیں۔ رواداری کا اصول یہی ہے کہ کسی کو یہ نہ کہا جائے کہ تم باطل ہو۔ میں تم سے صداقت کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لیے حقائق کی طرف دیکھو اور آپس میں نہ لڑو۔ اگر عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنی ہے، تو متحد ہونے کی صورت پیدا کرو۔[۱۰]

۳۱ رجنوری کو مولانا گرامی کے نام خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ ڈاکٹر محمد حسین آپ کا علاج کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پنجابی کے شاعر لال دین قیصر میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر روز پوچھتے ہیں کہ آپ کب تشریف لائیں گے۔ شیخ اصغر علی بھی آپ کا پوچھ رہے تھے...... میری کتاب زبور عجم ختم ہوگئی ہے۔ ایک دو روز تک کاتب کے ہاتھ میں جائے گی اور پھر پندرہ دن کے اندر اندر شائع ہو جائے گی۔ اس کے چار حصے ہیں۔ کل مجموعہ کا نام زاویہ عجم ہے۔ آپ ہر حصے کا کوئی موزوں و مناسب نام تجویز کر دیں، عین عنایت ہوگی۔[۱۱]

۲۴؍فروری کو اقبال نے عبداللہ چغتائی کے نام مکتوب میں لکھا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد اس تصویر پر غور کرتا رہا جس کے متعلق ہم دیر تک بحث کرتے رہے تھے۔ میری رائے میں شاید اس تصویر میں یورپ کی تصویر متعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔[۱۲]

۴؍مارچ کو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں اقبال کی زیرِ صدارت ایک اجلاس ہوا۔ جس میں مرزا بشیر الدین محمود نے ''مذہب اور سائنس'' کے موضوع پر تقریر کی۔ تقریر کے خاتمہ پر آپ نے مختصر الفاظ میں اس موضوع پر روشنی ڈالی۔[۱۳]

۵ مارچ کو اقبال نے پنجاب اسمبلی میں ۲۸۔۱۹۲۷ء کے میزانیہ پر تقریر کرتے ہوئے یہ دو اہم تجاویز پیش کیں: (۱) دیہات میں صفائی کے بہتر انتظامات کرنے اور عورتوں کو طبی امداد بہم پہنچانے کے لیے رقم کا ایک حصہ محفوظ کر دیا جائے۔ (۲) محاصل خصوصاً لگان میں کمی کی جائے۔ اس کے علاوہ طریقہ محصول اندازی میں جو نا انصافی ہے، اسے رفع کیا جائے۔[۱۴]

محمد نیاز الدین خان کے استفسار پر آپ نے ۸؍مارچ کے خط میں انھیں تحریر فرمایا کہ حال کے فارسی شعرا کی کتب مشکل سے دستیاب ہیں اور اُن کی قیمتیں بہت گراں ہیں۔ ملک الشعرا بہار قزوینی یا مشہدی کا دیوان چھپ گیا ہے۔ میں نے حال ہی میں ایک اور مجموعہ، اردی بہشت نام کا دیکھا ہے۔ زمانہ حال کے ایرانی ادبا کی نثر پڑھنے کے قابل ہے۔[۱۵]

۱۰؍مارچ کو پنجاب اسمبلی میں تقریر فرماتے ہوئے اقبال نے ابتدائی تعلیم کے جبری نفاذ پر زور دیا۔ آپ نے پنجاب میں تعلیمی ترقی کی رپورٹ ۲۶۔۱۹۲۵ء کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ تعلیم پر جو بڑی سرکاری رقم صرف کی جا رہی ہے، اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل رہا۔ آپ نے حکومت سے اپیل کی کہ فوراً پورے صوبے میں ابتدائی جبری تعلیم نافذ کر دی جائے۔[۱۶]

پنجاب اسمبلی میں محکمہ امداد باہمی کی رقم زیرِ بحث تھی کہ ایک رکن ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کھڑے ہو کر کہنے لگے، حکومت کے شعبہ اطلاعات نے ''امداد باہمی'' پر ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کے بعض مضامین پر ازالہ حیثیت عرفی اور دفعہ ۱۵۳ کے ماتحت مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ حکومت کو ایسی کتاب شائع نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اس پر حضرت علامہ نے ڈاکٹر نارنگ کی بے خبری کا بے حد مضحکہ اڑایا اور کونسل کو بتایا کہ مذکورہ کتاب شعبہ اطلاعات نے نہیں بلکہ ایک نجی کارخانہ دار، مولوی ممتاز علی، مالک دارالاشاعت پنجاب نے شائع کی ہے۔ عبدالمجید سالک ایڈیٹر

زمیندار اس کتاب کے مصنف ہیں۔[۱۷]

۱۳ / مارچ کے زمیندار میں اقبال کی ایک فارسی نظم ''یا چنان کنی یا چنیں'' شائع ہوئی۔[۱۸]

اسی دن عبداللہ چغتائی کو خط میں تحریر فرمایا کہ کالج لائبریری سے براؤن کی لٹریری ہسٹری پرشیا کی دوسری جلد اپنے ساتھ لیتے آیئے گا۔[۱۹]

۲۰ / مارچ کو دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں تیس کے لگ بھگ مسلمان رہنماؤں کا ایک اجلاس محمد علی جناح کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ پنجاب سے سر محمد شفیع اجلاس میں شریک تھے۔ اجلاس میں کانگریس کے صدر سری نواس آئینگر کی پانچ تجاویز پر مفصل بحث ہوئی۔ آخر کثرت رائے سے اس فارمولے پر اتفاق ہو گیا...... یہی بعد میں تجاویز دہلی کے نام سے مشہور ہوئیں۔[۲۰]

۱۵ / اپریل کی صبح عبداللہ چغتائی اقبال کے ہاں میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے علی بخش کو پکار کر کہا کہ ڈرائیور سے کہو، گاڑی نکالے۔ علم دین ڈرائیور گاڑی لے آیا۔ اقبال اور عبداللہ چغتائی موٹر میں بیٹھ کر زمیندار کے دفتر پہنچے۔ اس وقت نو دس بجے رہے تھے۔ وہاں مولانا سید سلیمان ندوی ایک الگ کمرے میں فروکش تھے۔ سید صاحب آپ سے بڑے پر تپاک انداز میں ملے۔ تقریباً ایک گھنٹہ علم دین اور فلسفہ اسلام پر گفتگو ہوتی رہی۔ ان کی زیادہ توجہ امام رازی کی کتاب ''مباحث مشرقیہ'' پر مرکوز تھی۔ کیونکہ انھی دنوں اقبال مکان و زمان کی بحث کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ملاقات کے دوران آپ نے سید صاحب اور مولانا ظفر علی خان کو اپنے ہاں بعد نماز مغرب کھانے کی دعوت دی جو قبول کر لی گئی۔ واپسی پر سید صاحب کو موٹر میں بٹھا کر اسلامیہ کالج تک چھوڑا۔ عبداللہ چغتائی اور سید سلیمان ندوی کو وہاں چھوڑ کر اقبال خود گھر چلے گئے۔

اس دن انجمن حمایت اسلام لاہور کا بیالیسواں سالانہ تین روزہ اجلاس اسلامیہ کالج کے میدان میں شروع ہوا تھا۔ رات کو آپ نے سید سلیمان ندوی کو کھانے کی دعوت دی۔ اس میں مولانا ظفر علی خان، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، پروفیسر محمد دین تاثیر، چودھری محمد شفیق، خواجہ سلیم اور عبداللہ چغتائی بھی شریک تھے۔ کھانے کے بعد کافی دیر تک علمی مذاکرہ ہوتا رہا۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی کی تالیف ''تذکرہ'' کا ذکر آیا، مکان و زماں کی بحث موضوع بنی اور پھر شعر شاعری پر بات چیت ہوتی رہی۔[۲۱]

۱۶ / اپریل بروز شنبہ انجمن حمایت اسلام کا چوتھا اجلاس صلاح الدین خدا بخش، بیرسٹرایٹ لا کلکتہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اقبال نے بھی شرکت فرمائی اور انگریزی میں ''دی

اسپرٹ آف مسلم کلچر'' کے موضوع پر تقریر کی۔ تقریر کا ابتدائی حصہ ڈیڑھ گھنٹے میں ختم ہوا۔ حاضرین کے اصرار پر اقبال نے اردو زبان میں خطبے کا خلاصہ پیش فرمایا۔ آپ نے کہا کہ ہر انسان کے دل میں مشاہدہ حقیقت کی ہوس پائی جاتی ہے۔ مشاہدہ حقیقت کے حصول کے دو طریق ہیں: (۱) سمع و بصر اور (۲) قلوب یا بہ اصطلاح قرآن حکیم افندہ

یہ ضروری ہے کہ ان دونوں طریقوں سے بقدر ضرورت کام لیا جائے۔ یورپ نے اپنی ساری کوششیں صرف ''سمع و بصر'' تک محدود کر دیں جب کہ ''افندہ'' کو ترک کر دیا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے اپنی توجہ ''افندہ'' پر مرتکز کر دی اور ''سمع و بصر'' سے پورا کام نہیں لیا۔ ضرورت یہ ہے کہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت فائدہ اٹھایا جائے۔[۲۲]

خواجہ سلیم، پروفیسر انگریزی، گورنمنٹ کالج لاہور نے ۱۷؍اپریل کو اپنے گھر واقع کوچہ کوٹھی داراں، کشمیری بازار، علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی کو کھانے کی دعوت دی۔ اس دعوت کا مقصد دونوں بزرگوں کو چند علمی مخطوطات دکھانا تھا۔ حافظ محمود شیرانی، خواجہ عبدالوحید، پروفیسر شیخ محمد اقبال اورینٹل کالج، سید طلحہ، ملک عنایت اللہ، ملک محمد امین ایڈووکیٹ، مولانا ظفر علی خان، چودھری محمد حسین، سید عبداللہ اور ملک لطیف اسٹیشن ماسٹر لاہور بھی اس محفل میں شریک ہوئے تھے۔ بعد ازاں ابوالخیر عبداللہ، ملک لال دین قیصر، بشیر بھٹی (بھٹی بوٹ ہاؤس ڈبی بازار) غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، بابو عبدالماجد، شیخ عبدالرشید اور سید واجد علی شاہ ایڈووکیٹ بھی شامل تھے۔ کھانا بڑا پُر تکلف، لذیذ اور انواع و اقسام کا تھا۔ کھانے لاہور کے مشہور باورچی پھجو (فضل دین) نے تیار کیے تھے۔ دعوت کے بعد دوران گفتگو سید سلیمان ندوی نے زمیندار اخبار میں شائع ہونے والے کالم ''افکار و حوادث'' کے لئے یفکاہات کالم کا نام تجویز کیا۔[۲۳]

۲۰؍اپریل کو اقبال نے عبداللہ چغتائی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں، مسٹر محمد یعقوب ہر روز کسی ایسے وقت جو ان کے لیے اور میرے لیے موزوں ہو، یہاں آ جایا کریں؟ میں ان سے پہلا لیکچر لکھوانا چاہتا ہوں۔ ان کے شملہ جانے کے بعد کسی اور شارٹ ہینڈ رائٹر کو بلا لیا جائے گا۔[۲۴]

۲۷ اپریل کے خط میں اقبال نے عبداللہ چغتائی کو تحریر فرمایا کہ انگریزی کتاب *Art and The Unconscious* جلد بھجوا دیجیے گا۔[۲۵]

بہ تاریخ ۲۹؍اپریل ایک اور خط میں عبداللہ چغتائی کو یونی ورسٹی لائبریری سے میڈ لیول

سائنس نامی کتاب جلد ارسال کرنے کی یاددہانی کرائی۔[۲۶]

امرتسر کے اخبار تنظیم کے شمارہ اپریل میں فارسی کے چھ شعر بعنوان سوراج (در حدود سلطنت) شائع ہوئے۔ یہ میر رضی کے شعر پر اقبال کی تضمین تھی:

شبے بہ میکدہ پیر کلیسیا می گفت [۲۷]

یکم مئی کو برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں پنجاب مسلم لیگ کا ایک اجلاس سر محمد شفیع کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ سر محمد شفیع نے دہلی تجاویز اور ہندو مہا سبھا کے انتہا پسند رویے کے خلاف ایک جامع تقریر کی۔ اسی جلسے میں سر محمد اقبال نے بھی تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا، میری ہمیشہ سے آرزو ہے کہ مسلمانوں کا اتحاد مستقل حیثیت اختیار کر لے۔ میں مسلمانوں سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ مسلمان اب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ ایک طرف ہندوان کے خلاف کوشش کر رہے ہیں، دوسری طرف حکومت کے موجودہ نظام کی سرگرمیاں مسلمان کے خلاف جاری ہیں۔ ان مصیبتوں میں بچاؤ کی صورت محض یہ ہے کہ مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔[۲۸]

تحریک خلافت اور ترک موالات کے دوران ہندو مسلم کے درمیان جہاں ایک طرف اتحاد ہوا، تو دوسری طرف فرقہ وارانہ تعصب اور فسادات بھی شروع ہو گئے۔ لاہور میں ۳ر مئی کو ہندوؤں اور سکھوں کی ایک بڑی تعداد باولی صاحب، ڈبی بازار میں جمع ہوئی۔ اس موقع پر مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر کی گئیں۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ ایک مسلمان نے ایک سکھ لڑکی پر مجرمانہ حملہ کیا ہے۔ اس کے بعد یہ مشتعل ہجوم حویلی کابل مل میں داخل ہوا اور مسلمانوں پر کرپانوں اور لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ فساد شہر میں پھیل گیا۔

فسادات کا علم ہوا تو آپ ۳ اور ۴ر مئی کی درمیانی رات ساڑھے بارہ بجے حویلی کابل مل میں دوسرے اکابرین کے ہمراہ پہنچے۔ اقبال وہاں پانچ بجے تک رہے اور لوگوں سے بیان لیا۔

۴ر مئی کو صبح آٹھ بجے اقبال میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت سے مقتدر اور ذی اثر مسلمان جمع تھے۔ یہ مسلمان رہنما پھر گیارہ بجے شہر میں گھومنے لگے۔ اقبال اور میاں عبدالعزیز نے کئی مقامات پر لوگوں کو صبر و تحمل کی تلقین فرمائی اور ضبط و امن قائم رکھنے کی نصیحت کی۔ اقبال نے چھ بجے شام منعقد ہونے والا جلسہ منسوخ کرا دیا۔ دوپہر کو آپ گھر تشریف لے آئے۔ ساڑھے تین بجے سہ پہر پنڈت سنتا تم اور سردار سردول سنگھ آپ سے ملنے آئے۔ اتنی دیر میں شیخ عبدالقادر بھی آ گئے۔ اقبال پھر شیخ صاحب کے ہمراہ ماتمی جلوس میں شامل ہوئے تا کہ

مجمع کو قابو میں رکھ سکیں۔ ۴ مئی کو ہی آپ نے ڈبی بازار میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو صبر و تحمل سے کام لینے کا مشورہ دیا۔

اگلے دن کمشنر کے دفتر میں ایک اجلاس ہوا۔ اقبال نے مذکورہ اجلاس میں افہام و تفہیم سے رہنے کے سلسلے میں بعض تجاویز پیش کیں۔

ان فسادات کے سلسلے میں اقبال نے ٹریبیون کے نامہ نگار خصوصی کو ایک انٹرویو دیا۔ آپ کی مساعی سے مولانا محمد علی جوہر اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنے اخبار ہمدرد میں مورخہ ۸/مئی کو لکھا:

میں نے جب اخبارات میں پڑھا کہ کس طرح علامہ اقبال نے مسلمانوں کو ایک بار نہیں بلکہ بار بار اور دن رات صبر و تحمل کی تلقین فرمائی تو میرے دل سے اس سچے محبِ وطن کے لیے دعا نکلی۔

اقبال کو ملک کے دوسرے حصوں میں مقیم مسلمانوں کی طرف سے بھی پیغامات ہمدردی موصول ہوئے۔ ۸ رمئی کو نئی دہلی سے ذوالفقار علی خان اور کراچی سے ۹ رمئی کو حاجی عبداللہ ہارون، رکن مجلس ہند نے آپ کو پیغام بھجوائے۔ نواب ذوالفقار علی خان نے مشورہ دیا کہ مقتولین و مجروحین کے پسماندگان کی مالی امداد کے لیے فوراً ایک فنڈ قائم کر دینا چاہیے۔ نواب صاحب نے اس فنڈ کے لیے دو صد روپیہ بھی روانہ کر دیے۔[۲۹]

۱۲ رمئی کو لاہور کے ہندو، مسلمان اور سکھ اکابرین کی طرف سے یہ اعلان شائع ہوا کہ اخبارات کا ایک حصہ، بالخصوص ورنیکلر اخبارات کچھ مدت سے فرقہ ورانہ کشیدگی کے موجب بنے ہوئے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ ان کے خلاف قانونی کارروائی کرے تاکہ غیر ذمہ دار اخبار نویس ذمے داری سے اپنے فرائض انجام دیں۔[۳۰]

فساد سے متاثرین مرد و زن کو مسلمانوں نے بھرپور مالی مدد دی۔ مزنگ کے مسلمانوں کی مسلم ریلیف کمیٹی نے سات سو روپے کی دوسری قسط اقبال کو بھجوائی۔ آپ نے روزنامہ انقلاب لاہور کے شمارہ، ۱۵ رمئی میں میاں چراغ دین اور ان کے احباب کا شکریہ ادا کیا۔[۳۱]

وسط مئی میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا اجلاس بمبئی میں زیر صدارت سری نواس آئنگر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مختلف تجاویز منظور کی گئیں۔ انھیں منظور کرانے میں پنڈت جواہر لال نہرو پیش پیش تھے۔[۳۲]

لاہور کے اخبار پرتاپ نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک شرمناک مضمون شائع

کیا۔ انھی دنوں دہلی کے ایک آریہ نے ''سورۃ مثل القرآن'' شائع کر کے مسلمانوں کے دینی اعتقادات کو ٹھیس پہنچائی۔[۳۳]

۲۳ مئی کو مسلم آؤٹ لک کے نامہ نگار نے اقبال سے ملاقات کے دوران آپ سے استدعا کی کہ فسادات سے پیدا شدہ صورت حال کے متعلق بعض اختلافی امور پر روشنی ڈالیے۔ اقبال نے فرمایا کہ میں ۱۲ مئی کے اعلان کو حق بجانب خیال کرتا ہوں۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ جو تحریریں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرتی ہیں، انھیں روکا اور دبایا جائے۔ انسان کو حقیقی آزادی اخلاقی ضبطِ نفس کے ذریعے ہی ملتی ہے۔ اگر مقامی اخبارات سنسنی پھیلانے والی سرخیاں لکھنا چھوڑ دیں، تقریروں، جلسوں وغیرہ کی رپورٹنگ کرنے کے لیے معقول آدمی رکھیں اور تحریروں کو فرقہ وارانہ رنگ دینے سے احتراز کریں تو مقامی زبانوں کے اخبارات کی قدر و قیمت بہت بڑھ سکتی ہے۔ اس وقت بلا امتیاز گرفتاریاں کی جارہی ہیں، اس حقیقت نے کہ پولیس کے اکثر افسر ہندو اور سکھ ہیں، مسلمانوں میں عدم اعتماد کا عام احساس پیدا کر دیا ہے۔ اس صوبے کے مسلمانوں کا اولین فرض یہ ہے کہ اب وہ اپنی داخلی تنظیم اور اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔[۳۴]

۲۷ مئی بروز پنج شنبہ مولانا شیخ غلام قادر گرامی ہوشیار پور میں وفات پا گئے۔ انھیں کنڈن شاہ بخاری کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اقبال کو اپنے عزیز دوست کی جدائی سے بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے اس حادثے پر فارسی میں پانچ اشعار کہے۔ انھیں انقلاب نے صفحہ اول پر شائع کیا:

آہ! مولانا گرامی از جہاں بربست رخت
آنکہ زد فکر بلندش آسماں را پشت پای
بر مزارش پست تر کن پردہ ہای ساز را
تا نہ گردد خواب او آشفتہ از شور نوای[۳۵]

مولانا گرامی کے انتقال کی خبر سنتے ہی پنڈت ہری چند اختر، اقبال سے انٹرویو کرنے پہنچ گئے۔ اختر کے سوالات کا جواب دیتے اور مولانا گرامی کے اوصاف گنواتے ہوئے اقبال نے ان کی شخصیت، شاعرانہ کمال اور ناقدانہ نظر کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ آج سے تقریباً بیس پچیس سال پیشتر میرے اور مولانا گرامی کے تعلقات کا آغاز ہوا۔ اصنافِ سخن میں انھیں غزل کے ساتھ خاص شغف تھا۔ فارسی لٹریچر میں ''جوتاز گوئی'' کا شوق اکبر کے عہد سے شروع ہوا تھا، مولانا گرامی کو اس دور کا آخری شاعر سمجھنا چاہیے۔ زندگی کے عام حالات نے ان کو ''فنافی الشعر'' کر دیا

تھا۔ جدید فارسی زبان کا اثر ان کے کلام پر مطلق نہ تھا، وہ کلاسیکی زبان ہی میں لکھتے تھے۔ تراکیب وضع کرنے میں تو ان کا انداز مجتہدانہ تھا۔ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ فارسی کے ہزاروں اشعار انھیں ازبر تھے۔ اپنی عمر کے آخری دو تین برسوں میں انھوں نے رباعی کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔ گرامی کو خان خاناں کے زمانے میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔[۳۶]

۳۱ رمئی کو اقبال کی اہلیہ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ اس روز شام کو اسلامیہ کالج کے میدان میں آپ کی زیرِ صدارت مذاکرہ طبیہ کالج ہونے والا تھا۔ آپ نے عبداللہ چغتائی کو تحریر فرمایا کہ اہلیہ کی طبیعت خراب ہونے کے باعث حاضر نہیں ہوسکوں گا۔[۳۷]

بہ تاریخ ۳۱ رمئی لاہور کی ککے زئی برادری کی جانب سے اقبال کو مسلم ریلیف فنڈ کمیٹی کے لیے ایک ہزار روپیہ دیا گیا۔ یہ روپیہ برادری مذکور نے خان بہادر ملک محمد حسین، پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی لاہور کو حکومت کی طرف سے خطاب ملنے کے موقع پر ان کی دعوت کے لیے جمع کیا تھا۔ علامہ صاحب نے ۳۱ مئی کو زمیندار کے ایڈیٹر کے نام اپنے ایک خط میں اس چندے کی وصولی کی اطلاع دی اور برادری کا شکریہ ادا کیا۔[۳۸]

امرتسر سے نکلنے والے رسالہ درتمان نے شمارہ مئی میں ''سیر دوزخ'' کے عنوان سے ایک قابلِ نفرت مضمون شائع کیا جس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا۔ حکومت نے رسالے کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے اس کے خلاف مقدمہ امرتسر کی عدالت سے عدالت عالیہ لاہور میں منتقل کردیا۔ وہاں یہ مقدمہ ایک جج کی بجائے ڈویژن بنچ کے سپرد ہوا، ڈویژن بنچ کے صدر جسٹس براڈوے تھے۔[۳۹]

معارف کے شمارہ مئی میں سید سلیمان ندوی نے اپنے سفر لاہور کی روداد ''سفر لاہور کی یادیں'' کے عنوان سے تحریر فرمائی۔ سید صاحب نے لکھا کہ علامہ صاحب نے تو شمع و شاعر پر قلم اٹھایا لیکن میں نے لاہور میں خود شاعر کو شمع دیکھا اور قدر شناسوں کو اس کا پروانہ پایا۔

یاد رہے، اقبال اپنے گھر کو دارالفقر کہتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے اُسے دارالاقبال کا نام دیا۔[۴۰]

لاہور کے ایک ہندو راجپال ملعون نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اس پر دو ڈھائی سال تک مقدمہ چلتا رہا۔ لیکن مئی میں لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس دلیپ سنگھ نے اس ملعون کے حق میں فیصلہ کردیا اور اسے رہا کردیا۔ ناروا فیصلے کے خلاف مسلمانوں میں شدید ردعمل ہوا۔ مسلمانانِ پنجاب کا ایک وفد گورنر پنجاب سے ملا جس میں اقبال بھی شامل تھے۔ وفد نے

مطالبہ کیا کہ اس قسم کی دلآزار تحریروں کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے۔ چوں کہ لاہور میں فسادات کا اندیشہ تھا لہٰذا حکومت نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔[۴۱]

روزنامہ انقلاب لاہور کے شمارہ ۱۰ جون میں زبور عجم کے مدوّن ہونے کی خبر شائع ہوئی۔[۴۲]

۱۲ جون کو سر میاں فضل حسین کا ایک مکتوب اقبال کو موصول ہوا۔ آپ نے اگلے روز جواب میں تحریر فرمایا کہ میرا انٹرویو ان بیانات پر مبنی تھا جو ۱۷، ۱۸، ۱۱ اور ۱۹ مئی ۱۹۲۷ء کے انقلاب، زمیندار اور مسلم آؤٹ لک میں شائع ہوئے۔ ان کے ضروری تراشے ارسال خدمت ہیں۔ اب تک ان بیانات کی تردید حکومت کے کسی افسر نے نہیں کی ہے۔ حالات کی صورت خطرناک ہے۔[۴۳]

سراج الدین نظامی نے اپنے ایک خط میں آپ کو لکھا کہ ڈراما فاؤسٹ کا اردو ترجمہ ہونا چاہیے۔ اقبال نے ۱۵ ؍جون کے خط میں تحریر فرمایا کہ اس ڈرامے کا اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ البتہ ایک اور ڈراما ''شیطان کا غلام'' کے نام سے مشہور ہے، جو غالباً اسی روایت پر مبنی ہے۔ لیکن میں اسے ترجمہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا ہے۔[۴۴]

۱۹ ؍جون کو سر محمد شفیع کی صدارت میں انجمن حمایت اسلام کا اجلاس ہوا تو، اقبال نے بطور رکن کالج کمیٹی شرکت فرمائی۔[۴۵]

آپ کی فارسی تصنیف زبور عجم دو ہزار کی تعداد میں مقبول عام پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کی کتابت محمد صدیق نے کی تھی۔ ۱۹ جون کو اس کا ایک اعزازی نسخہ میاں نظام الدین رئیس لاہور کو پیش کیا گیا۔[۴۶]

۲۱ ؍جون کے انقلاب میں منشی طاہر الدین کی طرف سے زبور عجم کا یہ اشتہار شائع ہوا کہ اقبال کی تازہ تصنیف چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔[۴۷]

۳ ؍جولائی کو انجمن حمایت اسلام کا اجلاس زیرِ صدارت شیخ انعام علی منعقد ہوا۔ اقبال کالج کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ آپ کو دوبارہ کالج کمیٹی کا رکن منتخب کر لیا گیا۔[۴۸]

۶ ؍جولائی کے پرتاپ میں ''ڈاکٹر اقبال کا اعلان'' کے عنوان سے ایک نوٹ شائع ہوا۔ اس میں کہا گیا کہ ڈاکٹر صاحب کو اس احتجاج سے کوئی ہمدردی نہیں جو مسلم آؤٹ لک وغیرہ کتاب رنگیلا رسول کے متعلق کر رہے ہیں۔[۴۹]

۷ ؍جولائی کے انقلاب میں اقبال کا یہ تردیدی اور وضاحتی بیان شائع ہوا کہ میں نے نجی یا عوامی طور پر اس قسم کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ اخبار پرتاپ میں جو کچھ چھپا، کھلی ہوئی افترا پردازی

ہے۔ مسلمان اس احتجاج کے ذریعے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اس سعی و کوشش پر مجھے نہ صرف ان سے ہمدردی ہے بلکہ میں انھیں بالکل حق بجانب جانتا ہوں۔"[۵۰]

۸؍جولائی کو سر عبدالقادر کی صدارت میں برکت علی اسلامیہ ہال میں لاہور کے مسلمان رہنماؤں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں مجلس خلافت کی تحریک سول نافرمانی زیر بحث آئی۔ اقبال نے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ انگریزی کا ایک مقولہ ہے، عقل مندی یہ ہے کہ انسان اپنے مصائب سے بھی فائدہ اٹھائے .... اللہ تعالیٰ نے ہمیں نقطہ واحد پر لانے کے لیے اسباب پیدا کر دیے ہیں .... میں ارکان مجلس خلافت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ موجودہ حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے طریق کار کو ملتوی کر دیں۔ یعنی اس تدبیر کو سردست ملتوی کر دیں جو دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے لیے انھوں نے اختیار کر رکھی ہے۔[۵۱]

۱۰؍جولائی کو مجلس خلافت کی تحریک پر غور کرنے کے لیے ایک جلسہ عام بادشاہی مسجد لاہور میں منعقد ہوا۔ مولانا عبداللہ قصوری جلسے کے صدر بنائے گئے، سب سے پہلے علامہ صاحب نے تفصیلی تقریر فرمائی۔ آپ نے تقریر میں راجپال کی سخت مذمت کی تاہم مسلمانوں کو تحریک سول نافرمانی ملتوی کرنے کا مشورہ دیا...... مقدمہ "ورتمان" کو ہائی کورٹ میں منتقل کرنے میں جو کارروائی کی گئی ہے، شاید وہ تاریخ میں پہلی مثال ہے۔ جب تک اس کا فیصلہ صادر نہ ہو جائے، کوئی دوسرا طریق کار اختیار نہ کیا جائے۔[۵۲]

پنجاب کی صوبائی اسمبلی کا اجلاس شملہ میں ۱۸؍جولائی کو منعقد ہوا۔ اقبال نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ پولیس کو مزید رقم دی جائے تا کہ وہ موثر طور پر کام کر سکے۔ اس کے علاوہ آپ ملتان اور لاہور میں فساد کو زیر بحث لائے۔ آپ نے پولیس کے ہاتھوں مولوی محمد عرفان پٹ تشدد کو اور ناجائز قرار دیا۔[۵۳]

۱۹؍جولائی کو پنجاب اسمبلی میں سردار اجل سنگھ نے کونسل میں یہ قرارداد پیش کی کہ مستقبل میں تمام سرکاری اسامیاں کھلے مقابلے کے امتحان کے ذریعے پُر کی جائیں۔ اقبال نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے یہ ترمیم پیش کی کہ کھلا مقابلہ، نامزدگی اور انتخاب (selection) کا ملا جلا طریقہ اختیار کیا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ سرکاری عہدوں پر تقرری کا طریقہ ایسا ہونا چاہیے جس سے تمام فرقوں کو یکساں مساوی مواقع مل سکیں۔ سردار صاحب کا پیش کردہ طریقہ صوبے کے حالات کی مناسبت سے زیادہ موزوں نہیں۔[۵۴]

۲۴ رجولائی کے انقلاب میں عبداللہ چغتائی نے اپنے مضمون میں زبور عجم اور کلام اقبال کے تراجم اوراس پر تنقید وتبصرے کا ایک خاکہ پیش کیا۔[۵۵]

۲۵ رجولائی کو اقبال نے کونسل میں کئی قراردادیں پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ ان میں چند یہ تھیں کہ (۱) حکومت پنجاب نے پہلی بار ضلع منٹگمری میں سوا تین لاکھ ایکڑ رقبہ زیادہ تر سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت کیا ہے، جو غلط ہے۔ اس اراضی کا نصف حصہ مزارعین کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ (۲) توہین انبیا و بزرگان دین کے انسداد کے لیے قانون نافذ کیا جائے۔ (۳) پنجاب میں انسداد شراب نوشی کے لیے قانون نافذ کیا جائے۔ (۴) تلوار کو قانون اسلحہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔[۵۶]

۲۵ رجولائی کو اقبال نے راغب صاحب کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ لاہور کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جلسہ کل شام یعنی بروز سوموار شام کو ہونے والا ہے۔ علالت کی وجہ سے میں جلسے میں حاضر نہیں ہوسکوں گا، مگر میری طرف سے ایک بیان وہاں پڑھا جائے گا۔ اس کی ایک نقل آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے اخبار میں یہ بیان شائع کر سکتے ہیں۔[۵۷]

لاہور کے رئیس میاں نظام الدین نے حسب دستور آموں کے اپنے باغ میں بعض احباب کو آم کھانے کی دعوت دی۔ ان کے علاوہ میاں امین الدین آئی سی ایس اور تاثیر نے بھی میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ علامہ اقبال کے علاوہ خان بہادر، سردار حبیب اللہ خان، چودھری عبدالکریم اور چودھری محمد حسین اس دعوت میں شریک تھے۔ محمد عبداللہ چغتائی ناسازی طبیعت کے باعث شریک نہ ہوسکے۔ آم کھانے کی دعوت صبح سات بجے سے شروع ہو کر دوپہر بارہ بجے اختتام کو پہنچی۔ یہ فقرہ بار بار حاضرین کی زبان پر آجاتا کہ الٰہی! ان آموں کا ثواب مولوی عبداللہ صاحب کی روح کو پہنچا دے۔ اقبال نے بھی ارتجالاً ایک شعر کہا:

انبہ را کہ دریں باغ ندارند نگاہ
جائے او باد بہ نار شکم عبداللہ

اسی دعوت کی خبر ۲۸ رجولائی کو انقلاب میں افکار و حوادث کالم میں شائع ہوئی۔[۵۸]

۴ رستمبر کو کشمیری بازار کے متصل، کوٹھی داراں میں دس ہزار مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ علامہ صاحب نے صدارت فرمائی۔ یہ جلسہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک انجمن قائم کرنے کے سلسلے میں منعقد ہوا تھا۔ جلسے کے اختتام پر اقبال نے ایک مختصر مگر جامع تقریر فرمائی اور مسلمانوں کو افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین کی۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو آپس میں اعتماد و

اتحاد کی فضا پیدا کر کے نئے تجارتی و کاروباری ادارے قائم کرنے چاہئیں۔[۵۹]

عبداللہ چغتائی اور محمد دین تاثیر نے عبدالرحمٰن چغتائی کی موجودگی میں اقبال سے درخواست کی کہ آپ غالب کے اردو دیوان مصور کا مقدمہ لکھ ڈالیے۔ آپ نے ایک طویل بحث کے بعد یہ استدعا قبول کر لی۔ اسی سلسلے میں ۷ر ستمبر کو آپ نے عبداللہ چغتائی کے نام خط میں لکھا کہ ہندوستانی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کا کوئی مجموعہ آپ کے پاس ہو تو ایک دو روز کے لیے دے دیجیے گا۔ عبداللہ چغتائی چند تصاویر اور چٹر جی البم کے تمام حصے لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ اس سلسلے میں اقبال نے بعد ازاں پھر ایک اور مکتوب تحریر فرمایا۔[۶۰]

مولانا گرامی کی رحلت کے بعد ان کے جانشین، مولوی عزیز الدین عظامی اور مرشد حضرت میاں علی محمد نے دیوان گرامی اور رباعیات گرامی کے نام سے مرحوم کی شاعری کے دو مجموعے مرتب کیے۔ بیگم گرامی نے اقبال کو خط لکھا کہ ان کے دیباچے لکھ کر طباعت و اشاعت کے سلسلے میں مدد کیجیے۔ آپ نے بیگم گرامی کو ۱۳ر ستمبر کو جواب دیا کہ افسوس مجھے دیباچہ لکھنے کی بالکل فرصت نہیں، البتہ میں چودھری محمد جمیل صاحب کے سپرد یہ کام کروں گا۔ وہ میرے مشورے سے لکھ لیں گے۔ اس کے علاوہ مجھے پورا کلام بھی سنا دیں گے...... پہلے مولانا کی رباعیات اچھے اہتمام سے شائع کی جائیں، بعد میں غزلیات اور پھر مثنوی و قطعات وغیرہ۔[۶۱]

۱۳ر ستمبر کی شام اقبال ڈیرہ دون تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ شملہ چلے گئے۔ عبداللہ چغتائی آپ کے ہمراہ تھے۔ شملہ میں فیروز خان نون کے ہاں قیام فرمایا۔ نون صاحب نے سر برڈ وڈ کو ٹینس کھیلنے کی دعوت دے رکھی تھی۔ اقبال نے برڈ وڈ سے ملاقات کرنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ سردار امراؤ سنگھ سے ملاقات کرنے روانہ ہو گئے۔ وہاں مسز سروجنی نائیڈو سے بھی ملاقات ہو گئی۔ دیر تک دونوں ایک دوسرے سے علمی و ادبی اور سیاسی مشاغل کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ مسز سروجنی نائیڈو نے اقبال کو بتایا کہ بیگم جینا (بیگم محمد علی جناح) بھی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ اور انگریزی ادب کی فاضل ہیں۔[۶۲]

عدالت عالیہ لاہور نے ملعون راج پال کو ماتحت عدالت کی دی ہوئی سزا، دو سال قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانے سے صاف بری کر دیا۔ اسے بری کرنے والے چیف جسٹس سر شادی لال تھے۔ ۲۷ر ستمبر کو ایک مسلمان، خدا بخش نے راج پال پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ حملہ ناکام رہا اور حملہ آور خدا بخش گرفتار ہو گیا۔[۶۳]

مولانا عبدالمجید سالک نے بذریعہ خط آپ سے عربی اصطلاح ''رب ارنی'' کی وضاحت دریافت کی۔ اقبال نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ٹیک چند نے ''ابطال ضرورت'' میں رب ارنی پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اساتذہ عجم نے رب ارنی کی رائے ثانی کو بسکون بھی استعمال کیا ہے...... اصغر حسین (نظیر لدھیانوی) کے شعر میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ علامہ صاحب کا یہ جواب انقلاب کے شمارہ ۲۸ ستمبر میں شائع ہوا۔[۶۴]

اکتوبر کے شروع میں اقبال کو آبادان، ایران سے تین سو روپے موصول ہوئے۔ یہ رقم آپ نے مسلم ریلیف کمیٹی، اندور کو بھیج دی۔[۶۵]

۹ اکتوبر کو ایک اور مسلمان عبدالعزیز نے ملعون راج پال پر قاتلانہ حملہ کیا۔ لیکن اس بار بھی وہ گستاخ رسولؐ بچ گیا۔ عبدالعزیز کو پولیس نے گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا۔[۶۶]

اکتوبر کے تیسرے ہفتہ میں آبادان سے اندور کے مسلمانوں کے لیے اڑھائی سو روپے کی دوسری قسط اقبال کو موصول ہوئی۔ آپ نے یہ رقم بھی مسلم ریلیف کمیٹی اندور کو ارسال کر دی۔[۶۷]

ایران کے شہر آبادان میں مقیم ہندوستانی مسلمانوں نے دراصل اندور کے مسلمانوں کی اعانت کے لیے اقبال کو یہ رقوم بھجوائی تھیں۔ آپ نے وہ رقوم مسلم ریلیف کمیٹی اندور کو ارسال کر دیں۔ کمیٹی نے وصولیابی کی باقاعدہ رسیدیں جاری کیں۔ آپ نے روزنامہ زمیندار کے مدیر کو ایک خط بہ تاریخ ۲۷ اکتوبر اس معاملے کی اطلاع دی۔[۶۸]

۲۲ اکتوبر کو اقبال نے بذریعہ خط عبداللہ چغتائی سے فرمائش کی کہ وہ فصوص الحکم کا قلمی نسخہ دیکھنا چاہتے ہیں۔[۶۹]

۲۷ اکتوبر کو کلکتہ میں ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ایک سہ روزہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں چند قراردادیں منظور کی گئیں۔ ان کی بابت اقبال نے ایک بیان دیا کہ میری رائے میں وہ تسلی بخش ہیں۔ میں نہایت دیانتداری سے اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ مسلمان جارحانہ اقدام کرنے والی قوم نہیں ہے۔ میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ ہندو جرائد نے ہندوؤں کے قتل کے متعلق مسلمانوں کی سازش کا واویلا کرنا چھوڑ دیا ہے۔[۷۰]

نومبر کے ابتدائی دنوں میں رنگ محل، لاہور میں ایک ہندو نانک چند قتل ہو گیا۔ حکومت نے اس علاقے میں ایک تعزیری چوکی قائم کر دی۔ اس کا خرچ اہل محلّہ پر ڈال دیا گیا۔ اقبال نے حکومت پنجاب کو اس کے متعلق ایک سوال بھیجا اور مطالبہ کیا کہ جواب کونسل میں دیا جائے۔[۷۱]

۸؍نومبر کو حکومت برطانیہ نے سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان کر دیا۔ اس کمیشن کے تمام ارکان انگریز تھے۔ اس کا کام حالات کے پس منظر میں شہادتیں لینا اور مختلف تجاویز اکٹھی کر کے آئندہ دستوری اصلاحات ہند کے بارے میں سفارشات پیش کرنا تھا۔ چونکہ اس میں کسی ہندوستانی رہنما کو شامل نہیں کیا گیا تھا لہٰذا یہاں کے اکثر سیاسی لیڈروں نے اس کی تشکیل پر اعتراض کیا لیکن اقبال کی رائے ان سے مختلف تھی۔ آپ نے ۹ نومبر کو ایک بیان میں کہا کہ کمیشن میں ہندوستانی رہنما کی عدم موجودگی غیر متوقع، مایوس کن اور تکلیف دہ ہے۔ لیکن کمیشن میں ہندوستانی رکن کے نہ ہونے کے بڑی حد تک ہم خود بھی ذمہ دار ہیں۔ بلاشبہ کمیشن میں کسی ہندوستانی کا نہ لیا جانا ہندوستان کے وقار پر حملہ ہے، لیکن اس کی وجہ وہ بے اعتمادی اور بدظنی ہے جو ہندوستان کی مختلف اقوام ایک دوسرے کے متعلق رکھتی ہیں۔ کمیشن کے مقاطعہ یا عدم مقاطعہ سے متعلق میں ابھی اپنی رائے ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا۔[۲]

۹؍نومبر کی شام کو لاہور کے کپتان پولیس نے اقبال کو اطلاع دی کہ رنگ محل سے پولیس چوکی اٹھالی گئی ہے۔[۳]

کانگریس نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ جب کہ مسلمانوں میں دو گروہ بن گئے۔ بائیکاٹ تحریک کے حامیوں میں نمایاں نام محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کے تھے۔ جب کہ تعاون کے حامی مولانا حسرت موہانی، علامہ اقبال اور سر محمد شفیع کمیشن سے تعاون کرنا چاہتے تھے۔ مولانا جوہر کے زیر اثر مجلس خلافت نے بھی بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔[۴]

۱۳؍نومبر کو سر محمد شفیع کی رہائش گاہ پر صوبائی مسلم لیگ کا ایک اجلاس ہوا۔ اجلاس میں یہ قرارداد منظور ہوگئی کہ کمیشن کا بائیکاٹ نہ کیا جائے۔ علامہ اقبال نے بحیثیت سیکریٹری اپنے بیان میں فرمایا کہ کمیشن کا بائیکاٹ قومی زاویہ نگاہ سے علی العموم اور اسلامی نقطہ نظر سے بالخصوص نقصان رساں ثابت ہوگا۔ میرے خیال میں یہ قرارداد پنجابی مسلمانوں کے احساسات کی آئینہ دار ہے۔[۵]

آغا طاہر نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کو بانگ درا، اسرار و رموز اور پیام مشرق تحفے میں دی تھیں۔ سلیم چشتی صاحب نے اس سال شائع ہونے والی کتاب زبور عجم خود سے خرید لی۔ وہ اسے پڑھنے کے بعد اس کی خوشنما جلد بنوا کر اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے اقبال سے عرض کیا میری دلی تمنا ہے، آپ اس کتاب پر اپنے قلم سے اپنا پسندیدہ شعر لکھ دیں جو آپ کی شخصیت اور تیس سالہ شاعری پر حاوی ہو۔ آپ نے ایک بھرپور نگاہ ان پر سر سے

لے کر پیپر تک ڈالی پھر اپنا وکٹورین ایرا قلم دان منگوایا اور یہ شعر لکھ کر دستخط ثبت کر دیے:

تو نشناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل

چیست حیات دوام؟ سوختن ناتمام[۷۶]

۱۸ر نومبر کے انقلاب میں اقبال کا وہ بیان شائع ہوا جو آپ نے ۱۳ر نومبر کو صوبائی مسلم لیگ کے اجلاس میں سائمن کمیشن سے تعاون کے سلسلے میں دیا تھا۔[۷۷]

۲۰ر نومبر کو مسلم لیگ کونسل نے فیصلہ کیا کہ آئندہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے۔ نیز صدارت کے لیے سر محمد شفیع سے درخواست کی جائے۔ ڈاکٹر کچلو، سیکریٹری مسلم لیگ نے اس فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور استعفیٰ کا اعلان کر دیا۔[۷۸]

دسمبر کی ابتدا میں محمد علی جناح نے چند دیگر سر برآوردہ لیڈروں کے ساتھ ایک بیان میں سائمن کمیشن کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور مسلمانوں سے اس کے بائیکاٹ کی اپیل کی۔ اقبال نے جواب میں پانچ دیگر مسلمان رہنماؤں کے ساتھ ۸ر دسمبر کو اخبارات کے نام یہ بیان جاری کیا کہ مسٹر جناح اور چند دیگر سر برآوردہ اشخاص کا اعلان ملک کے جاری ناگوار حالات کی طرف سے پریشان کر دینے والی بے حسی کو ظاہر کرتا ہے...... ہم نہایت عاجزی سے اپنے اہل وطن کو بالعموم اور مسلمان بھائیوں کو بالخصوص تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ مقاطعہ کی لاحاصل روش اختیار کرنے سے افسوس اور ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(نوٹ: اقبال کے ساتھ بیان دینے والے دوسرے پانچ رہنما تھے: سر ذوالفقار علی خاں، نواب سر عبدالقیوم خاں، میاں عبدالحئی، سید راجن شاہ اور مولوی محمد علی)[۷۹]

۱۱ر دسمبر کو مسلم لیگ کونسل کا ایک اور اجلاس حکیم اجمل خان کے مکاں پر انھی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر کچلو سے استدعا کی گئی کہ وہ ان وجوہ کی تشریح کریں جو یہ دوسرا اجلاس بلانے کا محرک بنیں۔ انھوں نے بتایا کہ مدراس کے تین اور بنگال کے دو حضرات نے یہ اجلاس بلانے کی درخواست کی تھی، اس لیے یہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ تاہم وہ کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکے۔ اجلاس میں طے پایا کہ آئندہ سالانہ اجلاس کلکتہ میں ہوگا اور مولوی محمد یعقوب اس کے صدر ہوں گے۔[۸۰]

۱۴ر دسمبر کو اقبال نے ملک فیروز خان نون کی معیت میں یہ بیان جاری کیا کہ ہم ان رہنماؤں سے جو مسلمان قوم کے اتحاد اور بہبود کے خواہاں ہیں، یہ التماس کرتے ہیں کہ کونسل کے فیصلہ ۲۰ نومبر کے مطابق مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد کیا جائے۔ اگر ۳۰ یا ۳۱ دسمبر کی

تاریخیں مناسب نہیں ہیں، تو اجلاس ماہ جنوری کے آخری شنبہ اور یک شنبہ کو منعقد کیا جا سکتا ہے۔[۸۱]

ایک شام حکیم محمد حسن قرشی اور حکیم جلال الدین اقبال سے ملنے آپ کی کوٹھی تشریف لائے۔ شام ہو چکی تھی لہٰذا آپ کھانا کھانے اندر چلے گئے تھے۔ علی بخش نے مہمانوں کو بڑے کمرے میں بٹھا دیا۔ اقبال نے آتے ہی ان کی مزاج پرسی فرمائی۔ حکیم جلال الدین نے ان سے کہا: یہ ہمارے دوست آپ سے سیاسیات حاضرہ پر تبادلہ خیالات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے پھر کھل کر قرشی صاحب سے موجودہ سیاست پر باتیں کی۔[۸۲]

سائمن کمیشن سے تعاون کرنے کے حق میں آپ نے سر ذوالفقار علی خان کے ساتھ ۱۹ر دسمبر کو ایک اور بیان دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس بات کے قائل ہیں، مسلمان اور ہندو صرف اتفاق اور اتحاد ہی سے ہندوستان میں مستحکم سیاسی سلسلہ قائم کر سکتے ہیں...... سید امیر علی نے حال ہی میں جو پیغام بھجوایا ہے وہی ہمارے لیے یقینی طور پر دلیل راہ ہے۔ انھوں نے مشورہ دیا ہے کہ ہمیں کمیشن کا مقاطعہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن مسٹر جناح اور ان کے دوست جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں کہ کمیشن مسترد کرنے کے سلسلے میں ہمیں ہندوؤں کی حمایت کرنی چاہیے۔[۸۳]

۲۱ر دسمبر کے اخبار کیسری میں اقبال کی ایک نظم شائع ہوئی:

یہ مکتب، یہ اسکول، یہ پاٹھ شالے[۸۴]

۲۹ دسمبر کو موچی دروازہ لاہور کے باہر ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ صدر جلسہ مولوی فضل دین تھے۔ اقبال نے بھی اس موقع پر ایک تقریر فرمائی۔[۸۵]

۳۰ر دسمبر کی شام ٹاؤن ہال کلکتہ میں مولوی محمد یعقوب کی زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی دوسری نشست ۳۱ر دسمبر کی صبح کو انجام پائی۔ اس میں سر علی امام نے کمیشن کے مقاطعہ کی قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد کے حق میں سر علی امام، مولانا ظفر علی خان اور محمد علی جناح سمیت متعدد ارکان نے تقاریر کیں۔ نیز تجاویز دہلی پر مہر ثبت کی گئی۔ مولانا ظفر علی خان نے ایک یہ قرارداد پیش کی کہ پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کو آل انڈیا مسلم لیگ سے غیر منسلک (Disaffiliate) کر دیا جائے۔ مزید برآں پنجاب کے مسلمانوں سے کہا جائے کہ وہ ایسی صوبائی مسلم لیگ تشکیل دیں جو صوبے کی صحیح نمائندہ ہو۔[۸۶]

۳۰ر دسمبر کو لاہور میں بھی آل انڈیا مسلم لیگ کا دو روزہ اجلاس سر محمد شفیع کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں تجاویز دہلی کی مخالفت کی گئی اور جداگانہ طریقہ انتخاب برقرار رکھنے کا مطالبہ

کیا گیا۔ اجلاس میں اقبال نے ایک قرارداد پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ موجودہ انتظام میں بنگال اور پنجاب کے مسلمانوں کو مجلس وضع قوانین میں اکثریت کے حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس اس حرکت کے خلاف پرزور احتجاج کرتا اور اسے اصول جمہوریت کے منافی بتاتا ہے۔ لیگ حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ ۱۹۲۱ء میں مسلمانوں کے ساتھ جو بے انصافی کی گئی تھی، اسے دور کیا جائے۔[۸۷]

موسم سرما میں پنجاب یونی ورسٹی نے پروفیسر ہیوم کو ''تقابل ادیان عالم'' کے موضوع پر توسیعی لیکچر دینے کی دعوت دی جو موصوف نے قبول کر لی۔ انھوں نے لاہور آ کر چار لیکچر دیے۔ ڈاکٹر ہیوم اور ان کے بھائی جو وائی ایم سی اے کے سیکریٹری تھے، اقبال سے ملنے آئے۔ مغرب کا وقت تھا۔ عبداللہ چغتائی بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ شفاعت اللہ خان بھی حاضر خدمت تھے۔ کمرے میں آگ جل رہی تھی اور کمرہ خوب گرم تھا۔ مہمان کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔ آپ دھسہ اوڑھے ہوئے پلنگ پر دراز تھے۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر آپ نے خود ہی گفتگو شروع کی اور کہا، آپ نے جو لیکچر پنجاب یونی ورسٹی میں دیے ہیں، ان کا خلاصہ اخبار میں شائع ہو گیا ہے۔ میں نے نہایت توجہ سے ان کا مطالعہ کیا ہے اور مستفید ہوا ہوں۔ اقبال نے سوال کیا: ''ڈاکٹر ہیوم! آپ کا کیا خیال ہے کہ عیسائی مذہب تبلیغی مذہب ہے؟'' اس پر ڈاکٹر ہیوم خاموش اور مبہوت سا ہو گیا۔ پھر آپ نے خود ہی کہا کہ میرے خیال میں آج دنیا میں صرف اسلام ہی تبلیغی مذہب ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ عرصہ ہوا، عیسائیت ایک تبلیغی مذہب ہونے کی حیثیت سے مُردہ ہو چکی ہے۔ اس وقت دنیا میں صرف اسلام ہی زندہ مذہب ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ چونکہ آپ تقابل ادیان عالم پڑھاتے اور اس پر لیکچر بھی دیتے ہیں تو آپ نے اس نہج پر سوچا ہو گا کہ بدھ مذہب جو آج دنیا میں سب سے زیادہ افراد کا مذہب ہے، وہ بھی اسلام کے مقابلے میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مگر ڈاکٹر ہیوم نے اس موضوع پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کیا جس سے اس کے خیالات اور معیار علم کا پتا چلتا۔[۸۸]

اس سال یہ تجویز بھی سامنے آئی کہ آنے والی سیاسی و آئینی اصلاحات کے سلسلے میں مسلمانوں کے مطالبات وزیر ہند کے سامنے پیش کرنے کے لیے ایک مسلم وفد انگلستان روانہ کیا جائے۔ سر فضل حسین نے علامہ اقبال سے درخواست کی کہ اس وفد کے رہنما بن جایئے۔ انھوں نے اس غرض سے تین ہزار روپیہ جمع بھی کر لیا، لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔[۸۹]

۲۷-۱۹۲۶ء میں آپ کو ۱۲۰۶۲ روپے آمدن ہوئی۔ اس پر اقبال نے ۵۶۵ روپے ٹیکس ادا کیا۔[۹۰]

حواشی

۱- مفکر پاکستان، ص ۲۵۸
۲- انوار اقبال، ص ۲۰۱-۲۰۲
۳- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۴۰
۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۶۴
۵- مفکر پاکستان، ص ۳۲۸
۶- گفتار اقبال، ص ۲۰
۷- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۶۵
۸- ایضاً، ص ۳۶۵
۹- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۱۴۷
۱۰- گفتار اقبال، ص ۲۱
۱۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۴۱-۲۴۲
۱۲- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۶۶
۱۳- گفتار اقبال، ص ۲۲
۱۴- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۱۴۶-۱۴۷
۱۵- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۶۷
۱۶- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۱۴۷
۱۷- ذکر اقبال، ص ۱۴۷
۱۸- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۷۶
۱۹- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۶۷
۲۰- سرگزشت اقبال، ص ۲۲۴
۲۱- اقبال کی صحبت میں، ص ۲۰۷
۲۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۱۰-۱۱۱
۲۳- اقبال کی صحبت میں، ص ۲۰۹
۲۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۶۸
۲۵- ایضاً، ص ۳۶۸

۲۶- ایضاً،ص۳۶۸
۲۷- باقیات اقبال،ص۲۴۲
۲۸- گفتار اقبال،ص۲۶-۲۸
۲۹- ایضاً،ص۲۸-۳۳
۳۰- ایضاً،حاشیہ ص۳۴
۳۱- ایضاً،ص۳۴
۳۲- اقبال کا سیاسی کارنامہ ،ص۱۰۵
۳۳- گفتار اقبال،ص۴۵
۳۴- ایضاً،ص۳۴-۳۷
۳۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۴۳-۴۹
۳۶- ایضاً،ص۴۵-۴۸
۳۷- روح مکاتیب اقبال،ص۳۷۰
۳۸- اقبال اور ظفر علی خان،ص۲۱۲-۲۱۳
۳۹- ایضاً،ص۴۶
۴۰- اقبال- سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۳۰
۴۱- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۵۶
۴۲- اقبال کی صحبت میں،ص۱۸۱
۴۳- روح مکاتیب اقبال ،ص۳۷۰
۴۴- ایضاً،ص۳۷۱
۴۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۷۹
۴۶- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۱۴۷-۲۵۸-۲۵۹
۴۷- ایضاً،ص۱۴۴
۴۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام ،ص۱۷۹
۴۹- گفتار اقبال ،ص۳۸
۵۰- ایضاً،ص۳۸
۵۱- ایضاً،ص۳۹
۵۲- ایضاً،ص۴۱
۵۳- ایضاً،ص۴۶-۴۸
۵۴- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۶۲۶

۵۵- اقبال کی صحبت میں،ص۱۸۱
۵۶- زندہ رود،ص۳۱۶
۵۷- محمد فرید الحق گردیزی، اقبال: جہان دیگر۔کراچی،۱۹۸۳ء
۵۸- اقبال کی صحبت میں،ص۲۳۱
۵۹- گفتار اقبال،ص۴۸۔۴۹
۶۰- اقبال کی صحبت میں،ص۳۵۷
۶۱- مکاتیب اقبال بنام گرامی،ص۲۵۱
۶۲- اقبال کی صحبت میں،ص۳۸۸
۶۳- روز گار فقیر،جلداول،ص۱۱۰
۶۴- روح مکاتیب اقبال،ص۳۷۲
۶۵- اقبال اور ظفر علی خان،ص۲۱۳
۶۷- روح مکاتیب اقبال،ص۳۷۳
۶۸- ایضاً،ص۳۷۳
۶۹- اقبال کی صحبت میں،ص۲۷۱
۷۰- انوار اقبال،ص۲۸۱
۷۱- ذکر اقبال،ص۱۴۶
۷۲- گفتار اقبال،ص۴۹۔۵۱؛ زندہ رود،ص۳۱۶
۷۳- ذکر اقبال،ص۱۴۶
۷۴- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۶۹
۷۵- ایضاً،ص۱۶۹۔۱۷۰
۷۶- روز گار فقیر،جلداول،ص۱۸۵
۷۷- گفتار اقبال،ص۵۲
۷۸- ایضاً،ص۵۷
۷۹- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۷۰۔۱۷۲
۸۰- گفتار اقبال،ص۵۷
۸۱- ایضاً،ص۵۷۔۶۰
۸۲- اوراق گم گشتہ،ص۱۰۰
۸۳- گفتار اقبال،ص۶۱
۸۴- انوار اقبال،ص۳۱۰

۸۵- گفتار اقبال، ص۶۴
۸۶- اقبال اور ظفر علی خان، ص۱۱۰؛ اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۰۶ـ۱۰۷
۸۷- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۰۷؛ گفتار اقبال، ص۶۴
۸۸- اقبال کی صحبت میں، ص۲۳۹
۸۹- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۶۵۳
۹۰- زندہ رود، ص۵۴۳

۱۹۲۸ء...... مسلم لیگ میں اختلافات

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں زیرِ صدارت مولوی محمد یعقوب جاری تھا۔ اس کی تیسری نشست یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو منعقد ہوئی۔ اس میں مولانا ظفر علی خان کی تحریک پر لاہور کی صوبائی مسلم لیگ کے خلاف قرارداد مذمت منظور کر لی گئی۔ یوں پنجاب کی مسلم لیگ کا مرکزی لیگ سے الحاق ختم کر دیا گیا۔[1]

مولانا ظفر علی خان مقاطعہ سائمن کمیشن کے حامی تھے۔ اس لیے سیاسی اعتبار سے اقبال کے مخالف بن گئے۔ مولانا نے ۲۱ جنوری کو اس سلسلے میں چار شعر لکھے۔ انھوں نے دوسرے شعر میں اقبال پر اس طرح چوٹ کی:

زوال اسلامیوں کا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا
کہ جو ان کا تھا، وہ انگریز کا اقبال ہو جائے[2]

۲۱ جنوری کو اقبال نے میر عزیز الرحمٰن کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ آپ کا ارسال کردہ رسالہ نورجہاں موصول ہو گیا ہے۔ آپ کی ایڈیٹر صاحبہ کی نظمیں میں نے دیکھی ہیں، خوب ہیں۔ ان میں شعر و سخن کا ملکہ خداداد ہے۔[3]

لاہور کے رسالے عالم گیر کا ایک خصوصی نمبر ماہ جنوری میں شائع ہوا۔ اقبال نے شمارے سے متعلق رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ رسالہ عالم گیر کا خاص نمبر دیکھا، بہت دلچسپ ہے۔ تصاویر اور مضامین فراہم کرنے میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔[4]

رسالہ نیرنگ خیال کا سالنامہ دسمبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے متعلق جنوری ۱۹۲۸ء کے شمارے میں دوسرے مشاہیر کی آرا کے ساتھ آپ کی رائے بھی شائع ہوئی:

سالنامے کے مضامین اور تصاویر، دونوں خوب ہیں۔ حکیم یوسف حسن صاحب کا حسن انتخاب واقعی قابلِ داد ہے۔ غالباً نیرنگ خیال کا سالنامہ اردو رسائل میں سب سے اچھا ہے۔

نیرنگ خیال کے خاص نمبروں نے تمام اردو رسائل کو اپنا معیار بلند کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔[۵]

سائمن کمیشن ۳ فروری کو جب بمبئی پہنچا تو اس کے خلاف نہ صرف بمبئی میں بلکہ ملک بھر میں مظاہرے اور جلوس نکلنا شروع ہو گئے۔ لاہور میں آپ کے علاوہ سر محمد شفیع، سر ذوالفقار علی خان اور سر عبدالقادر نے ہڑتال ناکام بنانے کی کوششیں کیں۔ اس مضمون کے اشتہار اپنے دستخطوں سے شہر کے در و دیوار پر چسپاں کرائے گئے کہ ہڑتال مسلمانوں کے حق میں سخت مضر بلکہ مہلک اور خودکشی کے مترادف ہے۔[۶]

۷ر فروری کو اقبال نے پنجاب کونسل کے آئندہ اجلاس میں یہ قرارداد پیش کرنے کے سلسلے میں نوٹس دیا کہ گزشتہ برس ہنگامہ مساوات کے موقع پر لاہور میں جن اشخاص کو سزائیں دی گئی تھیں، انھیں معاف کر کے رہا کیا جائے۔[۷]

۲۲ر فروری کو پنجاب کونسل کے اجلاس میں اقبال نے یونانی اور آیورویدک طریقہ علاج منظور کرانے کی قرارداد پر تقریر فرمائی۔[۸]

۲۳ر فروری کے اجلاس میں آپ نے پارلیمان میں مسئلہ لگان پر معلومات افروز تقریر فرمائی۔ اس میں آپ نے واضح کیا کہ لگان وصول کرنے کا موجودہ طریقہ سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔ اقبال کا کہنا تھا کہ حکومت لگان وصول کرنے کو اپنا حق اس لیے تصور کرتی ہے کہ وہی زمین کی مالک ہے مگر یہ تصور غلط ہے۔ پہلا یورپی مصنف جس نے ۱۷۷۷ء میں اس نظریے کی تردید کی تھی، وہ ایک فرانسیسی برن نامی تھا۔ اس کے بعد ۱۸۳۰ء میں محقق برگس (Brigos) مملکت کے حق ملکیت زمین کے نظریے اور ہندوستان میں اس سے متعلق قانون و رسم و رواج کے متعلق وسیع تحقیق و تفتیش کرتا رہا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ تاریخ ہند کے کسی زمانے میں بھی مملکت نے زمین پر اپنی ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ لارڈ کرزن کے زمانے میں یہ نظریہ ضرور پیش کر دیا گیا۔ مگر اس نظریے کی بنیاد پر لگان وصول کرنا غلط ہے۔ آپ نے تجویز پیش کی کہ جس شخص کے پاس ایک بیگھے سے زیادہ زمین نہ ہو، جہاں آب پاشی نہ کی جا سکے اور جس کی پیداوار عملاً معین مقدار میں ہوتی ہو، اس پر لگان نہ لگایا جائے۔[۹]

۴ر مارچ کو شیخ امیر علی کی صدارت میں انجمن حمایت اسلام کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اقبال نے رکن سب کمیٹی تعلیم کی حیثیت سے اجلاس میں شرکت فرمائی۔[۱۰]

۷ر مارچ کو آپ نے سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں استفسار کیا کہ زمان خدا

ہے...... کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے؟ اگر ایسا ہوا ہے، تو اُس کے متعلق یہ بحث کہاں ملے گی؟ قرون وسطیٰ کے ایک یہودی حکیم موسیٰ بن میمون نے لکھا ہے کہ خدا کے لیے کوئی مستقبل نہیں بلکہ وہ زمان کو لحظہ بہ لحظہ پیدا کرتا ہے۔ میرا گمان ہے کہ میمون کا مذکورہ مذہب بھی کسی مسلمان حکیم کی خوشہ چینی ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان یہ ہے: ''زمان کی حقیقت فلسفہ اسلام کی تاریخ میں''[۱۱]

تاریخ ۸ر مارچ بہ آپ نے غلام رسول مہر کو پنجاب کونسل میں کی گئی ۱۲ر فروری والی اپنی تقریر کی نقل ارسال فرمائی۔ اس خط میں آپ نے انھیں لکھا کہ امام ابن تیمیہ کی کتاب التقدیر کا اردو ترجمہ مل سکے تو اس کا ایک نسخہ بھیج دیجیے۔[۱۲]

۱۸ر مارچ کو سید سلیمان ندوی کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ مباحث مشرقیہ لاہور میں دستیاب نہیں ہوسکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلمبند کر کے مجھے ارسال فرمادیں؟[۱۳]

اسی خط میں اقبال نے مولانا محمد علی جوہر کے متعلق فرمایا کہ بزم اغیار کی رونق ضروری تھی۔ اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا ہمیں گوارا نہیں ہے۔ افسوس اہلِ خلافت اپنی اصل راہ سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ وہ ہمیں ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کرسکتا۔[۱۴]

۳۰ر مارچ کو اقبال نے خان محمد نیاز الدین خان کے نام خط میں لکھا کہ پنجاب مسلم لیگ کی طرف سے ایک میمورنڈم سائمن کمیشن کی طرف بھیجا جائے گا۔ اس میں مفصل حالات اور مسلمانوں کے مطالبات درج ہوں گے۔[۱۵]

مارچ کے مہینے میں کانگریس کی طلب کردہ آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اس میں دیگر سیاسی جماعتوں کے علاوہ جناح لیگ کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا مقصد ہندوستان کے آئندہ دستور کے لیے فرقہ وارانہ تناسب کا مسئلہ طے کرنا تھا۔ لیکن کانفرنس کے شرکا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔[۱۶]

انجمن حمایت اسلام کا سینتالیسواں سالانہ اجلاس ۶ر اپریل کو شروع ہوا۔ یہ تین روزہ اجلاس تھا۔ اقبال نے انگریزی میں ایک مقالہ بعنوان ''فلسفہ اسلام'' پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ اخبارات میں جب پروگرام شائع ہوا تو ایک کے بجائے دو جگہ پر آپ کا نام درج تھا۔ اقبال نے تصحیح کے لیے

مولوی غلام محی الدین، سیکریٹری انجمن سے رابطہ کیا۔ مزید برآں مدیر انقلاب کے نام ایک خط تحریر فرمایا جو ۴ر اپریل کے اخبار میں شائع ہوا۔ انجمن نے انقلاب میں یہ اعلان شائع کر دیا کہ کل بروز یک شنبہ، مورخہ ۸ر اپریل کو شام ساڑھے آٹھ بجے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے کے موقع پر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال انگریزی میں ایک لیکچر دیں گے۔

مذکورہ اجلاس شیخ عبدالقادر کی زیرِ صدارت میں منعقد ہوا۔ حسب وعدہ آپ نے انگریزی میں لیکچر دیا۔ آپ کا لیکچر فلسفے کے دقیق اور پیچیدہ مسائل پر مبنی تھا۔ آپ نے بتایا کہ امام غزالی اور رازی نے اپنے وقت کے لحاظ سے فلسفہ اسلام کی جو خدمت کی تھی، اسی نوع کی خدمت موجودہ زمانے کے اعتبار سے وہ بھی انجام دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔[۱۷]

۱۴ر مئی کو آپ نے شیخ دین محمد کے نام مکتوب میں فرمایا کہ میں آپ سے ایسے اہم مسئلے کے بارے میں گفتگو کرنے کا خواہش مند ہوں جس کا تعلق قوم سے ہے۔ آپ لاہور کب تشریف لا رہے ہیں؟ میں سترہ اور غالباً اٹھارہ کو بھی لاہور سے باہر رہوں گا۔[۱۸]

۱۹ر مئی کو آل انڈیا پارٹیز کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی۔ اجلاس میں گاندھی، موتی لال نہرو، ڈاکٹر انصاری، مولانا شوکت علی اور اینی بیسنٹ کے علاوہ کوئی اور اہم ہندوستانی رہنما شریک نہیں ہوا۔ مسلم لیگ، ہندو مہاسبھا اور دیگر اہم جماعتوں کے نمائندے سب غائب تھے۔ اسی اجلاس میں نہرو کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی کے نو ارکان تھے، اور ان میں مسلمان صرف دو تھے یعنی سر علی امام اور شعیب قریشی۔ کمیٹی کا کام ہندوستان کی سیاسی صورت حال سے متعلق ایک رپورٹ پیش کرنے کے علاوہ اور ہندوستان کے آئندہ دستور کا خاکہ تیار کرنا تھا۔[۱۹]

سر محمد شفیع مسلم لیگ نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے سائمن کمیشن کو پیش کیے جانے والے مسلمانوں کے مطالبات کے سلسلے میں مسودہ تیار کرنا تھا۔ اقبال بھی اس کمیٹی کے رکن تھے۔[۲۰]

مئی کے وسط میں اقبال کو دردِ گردہ کی تکلیف ہوگئی۔ طبی معائنہ کرایا تو معلوم ہوا کہ گردہ میں پتھری ہے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ آپریشن کے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن احباب نے عمل جراحی نہ کرانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ دیسی علاج سے مدد لیجیے۔[۲۱]

مولانا محمد علی جوہر جناح لیگ کے فعال رکن ہونے کے باوجود اقبال سے بڑی محبت کرتے تھے۔ انھیں توقع تھی کہ وہ آپ کو اپنا ہم خیال بنالیں گے۔ چنانچہ اسی غرض سے مولانا صاحب لاہور آئے۔ انھوں نے مولوی عبدالقادر قصوری کے ذریعے آپ سے ملاقات کی لیکن آپ کو اپنا ہم

نوا نہ بنا سکے۔[۲۲]

۱۵ر جنوری کو نیاز الدین خان کے نام خط میں دردِ گردہ کی شکایت کے متعلق تحریر کیا۔ یہ بھی لکھا کہ میں حکیم نابینا سے علاج کرانے کی خاطر آج شام دہلی جا رہا ہوں۔ وہاں چند روز قیام رہے گا۔ اس کے بعد تبدیلی ہوا کے لیے چند روز شملہ قیام کروں گا۔[۲۳]

اقبال پھر علاج کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ چند روز کے لیے شملہ بھی گئے۔

اقبال لاہور واپس آئے تو معلوم ہوا کہ ان کی عدم موجودگی میں شفیع مسلم لیگ نے ان کے مزاج کے خلاف یادداشت کو آخری شکل دے کر اخبارات میں شائع کرا دیا۔ اس میں مکمل صوبہ جاتی خودمختاری کا مطالبہ موجود نہ تھا بلکہ قانون اور عدلیہ کے محکموں کو حسب سابق گورنر کی تحویل میں رکھنے پر رضامندی ظاہر کی گئی تھی۔ جب کہ اقبال مکمل خودمختاری کے حامی تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ قانون اور عدلیہ گورنر کے ماتحت ہوں۔ اس سلسلے میں آپ نے مسودہ نگار کمیٹی کے پہلے اجلاس میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا تھا۔ صورت حال دیکھ کر اقبال نے ۲۴ر جون کو لیگ کی معتمدی سے استعفیٰ دے دیا۔ مجبوراً سر محمد شفیع، صدر مسلم لیگ کو یادداشت میں ترمیم کرنا پڑی اور اُسے آپ کی حسب منشا تیار کرایا گیا...... آپ نے پھر استعفیٰ واپس لے لیا۔[۲۴]

۶ر جولائی کو نواب احمد یار خان کی طرف سے اقبال کو ۲۶ر جون کے اخبار سیاست کا ایک تراشہ موصول ہوا۔ اس میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ سائمن کمیشن کے انتخاب کے روز کونسل کے اجلاس سے علامہ اقبال غیر حاضر تھے۔[۲۵]

میر ولی اللہ صاحب بشیر، اہلکار محکمہ مشیر قانونی و معتمدی وضع قوانین سرکار عالی نے پنجاب کے سابق گورنر مانٹ مورینسی سے ملاقات کے لیے درخواست دی۔ میر صاحب کو جواب ملا کہ میں نے تمھارے والد صاحب کے ساتھ تمھیں کبھی نہیں دیکھا۔ اقبال کو تمکین کاظمی کے ذریعے اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ۷ر جولائی کو جواب میں تحریر فرمایا کہ میر ولی اللہ ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سےتعلق رکھتے ہیں۔ ان کے مورثِ اعلیٰ کو شہنشاہ شاہ جہان نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا، مولانا حافظ امیر الدین، ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد سید محمد سید سلطنت دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے۔ تو ان کو خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر وظیفہ عطا کیا گیا تھا۔ میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

آپ نے پھر میر صاحب کو ہدایت کی کہ سالک صاحب سے خط کا انگریزی ترجمہ کرا کر

مانٹ مورسینی کے پاس بھجوایئے۔[۲۶]

۸/جولائی کو آپ نے روزنامہ انقلاب میں شائع کرانے کے لیے ایک خط مدیر کو تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے سیاست میں چھپنے والی خبر کی تردید فرمائی اور بتایا کہ میں انتخاب کے روز کونسل کے اجلاس میں موجود تھا۔[۲۷]

صغرا ہمایوں اس سال سیر و تفریح کرنے کشمیر گئی۔ راستہ میں چند روز لاہور میں ٹھہری۔ ہوٹل کے ساتھ ہی اقبال کی رہائش گاہ تھی۔ جب بیرسٹر ہمایوں اقبال سے ملنے گئے تو ان کی بیگم نے موٹر بھیج کر صغرا ہمایوں کو بھی بلوالیا۔ صغرا نے نور جہاں کے مزار کے متعلق ایک نظم لکھی تھی۔ اس نے وہ نظم اقبال کو دکھائی، تو آپ نے اصلاح کردی۔ اقبال نے پھر آٹو گراف دیتے ہوئے انگریزی میں ایک فقرہ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے: اسلام کی تعریف میں چند الفاظ میں ظاہر کر رہا ہوں، یعنی ذات باری پر پورا بھروسہ اور موت سے مطلق نہیں ڈرنا۔ محمد اقبال ۱۱/جولائی۔[۲۸]

۲۱/جولائی کو اقبال نے بذریعہ خط پروفیسر محمد شفیع کو مطلع فرمایا کہ مشہور محبّ وطن خوش حال خان خٹک پر میں نے ایک مختصر نوٹ لکھا ہے جو ''اسلامک کلچر'' حیدر آباد دکن میں شائع ہوگا۔ اس کی نقل خان بہادر اور آپ کے پاس بھی پہنچے گی۔ میں نے ایڈیٹر کو اس سلسلے میں خط لکھ دیا ہے۔[۲۹]

۱۶/اگست کو اقبال نے حیدر آباد دکن میں مقیم تمکین کاظمی کے نام مکتوب میں لکھا کہ میں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں۔ تاہم آپ چند اشعار کا ترجمہ کر کے بھیجیے، پھر میں رائے دینے کے قابل ہوسکوں گا۔ میں نے خود اسرار خودی پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا، اُسے تلف کر دیا گیا۔[۳۰]

اگست میں نہرو رپورٹ مرتب ہوگئی۔ اس کے کچھ حصے اخبارات میں شائع ہوئے۔ رپورٹ کے ذریعے پہلی مرتبہ ہندوستانیوں نے ایک دستوری خاکہ پیش کیا۔ یہ خاکہ لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند کے چیلنج کے جواب میں تیار کیا گیا تھا۔ لوگوں نے اس رپورٹ کا خیر مقدم کیا۔ اقبال نے بہ تاریخ ۲۰/اگست ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ کو رپورٹ کے متعلق بتایا کہ میں نے ابھی تک نہرو کمیٹی کی مکمل رپورٹ کا مطالعہ نہیں کیا۔ جو کچھ میں نے پڑھا، اس سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ رپورٹ صحیح الدماغی کا ایک نمونہ ہے۔ اس سے ملک کی اہم آئینی مشکلات حل کرنے کی حقیقی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ آپ نے رپورٹ میں موجود بعض خامیوں کی نشاندہی فرمائی، مثلاً جداگانہ طریق انتخاب کو کیوں منظور نہیں کیا جاتا؟ بالغوں کو حق رائے دہی دینے سے مسلمانوں کو

نقصان ہوگا۔ ایک لاکھ آبادی کے لیے ایک نمائندہ مقرر کرنے سے پنجاب میں حلقوں کی تقسیم از سرِنو کرنی پڑے گی۔ اس سے بھی مسلمانوں کی قیادت کو نقصان پہنچنے اور اکثریت کا اقلیت میں بدل جانے کا خطرہ ہے۔ سندھ کی علیحدگی شرط نہیں ہونی چاہیے۔[۳۱]

مولانا شوکت علی اور مولانا حسرت موہانی آل پارٹیز کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس لکھنؤ میں ۲۸ر اگست کو زیر صدارت ڈاکٹر انصاری منعقد ہوا۔ اس میں مسلم لیگ کا کوئی رہنما شریک نہ ہوا۔ یہ اجلاس موتی لال نہرو کی فرمائش پر ہوا جو اپنی مرتب کردہ رپورٹ منظور کرانا چاہتے تھے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا موہانی نے رپورٹ کی سخت مخالفت کی، لیکن وہاں ان کی سنتا کون؟ رپورٹ منظور کر لی گئی۔ البتہ یہ شرط لگائی گئی کہ رپورٹ کو دوبارہ ایک اور آل پارٹیز کنونشن میں پیش کر کے آخری منظوری لی جائے۔[۳۲]

لاہور کے رسالے لائٹ میں ۳۰ر اگست کو اقبال کا ایک انگریزی مضمون Divine Right to Rule شائع ہوا۔[۳۳]

۴ر ستمبر کو کانفرنس کے متعلق ایک اخباری بیان دیتے ہوئے اقبال نے فرمایا، مجھے ڈر ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس کے فیصلہ جات اور مولانا شوکت علی کے انکشافات ہندوستان کی فرقہ وارانہ صورت حال کو بد سے بدتر بنا دیں گے...... میں ذاتی طور پر جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کا حامی ہوں۔ اس کی وجہ کسی حد تک مسلمانانِ ہند اور خاص کر مسلمانانِ پنجاب کی موجودہ اقتصادی حالت ہے۔ لیکن بڑی وجہ فرقہ وارانہ امن و آشتی کے قیام کو یقینی بنانا ہے، جو میرے خیال میں صرف جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب ہی سے متعین ہو سکتا ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں کو اگر مجلس قانون ساز اور ملازمتوں میں ان کا مناسب حصہ دے دیا جائے، تو وہ پوری طرح مطمئن اور قانع ہو جائیں گے۔ نہرو رپورٹ کے اندر پنجاب کی آبادی کے متعلق جو اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں، وہ سراسر گمراہ کن ہیں۔[۳۴]

نواب بہاول پور کی طرف سے ۲ ستمبر کا تحریر کردہ خط اقبال کو موصول ہوا۔ نواب صاحب نے آپ سے قانونی مشیر بننے کی استدعا کی۔[۳۴a]

تمکین کاظمی نے اقبال کے فارسی کلام میں سے کچھ شاعری اردو ترجمہ کر کے آپ کو ارسال کی۔ اقبال نے ۴ر ستمبر کے خط میں انھیں لکھا کہ آپ کا ترجمہ ناقص اور بعض جگہ غلط ہے۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مضر ثابت ہوگا۔[۳۵]

ستمبر کے دوسرے ہفتے اقبال نے شملہ جانے کا پروگرام بنایا تاکہ وہاں چند روز قیام کر کے صحت بہتر بنائی جا سکے۔ آپ محمد عبداللہ چغتائی کے ساتھ کالکا ریلوے اسٹیشن سے موٹر کار میں بیٹھ کر شملہ جا رہے تھے۔ دورانِ سفر کسی وجہ سے ایک موڑ پر رک گئے۔ اسی اثنا میں ایک موٹر آئی جو ان کے قریب آ کر رکی۔ اس میں سے غلام بھیک نیرنگ برآمد ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد مسافر اپنی اپنی موٹروں پر سوار ہو کر منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہونے لگے تو ایک تیسری موٹر قریب آ کر رک گئی۔ جس میں فلسفے کے معروف پروفیسر، دیوان چند سفر کر رہے تھے۔ وہ کانپور سے آ رہے تھے۔ اسی مختصر ملاقات میں غلام بھیک نیرنگ نے قدیم دکنی اردو کے کچھ اشعار بھی اقبال کو سنائے۔ ایک شعر میں لفظ شیشہ کو پانی کی بوتل کے معنی میں استعمال کیا گیا تھا۔[۳۶]

شملہ سے ۱۸ ستمبر کو آپ نے تمکین کاظمی کے نام مکتوب میں لکھا کہ زبور عجم پر شوق سے مضمون لکھیے ...... دردِ گردہ نے دو ماہ تک بے قرار رکھا ہے۔ اب صحت کے خیال سے چند روز کے لیے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیات اسلامیہ پر لیکچر لکھنے میں صرف ہوں گے، یہ لیکچر دینے کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں۔[۳۷]

شملہ میں دورانِ قیام لدھیانہ والے عزیزوں نے آپ کی پُرتکلف دعوت کی۔ اس دعوت میں عبداللہ چغتائی کے علاوہ سر فیروز خان نون، نواب ذوالفقار علی خان اور پروفیسر تاثیر بھی شریک ہوئے۔ کھانے میں کباب سرِفہرست تھے۔ بلکہ درحقیقت اس دعوت کا تمام مزہ کبابوں میں تھا۔ جب سب کھاتے کھاتے تھک گئے تو اقبال نے نہایت بے تکلفی سے عبداللہ چغتائی کی طرف دیکھا اور فرمایا "ماسٹر خورد و مُرد"[۳۸]

سہ ماہی اردو کے شمارہ اکتوبر میں اقبال کی نظم جواب شکوہ پر تبصرہ شائع ہوا۔[۳۹]

زمیندار ۳ اکتوبر میں ظفر علی خان نے اقبال پر کچھ یوں شاعرانہ چوٹ کی:

کہہ دو اس سے تم کو خودی کا جو درس دے
رکھا ہی کیا ہے، تیری فعولن فعول میں
کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں[۳۹/ب]

لاہور کے ایک مصور نے ایک کارٹون بنایا جس میں علامہ اقبال کی تضحیک و تذلیل کا پہلو نمایاں تھا۔ یہ کارٹون مسلم آؤٹ لک نے شائع کر دیا۔ مسلم آؤٹ لک سے انقلاب

نے بھی ۴رنومبر کے پرچہ میں چھاپ دیا۔[۴۰]

۵رنومبر کو مسلم لیگ کے وفد نے سائمن کمیشن سے ملاقات کی۔ اس وفد میں اقبال بھی شامل تھے۔ سرمحمد شفیع اس وفد کے قائد تھے، اس لیے کمیشن نے زیادہ تر سوالات انھیسے کیے۔ البتہ درمیان میں اقبال بھی بعض امور کی وضاحت فرماتے رہے۔[۴۱]

۶رنومبر کے زمیندار اخبار میں فکاہات کالم میں ''نادان دوست'' کے عنوان سے اقبال کے نادان دوستوں پر چوٹ کی گئی۔ کالم کا موضوع مسلم آؤٹ لک اور انقلاب میں آپ کے کارٹون شائع ہونا تھا۔[۴۲]

۷نومبر کو اقبال نے پنجاب کونسل کے آئندہ اجلاس میں چند قراردادیں پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ ان کا مقصد صوبہ سرحد اور بلوچستان میں علیحدہ یونی ورسٹیوں کے قیام کی خاطر حکومت ہند کی توجہ مبذول کرانا تھا۔ مزید برآں پنجاب کے مختلف اضلاع میں جن زمینداروں کی اراضی دریاؤں یا نالوں میں سیلاب کے سبب برباد ہو گئی تھیں، انھیں پہلی بار منٹگمری کی نو آبادی میں مناسب اراضی دلوانا تھا۔[۴۳]

۹رنومبر کو پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ آپ نے اپنے بھائی کی وساطت سے نظموں کا جو مجموعہ ارسال فرمایا، میں نے نہایت دل چسپی سے پڑھا ہے۔ آپ کا قیام ایران یقیناً آپ کے لیے نہایت سودمند ثابت ہوا۔ اس کی بدولت آپ کے کلام میں سادگی، قوت اور جلا آ گئی ہے۔ مجھے امید ہے، ماہ نو جلد ہی بدر کامل میں تبدیل ہو جائے گا۔[۴۴]

مولانا ظفر علی خان جناح لیگ کے سرگرم اور فعال رکن تھے۔ جب کہ علامہ صاحب سرمحمد شفیع لیگ سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا ظفر علی خان نے ''لاہور مسلم لیگ'' کے نام سے ایک نظم لکھی جو ۱۱رنومبر کے زمیندار میں شائع ہوئی۔ اس نظم میں علامہ صاحب پر بھی چوٹ کی گئی۔[۴۵]

انھی دنوں لاہور میں اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی۔ اقبال نے اس کانفرنس میں ''مسلم سائنس دانوں کے عمیق تر مطالعہ کی دعوت'' کے موضوع پر انگریزی میں ایک جامع مقالہ پیش فرمایا۔[۴۶]

۵ دسمبر کو آپ نے میر غلام بھیک نیرنگ کو خط میں تحریر فرمایا کہ میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہندوستان کی سیاسیات کی روش خود مذہب اسلام کے لیے خطرہ عظیم ہے۔ شدھی کا خطرہ بھی اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا...... لیکچروں کے ترجمے کا کام ناممکن نہیں از بس مشکل ضرور ہے۔ آئندہ دسمبر

(۱۹۲۹ء) تک یہ تمام لیکچر تیار ہو جائیں گے۔[۴۷]

۹ ردسمبر کو انجمن حمایت اسلام کی نصاب کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت میر عزیز الدین منعقد ہوا۔ اقبال نے بطور رکن کمیٹی کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔[۴۸]

پنڈت موتی لال نہرو نے ۲۲ ردسمبر کو تمام اہم سیاسی جماعتوں کا اجلاس کلکتہ میں بلا لیا۔ محمد علی جناح نے مجوزہ اجلاس کی تاریخ بڑھانے کا مشورہ دیا مگر پنڈت جی نے اُسے تسلیم نہ کیا۔[۴۹]

۲۶ رنومبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کا بیسواں سالانہ اجلاس البرٹ ہال کلکتہ میں منعقد ہوا۔ صدارت مہاراجا محمود آباد نے فرمائی۔ اجلاس کی دوسری نشست ۲۷ ردسمبر کو ہوئی۔[۵۰]

۲۹ ردسمبر کو دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا چار روزہ اجلاس سر آغا خان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آغا خان خصوصی طور پر انگلستان سے اس میں شرکت کرنے آئے اور وائسرائے کے مہمان تھے۔ صاحبِ صدر کی سنہری کرسی کے پیچھے خاص نمائندے علامہ اقبال، میاں سر محمد شفیع، سر ابراہیم رحمت اللہ اور سر عبدالقیوم تشریف فرما تھے۔ جناح لیگ کے سوا تمام مسلم جماعتوں کے رہنما کانفرنس میں شریک ہوئے۔ مرکزی مجلس خلافت کے نمائندہ مولانا محمد علی جوہر بھی موجود تھے۔ اجلاس میں نہرو رپورٹ کی مذمت کرتے ہوئے اس کے خلاف ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اقبال نے سر محمد شفیع کی جانب سے پیش کی جانے والی قرارداد کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ نصف صدی قبل سر سید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کے لیے جو راہِ عمل قائم کی تھی وہی صحیح تھی۔ کئی تلخ تجربوں کے بعد اب ہمیں اس راہِ عمل کی اہمیت محسوس ہو رہی ہے۔ ہمیں اب علیحدہ طور پر ایک پولیٹیکل پروگرام بنانے کی ضرورت ہے۔ آج ہر قوم اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے سعی و کوشش کر رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے سعی و کوشش نہ کریں؟[۵۱]

دسمبر کے آخر میں انڈین نیشنل کانگریس نے گاندھی کی تحریک پر حکومت برطانیہ کو الٹی میٹم دے دیا کہ اگر ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک نہرو رپورٹ میں درج دستور کو مکمل طور پر نافذ العمل نہ کیا گیا تو تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا جائے گا۔[۵۲]

اس سال پروفیسر آرنلڈ نے "مذہب اسلام" کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر فرمایا۔ اس میں اقبال کی اسلامی خدمات اور احیائے قوم کے سلسلے میں ان کی شاعری نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے، ان کا واشگاف الفاظ میں ذکر موجود ہے۔[۵۳]

موسم سرما میں وائی ایم سی کی دعوت پر عیسائی مذہب کے مشہور مبلغ اور رسالہ مسلم ورلڈ کے ایڈیٹر، ڈاکٹر سیموئیل ایم زویمر لاہور آئے اور ایک لیکچر دیا۔ نواب ذوالفقار علی خان، چودھری محمد جمیل اور مرزا جلال الدین کے ساتھ اقبال بھی لیکچر سننے تشریف لے گئے۔ درحقیقت آپ ہی نے محفل کی صدارت فرمائی۔ سیموئیل صاحب کے لیکچر سے قبل آپ نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر زویمر نے تمام عمر عیسائیت کی تبلیغ میں صرف کر دی ہے۔ وہ ایک سہ ماہی رسالے دی مسلم ورلڈ کے مدیر بھی ہیں۔ اس رسالے کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، تاکہ وہ جان سکے، دوسرے مذہب والے ان کے متعلق کیا لکھتے ہیں۔ اس رسالے کے مضامین میں اسلام پر عیسائیت کی فوقیت دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر زویمر کے لیکچر کا موضوع ''ماخذ مطالعہ اسلام'' تھا۔ مقرر ین نے نہایت عمدگی سے بغیر کسی ذاتی تنقید کے، ماخذ اسلام کے طور پر قرآن کریم، کتب تفاسیر، کتب احادیث، اصول فقہ اور اسلامی تاریخ کی تمام مشہور اور اہم کتابوں کی فہرست پیش کر دی۔ لیکچر سن کر لوگ حیران رہ گئے۔ اس نے نہ تو خود تنقید کی اور نہ دوسروں کے لیے کسی قسم کی تنقید کی گنجائش چھوڑی۔ یہ تقریر ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔

اقبال نے صدارتی تقریر میں مقرر کی تعریف فرمائی اور کہا کہ یہی فہرست ہمیں ایک کتاب Finance Theory of Islam از آگنس میں بھی ملتی ہے۔ یہ کتاب کولمبیا یونی ورسٹی نیویارک نے شائع کی ہے۔

اس کے دوسرے روز نواب ذوالفقار علی خان نے مسیحی مبلغ کو اپنے ہاں شام کے کھانے پر مدعو کیا۔ اقبال بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔[۵۴]

انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ علامہ صاحب صدر جلسہ تھے۔ اجلاس میں سیالکوٹ کے معروف شاعر، حکیم عبدالکریم ثمر نے اپنا کلام سنایا۔ آپ بڑے متاثر ہوئے اور ارتجالاً یہ دو شعر کہے:

تماشا تو دیکھو فردوس اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد
تعجب تو یہ ہے کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد[۵۵]

اس سال اسرار و رموز کو یکجا شائع کر دیا گیا۔ اس کے کاتب محمد حسن تھے۔ یہ منشی غلام محمد مقبول عام مطبع، لاہور سے طبع ہوئی۔[۵۶]

مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر ہادی حسن کی کتاب *History of Persian Navigation* اس سال شائع ہوئی۔ کتاب کا تعارف اقبال نے تحریر فرمایا تھا۔[۵۷]

اقبال نے پانچویں جماعت کے لیے اردو کورس مرتب فرمایا۔ یہ کتاب بھی علامہ اقبال اور حکیم احمد شجاع کی مشترکہ تالیف ہے۔ اس کتاب میں آپ کی کئی نظمیں شامل تھیں۔[۵۸]

نیرنگ خیال کے تازہ شمارے میں اقبال کی ایک نظم شائع ہوئی۔ یہ نظم پہلے اخبار کشمیری کے شمارہ نمبر ۲۱ / دسمبر ۱۹۲۷ میں شائع ہو چکی تھی۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:

یہ مکتب یہ اسکول یہ پاٹھ شالے[۵۹]

اس سال فوق صاحب کی کتاب شباب کشمیر بھی شائع ہوئی۔ اقبال نے کتاب دیکھ کر فرمایا کہ یہ کشمیر کی تاریخ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عام لوگ بالخصوص اہل کشمیر شوق سے اس کا مطالعہ کریں گے۔[۶۰]

افغانستان کے نادر خان (نادر شاہ) ۱۹۲۸ء میں جب علی خیل میں قیام پذیر تھے تو ان کی علامہ محمد اقبال سے خط کتابت شروع ہو گئی تھی۔ علی خیل سے ان کے خطوط ایم اے حکیم تک پہنچائے جاتے تھے۔ پھر وہاں سے لاہور پہنچا ناپشاور کے صحافی اللہ بخش یوسفی کے ذمے تھا۔ اس کام میں یوسفی کے دوست عبدالمجید سالک، مدیر انقلاب ان کے ممد و معاون تھے۔[۶۱]

۱۹۲۵ء کے اوائل میں مدراس کے ایک مسلمان سیٹھ جمال محمد نے اقبال کو مسلم ایسوسی ایشن کی طرف سے مدراس آ کر اجتہاد کے موضوع پر لیکچر دینے کی دعوت دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کل اخراجات برداشت کریں گے۔ آپ نے یہ دعوت قبول کر لی، لیکن خطبات کی تعداد کا فیصلہ مستقبل پر چھوڑ دیا۔ اس دوران اقبال نے لیکچروں کے سلسلے میں اپنا تحقیقی کام جاری رکھا۔ وہ چھ مقالات پڑھنے کے خواہش مند تھے، لیکن دسمبر ۱۹۲۸ء تک صرف تین مقالے ہی لکھے جا سکے۔ پھر بھی آپ نے نئے سال کے شروع میں جنوبی (ہند، مدراس) جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس ضمن میں اقبال نے چودھری محمد حسین اور عبداللہ چغتائی کو بھی رضا مند کر لیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں آپ نے مدراس کے سیٹھ جمال محمد کو اپنی آمد سے آگاہ کیا۔ ممبئی میں سیٹھ ہاشم اسمٰعیل کو بھی مطلع

کردیا۔ مدراس کی اس مسلمان خاتون کو بھی خط تحریر فرمایا جو آپ کے کلام سے بڑا شغف رکھتی اور آپ سے ملاقات کی خواہش مند تھی۔ میسور یونی ورسٹی نے بھی اقبال کو اپنے ہاں لیکچر دینے کے لیے مدعو کر رکھا تھا۔ آپ نے یونی ورسٹی کو بھی اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیا۔[۶۲]

اس سال لاہور میں پنجاب طبی کانفرنس کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں جلسے ہوئے جن کے صدر سر محمد شفیع، سر عبدالقادر اور دیگر مسلمان رہنما بنائے گئے۔ ایک جلسے کی صدارت کے لیے اقبال سے بھی فرمائش کی گئی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ دراصل آپ طب یونانی کے متعلق چند شبہات رکھتے تھے۔ اگلے روز اطبا کا ایک وفد آپ کے شبہات دُور کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ حکیم محمد حسن قریشی نے آپ کے سوالات کے جوابات دیے۔ یوں آپ جلسے کی صدارت کرنے پر رضا مند ہو گئے۔ چند روز بعد محمڈن ہال میں آپ نے طبی کانفرنس کی صدارت فرمائی اور طب یونانی کی حقیقت اور اہمیت پر حوصلہ افزا تقریر کی۔[۶۳]

۱۹۲۷ء۔۱۹۲۸ء میں اقبال کو ۵۶۷۹ روپے آمدن ہوئی۔ اس پر آپ نے ۳۴۷ روپے ٹیکس ادا کیا۔[۶۴]

❋……❋……❋

حواشی

۱- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۱۱۰۔۱۱۱
۲- ایضاً، ص ۱۳۶۔۱۳۷
۳- روح مکاتیب اقبال، ص ۳۷۴
۴- اوراق گم گشتہ، ص ۱۰۶
۵- ایضاً، ص ۵۱
۶- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۱۱۱
۷- زندہ رود، ص ۳۲۰
۸- ایضاً، ص ۳۲۰
۹- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۱۴۳۔۱۴۵
۱۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۸۰

۱۱- اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۹۴
۱۲- روح مکاتیب اقبال، ص۳۷۵
۱۳- اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۱۹۶
۱۴- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۶۳-۱۶۴
۱۵- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص۵۴
۱۶- زندہ رود، ص۳۲۱
۱۷- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۱۱۳-۱۱۴
۱۸- روح مکاتیب اقبال، ص۳۷۷
۱۹- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۰۸-۱۰۹
۲۰- زندہ رود، ص۳۲۲
۲۱- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص۵۵
۲۲- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۷۹
۲۳- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیازالدین خان، ص۵۵
۲۴- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۸۰-۱۸۱
۲۵- روح مکاتیب اقبال، ص۳۷۸
۲۶- اقبال نامہ، ص۱۰؛ روح مکاتیب اقبال، ص۳۷۸
۲۷- گفتار اقبال، ص۶۵
۲۸- اقبال اور حیدرآباد، ص۱۲۹-۱۳۰
۲۹- روح مکاتیب اقبال، ص۳۸۰
۳۰- ایضاً، ص۳۸۰
۳۱- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۸۵؛ گفتار اقبال، ص۶۶؛ سرگزشت اقبال، ص۲۴۰-۲۴۱
۳۲- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۱۸۹-۱۹۰

33 - *Speeches, Writings & Statements of Iqbal*, p. 246.

۳۴- گفتار اقبال، ص۶۹
۳۴A- مذکورہ خط جاوید منزل اقبال میوزیم میں موجود ہے۔
۳۵- روح مکاتیب اقبال، ص۳۸۰
۳۶- ایضاً، ص۲۷
۳۷- ایضاً، ص۳۸۱
۳۸- اقبال کی صحبت میں، ص۲۲۵

۳۹- اقبال اور مولوی عبدالحق،ص۱۱۷
۳۹ب- اقبال اور ظفر علی خان،ص۱۸۹
۴۰- ایضاً،ص۲۶۱۔۲۶۲
۴۱- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۸۲
۴۲- اقبال اور ظفر علی خان،ص۲۶۱۔۲۶۲
۴۳- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۳۲۴
۴۴- روح مکاتیب اقبال،ص۳۸۱
۴۵- اقبال اور ظفر علی خان،ص۱۱۴
۴۶- زندہ رود،ص۳۲۴
۴۷- اقبال نامہ اول،ص۲۱۱
۴۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۸۰
۴۹- اقبال اور ظفر علی خان،ص۱۱۶
۵۰- ایضاً،ص۱۳۷
۵۱- گفتار اقبال،ص۷۲۔۷۳۔اقبال کی صحبت میں ،ص۳۱۲
۵۲- زندہ رود
۵۳- اقبال کی صحبت میں،ص۶۶
۵۴- ایضاً،ص۴۵۶
۵۵- اوراق گم گشتہ،ص۱۴۲
۵۶- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۱۲۱۔۴۵۴
57- *Speeches, Writings & Statements of Iqbal*, p.281.
۵۸- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۴۲۸۔۴۳۰
۵۹- اوراق گم گشتہ،ص۵۳
۶۰- حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں،ص۲۷۲
۶۱- اوراق گم گشتہ،ص۱۸۰
۶۲- زندہ رود،ص۳۴۳۔۳۵۳
۶۳۔ملفوظات اقبال،ص۲۷۹
۶۴- زندہ رود،ص۵۴۳

۱۹۲۹ء......خطباتِ مدراس

سال کے اوائل میں دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں شرکت کے بعد اقبال وہیں سے بذریعہ ریل ۲ رجنوری ۱۹۲۹ء کو مدراس روانہ ہو گئے۔ چودھری محمد حسین اور محمد عبداللہ چغتائی آپ کے ہم سفر تھے۔ ریل گاڑی صبح ساڑھے آٹھ بجے ممبئی روانہ ہوئی۔ مولانا عبدالمجید سالک نے آپ کو گاڑی میں سوار کرایا۔

۳ رجنوری دوپہر کو بارہ بجے کے قریب مسافر کولابا پہنچ گئے۔ سفر آرام واطمینان سے گزرا۔ کولابا ریلوے اسٹیشن پر سیٹھ اے ایس اسمٰعیل کے صاحبزادے سیٹھ اسمٰعیل نے اقبال کا استقبال کیا۔ دوپہر کا کھانا سیٹھ اسمٰعیل ہاشم کے گھر پر کھایا گیا۔ سیٹھ اسمٰعیل ہاشم کی اہلیہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد بیگم صاحبہ نے اقبال کو اپنی کتاب *Goethe's Faust* بھجوائی اور درخواست کی کہ اس پر اپنا کوئی شعر لکھ دیجیے۔

آپ نے یہ تحریر فرمایا:

کلام و فلسفہ از لوح دل فروشستم
ضمیر خویش کشادم بہ نشتر تحقیق

اقبال نے یہ شعر لکھ کر مزید لکھا:

یہ وہ نتیجہ ہے جس پر فاؤسٹ کو پہنچنا چاہیے تھا مگر نہ پہنچ سکا۔

پانچ بجے شام بوری بند کے قریب واقع گرینز ہوٹل میں آپ کے اعزاز میں چائے کی دعوت تھی۔ اس میں بمبئی کے سرکردہ حضرات مدعو تھے۔ ان میں سردار غلام احمد خان، قونصل جنرل افغانستان، سر چمن لال سیتلواڈ اور مرزا محمد علی سولسٹر کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد علی جناح بھی مدعو تھے مگر وہ کسی ضروری مصروفیت کے باعث شرکت نہ کر سکے۔ شام کو ۸ بجے مسلم فیڈریشن کی طرف سے کھانے کی دعوت تھی۔ اس میں ہدایت حسین، وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ کے علاوہ دس گیارہ

جلیل القدر مسلمان اصحاب مدعو تھے۔ اقبال عطیہ فیضی سے ملنے کے خواہش مند تھے مگر وقت کی کمی کے باعث ملاقات نہ کر سکے۔

۴ر جنوری کو اقبال ہمراہیوں کے ساتھ دس بجے رات مدراس میل پر سوار ہوئے۔ ۵ جنوری کی صبح سات بج کر ۳۵ منٹ پر مدراس اسٹیشن پر پہنچے تو استقبال کرنے والے حضرات کا ایک ہجوم اسٹیشن پر جمع تھا۔ بیشتر مسلمان ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔ شہر کے اکثر علماء و فضلا اور زعماء روٴسا بھی موجود تھے۔ بصد مشکل گاڑی سے باہر آئے تو آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ محمد حسین نے عمائدین و معززین سے تعارف کرانے کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد علامہ صاحب سیٹھ جمال محمد کے ہمراہ موٹر میں بوسوٹو ہوٹل چلے گئے۔ اس دوران مدراس پریس بیورو کے فوٹو گرافر تصویریں لینے آ گئے۔ اقبال اور ان کے ساتھیوں نے ہوٹل میں سیٹھ جمال صاحب کے ساتھ ناشتہ کیا۔ سیٹھ جمال صاحب مخیّر ہستی تھے۔ انھوں نے مسلمان یتیموں اور غریبوں کے لیے ایک مدرسہ عالیہ مدت سے جاری کر رکھا تھا۔

۵ر جنوری ہی کو پانچ بجے شام گوکھلے ہال میں اقبال نے اپنا پہلا لیکچر دیا۔ لیکچر کا عنوان یہ تھا: Muslim Theology and Modern Thought۔ صدر جلسہ ڈاکٹر سبرائن وزیر اعلیٰ مدراس تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت سے جلسے کا آغاز ہوا۔ عبدالحمید حسن نے بطور سیکریٹری سوسائٹی مختصر سی تقریر کرتے ہوئے ''مدراس لیکچرز ان اسلام'' کی غرض و غایت بتائی۔ صاحب صدر نے نہایت موزوں الفاظ میں علامہ محمد اقبال اور ساتھ ہی اسلامک ایسوسی ایشن کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد صاحب صدر نے گورنر مدراس کی طرف سے ہخط پڑھ کر سنایا کہ وہ سرکاری مصروفیات کی وجہ سے جلسے میں شریک نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر سبرائن نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ میں اگرچہ ہندو ہوں، لیکن میرے لیے فخر کی بات ہے کہ اسلامی فلسفے پر لیکچر کی صدارت کے لیے مجھے منتخب کیا گیا۔ اسلام نے مشرق بلکہ ساری دنیا کو اخوت کا سبق دیا ہے۔ ہم ہندو ذات پات اور قومی امتیازات میں پھنسے ہوئے ہیں، ہمیں ابھی اسلامی تہذیب اور اسلامی کلمہ سے اخوت کا سبق سیکھنا ہے۔ ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد علامہ صاحب نے لیکچر دیا۔ جلسے کے اختتام پر پہلے سے تیار کردہ مقالے کے خلاصے کی نقول اخباری نمائندوں کو دی گئیں۔ رات کو عبدالحمید حسن کی طرف سے مقام دوکوچہ دانیار میں پر تکلف کھانا دیا گیا۔ کھانے میں شیرازی شربت، مدراسی بریانی، ولی یورانی، زعفرانی پیوسی اور ہندوستانی قلفی موجود تھی۔ رات گئے ہوٹل واپسی پر سیٹھ جمال سے عبداللہ

چغتائی سے اقبال کا مقالہ لے لیا تا کہ اُسے بغور پڑھ سکیں۔ ۵ رجنوری کو عبداللہ چغتائی نے عبدالمجید سالک مدیر انقلاب کے نام اپنے سفر کی روئداد بہ عنوان ''ہم سفر'' لکھ کر روانہ فرمائی۔

۶ رجنوری کو اقبال نے مدرسہ جمالیہ میں ایک جلسہ عام کے دوران ''یتیم اور اسلام'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اسی روز آپ نے اپنا دوسرا مقالہ ''مذہبی تجربات کے کشف والہامات کا فلسفیانہ امتحان'' پڑھ کر سنایا۔

۷ رجنوری کو آپ نے گوکھلے ہال میں اپنا تیسرا مقالہ پڑھا۔

۷ رجنوری کو اقبال نے سوراجیہ کے نمائندہ خصوصی سے ملاقات کے دوران فرمایا کہ میں اس امر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری درس گاہوں میں مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہیے۔ میں بحیثیت ایک ہندوستانی مذہب کو سوراج پر مقدم خیال کرتا ہوں۔ ذاتی طور پر میں ایسے سوراج سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا جو مذہب سے بے نیاز ہو۔ یورپ میں تعلیم کا خالصتاً دنیوی طریق بڑے تباہ کن نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے۔ نمائندہ کے پوچھنے پر اقبال نے پردہ کی تنسیخ اور پین اسلامزم پر بھی اظہار خیال فرمایا۔

اسی روز انجمن خواتین اسلام مدراس نے آپ کو ایک باغ میں مدعو کیا۔ اس جلسے کی روح رواں بیگم عبدالسلام مدراس کے پوسٹ ماسٹر کی اہلیہ تھیں۔ اقبال کی خدمت میں ایک سپاس نامہ میں کہا گیا کہ آپ ہم اسیران قفس کے لیے بھی اپنے قیمتی اوقات سے کچھ تھوڑا سا وقت وقف فرمائیے اور طبقہ نسواں اسلام کی شرعی آزادی کے لیے نغمہ سنجی فرمائیں۔ ہم اسیران قفس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اس کے انسداد کے لیے ایک پر جوش نظم لکھ کر مسلمانوں کے سوئے ہوئے جذبات بھڑکائیے۔

حضرت علامہ اقبال نے سپاسنامے کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا یہ عقیدہ رہا ہے، کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اسلام میں مرد و زن میں قطعی طور پر مساوات موجود ہے۔ اسلام نے عورت کو کسی طرح مرد سے ادنیٰ درجے پر نہیں رکھا۔ خواتین کے اصرار پر آپ نے بانگ درا میں سے نظم ''فاطمہ بنت عبداللہ'' پڑھ کر سنائی۔ مدراس کی انجمن ترقی اردو اور ہندی پرچار سبھا کی طرف سے بھی اقبال کی خدمت میں ایڈریس پیش کیے گئے۔

اس شام آپ نے ساحل مدراس کی سیر فرمائی۔ ماہی گیروں کے ساتھ سمندر سے مچھلیاں پکڑنے کا لطف اٹھایا۔ ساحل ہی پر سمندری مچھلیوں کا عجائب گھر دیکھا۔ بحری سانپ بھی دیکھے۔

مدراس کے علاقہ ''اڈیار'' میں بھی تشریف لے گئے۔

۷/جنوری کی شام کو علامہ اقبال کے اعزاز میں ایسوسی ایشن کی طرف سے الوداعی دعوت دی گئی۔

۸/جنوری کی شام آپ بنگلور جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ سیٹھ جمال محمد اپنی صاحبزادی کے ساتھ ہوٹل میں آئے۔ انھوں نے آپ کو ایک شاندار اونی دھسہ تحفہ میں پیش کیا اور اخراجات کے لیے ایک چیک بھی پیش فرمایا۔ عبداللہ چغتائی اور چودھری محمد حسین کو پشمینہ کی اعلیٰ قسم کی چادریں دی گئیں۔

۸/جنوری کی رات آپ مدراس چھاؤنی ریلوے اسٹیشن سے بنگلور کے لیے روانہ ہو گئے۔

۹/جنوری کی صبح سوا چھ بجے ریل گاڑی بنگلور چھاؤنی پہنچی۔ سیکڑوں مسلمان اقبال کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے۔ حاجی سر اسمٰعیل، امین الملک سر مرزا اسمٰعیل وزیر اعظم ریاست میسور، سیٹھ عبدالغفور کلیم الملک، سید غوث محی الدین، مدیر اخبار الکلام اور محمود خان محمود بنگلوری ان میں نمایاں شخصیات تھیں۔ انھوں نے آگے بڑھ کر آپ کو ہار پہنائے۔ اسمٰعیل سیٹھ آپ کا استقبال کرنے مدراس کے ریلوے اسٹیشن پر بھی تشریف لائے۔

سیٹھ اسمٰعیل اور سیٹھ عبدالغفور کے ساتھ موٹر کار میں سوار ہو کر اقبال ان کی رہائش گاہ الکس لاج کی طرف روانہ ہو گئے۔ دس بجے صبح مسلم لائبریری کے زیر اہتمام آپ کے اعزاز میں مہاتما گاندھی روڈ پر واقع اپرا ہاؤس میں ایک جلسہ منعقد ہوا اس میں آپ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ جلسے کی صدارت وزیر اعظم ریاست میسور نے فرمائی۔ آپ نے اپنی جوابی تقریر میں دنیا کے اسلامی کتب خانوں پر معلومات بہم پہنچائیں اور مسلم لائبریری کو ترقی دینے پر زور دیا۔ اس کے بعد آپ نے لائبریری کا معائنہ کیا اور وزیٹنگ بک میں اپنی رائے تحریر فرمائی۔ اسی شام محکمہ تعلیم میسور کی طرف سے انٹرمیڈیٹ کالج بنگلور میں آپ کے اعزاز میں دوسرا جلسہ منعقد ہوا۔ رات کو بنگلور کے رئیس جمان محمد علی نے پُر تکلف دعوت دی۔ بنگلور میں ایک کتب فروش سے عبداللہ چغتائی نے عروس المجالس نامی منظوم کتاب خریدی۔ اس میں ٹیپو سلطان کے بڑے بیٹے فتح چند کی خاص نظم ہے۔ بنگلور کے معززین کے ساتھ ایک تصویر بھی کھنچوائی۔

۱۰/جنوری کو دوپہر کے وقت آپ ریاست کی موٹر کار میں بنگلور سے میسور کے لیے روانہ ہو گئے۔ چار بجے میسور آمد ہوئی۔ چوں کہ آپ مہاراجا صاحب میسور کی طرف سے مدعو تھے۔ لہٰذا موٹر کار سیدھی گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس چلی گئی۔ شہر میسور کو آپ نے پر فضا اور خوب صورت شہر پایا۔

اسی روز شام کے چھ بجے مسٹر چاندی، وائس چانسلر میسور یونی ورسٹی کے زیر صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا۔ آپ نے مدراس میں پڑھے ہوئے تین مقالات میں سے ایک مقالہ اس جلسے میں پڑھ کر سنایا۔ اگلے روز ۹ بجے صبح سری رنگھم دیکھنے روانہ ہوئے۔ سارا دن وہیں پر گزرا۔ دوپہر کو ریاست کی طرف سے ''دریا دولت'' میں کھانے کا انتظام تھا۔ ٹاؤن ہال میسور میں مسلمانان میسور کی طرف سے شام چھ بجے ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت نواب غلام احمد صاحب کلامی نے فرمائی۔ تلاوت کلام الٰہی کے بعد غلام محمد عرف علی جان نے اپنے آرکسٹرا کے ساتھ اقبال کی دو تین نظمیں رقت آمیز سروں میں حاضرین کو سنائیں۔ جلسے میں آپ نے ایک شاندار تقریر فرمائی۔ اس تقریر کے بعد میسور یونی ورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر نے اپنی تقریر میں آپ کے پہلے خطبہ کی دل کھول کر داد دی اور کہا کہ اقبال صرف مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ ہم سب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جلسے کے روح رواں شہر کے مشہور رئیس اور تاجر سیٹھ محمد ابا تھے۔ انھوں نے ہی ایڈریس پڑھا۔

۱۲ جنوری کو اقبال میسور کے پرانے محلات دیکھنے تشریف لے گئے۔ میسور شہر کا چڑیا گھر بھی دیکھا۔ شہر کی علمی و ادبی شخصیات سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ تصاویر بھی بنوائیں۔ میسور یونی ورسٹی کا شعبہ نفسیات عملی دیکھنے گئے۔ وہاں بھی تصاویر اتاری گئیں۔ اسی روز آپ ریاست میسور کی طرف سے طے شدہ پروگرام کے مطابق سلطان ٹیپو کا قلعہ دیکھنے سرنگا پٹم تشریف لے گئے۔ قلعے کے قریب ہی حیدر علی، ان کی بیوی اور سلطان شہید ٹیپو کے مزارات ہیں۔ ٹیپو شہید کے مزار پر سرخ رنگ کا غلاف چڑھا ہوا تھا جو شہادت کی علامت ہے۔ جب اقبال سلطان شہید کے مزار کے گنبد کے اندر داخل ہوئے، تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

(البقرہ ۲:۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں، ان کی نسبت یوں مت کہو کہ وہ معمولی مُردوں کی طرح مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

مزارات پر اقبال اور ان کے ہمراہیوں نے فاتحہ پڑھی، فاتحہ خوانی کے بعد بقیہ لوگ تو باہر چلے گئے۔ لیکن آپ سلطان شہید کی تربت کے قریب تنہا آنکھیں بند کیے دیر تک کھڑے رہے اور سب سے آخر میں باہر نکلے۔ روضہ کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے، اس کے باہر سب لوگ بیٹھ گئے۔ وہاں میسور کا درباری موسیقار، علی جان جسے مہاراجا میسور نے خصوصی طور پر ساتھ بھیجا تھا،

نہایت پُرسوز آواز میں آپ کا اردو اور فارسی کلام گا نیلگا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو گیا۔ جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو سیٹھ ابا (محمد عباس) نے دریافت کیا کہ سلطان شہید نے آپ کو کوئی پیغام بھی دیا؟ اقبال نے بتایا کہ یہ پیغام ملا ہے:

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

اگر جہاں میں مَردوں کی طرح زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو مردانہ وار جان قربان کر دینے میں ہی زندگی ہے۔

بعد ازاں راستے میں اقبال کو فارسی کے چار شعر اور موزوں ہو گئے۔ فارغ ہو کر قافلہ سرنگا پٹم قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ سرنگا پٹم دراصل ایک جزیرہ ہے۔ وہ دریائے کاویری کی دوشاخوں کے درمیان واقع ہے۔ ایک حصے میں باغ اور قلعہ ہے، اور دوسرے حصے میں شہر آباد تھا۔ مگر اب یہاں آبادی نہیں تھی۔ دولت باغ میں دوپہر کی ضیافت طعام کا انتظام تھا۔ کھانے کے بعد سب لوگ قلعے کی سیر کو نکل گئے۔ محمود خان محمود بنگلوری ساتھ تھے۔ وہ ہر مقام کے تاریخی پس منظر سے آگاہ کرتے رہے۔ سرنگا پٹم سے واپسی پر رستے میں کاویری ڈیم دیکھا گیا۔

۱۳ رجنوری کو اقبال بنگلور سے ریل گاڑی میں حیدر آباد دکن جانے کے لیے سوار ہو گئے۔ عثمانیہ یونی ورسٹی نے آپ کو دعوت دے رکھی تھی۔ ۱۴ رجنوری کی صبح حیدر آباد پہنچے۔ اسٹیشن پر مسلمان بچے قطاروں میں کھڑے ہو کر ''چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا'' گا رہے تھے۔ اے ایچ انصاری رجسٹرار عثمانیہ یونی ورسٹی، سید ہاشمی فرید آبادی، سید مطلبی، منشی خلیل الرحمٰن اور دیگر کئی احباب نے آپ کا استقبال کیا۔ وہیں اقبال کو مطلع کیا گیا کہ آپ اعلیٰ حضرت حضور نظام کی حکومت کے مہمان ہیں۔ سکندر آباد ریلوے اسٹیشن پر سر اکبر حیدری، مولانا عبداللہ العمادی، خلیفہ عبدالحکیم اور عثمانیہ یونی ورسٹی کے دیگر پروفیسر صاحبان آپ کا استقبال کرنے کھڑے تھے۔ سر اکبر حیدری نے آپ کو پھولوں کا ہار پہنایا۔ اِس کے بعد حیدری صاحب اور خلیفہ صاحب آپ کو بذریعہ کار گیسٹ ہاؤس لے گئے۔ شام کو یونی ورسٹی کے اکابر و فضلا اقبال کے پاس دیر تک بیٹھے رہے۔

۱۵ رجنوری کی شام گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس حیدر آباد سے عبداللہ چغتائی نے اپنے سفر کی مزید روداد مدیر انقلاب کو لکھ بھیجی۔ ۱۵ رجنوری کی شام کو باغ عامہ کے ہال میں آپ کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ صدر جلسہ راجہ سر کشن پرشاد تھے۔ انھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال تصوف اور عرفان کی آغوش میں پل کر حکیم بنے ہیں۔ ان کے حکیمانہ خطبات سے

ہم سب کو یکساں طور پر مستفید ہونے کا بالمشافہ موقع ملا ہے جس کی ہم عزت اور قدر کرتے ہیں۔
اس جلسے میں اقبال نے ایک لیکچر پڑھا۔ مہاراجا صاحب نے اپنی ڈیوڑھی میں ایک پُر تکلف دعوت اور شاندار مشاعرے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔ حیدرآباد کے تمام مشہور اردو اور فارسی کے شعرا نے طعام اور مشاعرے میں شرکت فرمائی۔ شعرا نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ علامہ اقبال کے احترام کی وجہ سے وہاں روایتی مشاعروں کے مانند داد دینے کا شور وغل پیدا نہ ہوا۔ مہمانوں اور مہاراجا کشن پرشاد کے اصرار پر آپ نے فارسی کے دو شعر سنائے۔ وہیں نو بجے کے قریب سر امین جنگ، پرائیویٹ سیکریٹری نظام کا پیغام آیا کہ ۱۸ ؍جنوری ۱۹۲۹ء کو صبح گیارہ بجے نظام صاحب آپ سے ملاقات کریں گے۔

۱۶ ؍جنوری کا دن گیسٹ ہاؤس ہی میں یونی ورسٹی کے اساتذہ، طلبہ اور دیگر ممتاز شخصیات سے ملاقاتیں کرتے ہوئے گزرا۔ ۱۷ ؍جنوری کو صبح کے وقت باغ کے ایک اور جلسے میں اقبال نے دوسرا لیکچر دیا۔ اس جلسے کے صدر نواب اعظم جاہ، ولی عہد سلطنت تھے۔ یہ دونوں مقالے وہی تھے جو مدراس میں پڑھے جا چکے تھے۔ دوپہر کا کھانا آپ نے سر اکبر حیدری کے گھر میں کھایا۔ اس کھانے میں یونی ورسٹی کے اساتذہ، محکمہ مالیات کے عہدے دار اور بعض اہم شہری بھی شریک تھے۔ اسی رات سر امین جنگ نے آپ کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔

۱۸ ؍جنوری کو اقبال نے صبح گیارہ بجے حضور نظام سے ملاقات فرمائی۔ آپ نے نظام صاحب کو انجمن حمایت اسلام کے آئندہ سالانہ جلسے کی صدارت کرنے کے لیے پنجاب آنے کی دعوت دی۔ میر عثمان علی خان نے دعوت قبول کر لی۔ حیدرآباد میں قیام کے دوران ابو محمد صالح آپ سے ملنے آئے۔ وہ دیر تک آپ کے ساتھ قرآن کریم کے رموز پر گفتگو کرتے رہے۔

۱۹ ؍جنوری کو آپ حیدرآباد سے لاہور جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ، طلبہ اور سرکاری و غیر سرکاری شخصیات کے علاوہ مہاراجا کشن پرشاد نے بھی آپ کو الوداع کہا۔ مہاراجا صاحب نے آپ کو تحفے بھی پیش کیے۔[۱]

افغانستان میں امان اللہ ۱۷ ؍جنوری ۱۹۲۹ کو حکومت سے دست بردار ہو گیا۔ ایک باغی، سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ ملک میں خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو گئی۔[۲]

لاہور پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد آپ کو میسور سے محمد جمیل کا ایک خط موصول ہوا۔ آپ نے ۱۸ ؍

فروری کو انھیں جواب میں تحریر فرمایا کہ مالی مشکلات کے باوجود میں ایران و ترکی کے سفر کی تیاری میں مصروف ہوں...... مجھے اس اطلاع سے دلی مسرت ہوئی کہ میرا سفرِ میسور مسلم نوجوانوں میں تاریخی تحقیق کا شوق و ذوق ابھارنے میں معاون ثابت ہوا......سیٹھ ابا صاحب نے مجھے سلطان ٹیپو کی تاریخ سے متعلق ایک فارسی مسودہ ارسال فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ان تک میرا اسلام شوق پہنچا دیجیے۔ چودھری محمد حسین آج کل سلطان پر ایک مختصر مضمون مرتب کر رہے ہیں۔ وہ سفرنامہ مدراس و میسور بھی لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔[۳]

۱۸۔۱۹ر فروری کو انقلاب کے مدیر کے نام خط میں چھپنے والی ایک خبر کی وضاحت فرماتے ہوئے اقبال نے لکھا کہ فقہ اسلامی میں بیوی بچوں کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے نہ کہ بچہ جننے کی! میں نے خواتین مدراس کے سپاس نامے کے جواب میں اس بات کا ذکر کیا تھا۔[۴]

۲۶ر فروری کو لاہور کے اخبار ٹریبون کے نمائندے نے افغان حالات سے متعلق آپ کا ردعمل جاننے کے لیے آپ سے ملاقات کی۔ اقبال نے فرمایا کہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ نہ صرف مفادِ افغانستان بلکہ ایشیا کے وسیع تر اغراض و مقاصد کے لحاظ سے ضروری ہے کہ شاہ امان اللہ خان کی حکومت بحال رکھی جائے...... معلوم ہوتا ہے، شہریار خان کی ناکامی کا سبب بڑی حد تک یہ ہے کہ انھوں نے اصلاحات نافذ کرنے میں عجلت اور فوج کی طرف توجہ کرنے میں غفلت سے کام لیا اور ملاؤں کے نظریے کے خلاف حقیقی ترقی میں گہری دلچسپی لی۔ اس سے بلاشبہ افغانستان کے چند علما ناراض ہو گئے۔[۵]

مارچ کے اوائل میں محمد علی جناح لاہور تشریف لائے اور سر محمد شفیع ملاقات کی۔ ان کے مابین سر محمد شفیع سے فیصلہ ہو کہ مسلم لیگ کا اجلاس مارچ کی آخری تاریخوں میں دہلی میں بلایا جائے تاکہ وہاں شفیع لیگ اور جناح لیگ کا انضمام ہو جائے اور چودہ نکات بھی بشکل قرارداد منظور کر لیے جائیں۔[۶]

۴ر مارچ کو اقبال نے پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ۳۰۔۱۹۲۹ء کے بجٹ پر تقریر فرمائی۔ متواتر پانچ سال کی خوشحالی کے بعد یہ پہلا میزانیہ تھا جس میں خسارہ دکھایا گیا۔ اس خسارے کو پورا کرنے کے لیے حکومت نے ایک کروڑ چالیس لاکھ روپیہ قرض لینے کی تجویز پیش کی۔ اقبال نے اس تجویز کی مخالفت فرمائی اور صوبے کی مالی حالت بہتر بنانے اور اس کے ذرائع آمدنی میں اضافے کے لیے چند تجاویز پیش کیں۔ مثلاً امواپر ڈیوٹی لگائی جائے، بڑی تنخواہیں زیادہ ہیں، وہ کم کی جائیں، ارزاں ترین منڈیوں سے مشینری خریدی جائے اور انکم ٹیکس کو صوبہ جاتی بنایا جائے۔[۷]

۷/مارچ کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں اقبال نے بجٹ پر بڑی دلچسپ تقریر فرمائی۔ آپ نے تقریر میں کہا کہ ہمیں آمدنی کا لحاظ کیے بغیر نظم ونسق پر زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہیے[۸]

پیام مشرق کی کتابت ۲۴/مارچ کو ختم ہوگئی۔ اسی روز بذریعہ خط اقبال نے یہ اطلاع سید نذیر نیازی کو بہم پہنچائی۔ آپ نے مزید لکھا کہ صرف اغلاط درست کرنی باقی ہیں، کچھ کاتب کر رہا ہے، بقیہ کام کل پرسوں تک ختم کرے گا[۹]

دہلی میں مقررتاریخ کو جب دونوں لیگوں کے ارکان جمع ہوئے، تو جناح لیگ میں شامل ''نہروانی ٹولی'' نے اپنا کھیل کھیلتے ہوئے اس اجلاس کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس ٹولی کی خواہش تھی کہ مسٹر جناح کے چودہ نکات کے بجائے نہرو رپورٹ کی تائید میں ایک قرارداد منظور ہو جائے۔ علامہ صاحب نے بھی مذکورہ اجلاس میں شرکت فرمائی تھی۔ اجلاس ملتوی کر دیا گیا[۱۰]

۶/اپریل کے دن لاہور کے ایک نوجوان، علم الدین نے شاتم رسولؐ راجپال کو چھرا گھونپ کر جہنم رسید کر دیا۔ علم الدین گرفتار کر لیا گیا۔ لاہور کے مسلمانوں نے علم الدین کے اس جذبے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا[۱۱]

اقبال بھی علم الدین کے جذبۂ ایمانی اور حب رسولؐ سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے فرمایا:

''اسی گلاں کردے رہے تے ترکھان دا منڈا بازی لے گیا''[۱۱-b]

دہلی میں مسلم لیگ کی دونوں شاخوں کے اجلاس کی ناکامی کے بعد اقبال نے ۷/اپریل کو ملک فیروز خان نون اور سر عبدالقادر کی معیت میں یہ بیان دیا کہ جناح لیگ میں نہرو رپورٹ کی مختصر سی حامی ٹولی کا رویہ بڑا ہی افسوس ناک تھا۔ نہرو رپورٹ ہندوستان کی اکثریت کے لیے قابل قبول نہیں ہے...... ہمارا خیال ہے کہ محض لیگ کے اجلاس کے التوا ہی میں ہماری فتح مضمر ہے[۱۲]

علم الدین کا مقدمہ لڑنے کے لیے ان کے والد کسی اچھے وکیل کی تلاش میں تھے۔ ان کی نگاہ انتخاب الہ آباد کے وکیل سر تیج بہادر سپرو پر پڑی۔ یہ جان کر فقیر سید وجیہہ الدین بہت حیران ہوئے۔ انھوں نے اقبال سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ: ''تمہیں شاید علم نہیں کہ سر تیج بہادر سپرو عربی اسکالر ہیں۔ تمھاری قوم میں کتنے وکلا ہیں جو اس علم اور اعزاز سے آراستہ ہیں؟''[۱۳]

انجمن حمایت اسلام کا چوالیسواں سالانہ تین روزہ اجلاس ۱۲/اپریل کو شروع ہوا۔ ۱۴/اپریل کے اجلاس کی صدارت سر میاں محمد شفیع نے فرمائی۔ اقبال بھی مذکورہ اجلاس میں شریک ہوئے اور

''قرآن کا مطالعہ'' کے نام سے ایک مقالہ پڑھ کر سنایا۔ مذکورہ مقالے کے باعث انجمن حمایت اسلام کے رہنماؤں نے اس اجلاس کو ذہنی اور روحانی روشنی کا بہتا چشمہ قرار دیا۔[۱۴]

گوجرانوالہ کے شیخ دین محمد پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے، تو لاہور منتقل ہو گئے۔ لاہور ہائی کورٹ کے ایک منشی، فضل محمد شیخ صاحب کے ساتھ بطور منشی کام کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ علامہ صاحب کے پاس سفارش کرانے گئے۔ اقبال نے ۱۹/اپریل کو اسے شیخ صاحب کے نام لکھا گیا ایک رقعہ دیا۔[۱۵]

اپریل کے مہینے میں محمد الدین کی دوسری بیوی کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے ۲۰/اپریل کو انھیں تعزیت نامہ تحریر فرمایا۔[۱۶]

سید سلیمان ندوی نے بذریعہ خط اقبال کو لکھا کہ آپ نے مدراس میں جو لیکچر دیے ہیں، انھیں اردو میں منتقل ہونا چاہیے۔ مزید برآں ندوہ کی مالی مدد کے لیے بھی کچھ کیجیے۔ آپ نے بہ تاریخ ۲۵/اپریل کو سید صاحب کو جواب دیا کہ لیکچروں کا ترجمہ ان شاء اللہ کیا جائے گا۔ اس دوران اصطلاحات کے متعلق آپ سے بھی مشورہ طلب کیا جائے گا......ندوہ کی امداد کے سلسلے میں سر عبدالقادر کو لکھیے۔[۱۷]

حیدرآباد دکن کے رسالہ، اسلامک کلچر کے شمارہ اپریل میں اقبال کا درج ذیل مقالہ شائع ہوا:

A Plea for Deeper Study of the Muslim Scientists.[18]

۷/مئی کے خط میں محمد عباس علی خان کو مطلع کیا کہ مصروفیت کے باعث اصلاح اشعار سے قاصر ہوں۔[۱۹]

۱۰/مئی کو آپ نے حضور نظام حیدرآباد دکن کے نام مکتوب میں انھیں یاددہانی کرائی کہ انھیں انجمن حمایت اسلام کے آئندہ اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔[۲۰]

۲۱/مئی کو محمد جمیل کو خط میں تحریر فرمایا کہ میں ترکی اور مصر کے سفر کے سلسلے میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ یہ زرمی طلبد کا معاملہ ہے اور ہندوستان کے مسلمان امراء اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت واہمیت سے قطعاً نا آشنا ہیں۔[۲۱]

۲۲/مئی کو سیشن جج لاہور مسٹر ایم ٹیپ نے علم الدین کو راج پال کے قتل کے جرم میں سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ مسلمانان پنجاب کو اس فیصلے پر بہت دکھ پہنچا۔ اس فیصلے کے خلاف پنجاب ہائی

کورٹ میں اپیل کی گئی۔[۲۲]

۲؍جون کو انجمن حمایت اسلام کا اجلاس زیر صدارت خان بہادر شیخ امیر علی منعقد ہوا۔ اقبال نے بطور رکن کالج کمیٹی شرکت فرمائی۔[۲۳]

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مہتمم مطبع، محمد مجیب پیام مشرق کا تیسرا ایڈیشن شائع کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے ان کی فرمائش پر کتاب کی کتابت شدہ کاپیاں انھیں روانہ کر دیں۔[۲۴]

۴؍جون کو آپ نے سید نیازی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ مجیب صاحب (استاد جامعہ ملیہ) کو پروف دیکھنے کی اجازت ہے۔[۲۵]

۲۳؍جون کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس زیر صدارت خان بہادر شیخ امیر علی منعقد ہوا۔ اجلاس میں اقبال بھی شریک تھے۔ اس موقع پر حیدر آباد دکن کے حضور نظام کی متوقع آمد کے سلسلے میں مسلمانان پنجاب کی طرف سے ''خیر مقدم'' کے متعلق لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ آپ نے اجلاس میں حضور نظام کا مختصر تعارف بھی کرایا۔ ۲۲؍جون کے مشاورتی اجلاس میں جو تجاویز پیش کی گئی تھیں، آج ان پر مفصل غور ہوا، بحث و گفتگو کے بعد ایک پروگرام بنا لیا گیا۔[۲۶]

جون کے مہینے میں عبدالرشید طارق، اپنے بھائی عبدالمجید اور دادا کے ہمراہ اقبال سے ملنے آئے۔ آپ نے ان سے اسلام اور مشاہیر اسلام پر گفتگو فرمائی۔ آپ نے انھیں حضرت ابو ایوب انصاری اور قسطنطنیہ کی اولین فتح کا واقعہ تفصیل سے سنایا۔[۲۷]

۱۴؍جولائی کو انجمن حمایت اسلام کا اجلاس زیر صدارت مولوی فضل الدین منعقد ہوا۔ یتیم خانہ انجمن کے لیے حکومت سے مستقل امداد حاصل کرنے کی غرض سے گیارہ افراد پر مشتمل ایک وفد مقرر کیا گیا۔ اس کے ایک رکن اقبال بھی تھے۔[۲۸]

۲۸؍جولائی کو آپ شملہ میں مقیم تھے۔ اس روز آپ نے غلام رسول مہر، مدیر انقلاب، لاہور کو نواب احمد یار خان اور سائمن کمیشن کی رپورٹ کے متعلق ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ انھوں نے کسی پمفلٹ پر دستخط نہیں کیے اور نہ ہی کسی میٹنگ میں شریک ہوئے ہیں۔[۲۹]

محمد علی جناح کے چودہ نکات کے بعد جناح لیگ اور شفیع لیگ کے مابین جو اختلافات تھے، وہ ختم ہو گئے۔ اس طرح آل انڈیا مسلم لیگ دہلی اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں جو خلیج حائل تھی، وہ بھی رفع ہو گئی۔ جناح لیگ میں شامل نہرو والی ٹولی نہرو رپورٹ کو صحیفہ ایمانی سمجھ کر اس پر ایمان لا چکی تھی۔ اب اس نے مسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر مسلم نیشنلسٹ کانفرنس کے نام سے علیحدہ سیاسی

جماعت تشکیل دے ڈالی۔ اس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد، سیکریٹری تصدق احمد خان شیروانی اور خزانچی ڈاکٹر انصاری مقرر ہوئے۔[۳۰]

جولائی کے آخری دنوں میں مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے پیام مشرق کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوگیا۔ اس کی کتابت پروین رقم نے کی تھی۔ کتاب شیخ مبارک علی، لاہور سے دستیاب تھی۔ ۲؍اگست کے خط میں اقبال نے سید نذیر نیازی کو اطلاع دی کہ حامد علی خان، مہتمم مکتبہ جامعہ سے مجھے ۴۴۸ کتب موصول ہوئی ہیں۔ باقی کتب بھی جلد بھجوایئے۔ مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طباعت آپ کو پسند آئی۔ آپ نے اسی خط میں نیازی صاحب کو مزید لکھا کہ کتاب بانگ درا بھی تقریباً تیار ہے۔ اطلاع دیجیے کہ اگر آپ اِسے شائع نہ کر سکیں تو لاہور ہی میں چھپوانے کا انتظام کیا جائے۔[۳۱]

۴؍اگست کے ایک خط میں محمد جمیل کو تحریر فرمایا کہ میں اپنے آخری تین خطبات مرتب کر رہا ہوں...... ابھی اسلامی ممالک کی سیاحت کا کوئی امکان نہیں، مالی مشکلات ہنوز سدراہ ہیں...... سلطان شہید پر میری نظم اس کتاب کا حصہ ہوگی، جسے میں اپنی زندگی کا ماحصل بنانا چاہتا ہوں۔ سلطان شہید کے کسی روزنامچہ کا مجھے علم نہیں۔ اگر آپ کے پاس ہو تو کچھ دیر کے لیے مستعار مرحمت فرمایئے۔[۳۲]

انھی دنوں غلام رسول مہر کو رسالہ معارف اعظم گڑھ بابت ماہ اگست ۱۹۲۹ء کے سلسلے میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ اس میں ایک مضمون سنسکرت پر شائع ہوا ہے۔ اسے دیکھنا مطلوب ہے۔[۳۳]

۲؍ستمبر کو سید سلیمان ندوی کے نام خط میں لکھا کہ شعائر وارتفاقات کی وضاحت فرمایئے۔ آخر میں لکھا کہ ستمبر کے معارف کا شدت سے منتظر ہوں۔[۳۴]

۵؍ستمبر کو آپ نے لاہور کی چھ علمی شخصیات کو شام آٹھ بجے ایک مشورے کے سلسلے میں گھر پر مدعو کیا۔ مولانا غلام مرشد خطیب شاہی مسجد، مولانا احمد علی انجمن خدام الدین، مولانا ظفر علی خان زمیندار، سید حبیب مدیر روزنامہ سیاست، مولانا مہر مدیر انقلاب، مولوی نورالحق مالک روزنامہ مسلم آؤٹ لک اور سید عبدالقادر پروفیسر اسلامیہ کالج شامل تھے۔[۳۵]

۷؍ستمبر کو لاہور کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جلسہ بیرون دہلی دروازہ منعقد ہوا۔ جلسے کا مقصد فلسطین میں برطانیہ کی یہود نواز حکمت عملی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھا۔ جلسے کی صدارت اقبال نے فرمائی۔ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں ذکر فرمایا کہ سرزمین فلسطین، یروشلم اور مسجد اقصیٰ اسلامی تاریخ میں کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ یہودی گانٹھ کا

پکا بنیا ہے۔ وہ صرف اس جگہ سکونت اختیار کرے گا جہاں اسے سوددر سود دینے والے آسانی سے مل جائیں تا کہ وہ باسہولت دوسروں کا چمڑا اتار سکے۔ یہودیوں نے یروشلم میں مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو شہید کیا۔ مسجد اقصیٰ اور اس کے احاطے پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ حکومت برطانیہ نے فلسطین میں تحقیقات کے لیے ایک کمیشن منظور کیا تھا۔ اقبال نے اعلان کیا کہ مسلمان اس پر کوئی اعتماد نہیں رکھتے۔[۳۶]

عبدالرحمٰن شاطر مدراسی نے آپ کو اپنے کلام کا ایک ضمیمہ اعجاز حق ارسال کیا۔ انھوں نے آپ کی فارسی مثنویوں کی تعریف کی۔ اقبال نے انھیں ۲۲ ستمبر کے مکتوب میں لکھا کہ آپ کا کلام سراپا اعجاز ہے۔[۳۷]

اسی روز آپ نے سید سلیمان ندوی کو خط تحریر فرماتے ہوئے دریافت کیا کہ مولانا شبلی نعمانی کے پیش کردہ حجۃ اللہ البالغہ میں ایک عربی فقرہ میں لفظ ''شعار'' آیا ہے، اس کے تحت کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں؟ مجھے اس لفظ کی تشریح مطلوب ہے۔[۳۸]

۲۵ ستمبر کو نماز فجر سے پہلے مولوی سید میر حسن، سیالکوٹ میں وفات پا گئے۔ اقبال کو بھی ان کے فوت ہونے اطلاع دی گئی۔ فوری طور پر مسافر گاڑی نہ مل سکی۔ لہٰذا آپ بذریعہ مال گاڑی لاہور سے وزیرآباد پہنچے اور پھر وہاں سے چار بجے سیالکوٹ پہنچ گئے۔ قبرستان میں میت رکھ کر آپ کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ آپ سیدھے قبرستان پہنچے۔ استاد مرحوم کا آخری بار چہرہ دیکھا۔ عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں مرحوم کو دفن کر دیا گیا۔[۳۹]

۲۷ ستمبر کو سیالکوٹ میں مولوی سید میر حسن کی رسم قل ادا ہوئی۔ اس دوران اقبال نے سیالکوٹ ہی میں قیام فرمایا۔ قل کے بعد لاہور تشریف لے آئے۔ سیالکوٹ میں قیام کے دوران آپ نے حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کیا۔[۴۰]

۲۹ ستمبر کو اخباری لاہور ایجنسی کے نمائندے نے آپ سے شاردا بل کے متعلق دریافت کیا۔ اقبال نے سوالات کے جواب میں فرمایا کہ صرف بنگال کے مسلمانوں میں صغرسنی کی شادی کا رواج ہے۔ ہندوستان کے باقی مسلمان عموماً شریعت اسلامی کی پابندی کرتے ہیں۔ اسلام والدین کو صغرسنی کی شادی کی اجازت دیتا ہے لیکن نابالغ لڑکیاں مائیں بن جانے کو برائی سمجھتا ہے، اسی لیے اس عمل کو روکنے کا حکم ہے۔ شریعت یہ ہے کہ شادی کے بعد لڑکی جب تک بالغ نہ ہو

جائے، خاوند کے گھر نہ بھیجی جائے۔[۴۱]

افغانستان کے حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ امان اللہ کے بعد بچہ سقہ کی حکومت کچھ علاقہ تک محدود تھی اور وہاں بھی خانہ جنگی کا دور دورہ تھا۔ آخر برطانیہ نے سوچا کہ وہاں ایسی کسی سیاسی شخصیت کو آگے لانا چاہیے جو ملک میں پائیدار امن قائم کر سکے۔ افغان عام وخاص بھی ایسی ہی قیادت کے آرزومند تھے۔ چنانچہ پیرس میں مقیم افغانی سفیر، جنرل نادر خان کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے ملک کے حالات سدھارنے کی کوشش کریں۔ جنرل نادر خان جب افغانستان جاتے ہوئے لاہور ریلوے اسٹیشن سے گزرے، تو علامہ صاحب نے ان سے ملاقات فرمائی۔ اس دوران اقبال نے انھیں کچھ رقم برائے امداد کے طور پر دینی چاہی جو قبول نہ کی گئی۔ دراصل افغانستان کے اخبار اصلاح کے ذریعے نادر خان نے ہندوستانی مسلمانوں سے مالی امداد کی درخواست کی تھی۔

لاہور کے روزنامہ انقلاب میں علامہ اقبال کے نام نادر خان کا ایک خط شمارہ ۲/اکتوبر میں شائع ہوا۔ نادر خان نے مذکورہ خط ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ کو مقام علی خیل سے تحریر فرمایا تھا۔ نادر خان نے آزاد قبائلی علاقے میں وزیری اور محسود قبائل کی مدد سے لشکر تیار کر لیا۔ انگریزوں نے لشکر کو ہتھیار فراہم کیے۔ نادر خان نے پھر بچہ سقہ کی حکومت کے خلاف لشکر کشی کر دی۔ اس لشکر کی مالی امداد کرنے کے سلسلہ میں مسلم اکابرین کا ایک جلسہ ۳/اکتوبر کو خان سعادت علی خان کے گھر منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت علامہ صاحب نے فرمائی۔ باہمی اتفاق رائے سے قرار پایا کہ ''نادر خان ہلال احمر فنڈ'' کے نام سے ایک فنڈ کھول دیا جائے۔[۴۲]

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں آپ نے اپنے بیٹے، جاوید اقبال کو لاہور کے سیکرڈ ہارٹ مشنری اسکول کی پہلی جماعت میں داخل کرا دیا۔ جاوید کی ماں، سردار بیگم پہلے دن بہت فکر مند رہیں۔ چھٹی ہونے پر جاوید جب گھر پہنچا تو وہ برآمدے میں کھڑی بیٹے کی راہ تک رہی تھیں۔ اقبال بھی اپنے کمرے سے اٹھ کر زنان خانے میں آ گئے اور جاوید سے اسکول کے متعلق سوالات کرنے لگے۔[۴۲-b]

نادر خان ہلال احمر فنڈ کے سلسلے میں اقبال نے ۱۱/اکتوبر کو اخبارات میں ایک اپیل شائع کرائی کہ مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ فنڈ میں حصہ لیں۔ اس کے علاوہ انجمن حمایت اسلام کی امداد کرنے کے لیے کارکنوں سے کہا کہ وہ اس سلسلے میں خط کتابت کریں۔[۴۲-c]

۱۱/اکتوبر کو مولوی احمد دین کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔ اسی روز اقبال نے مرحوم کے بڑے بیٹے، مولوی بشیر کے نام تعزیتی خط میں فرمایا، افسوس ہے کہ میں مولوی مرحوم کے جنازے میں

شریک نہ ہو سکا۔ مجھے دو ایک روز قبل نقرس ہو گیا جس کی وجہ سے پاؤں میں سخت تکلیف تھی لہٰذا حرکت سے قاصر رہا۔ دوسرے روز دانت کے درد میں بھی اضافہ ہو گیا۔[۴۳]

۱۶ر اکتوبر کو نادر خان نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد فنڈ جمع کرنے کی چنداں ضرورت باقی نہ رہی۔[۴۴]

اقبال نے دوسرے مسلمان رہنماؤں کو ہم نوا بنا کر برطانوی حکومت پر زور دیا کہ وہ نادر خان کی حکومت تسلیم کر لے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے مشترکہ بیان بھی دیا کہ انگریزی گورنمنٹ کا فرض ہے، ہندوستان اور افغانستان کے باشندوں کی خواہشات کے مطابق سپہ سالار غازی محمد نادر خان کو افغانستان کا جائز بادشاہ تسلیم کرنے میں کسی قسم کی تاخیر و التوا کو نہ اپنائے۔

انگریزی حکومت نے آخر کار نادر خان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد اقبال نے وزیر خارجہ افغانستان کے نام مبارک باد کا تار بھیجا۔[۴۵]

۲۴ر اکتوبر کو عبداللہ چغتائی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ عبدالرحمٰن صاحب کی ارسال کردہ مرقع چغتائی مل گئی ہے، مگر یہ کتاب بیش قیمت ہے، آپ اس کی جگہ دوسرے ایڈیشن کی کاپی ہدیۃً مجھے دے دیں...... کیا آپ نے میری تقریر کا بلاک حاصل کر لیا؟[۴۶]

۲۹ر اکتوبر کو شاکر صدیقی کے استفسار پر اقبال نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''اشک ندامت'' کو ''کوہ نور'' سے تشبیہ دینا درست امر نہیں ہے۔[۴۷]

۳۱ر اکتوبر کو وائسرائے ہند، لارڈ اروِن نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے آئینی مسائل کے حل تلاش کرنے کے سلسلے میں لندن میں گول میز کانفرنس کا انعقاد کیا جائے گا۔[۴۸]

۳۱ر اکتوبر کو میانوالی جیل میں علم الدین پھانسی چڑھا دیے گئے۔ شہید کی لاش ورثا حاصل کرنا چاہتے تھے مگر حکومت نے بغیر نماز جنازہ پڑھائے انھیں میانوالی ہی میں دفن کر دیا۔[۴۹]

گول میز کانفرنس منعقد کے اعلان سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی، اس نے متعلق دیگر سات مسلمان اکابرین پنجاب کے ساتھ اقبال نے ۳ر نومبر کو ایک بیان میں فرمایا کہ ہمیں یقین ہے وائسرائے نے جو اعلان کیا ہے وہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے۔ کانفرنس کی تجویز ہماری رائے میں دُور اندیشی اور تدبر کا فعل ہے۔ جو نمائندے اس کانفرنس میں شرکت کریں گے وہ تمام قوموں کے حقیقی نمائندے ہونے چاہئیں۔[۵۰]

۴ر نومبر کو اقبال نے محمد جمیل کو جواب میں تحریر فرمایا کہ ہلال احمر فنڈ کے لیے دس روپے عطیہ

کرنے کا شکریہ! امید ہے احباب بنگلور بھی فراخ دلی سے چندہ دیں گے۔ افغانستان کا استحکام مسلمانانِ ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لیے جمعیت وتقویت کا باعث ہے۔[۵۱]

شہید علم الدین کی تدفین میانوالی کرنے پر پنجاب اور خصوصاً لاہور کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا۔ سرکردہ مسلم رہنما حکومت کے ارباب بست وکشاد سے ملے۔ آخر حکومت نے بذریعہ اسپیشل ٹرین ۱۴ نومبر کو صبح سوا پانچ بجے شہید کی نعش مبارک لاہور چھاؤنی ریلوے اسٹیشن پہنچا دی۔ اقبال کے علاوہ سر میاں محمد شفیع، انجمن اسلامیہ کے عہدے داروں خان بہادر ملک محمد حسین صدر بلدیہ، مولوی غلام محی الدین ناظم انجمن حمایت اسلام، غلام رسول مہر وغیرہ نے نعش وصول کی۔ اسی روز شہید کو میانی صاحب کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ مولانا شمس الدین، خطیب مسجد وزیر خان نے نماز جنازہ پڑھائی۔[۵۱-b]

ملک کے مسلم علمی حلقوں میں اقبال کے خطبات مدراس کو خاص شہرت ملی تھی۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ فلسفہ نے خواہش ظاہر کی کہ علامہ اقبال ان کے ہاں تشریف لا کر یہ خطبات سنائیں۔ آپ نے تین اور مقالے تیار کر لیے تھے۔ جب سر راس مسعود، وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے اقبال کو مدعو کیا، تو آپ نے یہ دعوت قبول کر لی۔ آپ ۱۷ نومبر کو ریل گاڑی میں علی گڑھ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ عبداللہ چغتائی تھے۔ راس مسعود علی گڑھ میں موجود نہیں تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر شعبہ فلسفہ کے پروفیسروں، دوسرے چند پروفیسر صاحبان اور طلبہ نے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سید ظفر الحسن، صدر شعبہ فلسفہ آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ اگلے روز راس مسعود بھی علی گڑھ واپس آ گئے۔[۵۲]

۲۳ نومبر کو یونی ورسٹی میں ایک جلسہ ہوا۔ یونی ورسٹی اسٹوڈنٹس یونین نے آپ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا اور تاحیات رکنیت سے نوازا۔ آپ نے پہلے گرم جوش استقبال اور رکن منتخب کیے جانے پر شکریہ ادا کیا، اس کے بعد ایک نصیحت آموز تقریر فرمائی۔ آپ نے تقریر میں فرمایا کہ اگر آپ تمام دنیا کو فتح لینا چاہتے ہیں، تو آپ پر لازم ہے کہ اچھے مقرر بن جائیں۔ اور یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ یونین کی روایات قائم رکھی جائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ماضی کو سمجھتے ہوئے علوم جدیدہ حاصل کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یونی ورسٹی ایسے لوگوں کی بڑی تعداد پیدا کر دے گی جو مطالعہ قرآن میں اپنی زندگیاں صرف کر سکیں۔ علی گڑھ میں دوران قیام آپ نے اسٹریچی ہال میں چھ خطبے دیے۔ اس کے علاوہ آپ کا بیشتر وقت علمی مجلسوں یا علمی صحبتوں میں

گزرا۔ سرراس مسعود، ڈاکٹر سید ظفرالحسن، خواجہ غلام السید، ڈاکٹر ضیاء اللہ، بشیر حسین زیدی اور ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ نے آپ کے اعزاز میں دعوتیں دیں۔ اس کے علاوہ اقبال صاحبزادہ آفتاب احمد خان اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر مولانا سلیمان اشرف کے یہاں کچھ دیر قیام فرمایا۔ انھوں نے مولانا شبلی کے بارے میں بعض دلچسپ واقعات آپ کو سنائے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اقبال نے جو چھ خطبے دیے، ان کے موضوع یہ تھے۔ (۱) علم اور مذہبی مشاہدات (۲) مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار (۳) ذات الٰہیہ کا تصور اور حقیقت دعا (۴) خودی، جبر واختیار، حیات بعد الموت (۵) اسلامی ثقافت کی روح اور (۶) الاجتہاد فی الاسلام۔

اس موقع پر مسلم یونی ورسٹی کی طرف سے آپ کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری بھی دی گئی۔[۵۳]

۷؍دسمبر کو آپ نے پروفیسر رشید احمد صدیقی، علی گڑھ کے نام اپنے خط میں خواجہ حافظ کے ایک فارسی شعر کی تشریح درج فرمائی۔[۵۴]

گول میز کانفرنس کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ اقبال کے نزدیک یہ کانفرنس تبھی کامیاب ہو سکتی تھی جب ہندوستانیوں میں اتحاد ہو اور وہ انگلستان میں متحدہ طور پر اپنے مطالبات پیش کر سکیں۔ آپ کا خیال تھا کہ متحدہ انگلستان کا مقابلہ متحدہ ہندوستان ہی کر سکتا ہے اور یونہی اُسے کامیابی ملے گی۔[۵۵]

۱۸؍دسمبر کو برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ نواب سر ذوالفقار علی خان نے آپ کی صدارت میں تقریر کرنا تھی۔ یہ تقریب سائمن کمیشن کی رپورٹ کے متعلق تھی۔ لیکن بجلی کے نظام میں خرابی کی وجہ سے جلسہ ملتوی کرنا پڑا۔

۱۹؍دسمبر کو دوبارہ جلسہ ہوا، جس میں نواب سر ذوالفقار علی نے ایک طویل تقریر فرمائی۔ علامہ اقبال نے اپنی اختتامی تقریر میں ہندوستانی مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ تمام اسٹیج جلا دو، ایک متحدہ اسٹیج بناؤ اور گول میز کانفرنس میں جانے سے پیشتر ایک کل ہند کانفرنس منعقد کر لو۔ مزید برآں ہندوؤں کو دوستی کا ایک اور موقع دو، ممکن ہے، ان سے مفاہمت ہو جائے لیکن مجھے اس کا یقین نہیں۔ پہلے مسلمان آپس میں اتحاد کر لیں پھر ہندو اور مسلم کا اتحاد ہو سکتا ہے۔[۵۶]

انوری بیگم نے لاہور کے اخبارات میں اشاعت کے لیے اقبال کو اپنا کلام بھجوایا۔ آپ نے ۲۱؍دسمبر کو انوری بیگم کو جواباً تحریر فرمایا کہ آپ کے خیالات پاکیزہ اور بلند ہیں۔ اخبار انقلاب

لاہور کے ایڈیٹر، میاں سر محمد شفیع اور نواب سر ذوالفقار علی خان سے میں نے کلام کا ذکر کیا ہے۔ ایک دو روز بعد اخبار میں وہ شائع ہو جائے گا۔[۵۷]

۱۹۲۸ء سے پہلے مجلس احرار کوئی وجود نہ رکھتی تھی۔ یہ جماعت ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی۔ اس کا پہلا اجلاس ماہ دسمبر میں لاہور میں زیر صدارت چودھری افضل حق منعقد ہوا۔ یہ جماعت دراصل مجلس خلافت سے علیحدہ ہونے والے رہنماؤں نے قائم کی۔[۵۸]

اس سال دسمبر کے اواخر ہی میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ چونکہ حکومت کو دیے گئے الٹی میٹم کی میعاد ختم ہو گئی تھی، لہٰذا اب درجہ نوآبادیات کی جگہ کامل آزادی کا حصول کانگریس کے لیے نصب العین بن گیا۔[۵۹]

اس سال لاہور میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی۔ اقبال نے شعبہ اردو، فارسی اور عربی کے اجلاسوں کی صدارت فرمائی۔ خطبہ صدارت میں آپ نے مسلمانانِ ہند کو اسلام کے معاشی پہلو اور دیگر علوم طبعی کی تحقیق و تدوین کی طرف متوجہ کیا۔[۶۰]

۳۰۔۱۹۲۹ء کے مالی سال میں اقبال کو ۱۳۴۱۰ روپے آمدن ہوئی۔ اس پر آپ نے ۶۲۸ روپے ٹیکس ادا کیا۔[۶۱]

❁……❁……❁

حواشی

۱- جنوبی ہند کے سفر مدراس سے متعلق درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:
- زندہ رود، ص ۳۲۵۔۳۶۵۔
- انوار اقبال، ص ۲۲۷۔
- اقبال کی صحبت میں، ص ۶۳۔۳۱۲۔۳۱۹۔۳۴۳۔
- گفتار اقبال، ص ۲۱۵۔۲۳۱۔
- اقبال اور حیدر آباد، ص ۱۳۔۱۵۔
- اوراق گم گشتہ، ص ۲۴۷۔
- مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص ۵۰۔۵۴

۲- سر گزشت اقبال، ص ۲۷۹

۳- روح مکاتیب اقبال،ص۳۸۳
۴- روح مکاتیب اقبال،ص۳۸۳
۵- گفتار اقبال،ص۸۴-۸۶
۶- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۹۹
۷- ایضاً،ص۱۴۷-۱۴۸
۸- ایضاً،ص۱۴۸-۱۴۹
۹- مکتوبات اقبال،مرتبہ:سیدنذیرنیازی،ص۹
۱۰- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۹۹-۲۰۲
۱۱- روز گار فقیر،جلداول،ص۱۱۱
11B- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۵۸
۱۲- گفتار اقبال،ص۸۷-۹۰
۱۳- روز گار فقیر،جلداول،ص۱۱۱-۱۱۲
۱۴- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۱۵-۱۱۶
۱۵- اوراق گم گشتہ،ص۲۱۱
۱۶- حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں،ص۲۷۲
۱۷- روح مکاتیب اقبال،ص۳۸۶

81 - *Speeches, Writings & Statements of Iqbal*, p.168.

۱۹- روح مکاتیب اقبال ،ص۳۸۶
۲۰- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۱۹
۲۱- روح مکاتیب اقبال،ص۳۸۶
۲۲- حمیر ہاشمی،لاہور میں دفن خزینے ،ص۱۰۱،ہفتہ وار؛ تازیانہ، جلد۲،نمبر۱۰-۱۹۲۹
۲۳- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۸۰
۲۴- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۱۴۳
۲۵- مکتوبات اقبال،مرتبہ:سیدنذیرنیازی،ص۱۰-۱۱
۲۶- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۱۶-۱۱۷
۲۷- ملفوظات اقبال،ص۲۴۶
۲۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،حاشیہ ص۱۸۰
۲۹- انوار اقبال،ص۹۱-۹۳؛ اقبال کی صحبت میں،ص۴۲۲
۳۰- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۱۲۱-۱۲۲

۳۱- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ،ص۱۴۳-۱۴۴؛مکتوبات اقبال،سید نذیر نیازی،ص۱۲
۳۲- اقبال نامہ جلد دوم ،ص۸۸
۳۳- روح مکاتیب اقبال،ص۳۸۹
۳۴- اقبال۔ سید سلیمان ندوی کی نظر میں،ص۱۹۸
۳۵- انوار اقبال،ص۹۳-۹۴
۳۶- گفتار اقبال،ص۹۱-۹۴
۳۷- روح مکاتیب اقبال،ص۳۹۲
۳۸- اقبال نامہ اول،ص۱۶۱
۳۹- علامہ اقبال کے استاد مولوی سید میر حسن،ص۱۶۴-۱۶۵
۴۰- ایضاً
۴۱- گفتار اقبال،ص۹۴-۹۷
۴۲- سر گزشت اقبال،ص۲۸۰-۲۸۲؛روز گار فقیر جلد،اول،ص۸۹
۴۲B-زندہ رود،ص۳۳۱
۴۲C-سر گزشت اقبال،ص۸۰-۲۸۲
۴۳- حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں،ص۸۵-۸۶
۴۴- سر گزشت اقبال،ص۲۸۲
۴۵- اقبال اور ظفر علی خان،ص۱۸۹-۱۹۰
۴۶- روح مکاتیب اقبال،ص۳۹۳
۴۷- ایضاً،ص۳۹۳
۴۸- گفتار اقبال،ص۱۰۰
۴۹- اقبال اور ظفر علی خان،ص۴۸
۵۰- گفتار اقبال،ص۱۰۰-۱۰۲
۵۱- روح مکاتب اقبال،ص۳۹۴
۵۱B- اقبال اور ظفر علی خان،ص۴۸-۵۰
۵۲- زندہ رود،ص۳۶۸
۵۳- گفتار اقبال،ص۱۰۲-۱۰۵؛اقبال کی صحبت میں،ص۲۹۴؛زندہ رود،ص۳۷۱-۳۷۹
۵۴- روح مکاتیب اقبال،ص۳۹۴
۵۵- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۲۰۴

۵۶- گفتار اقبال، ص۱۰۵-۱۰۶

۵۷- اقبال: جہان دیگر، ص۲۶-۲۷

۵۸- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۴۸۹

۵۹- سرگزشت اقبال، ص۲۹۴؛ اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۲۰۴

۶۰- گفتار اقبال، ص۱۶۹

۶۱- زندہ رود، ص۵۴۳

۱۹۳۰ء......خطبہ الٰہ آباد

جنوری کے شروع میں سید نذیر نیازی دہلی گئے اور سید عابد حسین سے خطبات کے ترجمے کے متعلق گفتگو کی۔ عابد حسین نے معذوری کا اظہار کر دیا۔ یہ خطبات وہ تھے جو اقبال نے گزشتہ برس ۱۸/نومبر کو اسٹریچی ہال علی گڑھ میں دیے تھے۔[۱]

اقبال نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام مکتوب میں ۵/جنوری کو لکھا کہ سید راس مسعود کی مساعی سے علی گڑھ یونی ورسٹی کی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی رونما ہوگئی ہے۔[۲]

انجمن حمایت اسلام کا ایک اجلاس ۱۹/جنوری ۱۹۳۱ء کو سر میاں محمد شفیع کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آپ نے جنرل کونسل کے رکن کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ عطیہ حاصل کرنے کی غرض سے نواب صاحب بہاول پور کے پاس ایک وفد بھجوایا جائے۔[۳]

ایک مضمون میں نیاز فتح پوری نے اقبال کی شخصیت کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔ ہوا یوں کہ حکیم یوسف حسن نیرنگ خیال کا شمارہ جنوری لے کر آپ کے ہاں آئے۔ اس میں نیاز فتح پوری نے آپ پر بے جا تنقید کر رکھی تھی۔ آپ مضمون پڑھ کر مسکرا دیے۔[۴]

فروری کے ابتدائی دنوں میں اقبال بسلسلہ علاج بھوپال تشریف لے گئے۔ سید راس مسعود نے آپ کو آنے کی دعوت دی تھی۔

۶/فروری کو ریاض منزل، بھوپال سے مولانا راغب کے نام مکتوب میں انھیں اطلاع دی کہ کھانسی کی شکایت اب نہیں ہے۔ طبی معائنہ ہو چکا، بجلی کے ذریعے علاج کل سے شروع ہونے والا ہے۔[۵]

راغب صاحب نے آپ کے خط کا جواب دیا۔ جواب موصول ہونے پر اقبال نے بہ تاریخ ۱۲/فروری انھیں تحریر فرمایا کہ میں سید راس مسعود کو آپ کا خط دکھا کر ان سے ذکر کروں گا، شاید کوئی صورت یہاں پیدا ہو جائے...... مسٹر جناح نے اپنی خطیبانہ قابلیت کا خوب مظاہرہ کیا۔ مجھے یقین

ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی پالیسی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھائیں گے۔[۶]

لوکل سیلف گورنمنٹ، حکومت پنجاب نے اقبال کو پنجاب سول میڈیکل سروس سلیکشن بورڈ کا رکن نامزد کر دیا۔ اس سلسلے میں حکومت پنجاب نے ۱۸ر فروری کو نوٹیفیکیشن جاری کیا۔[۷]

محمد علی جناح کے چودہ نکات کے بعد ۲۸ر فروری کو جناح لیگ اور شفیع لیگ کا اتحاد عمل میں آ گیا۔[۸]

یکم مارچ کو انجمن حمایت اسلام کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں ایک چار رکنی وفد تشکیل دیا گیا۔ اس نے نواب صاحب بہاول پور سے ملاقات کر کے عطیہ کی درخواست کرنی تھی۔ وفد میں خان بہادر سردار حبیب اللہ خان، خان بہادر شیخ امیر علی اور حاجی شمس الدین شامل تھے۔[۹]

۴ر مارچ کو محمد جمیل کے نام مکتوب میں اقبال نے لکھا کہ خطبات زیر طبع ہیں...... گولڈزی، جرمن یہودی انگریزی میں نہیں لکھتا...... میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں...... نادر خان افغانیوں کے محبوب رہنما ہیں۔[۱۰]

۷ر مارچ کو پنجاب کونسل کے اجلاس میں آپ نے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ صوبہ پہلے ہی مقروض ہے۔ بینکاری کا مسئلہ روز بروز خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔ تجارت کا بُرا حال ہے۔ حکومت انتظامیہ پر تو بے انتہا خرچ کرتی ہے، لیکن صنعتوں کے فروغ کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں لگایا جاتا۔ آپ نے مشورہ دیا کہ صوبہ میں کپڑا اور جوتے بنانے کی صنعتیں قائم کی جائیں کہ ان کا مستقبل روشن ہے۔[۱۱]

۱۵ر مارچ کو مورس کالج ناگپور کے پروفیسر عبدالغنی کے نام خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ آپ کی کتب ہمایوں اور بابر بہت دل چسپ ہیں۔[۱۲]

۲۳ر مارچ کو انجمن حمایت اسلام کا اجلاس ہوا۔ اس میں آپ کالج کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔[۱۳]

مارچ کے مہینے میں بانگ درا کا تیسرا ایڈیشن دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ کاتب عبدالمجید رقم تھے۔ میر قدرت اللہ کے زیر اہتمام کریمی مطبع میں شائع ہوئی۔ کتاب ملنے کا پتہ یہ درج تھا: شیخ مبارک علی، تاجر کتب، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۔[۱۴]

آپ اپنے چھ خطبات کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتے تھے۔ ۴ر اپریل کو سید نذیر نیازی کے نام مکتوب میں لکھا کہ انگریزی لیکچر قریباً ۱۵ر اپریل تک چھپ کر تیار ہو جائیں گے۔ آپ اپنے دوست سے دریافت کیجیے کہ آیا وہ اردو ترجمہ کرنے لاہور آ سکیں گے یا نہیں؟ اگر وہ نہ آ سکتے ہوں تو

آپ خود یہ کام کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ ترجمہ بلا معاوضہ نہیں ہوگا۔ ایک صاحب امیر (حمزہ) شامی نے جو غالباً جامعہ ملیہ سے تعلق رکھتے ہیں، گلشن راز جدید کی شرح لکھنے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ میں نے انھیں اجازت بھی دے دی تھی۔ لیکن اس کے بعد ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ ان سے حالات دریافت کر کے مجھے مطلع کیجیے۔[۱۵]

مولانا گرامی کی رحلت کے بعد ان کے جانشین، مولوی عزیز الدین عظامی اور مرشد میاں علی محمد سجادہ نشین بستی نو (ہوشیار پور) نے دیوان گرامی اور رباعیات گرامی مرتب کی تھیں۔ بیگم گرامی نے ان کی طباعت و اشاعت کے لیے اقبال سے مدد چاہی۔ اس سلسلے میں آپ نے بہ تاریخ ۲۰ر اپریل بیگم گرامی کو خط کے ذریعے مطلع فرمایا کہ تین ہزار تھوڑی رقم ہے، کم از کم پانچ ہزار روپے ہونی چاہیے۔[۱۶]

۲۱ر اپریل کو بیگم گرامی کا خط وصول ہوا۔ اقبال نے اسی روز انھیں جواب میں تحریر فرمایا کہ مولانا مرحوم کے کلام کی اشاعت کے سلسلے میں حبیب اللہ صاحب سے معاہدہ کر لیجیے۔ آپ کو جہاں سے بھی مالی فائدہ ملے، وہ صورت اختیار کر لیجیے۔[۱۷]

سید نذیر نیازی نے بذریعہ خط آپ کو مطلع کیا کہ ان کے دوست نے ترجمہ کرنے سے معذرت کر لی ہے۔ تاہم وہ خود ترجمہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔[۱۸]

۲۷ر اپریل کے خط میں آپ نے سید نذیر نیازی کو اطلاع دی کہ خطبات چھپ گئے ہیں۔ اس کی جلد بندی ۶ مئی تک مکمل ہو جائے گی...... تعطیلات میں آپ غالباً لاہور آئیں گے...... بطور نمونہ ایک آدھ لیکچر کا ترجمہ کر دیں، پھر فیصلہ ہو سکے گا۔[۱۹]

آپ نے خطبات کا ایک نسخہ ۵ مئی کو پروفیسر آر اے نکلسن کے نام لندن ارسال فرمایا۔ اگلے روز ایک نسخہ سر مالٹیگو ٹیلر، گورنر صوبہ جات سی پی کو بھی روانہ کیا۔[۲۰]

۹ر مئی کو آپ نے مولوی محمد صالح کے نام مکتوب میں رقم فرمایا کہ وہ اس سال عرس میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ لیکن بعد میں غور کیا تو آپ نے محسوس ہوا کہ جانا ضروری ہے۔ لہٰذا اگلے روز آپ نے مولوی صاحب کو دوسرا خط بھجوایا اور لکھا کہ وہ عرس میں شرکت کریں گے۔ ان کے ہمراہ ان کے ایک دو دوست بھی ہوں گے۔[۲۱]

بیگم گرامی کا خط موصول ہونے پر اقبال نے انھیں ۱۸ر مئی کو جواب میں تحریر فرمایا کہ کتاب کی اشاعت کے معاملات سے بہت زیادہ شناسائی نہیں رکھتا۔ بہتر ہے کہ آپ یہ کام حفیظ

جالندھری صاحب کے سپرد کردیں۔ دیباچہ لکھوانے کے سلسلے میں مَیں بھی ان کی مدد کردوں گا۔[۲۲]

ڈاکٹر محمد عباس علی خان نے خط کے ذریعے اپنے والد کے انتقال کی خبر دی۔ انھوں نے ساتھ ہی اقبال کو ایک کتاب بھی بھجوائی۔ ۲۰ مئی کے خط میں اقبال نے عباس صاحب کو تحریر فرمایا کہ آپ کی کتاب میں نہایت خوشی سے پڑھوں گا۔ آپ کے والد بزرگوار کے انتقال سے بڑا قلق ہوا...... میرے لیکچر شائع ہوگئے ہیں۔ آپ کے امریکی دوست کو میرے لیکچروں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔[۲۳]

مولوی صالح محمد کے نام مکتوب میں آپ نے ۳۰ رمئی کو تحریر فرمایا کہ مجھے یہ خیال ہمیشہ تکلیف روحانی دیتا ہے کہ آنے والی مسلمان نسل کے قلوب ان واردات سے یکسر خالی ہیں، جن پر میرے افکار کی اساس ہے۔ جذبات انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں، ان میں سے ایک شعر بھی ہے۔ ترجمے یا تشریح سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو شاعر کے زیرِنظر ہوتا ہے۔ بہرحال اس تشریح میں آپ کو ان لوگوں کی کیفیات و خیالات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے جن کے قلوب میں آپ پیام مشرق کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔[۲۴]

جون کی پہلی تاریخ کو آپ نے سید نذیر نیازی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ میں اب بھی خطبات کا ترجمہ کرانا چاہتا ہوں۔ گو مجھے شبہ ہے کہ عام لوگ اس سے مستفید ہوسکیں گے۔ بہرحال جب آپ لاہور آئیں تو نمونے کے طور پر کچھ حصہ اس کا ترجمہ کردیجیے تاکہ معلوم ہو، کہاں تک اس کوشش میں کامیابی ہوسکے گی۔[۲۵]

سید نذیر نیازی آپ کا خط ملتے ہی لاہور چلے آئے۔ انھوں نے انگریزی خطبات کے کچھ حصے کا اردو ترجمہ کرلیا تھا، وہ اقبال کو دکھایا۔ معمولی سی تصحیح کے بعد آپ نے انھیں خطبات ترجمہ کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے پھر نیازی صاحب کو مولوی محمد شفیع صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کے پاس ایک رقعہ دے کر بھجوایا تاکہ وہ ترجمے کے سلسلے میں ان کی مدد کرسکیں۔ مولوی صاحب چنگڑ محلّہ میں رہتے تھے۔[۲۶]

جون کے ابتدائی دنوں میں اقبال نے مولوی محمد صالح کو خط میں یہ تحریر فرمایا کہ خواجہ نظام الدین سے معلوم کیجیے، ان کے بزرگوں کے کتب خانے میں حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کا وہ رسالہ موجود ہے جس میں انھوں نے آسمانوں اور سیاروں کی سیر کا ذکر کیا ہے۔ مطلوبہ قلمی نسخہ صالح محمد نے اپنے والد خواجہ نظام الدین کی مدد سے اپنے بزرگوں کے کتب خانے میں تلاش کرلیا۔ اسے

پھر انھوں نے آپ کے پاس بھجوادیا۔ آپ نے ۱۹ جون کے خط میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں مشورہ دیا کہ اگر وہ ان نادرالوجود نسخوں کی ایک فہرست شائع کردیں تو یہ احسان عظیم ہوگا۔

مولوی صالح محمد نے اپنے خط میں علامہ عبدالرشید کے قلمی نسخے سرالسماء کی طرف اشارہ کیا جو خواجہ نظام الدین کی نظر سے گزر چکی تھی۔ اقبال نے ۱۹ر جون کے خط میں انھیں تحریر فرمایا کہ سرالسماء کا ذکر میں نے آج تک نہیں سنا۔ بہرحال اس کتاب کی تلاش بھی جاری رکھیے، شاید بہاول پور سے مل جائے۔[۲۷]

۲۲ر جون کو تین افراد پر مشتمل ایک وفد نے اقبال سے ملاقات کی، اس وفد میں بختیاری، مارتھاروٹ اور دیال سنگھ کالج لاہور کے پروفیسر پریم سنگھ شامل تھے۔ بختیاری نے اپنی ایک تصنیف تحفہ طاہری آپ کو پیش کی۔ ایک اور کتاب بہاء اللہ و عصر جدید بھی برائے مطالعہ دی۔ آپ نے خوشی سے یہ تحفے قبول کیے اور ان کے مطالعے کا وعدہ کیا۔[۲۸]

۲۳ جون کو شام سات بجے عبدالرشید طارق اپنے بھائی مجید کے ساتھ اقبال سے ملاقات کرنے آئے۔ عبدالرشید طارق کے دادا حج کر کے حرمین سے واپس آئے تھے۔ اس کے بعد کراچی سے بغداد روانہ ہوگئے۔ انھوں نے اقبال کے لیے جائے نماز، تسبیح اور کھجوریں بطور تحفہ بھجوائیں۔ عبدالرشید نے جب یہ تحفے پیش کیے تو آپ نے فرمایا "خوب! مجھے ان دنوں ایک تسبیح اور جائے نماز کی ضرورت تھی۔ جائے نماز تو ان شاء اللہ بڑی احتیاط اور حفاظت سے رکھی جائے گی۔ یہ دیارِ حبیبؐ کا تحفہ خاص ہے، اور تم جانتے ہو کہ اس پر کھڑے ہونا، اسے خراب کرنے کے مترادف ہے"۔[۲۹]

۲۴ جون کو بختیاری، مارتھاروٹ اور پروفیسر پریم سنگھ آپ سے ملنے دوبارہ تشریف لائے۔ اقبال نے پہلے سے زیادہ گرم جوشی سے انھیں خوش آمدید کہا۔ امریکی خاتون مارتھاروٹ سے سبائیت اور طاہرہ کی شاعری پر مفصل گفتگو فرمائی اور اس دوران آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی زیر تصنیف کتاب میں طاہرہ کا ذکر کریں گے۔[۳۰]

۲۴ر جون کو اقبال نے نواب سر ذوالفقار علی خان کے ساتھ سائمن کمیشن کی رپورٹ کے متعلق ایک مفصل بیان دیا "رپورٹ میں مرکزی وفاقی اسمبلی کی ترتیب میں اقلیتوں کے تحفظ کا سامنا نہایت خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایسا ہونے کی انھیں کسی طرح امید نہ تھی لیکن اس کے سوا

رپورٹ میں اور جدت نہیں ہے۔ صوبہ جاتی خود اختیاری عطا کر دی گئی ہے گو وہ بھی واضح اور نمایاں نہیں۔ ہمارے اپنے صوبے میں اور بنگال میں مسلمانوں سے جمہوری اصول کے حقوق بھی چھین لیے گئے ہیں...... ہندوستان میں طاقت کا ایک خفیف توازن قائم رکھنے کے متعلق مسلمانوں کی امیدیں قطعی طور پر خاک میں ملا دی گئی ہیں۔ حیرت ہے کہ سر جان سائمن اور ان کے رفقا نے یہ کہہ کر کہ پنجاب اور بنگال میں فرقہ وارانہ حکومت قائم ہو جائے گی، عجیب نا مطابقت کا اظہار کیا ہے۔ ہم اپنے صوبے میں صوبہ جاتی خود اختیاری کو موہوم و خیالی چیز ہی نہیں بلکہ اپنی قوم کے مستقبل کے لیے تباہ کن سمجھتے ہیں......سندھ کی علیحدگی کے مسئلے سے عملی طور پر بے پروائی کا اظہار کیا گیا ہے......شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان کے بارے میں بھی ہمیں سخت مایوسی ہوئی ہے۔ ان دو صوبوں کے ساتھ دیگر صوبوں سے مختلف سلوک کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں۔ رپورٹ کی سفارشات کی تہہ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ مسلمانوں کے اہم مطالبات ٹھکرا کر انتہا پسند ہندوؤں کو خوش کیا گیا ہے۔ ہم مسلمانانِ ہندوستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ، فی الفور ایک جداگانہ طریق عمل پر گامزن ہونے کے لیے اپنی طاقتیں مرتکز کر دیں''۔

لاہور کے اخبار انقلاب نے ۲۶/جون کی اشاعت میں اس بیان کو شائع کر دیا۔[۳۱]

آپ نے ہوشیار پور بیگم گرامی کو خط تحریر فرمایا کہ مولانا گرامی کا مسودہ کلام کسی آدمی کے ہاتھ لاہور بھجوا دیں تا کہ اس آدمی کو کاتب سے ملوا دیا جائے۔ بیگم گرامی نے اپنے خط مورخہ ۳۰/جون میں دیوان کی تشہیر کے لیے ایک مسودہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا۔ آپ نے مسودے میں ترمیم واضافہ کر کے یکم جولائی کو واپس بھجوا دیا۔[۳۲]

۶ جولائی کو بذریعہ خط آپ نے راغب صاحب کو اطلاع دی کہ میں ۱۵/جولائی کو بھوپال جانے کا قصد رکھتا ہوں۔ وہاں بغرض علاج ڈیڑھ ماہ قیام رہے گا۔ جاوید کو ساتھ لے جاؤں گا...... جن لوگوں کا واقعی دین و مذہب محض سیاست ہو، انھیں میرا مضمون کیوں کر پسند آ سکتا ہے؟ میرا مذہب سوائے اسلام کے اور کچھ نہیں اور اگر سیاست اسلام کی خادمہ نہیں تو وہ محض ایجاد کہلائے گی۔[۳۲-b]

الہ آباد میں ۱۳ جولائی کو کونسل مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس کے لیے محمد علی جناح نے اقبال کا نام بطور صدر تجویز کیا۔[۳۳]

پروفیسر آرنلڈ ۹/جون کو لندن میں وفات پا گئے۔ ہندوستان میں یہ خبر بہت دیر سے پہنچی۔

۱۵ جولائی کو سید نذیر نیازی تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے ترجمے کے سلسلہ میں لاہور پہنچے۔ گاڑی سے نکل کر باہر پلیٹ فارم پر قدم رکھا تو نگاہیں ریلوے اسٹیشن کی دیواروں پر چسپاں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے پوسٹروں پر جم گئیں۔ ان پر جلی حروف میں آرنلڈ کے انتقال کی خبر تھی۔ سید نذیر نیازی سیدھے اقبال کے ہاں میکلوڈ روڈ پہنچے۔ آپ سے آرنلڈ کی وفات پر اظہار افسوس کیا۔ نیازی صاحب کا خیال تھا کہ آپ کو اپنے محبوب استاد کی موت کا علم ہے۔ لیکن آپ نے آرنلڈ کی وفات کا سنا تو دل تھام کر رہ گئے۔ چند لمحے ماتھے پر ہاتھ رکھے سر جھکائے خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور ایک آہ بھر کر انگریزی میں فرمایا "Iqbal has lost his Friend and Teacher"۔ اس وقت آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ طبیعت سنبھلی تو علی بخش سے کہا ''کاغذ قلم لے آؤ، لیڈی آرنلڈ کی خدمت میں تعزیت کا خط لکھنا اور تار بھیجنا ہے''۔[۳۴]

جولائی کے دوسرے ہفتے لاہور میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں اور سکھوں میں شدید جھڑپیں ہوئیں۔ فوج کی فائرنگ سے دس مسلمان شہید ہو گئے۔ محمد دین تاثیر نے ۲۲ر جولائی کے خط میں اس فساد کی اطلاع اقبال کو بھجوائی۔ اقبال ابھی بسلسلہ علاج بھوپال میں ہی مقیم تھے۔

جاوید اقبال کے لیے ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے الف لیلہ کتاب بھی ارسال کی جو آپ کو بھوپال میں موصول ہوئی۔ آپ نے اسی دن تاثیر صاحب کو خط تحریر کیا اور کتاب بھیجنے پر شکریہ کا اظہار فرمایا۔ اقبال نے کہا کہ نواب صاحب بھوپال نے نہایت دردمندی سے ان کا علاج کرایا ہے۔ علاج برقی کے لیے وہ اگست کے آخر تک یہاں قیام کریں گے۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ ایک کتاب مقدمة القرآن لکھنے کے سلسلے میں نواب صاحب نے انھیں تاحیات پانچ سو روپے ماہوار لٹریری پنشن عطا فرمائی ہے۔[۳۵]

۲۵ جولائی کو آپ نے مولوی صالح محمد کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ سیرۃ سلیمان ضرور لکھیے۔[۳۶]

اگلے روز سردار محمد رب نواز خان بلوچ کو حکومت سے عطیہ میں اراضی ملنے پر مبارک باد کا خط تحریر کیا۔[۳۷]

مدراس میں اخباری نمائندے نے اقبال سے جو سوال پوچھے تھے، ان کا خلاصہ محمد الدین فوق نے اپنی کتاب مشاہیر کشمیر ۲۹ر جولائی میں شائع کر دیا۔[۳۸]

۳۱ر جولائی کو بذریعہ خط آپ نے سید نذیر نیازی کو دہلی واپس جانے کی اجازت دے دی

تیسرے خطبے کے ترجمے کے سلسلے میں آپ نے کتاب الطواسین نیازی صاحب کو دی تھی۔ اقبال کے پوچھنے پر نیازی صاحب نے بتایا کہ اسمٰعیل صاحب آج اُسے بغرض استفادہ لے گئے ہیں۔ صبح پہنچا دیں گے۔[۳۹]

یکم اگست کو مسلم لیگ کے اسسٹنٹ سیکریٹری، شمس الحسن کے نام خط میں آپ نے تحریر فرمایا کہ صوبائی مسلم لیگ کے متعلق جو خط کتابت ضروری ہو، وہ خلیفہ شجاع الدین صاحب، بیرسٹرایٹ لا لاہور سے کیجیے۔ فارم وغیرہ بھی انھی کے نام ارسال فرمایئے۔ آئندہ اجلاس جہاں بھی ہو، ۵ تا ۸ اکتوبر کی تاریخیں میرے لیے موزوں نہیں ہیں۔ میری رائے میں آئندہ اجلاس ۲۸، ۲۹ ستمبر کو ہونا چاہیے۔[۴۰]

اسمٰعیل صاحب نے آپ کو کتاب الطواسین دو روز تک واپس نہ کی، تو اقبال نے ۳/اگست کو نیازی صاحب کے نام خط میں لکھا کہ آپ نے کتاب کی واپسی کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ یہ آپ کا فرض تھا کہ آپ دہلی جانے سے پہلے دیکھتے کہ آیا کتاب مجھے لوٹا دی گئی ہے۔ میرے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی نہیں کہ ایک کتاب کے استعمال سے اس طرح محروم کر دیا جاؤں۔[۴۱]

مولوی صالح محمد نے اقبال کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ ان کے والد کتاب سر السما کی تلاش میں ہیں۔ مزید برآں انھوں نے آپ سے کتب خانے کی فہرست کی تیاری کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ آپ نے بہ تاریخ ۴/اگست کو مولوی صاحب کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ کتاب کی تلاش میں خواجہ صاحب جو سعی بلیغ فرما رہے ہیں، اس کا شکریہ میں کس زبان سے ادا کروں؟ فہرست کتب ندیم کی الفہرست کے نمونے کی ہونی چاہیے...... کابل جانے کا امکان ہے...... میں وسط اگست میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کرنے کے لیے لکھنو جا رہا ہوں۔[۴۲]

مولوی صالح محمد نے خط کے ذریعے اقبال کو مطلع فرمایا کہ سر السماء کتاب بہاول پور میں مولوی احمد سعید صاحب کے پاس موجود ہے۔ آپ نے مولوی صالح محمد کو بہ تاریخ ۹/اگست جواب میں فرمایا کہ مولوی احمد سعید عاریۃً کتاب نہیں دیں گے۔ اس لیے خواجہ صاحب بہاول پور سے کسی ایسے آدمی کو مقرر فرمائیں جو درس کتاب سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ پھر مولوی احمد سعید کی موجودگی میں کتاب کا وہ حصہ دیکھ لیں جس کا تعلق سیارات سماوی اور متعلقہ امور سے ہے۔ وہ پھر اس کے جستہ جستہ نوٹ لے کر مجھے ارسال کر دیں۔

اسی دن اقبال نے مسلم لیگ کے سیکریٹری کے نام خط میں لکھا کہ استقبالیہ کمیٹی نے جو فیصلے کیے ہوں، آپ کو لازم ہے کہ انھیں صوبہ پنجاب اور دیگر صوبوں کے اخباروں میں شائع کروا دیں۔ یہ بھی تحریر فرمایئے کہ لیگ کا اجلاس ۱۶راگست کے روز کس وقت شروع ہوگا؟ خطاب کے اردو ترجمہ کے لیے اب وقت نہیں ہے، وہ دو تین روز میں طبع ہو جائے گا۔[۴۳]

سید نذیر نیازی کو دی ہوئی کتاب کتاب الطواسین آپ کو لکھنو میں وصول ہوئی۔ اس کی اطلاع آپ نے سید صاحب کو ۱۴راگست کو بھجوائی۔ مزید تحریر فرمایا کہ جلسہ لیگ ملتوی ہو گیا ہے۔ اب اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں ہوگا، غالباً لکھنو میں ۔۔۔ سورتی صاحب سے ضرور مل لیجیے۔ وہ آپ کو تراجم کے متعلق بہت مفید مشورے دیں گے۔[۴۴]

اگست کے دوسرے ہفتے میں اقبال نے بیگم گرامی کو مولانا گرامی کے کلام کی طباعت کے سلسلے میں تفصیلی خط تحریر فرمایا۔[۴۵]

آپ کے والد ماجد شیخ نور محمد ۱۷راگست کو اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔ انھوں نے نوّے برس سے زیادہ عمر پائی۔ گھر والے سب آپ کو میاں جی کہا کرتے تھے۔ ان کے بیمار ہونے کی خبر سن کر اقبال ایک دو روز پہلے ہی سیالکوٹ پہنچ گئے تھے۔ مولانا محمد ابراہیم میر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرحوم کو درگاہ امام علی الحق کی پشت پر مرحوم بیوی کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ اقبال نے اپنے پدر و مرشد کی لوح مزار پر ایک قطعہ تاریخ کندہ کرایا۔ اس کا آخری شعر ملاحظہ فرمایئے:

آمد آواز از رحمت و آغوش لحد

۱۳۴۹ھ ۱۳۴۹ھ[۴۶]

والد مرحوم کی رسم قل کے بعد آپ واپس لاہور تشریف لے آئے۔ قرب و جوار سے کثیر تعداد میں دوست احباب آپ کے پاس فاتحہ پڑھنے آئے۔

۳۱راگست کو میکلوڈ روڈ والی رہائش گاہ میں سردار بیگم کے ہاں ایک دختر نے جنم لیا۔ اقبال نے بیٹی کا نام منیرہ بیگم رکھا۔ بچی کی پیدائش کے بعد سردار بیگم نے شدید تذبذب کے عالم میں کہا: ''ہائے! اس کا کیا بنے گا کیونکہ انھیں (یعنی اقبال کو) تو اس کے لیے کوئی پسند ہی نہیں آئے گا''۔[۴۷]

یکم ستمبر کو روزنامہ انقلاب کے مدیر غلام رسول مہر کے نام ایک خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ آپ کے کالم کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزہ سے اظہارِ ہمدردی فرمایا۔[۴۸]

یکم ستمبر کو آپ نے مسلم لیگ کے سیکریٹری کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ لیگ کا اجلاس آل انڈیا مسلم کانفرنس سے پہلے ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں کونسل کا اجلاس منعقد کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔ لیگ کا اجلاس مؤرخہ ۱۸؍اکتوبر کو لکھنؤ میں ہونا چاہیے۔ مجھے امید نہیں کہ لوگ پہلے کونسل کے اجلاس کے لیے دہلی یا لاہور جائیں۔ اس کے بعد آل انڈیا مسلم کانفرنس کے آئندہ اجلاس میں شرکت کے لیے ۶؍اکتوبر کو لکھنؤ جائیں۔ پنجاب کونسل کا اجلاس ممکن ہے۔ ۱۲؍اکتوبر کے قریب منعقد ہو جائے۔[۴۹]

فقیر سید افتخار الدین کے فرزند فقیر سید سراج الدین نے پی سی ایس میں منتخب ہونے کے بعد ماہ اگست میں اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ اس موقع پر انھوں نے اقبال کو ایک خط لکھا۔ آپ نے ۳؍ستمبر کے خط میں اُن کو ملازمت ملنے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ مجھے یقین ہے، ملازمت میں تم اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلو گے اور اپنے فرائض محنت اور دیانت سے ادا کرو گے۔[۵۰]

۵؍ستمبر کو اقبال نے جماعت احمدیہ کے مرزا بشیر الدین محمود کے سیکریٹری کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ آپ کی جماعت بہت منظّم ہے۔ امید ہے کہ آپ مسلمانوں کے لیے بہت مفید کام انجام دے سکیں گے۔ اسی روز آپ نے لاہور کے مولانا غلام مرشد، مولانا احمد علی خان، سید حبیب، مولوی نور الحق، سید عبدالقادر اور مہر کو خط میں تحریر فرمایا کہ آج آٹھ بجے شام ان کے غریب خانے پر تشریف لے آئیں۔ آپ لوگوں سے ایک نہایت ضروری امر کے سلسلے میں مشورہ کرنا ہے۔[۵۱]

۷؍ستمبر کے اجلاس میں انجمن حمایت اسلام نے اقبال کو جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کا رکن منتخب کر لیا۔ یہ اجلاس مولوی فضل الدین کی صدارت میں منعقد ہوا۔[۵۲]

اقبال کی تعلیم کے تمام اخراجات آپ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے برداشت کیے تھے۔ اسی لیے آپ بھائی کے بے مثال جذبہ ایثار کے ساری عمر معترف رہے۔ سیالکوٹ کا جدّی مکان میاں جی کے نام تھا۔ اس میں وقتاً وقتاً جو جو اضافے کیے گئے وہ شیخ عطا محمد ہی کی کمائی سے کیے گئے۔ ۲۹۔۱۹۲۸ء میں عدالتوں کی تعطیلات میں اقبال سیالکوٹ آئے ہوئے تھے۔ اس موقع پر ایک دن آپ نے بڑے بھائی سے فرمایا کہ اس جائداد کی خرید و تعمیر میں ان کا کوئی حصہ نہیں، لیکن چونکہ جائداد میاں جی کے نام ہے، اس لیے ان کی وفات کے بعد قانون انھیں بھی حق دار قرار دے گا۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ قانونی طریقے سے اپنے حصہ سے دستبردار ہو جائیں۔

لیکن شیخ عطا محمد اس عمل سے متفق نہ ہوئے۔ آخر بڑے بھائی کے اصرار پر اقبال نے ساتھ والا مکان لینا منظور کر لیا۔ دراصل میاں جی نے جاوید کے نام وہ مکان تحریری طور پر ہبہ کر دیا تھا۔ ستمبر کے آخری دنوں میں آپ دوبارہ سیالکوٹ آئے ہوئے تھے۔ اُسی وقت ۲۷ ر ستمبر کو آپ سیالکوٹ کی ساری جدّی جائداد غیر منقولہ سے دست بردار ہو گئے۔ مذکورہ تاریخ کو ساٹھ روپے کے اسٹامپ کے کاغذ پر اقبال نے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے حق میں دست برداری کی تحریر لکھ دی۔ اس دستاویز پر بطور گواہ چودھری محمد حسین، سپرنٹنڈنٹ دفتر ڈائریکٹر انفارمیشن پنجاب لاہور اور نواب دین بارایٹ لا سیالکوٹ کے دستخط ہوئے۔[۵۳]

انجمن حمایت اسلام نے ایک خط کے ذریعے اقبال کو مطلع کیا کہ آپ، جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کے رکن منتخب ہو گئے ہیں۔[۵۴]

آپ نے ۳۰ ر ستمبر کو انجمن کے سیکریٹری کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ میں نادم ہوں، کونسل و کمیٹی کے اجلاس میں حاضر نہیں ہو سکا۔ ان غیر حاضریوں کی وجہ سے میں اس امر کا مستحق نہیں تھا کہ مجھے دوبارہ منتخب کر لیا جاتا۔ لہٰذا میں ملتمس ہوں کہ میری جگہ کسی اور صاحب کو منتخب کیا جائے جو انجمن کے اجلاس میں باقاعدہ حاضر ہوا کریں۔[۵۵]

اقبال کے نام محمد علی جناح کا خط موصول ہوا۔ انھوں نے آپ کو لکھا کہ کونسل کا اجلاس ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں تاریخ اور جگہ کا انتخاب کیا جائے۔ آپ نے جناح صاحب کو جواب میں تحریر فرمایا کہ اجلاس کا لکھنؤ میں ہونا بہتر ہے۔ اس کے بعد اقبال نے سیکریٹری مسلم لیگ کے نام خط میں لکھا کہ لکھنؤ میں اجلاس کی تیاری ہو چکی ہے۔ ۱۸ر اکتوبر بروز ہفتہ موزوں تاریخ رہے گی۔[۵۶]

یکم اکتوبر کو اقبال نے سید نذیر نیازی کے نام مکتوب میں جامعہ ملیہ، دہلی لکھا کہ خطبات کے ترجمہ میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے؟ نیز پیغام دیا کہ پیام مشرق کی طباعت کا بل وہ جامعہ بک ڈپو جلد ارسال کریں۔[۵۷]

اگلے روز آپ نے شمس الحسن، اسسٹنٹ سیکریٹری مسلم لیگ سے بذریعہ خط دریافت فرمایا کہ لیگ کونسل کا اجلاس کہاں ہوگا اور کون سی تاریخ کو؟[۵۸]

اکتوبر کے تیسرے ہفتے مسلم لیگ کے سیکریٹری نے سالانہ اجلاس میں مدعوین کے ناموں کی فہرست اقبال کو ارسال کر دی۔ ۲۴ر اکتوبر کو بذریعہ خط آپ نے سیکریٹری کو مطلع فرمایا کہ مدعوین کے نام علیحدہ علیحدہ تاکیدی خطوط لیگ کے دفتر کی طرف سے جانے چاہئیں۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع

الدین، سیکریٹری صوبائی مسلم لیگ لاہور کے نام تاکیدی خط میں یہ بات ضرور لکھیے کہ لاہور سے کئی حضرات اجلاس میں شریک اجلاس ہوں......لکھنؤ میں اپنے پرانے دوست، مسٹر وسیم بیرسٹر کے ہاں قیام کروں گا۔ میرے پہنچنے کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے......خطبہ صدارت قریباً تیار ہے۔ لیکن اس کا اردو ترجمہ کرنا اور اسے رسالے کی صورت شائع کرنا میرے بس کا کام نہیں۔[۵۹]

۲۸/ اکتوبر کو عبدالمجید قریشی اقبال سے ملاقات کرنے آئے۔ آپ نے قریشی صاحب کو ایک ایسی کتاب لکھنے کا مشورہ دیا جس میں ان لوگوں کا ذکر ہو جو اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ نیز ان سے وہ وجوہ دریافت کر کے جمع کی جائیں جن کی بنا پر انھوں نے اسلام قبول کیا؟ اس موقع پر اقبال نے قریشی صاحب کو دو واقعات سنائے۔ یہ لاہور کے انگریزی اخبار مسلم آؤٹ لک کے انگریز ایڈیٹر، داؤد آپسن اور لیڈی بارنس کے قبول اسلام کے متعلق تھے۔ اگلے روز پھر قریشی صاحب آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ اس بار آپ نے ان سے ایک سب جج کی ہندو بیوہ اور ایک دولت مند کاروباری ہندو کے مولانا اصغر علی روحی کے ہاتھوں قبول اسلام کے واقعات سنائے۔[۶۰]

۸/ نومبر کو اقبال نے سید نذیر نیازی کے نام خط میں دہلی تحریر فرمایا کہ جامعہ ملیہ مطبع سے ابھی تک بل وصول نہیں ہوا۔ میں آج شام ایک روز کے لیے مراد آباد جا رہا ہوں۔ سوموار کی صبح واپس آجاؤں گا۔[۶۱]

۹/ نومبر کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں اقبال کا استعفیٰ پیش ہوا۔ اس موقع پر خان بہادر شیخ عبدالقادر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایسے معزز اصحاب کا رکن رہنا انجمن اور ہمارے لیے باعث مسرت ہے، ہم ان کو جدا نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد ارکان نے اقبال کو انجمن کا تاحیات صدر منتخب کر لیا۔[۶۲]

۱۲/ نومبر کو لندن میں پہلی گول میز کانفرنس شروع ہوئی۔ اس میں کانگریس شریک نہیں تھی۔ مسلمانوں کے سولہ نمائندے شریک ہوئے۔ ان میں محمد علی جناح، مولانا محمد علی جوہر، آغا خان سر محمد شفیع اور بنگال کے فضل الحق شامل تھے۔ اقبال کو مسلم نمائندوں میں شریک نہیں کیا گیا۔[۶۳]

۱۵/ نومبر کو آپ نے سر آغا خان کے نام بذریعہ تار یہ پیغام لندن روانہ فرمایا کہ مسلمانانِ پنجاب کی رائے عامہ دہلی مسلم کانفرنس کی منظور کردہ قراردادوں پر عمل چاہتی ہے۔ ان میں ردوبدل کرنا اس کے لیے ناقابلِ برداشت اب بھی ہوگا۔ اگر کوئی ردوبدل کیا گیا تو اسے مسلم

مندوبین پر اعتماد نہیں رہے گا۔ اگر ہندو مسلم مطالبات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تو مسلمان کانفرنس کو چھوڑ کر چلے آئیں۔[۶۴]

بہ تاریخ ۱۹ رنومبر اقبال نے جامعہ بک ڈپو کے حامد علی خان کو جواب میں لکھا کہ وہ بل بھیج دیں۔[۶۵]

اگلے روز نیازی صاحب کو بذریعہ خط تاکید کی کہ آپ مجیب صاحب کے کہنے پر عمل کیجیے۔[۶۶]

۲۲ رنومبر کو غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کے نام مکتوب میں لکھا کہ کل کے اجلاس میں ضرور آیئے گا۔[۶۷]

۲۳ رنومبر کو برکت علی محمڈن ہال لاہور میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں اقبال کے علاوہ دوسرے مسلم اکابرین بھی شریک تھے۔ یہ اپر انڈیا مسلم کانفرنس آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ آپ نے اس اجتماع کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا:

حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے شمالی ہند کے مسلمانوں کی خاص کانفرنس کا انعقاد ضروری ہے۔ اس میں صوبہ سرحد، بلوچستان، پنجاب اور سندھ کے نمائندے شریک ہوں۔ اس میں پھر ان صوبوں کے مسلمانوں کو اسلامی حقوق کے حصول کے لیے منظم اور ان میں جوشِ عمل پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں''۔[۶۸]

اسی روز انقلاب لاہور میں اقبال کا وہ بیان شائع ہوا جو آپ نے مسلم آؤٹ لک کے نمائندے کو دیا تھا کہ:

پنجاب اور دیگر صوبوں کے مسلمان جداگانہ انتخاب پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ نواب محمد اسمٰعیل خان نے سر آغا خان کو تار دیا ہے کہ مسلمان کسی حالت میں بھی جداگانہ انتخاب ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پنجاب اور دوسرے صوبوں سے بھی اسی قسم کے برقی پیغامات آغا خان اور دوسرے مسلم مندوبین کے نام بھیجے جا چکے ہیں۔[۶۹]

ماہ نومبر میں آپ نے مدیرانِ انقلاب، مہر و سالک، مدیر سیاست، سید حبیب اور مدیر مسلم آؤٹ لک کو بلوایا اور ان سے انڈیا کانفرنس سے متعلق تبادلۂ خیال فرمایا۔[۷۰]

۴ ردسمبر کو آپ کی رہائش گاہ، میکلوڈ روڈ پر مجلس استقبالیہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں روزنامہ سیاست کے مدیر سید حبیب کانفرنس کے سیکریٹری منتخب ہوئے۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر میں زیرِ صدارت سر محمد اقبال ہونے والا ہے۔ لہٰذا طے پایا اپر انڈیا مسلم کانفرنس دسمبر کے بجائے جنوری کے آخری ہفتے لاہور میں منعقد کی جائے۔[۷۱]

سید نذیر نیازی نے بذریعہ خط آپ کو مولانا اسلم جیراج پوری کے ایک مشورے سے مطلع کیا جو انھوں نے خطبات کے ترجمہ کے سلسلہ میں دیا تھا۔ اقبال نے نیازی صاحب کو بہ تاریخ ۴ر دسمبر جواب دیا کہ مولانا اسلم کا ارشاد بجا ہے۔ مگر اس آیت (اللہ نور السمٰوات......) کو تاریخی نقطہ نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ اس آیت کا مقصود یہ نہیں کہ خدا مادی معنی میں نور ہے...... معلوم ہوتا ہے، تیسرے خطبے میں جو کچھ آیت مذکورہ میں لکھا ہے، آپ کو وہ صحیح طرح سمجھ میں نہیں آیا ورنہ مولانا اسلم اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔[۲۷]

۱۱ر دسمبر کو نیازی صاحب کے نام ایک اور خط میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ میں نے لفظ نور کے وہی معنی لیے ہیں جن میں یہ لفظ عام طور پر لیا جاتا ہے...... ایک اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ تمام حوادث پہلے سے متعین ہوتے ہیں۔ میرے لیکچروں کا مشکل ترین حصہ غالبًا یہی بحث ہے۔[۳۷]

۱۹ر دسمبر کو انقلاب میں شمال مغربی سرحدی صوبہ، پنجاب، بلوچستان و سندھ کے مقتدر مسلم رہنماؤں کے نام پر انڈیا مسلم کانفرنس کے متعلق علامہ محمد اقبال اور دیگر ارکان استقبالیہ نے درج ذیل اپیل شائع کرائی:

> ہندوستان کا نظام حکومت وفاقی ہونا چاہیے۔ پنجاب و بنگال کی مسلم اکثریتیں قائم رہیں۔ بلوچستان، سرحد اور سندھ کے مسلمان صوبوں کو مکمل اصلاحات ملنی چاہئیں۔ وزارتوں اور ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ بروئے دستور اساسی محفوظ کر دیا جائے...... تعلیم اسلام اور مسلمانوں کا انفرادی قانون غیر مسلم دسترس سے بروئے دستور اساسی محفوظ کر دیا جائے غیر مصرحہ اختیارات صوبہ جات کے قبضہ میں ہی رہنے چاہئیں اور مرکز کی مجالس آئین ساز اور وزارت میں مسلمانوں کا حصہ ایک تہائی ہو...... یہ ان مطالبات کا مختصر خلاصہ ہے جو مسٹر جناح کے چودہ نکات یا دہلی کی اس مشہور قرارداد کے نام سے معروف ہیں۔[۴۷]

انجمن حمایت اسلام لاہور نے اپنے سالانہ اجلاس کے لیے حضور نظام حیدر آباد دکن کو مدعو کیا تھا۔ لیکن نواب صاحب نے بعض ناگزیر مجبوریوں کے باعث لاہور آنے سے معذرت کر لی۔ اس کے بعد علامہ اقبال نے نواب صادق علی خان، والی ریاست بہاول پور کو لاہور آنے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی۔ چنانچہ انجمن کا چھیالیسواں سالانہ جلسہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر کو لاہور میں منعقد ہوا۔ جلسے میں ریاست خیر پور سندھ کے نواب صاحب اور نواب صاحب ڈھاکہ بھی شریک ہوئے۔ ۲۷ر دسمبر کے اجلاس کی صدارت نواب صاحب بہاول پور نے فرمائی۔ علامہ محمد اقبال

کے خطبے سے قبل جسٹس سر شیخ عبدالقادر، جج ہائی کورٹ نے ارکان انجمن اور مسلمانانِ لاہور کی طرف سے تینوں نواب صاحبان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد علامہ صاحب نے انجمن کی طرف سے نواب صاحب بہاولپور کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا:

حضور کا ورود مسعود مسلمانانِ پنجاب کے لیے انتہائی فخر و مباہات کا سرمایہ ہے۔ لاہور شاداں ہے کہ آج اسے شمالی ہند کے سب سے بڑے اسلامی فرمانروا کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے کہ علوم وفنون نے عباسیوں کے ظلِ عاطفت میں جنم لیا۔ انجمن حمایت اسلام علم وفن کی انھی فقید المثال روایات کو زندہ رکھنے کے لیے کوشاں ہے۔ آج اس کے ارکان کی تعداد چار ہزار پہنچ چکی ہے۔ اس کے مختلف علمی اداروں میں پانچ ہزار لڑکے اور لڑکیاں علم کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ اس کا ایک عظیم الشان کالج ہے۔ چار ہائی اسکول، دو مڈل اسکول، ایک زنانہ مڈل اسکول، چھ زنانہ مدارس، ایک طبیہ کالج اور ایک مردانہ اور ایک زنانہ یتیم خانہ ہیں۔ یہ اخبار انجمن حمایت اسلام بھی شائع کرتی ہے۔ اس وقت انجمن کا خرچ کم وبیش چھ لاکھ روپے سالانہ ہے۔ حضور پرنور کے دودمان عالی کا ابر لطف وکرم شروع ہی سے انجمن کی خشک کھیتی کے لیے سیرابی کا خاص سرچشمہ بنا رہا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں دولت عالیہ اسلامیہ بہاول پور کی طرف سے انجمن کو پچھتر ہزار روپیہ کی خطیر رقم مرحمت فرمائی گئی۔ آج کالج کی شاندار عمارت کا پورا ایک بازو ''بہاول پور ونگ'' کہلاتا ہے۔ اسی سال مستقل سالانہ عطیے کی رقم میں بھی فیاضانہ اضافہ فرمایا گیا۔ اس کے علاوہ کالج کے ایک ہوسٹل کی تعمیر کے لیے تیس ہزار روپے کی مزید رقم عطا فرمائی گئی۔ اس وقت بھی ہر سال دو ہزار روپے انجمن کو مل رہے ہیں۔''

نواب صاحب نے اس موقع پر انجمن کو پچیس ہزار روپے کا گراں قدر عطیہ عنایت فرمایا۔ نواب صاحب ڈھاکہ کی تقریر کے بعد خان بہادر جسٹس مرزا مظفر علی صاحب، ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ نے تحریک صدارت کی تائید فرمائی۔ اعلیٰ حضرت کرسی صدارت پر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد علامہ محمد اقبال نے ایک غریب مسلمان کی طرف سے ایک مصلیٰ اور مسلمانان لاہور کی طرف سے قرآن پاک ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد علامہ صاحب نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔[۵۷]

۲۸ر دسمبر کو مسلم لیگ کے جلسہ میں شرکت کرنے کی غرض سے اقبال بذریعہ ریل گاڑی روانہ ہوئے۔ ۲۹ر دسمبر کی صبح الہ آباد پہنچے۔ اسٹیشن پر میزبان نواب سر محمد یوسف اور چند دوسرے مسلم لیگی آپ کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے۔ اس موقع پر لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم آپ کو دیکھنے کی خاطر جمع ہو گیا۔ آپ کو ایک جلوس کی شکل اسٹیشن سے نواب سر محمد یوسف کی کوٹھی لے

جایا گیا۔ الہ آباد میں جلسے عموماً میو ہال میں ہوا کرتے تھے، لیکن لیگ کا اجلاس کالیون ہسپتال کے بالمقابل واقع مسلمانوں کے محلّہ یاقوت گنج میں دوازدہ منزل میں منعقد ہوا۔ اس عمارت کے مالک تمبا کو کے ایک تاجر، شیخ رحیم بخش تھے۔ اقبال نواب سر محمد یوسف کے ساتھ موٹر کار میں بیٹھ کر جلسہ گاہ تشریف لائے۔ جلسے میں لیگ کے صرف چند نمائندے شریک تھے۔ حاضرین کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ البتہ نوجوان زیادہ تعداد میں شریک ہوئے۔ اجلاس کی صدارت اقبال نے فرمائی۔ نہایت خاموشی سے جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد آپ نے انگریزی میں ایک طویل خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا:

> میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ایک ایسے وقت مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کا اعزاز بخشا جب مسلمانانِ ہندوستان کی سیاسی زندگی نے نہایت ہی نازک صورت اختیار کر لی ہے...... میں نے اس امر سے متعلق ایک خاص بصیرت پالی ہے کہ عالم گیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہے۔
>
> ...... مجھے یہ اعلان کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ اگر فرقہ وارانہ امور کے ایک مشکل اور پائیدار تصفیے کے سلسلے میں اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانانِ ہندوستان کو اپنی روایات وتمدن کے تحت اس ملک میں آزادانہ نشوونما کا حق حاصل ہے، تو وہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ میں دوسری اقوام کے رسوم وقوانین اور ان کے معاشرتی اور مذہبی اداروں کی دل سے عزت کرتا ہوں...... آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا یہ نصب العین ہے کہ مختلف اقوام کا وجود خراب کیے بغیر ان سے ایک موافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے...... میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے، خواہ اس کے باہر، مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر اپنی ایک منظّم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی...... ان اضلاع کی علیحدگی سے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اگر ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر لی جائے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۴ فیصد ہے۔ لیکن ہندوستان کی پوری فوج میں ان کا حصہ ۵۴ فیصد ہے...... میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظّم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس طرح ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا...... ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان کے لیے از بس ضروری ہے کہ وہ خشکی کے بجائے اپنی بحری سرحدوں کی

زیادہ حفاظت کرے...... ہمارا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل کے مستقل تصفیے کے لیے برطانوی ہندوستان میں صوبوں کی تقسیم از سرِ نو کی جائے...... سائمن کمیشن نے مسلمانوں کے ساتھ ایک بہت بڑی ناانصافی کی ہے، وہ یہ کہ انھوں نے بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کے لیے آئینی اکثریت کی سفارش نہیں کی...... سندھ اور بلوچستان کو باہم ملا کر ایک نیا صوبہ قائم کر دینا چاہیے۔ احاطہ بمبئی اور سندھ میں کوئی چیز بھی تو مشترک نہیں ہے۔.................. شمال مغربی سرحدی صوبے کے سلسلے میں یہ امر نہایت افسوسناک ہے ارکان کمیشن نے عملاً اس امر سے انکار کر دیا، اس صوبے کے باشندوں کو بھی اصلاحات کا حق حاصل ہے۔ حکومت ہند نے بھی اپنی یادداشت میں صوبہ سرحد کے لیے جن اصلاحات کی سفارش کی، وہ ناکافی ہیں...... اس وقت مسلمانانِ ہند کو کامل تنظیم اور عزائم و مقاصد کے سلسلے میں اتحاد کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملی وجود کی بقا اور ہندوستان کا مفاد صرف ایک اسی امر سے وابستہ ہے۔ ہندوستان کی سیاسی غلامی تمام ایشیا کے لیے لامتناہی مصائب کا سرچشمہ ہے...... میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے کہ صرف اسلام تھا جس نے آڑے وقت میں مسلمانوں کو تھامے رکھا، اُسے خود بچاؤ کی ضرورت نہیں پڑی۔[۷۶]

خطبہ چونکہ انگریزی میں تھا، اس لیے غالباً چند لوگ ہی اسے سمجھ سکے۔ اسی لیے خطبے میں پیش کردہ تجویز کی حمایت میں کوئی قرارداد منظور نہ ہوئی۔ مقامی اخباروں نے بھی خطبے کی تفصیل شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

اقبال نے دو دن الٰہ آباد میں قیام فرمایا۔ آپ ظہور احمد بیرسٹر کے ساتھ پیدل بازاروں میں گھومتے رہے۔ دکاندار اور عام لوگ بڑھ بڑھ کر آپ سے ملتے اور مصافحہ کرتے۔ ایک دن الٰہ آباد کے رہائشی مفتی فخر الاسلام آپ کو پرانا کالا ڈنڈا کے قبرستان لے گئے جہاں آپ نے اکبر الٰہ آبادی کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔

۳۱ر دسمبر کو لاہور واپس جانا تھا۔ الٰہ آباد ریلوے اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ پنجاب ریل دیر سے آئے گی۔ پلیٹ فارم پر شاعر ریاض الٰہ آبادی نے بڑھ کر آپ کو سلام کیا اور تعارف کرا کر آپ کے ایک شعر کی تشریح پوچھی۔ فرسٹ کلاس کی انتظار گاہ میں اقبال نے لے جا کر انھیں شعر کا مطلب سمجھایا۔[۷۷]

اس سال فتنہ ارتداد کے پیش نظر انجمن حمایت اسلام نے لاہور میں اشاعت اسلام کالج قائم کر دیا۔ اس میں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مذہبی اور دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کالج کے پرنسپل پروفیسر یوسف سلیم چشتی مقرر ہوئے۔ چشتی صاحب نے خطبہ الٰہ آباد اشاعت اسلام کالج

کے نصاب میں شامل کر دیا۔ اقبال کے سامنے اس کا بہت ذکر آیا تو آپ نے فرمایا:

یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ مگر اس کا ابتدائی حصہ مستقل نوعیت [Permanent Value] کی چیز ہے۔ اسے بہت غور سے پڑھو تاکہ طلبہ کو بھی سمجھا سکو۔

چشتی صاحب نے موقع غنیمت جان کر درخواست کی کہ خطبے کا ابتدائی حصہ مجھے سمجھا دیجیے تاکہ میں آپ کے مفہوم سے کما حقہ واقف ہو سکوں۔ آپ نے ان کی استدعا قبول فرمالی اور اگلے سال پڑھانے کا وعدہ کیا۔[۸]

آپ نے اپنے دی ریکنسٹرکشن آف ریلجس تھاٹ ان اسلام کے اعزازی نسخے مختلف غیر ملکی احباب کو بھجوائے تھے۔ ان میں سے ۴ر جون کو ایس ہرگرونج (C. S Hurgronje)، بہ تاریخ ۵ر اگست اے جے وینسک A. J. Wensik اور ۱۵ر اکتوبر کو جے ہیل J. Hell نے بذریعہ خطوط کتاب بھجوانے پر آپ کا شکریہ ادا کیا۔[۸-a]

گزشتہ برس اقبال نے مدراس میں خطبے دیے تھے۔ اب پنجاب کے شیخ عبدالقادر، ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور مولانا غلام رسول مہر نے آپ سے استدعا کی کہ لاہور میں بھی وہ خطبے دیجیے۔ چنانچہ اسلامیہ کالج لاہور کے ہال میں خطبات دینے کا آغاز ہوا۔ خطبات سننے والوں میں سر شیخ عبدالقادر، مولانا ظفر علی خان، غلام رسول مہر، سید احمد شاہ بخاری، انقلاب کے مدیر مولانا عبدالمجید سالک، پروفیسر مولانا علم الدین سالک، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، مولانا چراغ حسن حسرت، ڈاکٹر صدر الدین، اسلامیہ کالج کے پروفیسر خواجہ دل محمد، شیخ عبدالقادر اسلامیہ کالج، مولانا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج اور گورنمنٹ کالج کے قاضی فضل حق شامل تھے۔ وکلا اور کالج کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے بھی یہ خطبات سنے۔ ہر خطبہ ۳ سے ۴ گھنٹے تک جاری رہتا۔ زبان بڑی پیچیدہ تھی۔ اس لیے بہت کم لوگ انھیں سمجھ سکے۔ پہلے خطبہ کی صدارت سر عبدالقادر نے فرمائی اور مولانا ظفر علی خان اور سید احمد شاہ پطرس بخاری کو خطبے کے اہم نکات نوٹ کرنے کا کہا تاکہ وہ بعد میں حاضرین کو عام فہم زبان میں سمجھا سکیں۔ جب خطبہ ختم ہوا، تو مولانا ظفر علی خان مائیک پر آئے اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ یہ خطبہ میرے ناقص فہم سے بہت بلند تھا، لہٰذا اس کے ترجمے سے معذرت چاہتا ہوں۔ پھر پطرس اٹھے اور کہنے لگے: ''اس میں مشکل کون سی چیز تھی؟ سر اقبال نے اپنا خطبہ لیڈیز اینڈ جینٹل مین سے شروع کیا تھا جس کا ترجمہ ہے: خواتین و حضرات۔ باقی رہا خطبہ تو اس کا مفہوم آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے السلام علیکم''۔ یہ کہہ کر پطرس بیٹھ گئے اور

ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔[۷۹]

سال رواں میں پنجاب لٹریری لیگ قائم ہوئی۔اس انجمن کے مقاصد تھے...... اہلِ قلم حضرات کی تنظیم کی جائے۔تاریخ اورادب پر مشاہیر سے لیکچر کرائے جائیں اورایک دارالمطالعہ قائم کیا جائے۔لیگ کا ایک ماہوار رسالہ پنجاب لٹریری ریویو کے نام سے بھی جاری ہونے والا تھا۔اس سلسلے میں پنجاب کے تمام اکابر نے لیگ کی سرپرستی کرنے کی ہامی بھرلی۔ان میں اقبال بھی شامل تھے۔آپ نے لیگ کے تحت ایک لیکچر بھی دیا۔لیگ کے سیکریٹری ڈی آر چودھری بیڈن،روڈ لاہور تھے۔[۸۰]

ثاقب کانپوری نے اپنا مجموعہ کلام بغرض رائے اقبال کی خدمت میں بھجوایا۔آپ نے جواب میں لکھا کہ آپ کے ایک شعر نے مجھے تڑپا دیا......خدا آپ کو جزائے خیر دے۔[۸۱]

اس سال اقبال کو ۱۶۸۹۴ روپے آمدن ہوئی۔اس پر آپ نے ۱۴۰۷ روپے ٹیکس ادا کیا۔[۸۲]

❋......❋......❋

حواشی

۱- مکتوبات اقبال،مرتبہ:سید نذیر نیازی،ص۲۱

۲- روح مکاتیب اقبال،ص۳۹۵

۳- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۸۰

۴- اوراق گم گشتہ،ص۵۲

۵- اقبال- جہان دیگر،ص۳۱

۶- ایضاً،ص۳۳

۷- مفکر پاکستان،ص۲۶۲

۸- زندہ رود،ص۳۲۹

۹- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۸۰

۱۰- مکاتیب اقبال،ص۳۹۶

11 - *Speeches, Writings & Statements of Iqbal*, p. 71.

۱۲- روح مکاتیب اقبال،ص۳۹۶

۱۳- اقبال اور انجمن حمایت اسلام،ص۱۸۰

۱۴- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ۴۴۲
۱۵- مکتوبات اقبال بنام نیازی، ص۲۲
۱۶- مکاتب اقبال بنام گرامی، ص۲۵۲
۱۷- ایضاً، ص۲۵۲
۱۸- زندہ رود، ص۳۶۹
۱۹- مکتوبات اقبال، ص۲۳۔۲۴
۲۰- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص۳۱۷
۲۱- روح مکاتیب اقبال، ص۳۹۸
۲۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۲۵۳
۲۳- روح مکاتیب اقبال، ص۳۹۸
۲۴- ایضاً، ص۳۹۹؛ مکتوبات اقبال، ص۲۴۔۲۵۔۷۸۔۲۴۲
۲۵- روح مکاتیب اقبال، ص۳۹۹
۲۶- انوار اقبال، دوم، ص۳۷۳۔۳۷۴
۲۷- روح مکاتیب اقبال، ص۴۰۱
۲۸- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص۲۵۔۲۶
۲۹- ملفوظات اقبال، ص۲۵۰
۳۰- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص۲۵
۳۱- گفتار اقبال، ص۱۰۶۔۱۰۹
۳۲- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص۲۵۳۔۲۵۴
۳۲b- اقبال- جہان دیگر، ص۳۵
۳۳- زندہ رود، ص۳۴۰
۳۴- دانائے راز، ص۱۲۳۔۱۲۴
۳۵- انوار اقبال، ص۲۰۵
۳۶- روح مکاتیب اقبال، ص۴۰۲
۳۷- انوار اقبال، ص۲۰۴
۳۸- ایضاً، ص۴۱
۳۹- مکتوبات اقبال، ص۲۷
۴۰- روح مکاتیب اقبال، ص۴۰۳
۴۱- مکتوبات اقبال، ص۲۸۔۲۹

۴۲- انوار اقبال، دوم، ص ۳۷۸
۴۳- ایضاً، ص ۳۷۸
۴۴- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص ۳۰
۴۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۲۵۵-۲۵۶
۴۶- مظلوم اقبال، ص ۳۴
۴۷- زندہ رود، ص ۳۳۴
۴۸- انوار اقبال، ص ۹۴
۴۹- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۰۸
۵۰- روز گار فقیر، جلد اول، ص ۵۹
۵۱- زندہ رود، ص ۵۷۶
۵۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۸۰
۵۳- مظلوم اقبال، ص ۷۴-۷۵-۷۹-۸۰
۵۴- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۲۰
۵۵- ایضاً، ص ۱۲۰
۵۶- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۰۹
۵۷- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص ۳۶
۵۸- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۱۰
۵۹- ایضاً، ص ۴۱۲
۶۰- اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۴، ص ۲۵۱-۲۵۹
۶۱- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص ۳۷
۶۲- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۸۰
۶۳- زندہ رود، ص ۳۲۴
۶۴- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۲۰۵
۶۵- ایضاً، ص ۲۰۹
۶۶- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص ۳۸-۳۹
۶۷- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۱۴
۶۸- گفتار اقبال، ص ۱۱۱-۱۱۲
۶۹- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۲۰۶
۷۰- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۱۴

۷۱- گفتار اقبال، ص۱۱۲ـ۱۱۳
۷۲- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص۴۰ـ۴۱
۷۳- ایضاً، ص۴۳ـ۴۵
۷۴- گفتار اقبال، ص۱۱۲ـ۱۱۳
۷۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۱۲۱ـ۱۲۶
۷۶- زندہ رود، ص۳۹۰ـ۳۹۱
۷۷- زندہ رود، ص۳۹۱
۷۸- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۳۳؛ روز گار فقیر، جلد اول، ۱۸۱
۷۹- اوراق گم گشتہ، ص۱۹۱ـ۱۹۲
۸۰- ادبی دنیا، اکتوبر ۱۹۳۰، ص۶۹۹
۸۱- انوار اقبال، ص۵
۸۲- زندہ رود، ص۵۴۳

۱۹۳۱ء......گول میز کانفرنس، لندن

پہلی گول میز کانفرنس کی اقلیتوں کی سب کمیٹی میں ایک ہندو رہنما ڈاکٹر مونجے بھی شامل تھا۔ اس نے اپنی ایک تقریر میں علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

......وہ (اقبال) ہندوستان میں مسلم لیگ کے صدر ہیں اور مجھے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سخت کوفت ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ (علیحدگی کے) خطوط پر متواتر مطالبات پیش کیے جا رہے ہیں، اس لیے مجھے نہایت تکلیف دہ احساس کے ساتھ ان کی طرف رجوع کرنا پڑا ہے...... میں اپنے مسلم دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جذبات کی رو میں نہ بہہ جائیں۔ ہم سب لوگ ہندوستان کے باشندے ہیں، ہمارے اور تمھارے خون اور ہڈیوں میں کوئی فرق نہیں۔ ہم سب ایک ہی قوم کی اولاد ہیں۔ ہم تمھارے مذہب، تمدن اور نسل کی ترقی کے لیے ہر وہ تحفظ دینے کو تیار ہیں جس کا تم مطالبہ کرتے ہو۔ میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ جرأت اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو ہندستان کی قومیت متحدہ میں مستغرق کر دو......

سر محمد شفیع نے سب کمیٹی کے اجلاس منعقدہ یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو ڈاکٹر مونجے کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اقبال کی تجویز میں کوئی بُری بات دکھائی نہیں دیتی اور میں بذاتِ خود کمیٹی کے سامنے یہی تجویز دہرانے کو تیار ہوں۔ یعنی ہر صوبائی وحدت کی ایک ریاست بنا دی جائے۔ اگر انھوں نے (اقبال نے) یہ کہا ہے تو اس میں قابلِ اعتراض بات کوئی نہیں اور نہ اس پر اعتراض کرنے کی ضرورت تھی[۱]

مولانا محمد علی جوہر نے شدید بیماری کے باوجود پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت فرمائی تھی۔ ۴ر جنوری کو وہ لندن میں وفات پا گئے[۲]

محمد علی جناح حکومت برطانیہ، ہندوؤں اور ہندو یا انگریزوں کے وفادار مسلم نمائندوں کی سازشوں سے اس قدر بیزار ہوئے کہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے لندن ہی میں مقیم ہو گئے۔ انھوں نے وہاں وکالت شروع کر دی[۳]

سید نذیر نیازی نے اقبال سے بذریعہ خط خطبہ الہ آباد کا اردو ترجمہ کرنے کی اجازت طلب

کی۔ساتھ ہی خطبے میں مجوزہ اسلامی ریاست کی وضاحت دریافت کی۔آپ نے انھیں ۱۱رجنوری کو جواب دیتے ہوئے رقم فرمایا کہ اردو ترجمہ شائع کرنے کا خیال اچھا ہے۔مجوزہ اسلامی ریاست ایک نصب العین ہے۔اس میں آبادیوں کے تبادلے کی ضرورت نہیں ہوگی۔اسلامی ریاستوں میں ہندو اقلیت کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔[۴]

۱۸رجنوری کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔اقبال بھی شریک تھے۔[۵]

۱۹رجنوری کو لندن میں پہلی گول میز کانفرنس ختم ہوگئی۔برطانوی وزیر اعظم کے اعلان نے دوسری گول میز کانفرنس میں کانگریس کی شرکت کی راہ ہموار کردی۔[۶]

شہر گجرات پنجاب کے رہائشی،محمد شجاع ناموس ایم ایس سی،فارسی زبان کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ۱۹۳۱ء میں ایران گئے تھے۔ناموس صاحب نے ایران سے اقبال کو ایک خط لکھا جو ۲۰ر جنوری کو موصول ہوا۔آپ نے اسی روز انھیں جواب دیتے ہوئے لکھا کہ بڑی خوشی سے تشریف لائیے۔میں ۴رفروری کو غالباً لاہور ہی میں ہوں گا۔اگر کہیں باہر جانا پڑا تو آپ کو لکھ بھیجوں گا۔منظومات! ہندی فارسی میں ہیں،ایک ایرانی کو کیا پسند آئیں گی؟ میرے زیر نظر حقائق اخلاقی وملی ہیں......جو کچھ شائع ہو چکا،حاضر کردیا جائے گا۔آخری نظم"جاوید نامہ" ہے۔اس کے دو ہزار شعر ہوں گے اور وہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ممکن ہے مارچ تک ختم ہو جائے۔اس کا دیباچہ بہت دل چسپ ہوگا۔اس میں غالباً ہندو ایران بلکہ ساری دنیائے اسلام کے لیے نئی باتیں ہوں گی۔ایرانیوں میں حسین ابنِ منصور حلاج،قرۃ العین،ناصر خسرو علوی وغیرہ کا نظم میں ذکر آئے گا۔[۷]

بعد ازاں اقبال کی حسب خواہش ناموس صاحب نے آپ کو مطلوبہ قلمی نسخہ سر السماء کی عبارت نقل کر کے بھیج دی۔اس کا مطالعہ کرنے سے اقبال کو علم ہوا کہ یہ کتاب آپ کے مطلب کی نہیں۔[۸]

۲۴رجنوری کو مولانا محمد علی جوہر یروشلم میں مسجد اقصیٰ کی چار دیواری کے اندر دفن کیے گئے۔تدفین کے وقت مولانا مرحوم کی بیوہ امجدی بیگم موجود تھیں۔بیگم صاحبہ ہی میت لے کر لندن سے ۱۶رجنوری کو پورٹ سعید کے لیے روانہ ہوئی تھیں۔[۹]

۲۴رجنوری کو حکومت برطانیہ نے پورٹ سعید سے بیت المقدس پہنچا دیا۔[9-a]

انقلاب لاہور نے دو قسطوں میں اقبال کے خطبہ الہ آباد کا اردو ترجمہ شائع کیا۔[۱۰]

ماہ جنوری سے اخبار انقلاب نے خطبے کے حق میں بارہ اداریے تحریر کیے۔ایک اداریہ میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ تقسیم ہند کی تجویز تو دراصل ہندوؤں ہی کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔یہ

تب کی بات ہے جب لالہ لاجپت رائے نے کہا تھا کہ مسلمان شمالی ہند کو اپنا قومی وطن بنالیں اور ہندو یہ علاقے چھوڑ کر وسطی اور جنوبی ہند میں آباد ہو جائیں۔[۱۱]

اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل، یوسف سلیم چشتی اقبال سے خطبہ الٰہ آباد سبقاً سبقاً پڑھنے لگے۔ پڑھنے کے دوران وہ آپ کا ایک ایک لفظ ہمہ تن شوق وتوجہ بن کر سنتے۔[۱۲]

یکم فروری کو ڈاکٹر محمد عباس علی خان لمعہ کے نام مکتوب میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ مسٹر محمد علی مرحوم کا خاتمہ بخیر ہوا۔ اپنے متعلق ان کی پیش گوئی بھی درست ثابت ہوئی۔ مسجد اقصیٰ میں آخری آرام گاہ میسر آنا ان کی بڑی خوش نصیبی ہے۔ اس باعث ان کا درجہ بلند ہو گیا ہے۔[۱۳]

الٰہ آباد یونی ورسٹی میں ایم اے کے ایک طالب علم، نیاز احمد نے خط کے ذریعے آپ سے دریافت کیا کہ تحریکات حاضرہ سے جو عالم تشکیل پائے گا، اس میں اسلام کس قسم کی قوت ہوگا؟

آپ نے ۱۱ر فروری کو انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے سوالات کے مکمل جوابات کے لیے ایک کتاب درکار ہے۔ تاہم آپ میرے خطبات، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کا مطالعہ کریں جو میں نے علی گڑھ اور جنوبی ہندوستان میں دیے تھے۔[۱۴]

خطبہ الٰہ آباد کے بعد پروفیسر یوسف سلیم چشتی گلشن راز جدید بھی آپ سے پڑھنے لگے۔ دو ماہ میں یہ کتاب ختم ہوئی۔ ۶ر مارچ کو انھوں نے اقبال کے سامنے یہ شعر پڑھے:

مرا دل سوخت بر تنہائی او
کنم سامان بزم آرائی او
مثال دانہ می کارم خودی را
برائے او نگہ دارم خودی را

یہ شعر سننے کے بعد اقبال پر یکایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور کئی منٹ تک اشکوں کا سیل رواں تھم نہ سکا۔ جب افاقہ ہوا تو آپ نے پروفیسر چشتی کو مخاطب کر کے فرمایا:

تمھاری جگہ کوئی صاحب دل بیٹھا ہوتا، تو میں بے اختیار تڑپنے لگتا۔[۱۵]

ریاست الور کے ہندو مہاراجا نے اپنی ریاست کے مسلمان طبقہ پر بڑے ظلم ڈھائے تھے۔ دوسری طرف مہاراجا نے ان کی شکایات پر کوئی کان نہ دھرا۔ آخر ریاست کے مسلمانوں نے لاہور کے مسلم اکابرین کو اپنی تکالیف بیان کیں۔ مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس ۲۲ر مارچ کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں طے پایا کہ مسلمانان الور کی شکایات مہاراجا الور تک پہنچانے کے لیے ایک

وفد مولانا شفیع داؤدی کی قیادت میں بھیجا جائے۔[۱۶]

۳۱ مارچ کو اقبال نے سید نذیر نیازی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ میں ان شاء اللہ ۲ اپریل کی شام غالباً گبنٹی میل سے چلوں گا۔ ۳ کی صبح دہلی پہنچ جاؤں گا۔ قرول باغ میں ٹھہرنے کا منصوبہ ہے۔ یوں احباب جامعہ سے ملنے کے زیادہ مواقع میسر آئیں گے۔[۱۷]

مارچ میں گاندھی ارون معاہدے کے تحت انگریزی حکومت نے سول نافرمانی کی تحریک میں گرفتار شدگان کو رہا کرنے کی ہامی بھر لی۔ اس کے بعد کانگریس نے سول نافرمانی کی تحریک ختم کر دی۔[۱۸]

حسب پروگرام اقبال لاہور سے ۲ اپریل کو ریل گاڑی میں سوار ہو کر ۳ اپریل کی صبح دہلی پہنچ گئے۔ آپ نے قرول باغ میں شیخ غلام صابر کے ہاں چار پانچ روز قیام فرمایا۔ دن بھر ملاقاتیوں کا ہجوم رہتا اور دن بھر سیاست سمیت مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ ایک روز سید نذیر نیازی اپنے والد ماجد سید عبدالغنی کے ہمراہ ملاقات کرنے آئے۔ سید عبدالغنی، مولوی سید میر حسن کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان سے اقبال کی ملاقات کو برسوں گزر چکے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے، تو نذیر نیازی ان کے پیچھے کھڑے تھے۔ اقبال سمجھے کہ کوئی اجنبی صاحب ملنے آئے ہیں۔ سید عبدالغنی نے آپ کو ''السلام علیکم کیسا مزاج ہے'' کہتے ہوئے مخاطب کیا۔ آپ آرام دہ کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ جواب میں الحمدللہ، خیریت ہے، کہہ کر ذرا سر اٹھایا تو انھیں پہچان کر یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے ''اور اچھا چچا جان ہیں'' کہتے ہوئے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ اقبال نے پھر خیریت مزاج پوچھی اور اپنے پاس بٹھا کر دیر تک باتیں کرتے رہے، گفتگو میں نذیر نیازی کے بھائی شبیر کی علالت اور علاج و معالجے کی پریشانیوں کا ذکر بھی آتا رہا۔[۱۹]

۱۸ اپریل کو مولوی صالح محمد کے نام مکتوب میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آ رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے مقدم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں۔ وہ ایک ٹرسٹ کی صورت میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدن، ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور اسلام کی دینی اشاعت وغیرہ پر خرچ کیا جانا چاہیے...... خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ وہ نوجوان سجادہ نشینوں کو ایک جگہ جمع کر کے مشورہ کریں کہ کس طرح اس درخت کی حفاظت ممکن ہے جو ان کے بزرگوں کی کوششوں سے پھلا پھولا ہے۔[۲۰]

سید نذیر نیازی نے آپ کو خط لکھ کر بتایا کہ جامعہ ملیہ ان کے خطبات کا ترجمہ خریدنا چاہتی ہے۔ اقبال نے انھیں ۱۴ اپریل کو جواب دیتے ہوئے دریافت فرمایا کہ وہ کس قدر کتب شائع کرنا

چاہتے ہیں اور کتابت وطباعت پر کتنا خرچ آئے گا تاکہ میں کتاب کی قیمت کا اندازہ کرسکوں۔[۲۱]

۲۱/اپریل کو مولانا ظفر علی خان نے طریقۂ انتخاب پر متفقہ فیصلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کے سات رہنماؤں کو خط تحریر کیے اور ان سے درخواست کی کہ وہ یکم مئی کی شام یا ۲ مئی کی صبح لاہور میں ایک اجلاس میں شریک ہوں۔ ان رہنماؤں میں علامہ اقبال بھی تھے۔[۲۲]

مولوی صالح محمد نے اقبال کو جوابی خط میں لکھا کہ اس وقت بیشتر سجادہ نشین جمود کا شکار ہیں۔ ان میں یہ فلاحی کام کرنے کی تڑپ نہیں رہی۔ آپ نے مولوی صاحب کو ۲۲/اپریل کو خط لکھا کہ ان کے جمود کا مجھے بھی احساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس گروہ میں سے نوجوانوں کو انتخاب کیا ہے۔ اب ان کا اور ان کے خانوادوں کا احترام واقتدار اسی بات پر موقوف ہے کہ وہ اس نازک زمانے میں اسلام کی حفاظت کریں۔ فی الحال تجویز یہ ہے کہ ایک قومی فنڈ قائم کیا جائے اس کے بغیر اسلام کے سیاسی ودینی مقاصد کی تکمیل واشاعت کرنی ناممکن ہے...... کتاب جاوید نامہ ختم ہوگئی ہے۔ آج کل میں کاتب کے حوالے کردی جائے گی۔[۲۳]

ادبی دنیا لاہور کے شمارہ اپریل میں رسالے کے مدیر مولانا تاجور نجیب آبادی مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کے ایک شعر:

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تیری انگڑائی کا

کے سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ گلکدہ (حضرت عزیز کے مجموعہ کلام) پر علامہ اقبال نے اظہار رائے فرماتے ہوئے مذکورہ شعر کی بہت داد دی ہے۔ ممکن ہے ان کے ذہن رسا نے اس شعر میں کوئی خاص پیغام پایا ہو جسے متوسط درجے کی سمجھ بوجھ رکھنے والے نہ سمجھ سکیں۔ مگر بظاہر اس شعر میں کوئی خاص بات دکھائی نہیں دیتی۔ میں نے علامہ موصوف سے اس شعر پر داد دینے کی وجہ دریافت فرمائی، تو انھوں نے فرمایا: ''نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی''۔[۲۴]

ماہ اپریل میں فارسی کا شاہکار جاوید نامہ مکمل ہوگیا۔ کتاب شائع کرنے کے سلسلے میں اسے کاتب کے سپرد کردیا گیا۔[۲۵]

۲/مئی کو مسلمانان لاہور کا ایک جلسہ باغ بیرون موچی دروازہ زیر صدارت علامہ اقبال منعقد ہوا۔ جلسے کا مقصد جداگانہ طرز انتخاب اور مسلمانوں کے دوسرے مطالبات کی حمایت کرنا تھا۔ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں جلسے کے اغراض ومقاصد بیان کیے۔ اس کے بعد مقررین نے

تقریریں کیں۔ آخر میں اقبال نے فرمایا:

بعض تقریروں میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد موجود نہیں۔ میرے خیال میں مذہب کی حد تک فروعی اختلافات کسی قدر موجود ہیں لیکن سیاسی اتحاد بہت حد تک موجود ہے۔ مذہبی اختلاف، اختلاف نہیں ہوتا بلکہ مذہب سے دلچسپی اور محبت رکھنے کا ثبوت ہے۔ سیاسیات کے متعلق تمام مسلمانوں میں اتحاد ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ آل انڈیا (مسلم) کانفرنس کی قرارداد اور لکھنو کانفرنس کی قرارداد کی تیرہ دفعات ایک جیسی ہی ہیں۔ ہندوستان میں جتنی اقوام بستی ہیں، وہ سب یہی چاہتی ہیں کہ ان کی خصوصیات باقی رہیں۔ مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں۔ اب مسلم نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ منظّم ہو جائیں۔ انھیں چاہیے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں، ورنہ اُن کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ انقلاب کے شمارہ ۵ رمئی میں اس جلسے کی روداد شائع ہوئی۔[۲۶]

جداگانہ انتخاب اور مخلوط انتخاب کے مسئلے میں مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے نواب بھوپال نے ۱۰ رمئی کو دونوں طریقوں کے حامی مسلمانوں کی کانفرنس بھوپال میں بلالی۔[۲۷]

۷ رمئی کو نیازی کا خط اقبال کے نام موصول ہوا۔ اسی روز آپ نے انھیں جواب میں لکھا کہ میں پرسوں بھوپال جا رہا ہوں۔ دو چار روز وہاں قیام رہے گا۔[۲۷-b]

۹ رمئی کو اقبال بھوپال کے لیے روانہ ہو گئے۔ غلام رسول مہر آپ کے ہمراہ تھے۔ نواب بھوپال، حمید اللہ خان صاحب کے ذاتی عملے میں سے ایک ندیم خاص، اقبال حسین نے بھوپال اسٹیشن پر علامہ کا استقبال کیا۔ آپ جب گاڑی سے اترے تو اقبال حسین نے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اپنا نام اور عہدہ بتایا۔ علامہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''خوب''۔ ندیم خاص انھیں لے کر قصر راحت منزل احمد آباد روانہ ہو گئے۔ کار میں سفر کرتے ہوئے راستے میں اقبال بھوپال کی بابت مختلف معلومات دریافت کرتے رہے۔ دوران گفتگو اقبال نے فرمایا: ''بھئی ہمارے خیال سے تو کشمیر، نواب صاحب بھوپال کو دے دیا جائے اور بھوپال مہاراجا کشمیر کو کیوں کہ وہاں مسلمانوں کی کثرت ہے اور یہاں ہندوؤں کی''۔

قصر راحت منزل پہنچ کر تھوڑی دیر مہمانوں نے اپنے اپنے کمروں میں آرام کیا۔ آٹھ بجے ناشتہ ہوا۔ ناشتے کے دوران علامہ، میزبان اقبال حسین سے گفتگو کرتے رہے۔ دوران گفتگو پوچھا: ''آپ کو کچھ شعر و شاعری سے بھی دل چسپی ہے''۔ اقبال حسین نے جواب دیا ''اتنی دل چسپی ضرور ہے کہ کبھی کبھی تک بندی کر لیتا ہوں ورنہ باقاعدہ شاعر نہیں ہوں اور نہ میرا کوئی استاد

ہے''۔ اقبال نے فرمایا: ''استاد تو ہمارا بھی کوئی نہیں۔ نالہ پابند نے نہیں ہے۔ اپنی کوئی غزل سناؤ''۔ اقبال حسین نے چھوٹی بحر کی ایک غزل پیش کی:

دل بنا، دل کا ایک راز بنا
سامنے اک رہ نیاز بنا
کر کے اقبال سمت منزل گم
عشق کی راہ کچھ دراز بنا

یہ سن کر اقبال نے فرمایا: واہ بھائی! کچھ اور سناؤ۔ اقبال حسین نے ایک اور غزل پیش کی۔ اس کے ایک شعر پر اقبال نے بڑی تعریف کی:

کسی کی مست انکھڑیوں میں واعظ
جھلک تلطف کی میں نے پائی

اسی دن گیارہ بجے نواب حمید اللہ خان صاحب سے ملاقات کا وقت طے تھا۔ اقبال حسین آپ کو وقت مقررہ پر قصر راحت منزل سے قصر سلطانی لے گئے۔ مسلمانان ہند کے دونوں بڑے رہنماؤں کے مابین ایک گھنٹے تک ملاقات جاری رہی۔ واپسی پر اقبال نے کہا: ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ ہندوستان کا ایک والی ریاست ایسا عالی دماغ بھی ہوسکتا ہے۔ نواب صاحب قوم و ملک کی قابل فخر ہستی ہیں''۔

بھوپال کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں چیدہ چیدہ یہ رہنما شامل تھے۔ ڈاکٹر انصاری، نواب محمد اسمٰعیل خان، شعیب قریشی اور نواب صاحب حمید اللہ خان۔ ۱۰ مئی کو نواب صاحب کی صدارت میں کانفرنس شروع ہوئی۔ واپسی پر ۱۲ مئی کو علامہ محمد اقبال، سر محمد شفیع، مولانا شوکت علی اور مسٹر شروانی نے یہ بیان اخبارات میں دیا:

> ہم ۱۰ مئی کو بھوپال میں ایک غیر رسمی جلسے میں جمع ہوئے تاکہ وہ اختلافات مٹا سکیں جن کی بنا پر مسلمان اس وقت دو سیاسی طبقوں میں تقسیم ہیں۔ ہم خوشی سے بیان کرتے ہیں کہ طرفین کے درمیان انتہائی خوش گوار اور دوستانہ جذبات میں گفتگو ہوتی رہی۔ جون کا پہلا ہفتہ گفت و شنید کے تجربے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

بھوپال میں اقبال بیمار ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے علاج کرایا۔[۲۸]

۱۳ مئی لاہور مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے مسلمان طلبہ کا ایک مسئلہ حل طلب کے سلسلے میں پرنسپل کیپٹن وٹیکر سے ملاقات کرنے گئے۔ طلبہ سے گفتگو کرتے ہوئے انگریز پرنسپل نے مسلمانوں

کے خلاف بہت باتیں کہیں اور کہا کہ وہ مسلمان قوم کے خلاف ہے اور ان سے لڑنے کے لیے تیار ہے۔ تب مسلمان طلبہ پریشانی کے عالم میں اخباروں کے دفاتر گئے اور بعد ازاں اقبال کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔[۲۹]

۱۳ رمئی کو آپ اور نواب محمد اسمٰعیل خان بھوپال سے روانہ ہو گئے۔ دہلی ریلوے اسٹیشن پر اخبار اسٹیٹس مین کے نمائندے کو آپ نے ایک انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ بھوپال کانفرنس کے متعلق اخبارات میں جو اطلاعات شائع ہوئی ہیں، وہ اصول اساسی کے اعتبار سے درست ہیں...... ہم دہلی قراردادوں کے موجد تھے لیکن ہم مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو کر متضاد مقاصد کی خاطر جدوجہد نہیں کر رہے۔ دونوں فریقوں میں تھوڑا بہت اختلاف رائے ہے...... ہمیں امید ہے کہ جب جون کے پہلے ہفتے میں کانفرنس کا اجلاس دوبارہ ہوگا تو تب تک کوئی ایسا اصول تیار ہو جائے گا، جو سب مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہو۔ تب موجودہ خفیف اختلاف بھی معدوم ہو جائے گا۔[۳۰]

۱۴ رمئی کو صبح اقبال لاہور پہنچے۔ اسی روز آپ نے مولوی صالح محمد کو خط کا جوب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ نواب صاحب کی دعوت پر میں اس واسطے بھوپال گیا تھا تا کہ مسلمانوں کے سیاسی اختلافات دور کرنے کی کوشش کر کے انھیں ایک مرکز پر متحد کر دیا جائے...... یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ پاک پٹن شریف حاضر ہو سکوں گا۔[۳۱]

۱۵ رمئی کو بھوپال کانفرنس کے سلسلے میں اقبال نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے ایک پیغام سے متعلق ایک وضاحتی بیان دیا کہ کانفرنس میں عارضی میثاق قسم کی کوئی خبر حاضرین جلسے کے خیال میں بھی نہیں آئی۔ اس جلسے میں صرف یہی کارروائی ہوئی کہ نام نہاد نیشنلسٹوں کو آل انڈیا کانفرنس کے فیصلوں کے قریب تر لانے کے لیے بعض تجاویز پیش کی گئیں تا کہ یہ لوگ پھر مسلم قوم میں شامل ہونے کے قابل ہو سکیں۔ کانفرنس نے جداگانہ انتخابات کا طریقہ بدستور بحال رکھنے کا ایسا فیصلہ صادر کیا ہے جس میں کسی قسم کے مغالطے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔[۳۲]

دہلی ریلوے اسٹیشن پر آپ کا دیا ہوا بیان انقلاب کی اشاعت ۱۷ رمئی میں شائع ہوا۔[۳۳]

سید نذیر نیازی نے اقبال کے خطابات کا اردو ترجمہ مکمل کر لیا۔ جامعہ ملیہ نے اردو ترجمہ کی اشاعت میں دلچسپی ظاہر کر دی۔ ۲۰ رمئی کو اقبال نے سید نذیر نیازی کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ کتاب کے متعلق بہت سے لوگ استفسار کر رہے ہیں۔ اس کی اشاعت میں جلدی کی جائے۔ جامعہ والے کیا چاہتے

ہیں؟ بات نہ بنے، تو مسودہ مجھے بھیج دیں کہ میں اسے لکھوانے کا انتظام کروں۔

یہ خط آپ نے حوالے ڈاک کیا ہی تھا کہ بعد میں آپ کو نیازی صاحب کا خط ملا۔ اس میں انھوں نے اپنے بھائی کی علالت کا ذکر کیا تھا۔ یہ خط موصول ہونے پر اقبال نے اسی روز جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ آپ کے بھائی کی علالت کی خبر سن کر متوحش ہوں۔ خدا تعالیٰ اس کو صحت عاجلہ عطا فرمائے...... اگر آپ رخصت پر لاہور آئیں تو کتاب ساتھ لیتے آیئے۔ اگر اس پر نظر ثانی آپ کی موجودگی میں ہو تو بہتر رہے گا۔[۳۴]

۲۰ رمئی ہی کو آپ نے مولوی صالح محمد کے نام خط میں لکھا کہ اگر خواجہ صاحب اس دفعہ پاک پٹن نہ آسکیں، تو کوئی مضائقہ نہیں، اجتماع کسی اور جگہ ہو جائے گا۔[۳۵]

۲۴ رمئی کا سارا دن اقبال نے ایک اجلاس میں گزارا۔ شام کو گھر آئے تو دردِ دندان میں مبتلا ہو گئے۔ ڈاکٹر کے کہنے پر دانت نکلوا دیا گیا۔ اس تکلیف کے باعث پاک پٹن جانے کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اگلے روز آپ نے بذریعہ خط مولوی صالح محمد کو اطلاع بھجوائی کہ پھر کسی موقع پر خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام معروضات پیش کروں گا۔[۳۶]

سال رواں میں ۲۳ راپریل کو کلکتہ کے رہائشی، راغب احسن نے جمعیۃ الشبان المسلمین کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ انھوں نے اس کا میثاق اقبال کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ وہ آپ کو بہ تاریخ ۲۸ رمئی وصول ہوا۔ آپ نے اسی روز راغب صاحب کو تحریر فرمایا کہ آپ کی تحریک مبارک ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ عالم گیر ہو جائے...... انگریزی ترجمے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں، میثاق کا ترجمہ پہلے جدید فارسی، عربی، ترکی اور پشتو میں کرایئے۔[۳۷]

ادبی دنیا لاہور نے شمارہ مئی میں یہ خبر شائع کی کہ علامہ اقبال کی تازہ ترین فارسی تصنیف جاوید نامہ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ جاوید نامہ اطالیہ کے شاعر دانتے کی کتاب ڈیوائین کامیڈی کا جواب ہوگا۔[۳۸]

مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے پرنسپل کی مسلم دشمنی کے خلاف تمام مسلم اخبارات اور تنظیموں نے آواز بلند کر دی۔ اس سلسلے میں مسلمانان لاہور کا ایک جلسہ موچی دروازہ کے بیرونی باغ میں زیر صدارت علامہ محمد اقبال ۳ جون کو منعقد ہوا۔ آپ نے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ چونکہ ہندوستان میں مسلمان منتشر ہیں، اس لیے یہاں کی ہر قوم مسلمانوں سے عناد رکھتی ہے۔ اتحاد کامیابی کا سرچشمہ ہے اور حصولِ اتحاد کا راز واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کی اطاعت میں مضمر ہے۔

مسلمانانِ ہند کو چاہیے کہ وہ اللہ کی رسّی مضبوطی سے پکڑ لیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی وہ رسّی ہے۔ اگر یہ دل میں اتر جائے تو دونوں جہاں کی کامیابیاں ان کے قدموں میں ہوں گی۔[۳۹]

آغاز جون میں خواجہ نظام الدین کی کوشش سے صوفیائے کرام خصوصاً گدی نشینوں کا اجتماع پاک پٹن میں منعقد ہوا۔ علامہ اقبال دانت کی بیماری کے باعث شرکت نہ کر سکے۔ مولوی صالح محمد نے مجوزہ اجلاس میں آپ کی عدم موجودگی کو اچھی نظروں سے نہ دیکھا۔ اسی لیے آپ نے ۷ جون کے خط میں مولوی صاحب کو تحریر فرمایا کہ میں نے تار اور خط، دونوں میں لکھ دیا تھا کہ میں دردِ دندان میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ چار دن سخت تکلیف میں مبتلا رہا۔ آخر دونوں تکلیف دہ دانت نکلوانے پڑے۔[۴۰]

خواجہ وصی الدین، ڈپٹی کلکٹر (ریٹائرڈ) نے خواجہ عزیز الدین عزیز مرحوم کا کلام شائع کیا۔ انھوں نے اس کا ایک اعزازی نسخہ اقبال کو ارسال کیا۔ آپ نے خواجہ وصی الدین کو ۹ رجون کے اپنے خط میں تحریر فرمایا کہ خواجہ عزیز مرحوم فارسی ادبیات کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ابتدا شہنشاہ اکبر کے عہد سے ہوئی تھی۔ افسوس ہے کہ وہ دور ہندوستان میں ان کی ذات پر ختم ہو گیا۔[۴۱]

مولوی صالح محمد نے اقبال کو خط لکھ کر مطلع فرمایا کہ خواجہ نظام الدین صاحب پر ان کے مقدس جد کے مزار کی زیارت بند کر دی گئی ہے۔ آپ نے انھیں ۲ جولائی کے خط میں اس مصیبت عظمیٰ پر صبر کرنے کا مشورہ دیا۔[۴۲]

حکومت نے مغل پورہ کالج کا معاملہ سنبھالنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا۔ لیکن ارکان کمیشن سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا۔ آخر حکومت نے سرگودھا کے ایڈووکیٹ، شیخ عبدالغنی کو کمیشن کا نیا رکن مقرر کیا۔ لاہور کے مسلمانوں نے حکومت سے چار مطالبے پیش کیے۔ حکومت پنجاب نے انھیں منظور کر لیا اور ایک نیا کمیشن تحقیق کے لیے مقرر کیا۔ اس موقع پر ایک اور جلسہ ۳ رجولائی کو باغ بیرون موچی دروازہ مولانا داؤد غزنوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

جلسے کے حاضرین سے مختلف اصحاب نے خطاب کیا۔ بعد میں ایک قرارداد پیش کی گئی۔ اقبال بھی جلسے میں موجود تھے۔ انھوں نے قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کو عنقریب بہت بڑے امور پیش آنے والے ہیں۔ ان کا تعلق آپ کی اجتماعی زندگی سے ہے۔ ان کا تقاضا ہے کہ مسلمان اسی طرح ثابت قدم رہیں...... میں مسلمانوں کو اتحاد کرنے پر مبارک باد دیتا

ہوں۔ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کمیٹی کے سامنے شہادتیں پیش کی جائیں۔ اگر آپ کی شہادت قوی ہے اور آپ کو یقین ہے کہ آپ حق پر ہیں، تو کمیٹی آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے گی......''[۴۳]

پنجاب ہائی کورٹ کے جج، مسٹر پلوڈن نے اقبال کے خطبہ الہ آباد، ۲۹ دسمبر میں نارتھ انڈیا مسلم اسٹیٹ کے سلسلے میں آپ کی پیش کردہ تجویز پر نہایت دل چسپ انداز میں تبصرہ کیا۔ وہ ۱۰ر جولائی کے مسلم آؤٹ لک میں شائع ہوا۔ اس سلسلے میں اقبال نے ۱۰ر جولائی کو مولانا غلام رسول مہر کے نام خط میں لکھا کہ اس دلچسپ تبصرے کا اردو ترجمہ انقلاب میں شائع کیجیے۔[۴۴]

ریاست کشمیر کے ہندو راجا، ہری سنگھ ڈوگرا نے اپنی ریاست میں مسلمانوں پر ملازمتوں اور باعزت روزگار کے دروازے بند کر دیے تھے۔ آخر فاقہ کشی سے تنگ مسلمان ہجرت کر کے پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں آباد ہونے لگے۔ ۲۱ر جون کو سری نگر میں مسلمانوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں امروہہ کے ایک مسلمان عبدالقدیر نے ڈوگرا راج کے خلاف زوردار تقریر کی۔ عبدالقدیر کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۳ر جولائی کو عبدالقدیر کا مقدمہ سری نگر جیل میں شروع ہوا۔ کارروائی سننے کے لیے ہزاروں مسلمان جیل کے دروازے پر جمع ہو گئے اور اندر جانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس پر پولیس نے مظاہرین پر گولی چلا دی۔ ۲۱ مسلمان شہید اور سیکڑوں زخمی ہوئے۔ اس کے بعد زبردست فساد ہوا اور سیکڑوں مسلمان داخل زندان کر دیے گئے۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی مسلمانانِ کشمیر کی حمایت میں احتجاجی جلوس نکالے گئے اور کئی روز ہڑتال رہی۔[۴۵]

اپریل سے ہندوستان کے متعدد مقامات پر ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ بنارس، آگرہ، مرزا پور اور کان پور کے شہر خصوصاً فسادات سے بُری طرح متاثر ہوئے۔ سب سے بڑا فساد کان پور میں ہوا۔ اقبال نے دیگر مسلمان رہنماؤں کے ہمراہ ۱۴ جولائی کو درج ذیل اپیل اخبارات میں شائع کرائی تاکہ کان پور کے فسادات کے شکار مسلمانوں کی امداد کا بندوبست ہو سکے۔

برادرانِ ملت! کان پور کا بلوہ کوئی معمولی بلوہ نہ تھا۔ بلکہ یہ ایک وسیع ہندو سازش کا آخری مظاہرہ تھا۔ ......کانپور میں مسلمانوں کا قتل عام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے یہ چیلنج ہے کہ وہ ایک ایک کر کے یونہی اس ملک سے نابود کر دیے جائیں گے۔ بنارس، آگرہ میں اور مرزا پور میں بھی مسلمان مارے گئے۔ کان پور میں غدر سے زیادہ دل ہلا دینے والے واقعات رونما ہوئے۔ جس طرح جنگلی جانوروں کے ایک گلے میں گھس کر شکاریوں کا گروہ بے تحاشا بندوقیں چلانا شروع کرتا ہے، اسی طرح کان پور میں ہوا۔ مسلمانوں کے ہزارہا مکانات جلا دیے گئے۔ بیکس مسلمانوں کو مارا ہی نہیں گیا بلکہ ان پر تیل ڈال کر انھیں جلایا بھی گیا۔ بعض جگہ تو سسکتے ہوئے زندہ

آدمی جلا دیے گئے...... کئی جگہ قرآن کریم کی بھی بے حرمتی کی گئی...... تین مہینے فساد کو ہو گئے ہیں، لیکن مسلمانان کان پور کا کوئی پرسان حال نہیں۔ پنجاب، صوبہ سرحد اور سندھ کے مسلمانوں نے اب تک شاید کل ایک ہزار روپیہ دیا۔ حالانکہ صرف تیس مساجد کی تعمیر اور مرمت ہی پر ایک دو لاکھ خرچ ہوگا۔ مبصروں نے کل اندازہ کم سے کم پانچ لاکھ روپے کا لگایا ہے۔ ہم تمام مسلمانانِ پنجاب، صوبہ سرحد و سندھ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں چندہ جمع کر کے کان پور مسلم ریلیف فنڈ کے سیکرٹری امین برادرز یا چارٹرڈ بینک کے نام بھجوادیں۔[۴۶]

۱۴ر جولائی کے بعد اقبال حسب ہدایت حکیم محمد احمد خان اجمل ڈیرہ دون تشریف لے گئے۔ ۱۵ر جولائی کو ڈیرہ دون ہی میں آپ کو سید نذیر نیازی کا خط موصول ہوا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی علالت کے باعث خطبات کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔ اقبال نے اس روز نیازی صاحب کو جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ آپ کے بھائی کی علالت کا حال معلوم کر کے تردد ہوا۔ اس صورت حال میں اگر خطبات کی اشاعت میں کچھ تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔[۴۷]

مغل پورہ کالج انکوائری ۲۰ جولائی سے شروع ہوگئی۔ اقبال نے بھی اسی روز کمیٹی کے سامنے گواہی دی۔ اگلے روز آپ سری نگر تشریف لے گئے۔ اسی دوران شعیب قریشی، سیکریٹری نواب صاحب بھوپال کا تار آپ کے نام موصول ہوا۔ جواب میں آپ نے بھی انھیں تار دیا۔ شعیب قریشی صاحب نے غلام رسول مہر کو بھی لاہور ایک تار دیا تھا۔ مہر صاحب نے اس سلسلے میں علامہ صاحب کو خط لکھا۔ آپ نے انھیں ۲۳ر جولائی کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ وہ ۲۷ تک لاہور پہنچ جائیں گے۔ ۲۶ کو یہاں کشمیر کے معاملات کے متعلق مشاورت ہے۔ لاہور سے ان شاء اللہ وہ بھوپال جائیں گے۔[۴۸]

۲۵ر جولائی کو شملہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ صدر مرزا بشیر الدین محمود اور سیکریٹری عبدالقدیر منتخب ہوئے۔ علامہ اقبال بھی اس کے سرگرم رکن تھے۔[۴۹]

کان پور کے مسلم کش فسادات نے اقبال پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ آپ سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ اگر آئندہ گول میز کانفرنس میں برطانوی حکومت نے ہندو اکثریت کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے حقوق نظر انداز کر دیے تو مسلمان سوویت یونین یا اشتراکیت کی طرف مائل ہونے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس ذہنی پس منظر کے ساتھ اقبال نے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے نام ایک خط لکھا جو ۳۰ر جولائی کے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوا۔

آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر برطانیہ نے اگلی گول میز کانفرنس میں فرقہ وارانہ اختلافات سے

ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوششیں کیں تو یہ بات دونوں ملکوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ اگر محض اس لیے سیاسی اقتدار ہندو کے سپرد محض کر دیا کہ اسے حاکم بنانے سے برطانیہ کو کوئی مفاد حاصل ہو گا تو مسلمان سوراجی یا اینگلو سوراجی حکومت کے خلاف وہی حربے استعمال کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جو گاندھی نے حکومت برطانیہ کے خلاف برتے تھے۔ اس کے علاوہ یوں یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ پورا مسلم ایشیا روسی کیمونزم سے ہم آغوش ہو جانے پر مجبور ہو جائے۔[۵۰]

لارڈ ولنگڈن، وائسرائے ہندوستان نے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے علامہ اقبال کو بھی نامزد کر دیا۔ اس سلسلے میں حکومت نے ۴ راگست کو دعوت نامے جاری کر دیے۔ ۲۶ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو لندن پہنچنا لازمی تھا۔[۵۱]

سید نذیر نیازی کے چھوٹے بھائی، شبیر احمد ۴ راگست کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اُن کی عمر صرف سولہ سترہ برس تھی۔ نیازی صاحب نے بذریعہ خط علامہ صاحب کو بھائی کے فوت ہونے کی اطلاع دی۔ آپ نے خط ملتے ہی ۷ راگست کو جواب میں تحریر فرمایا کہ انھیں یہ خبر سن کر بہت قلق ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کے مرحوم بھائی کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اپنے والد ماجد اور والدہ کی خدمت میں میری طرف سے ماتم پرسی کیجیے۔[۵۲]

مسلمانانِ کشمیر پر ریاستی مظالم کے خلاف بطور احتجاج ۱۴ راگست کو یوم کشمیر منانے کا فیصلہ ہوا۔ آپ نے یومِ کشمیر منانے کے لیے مسلمان رہنماؤں کی معیت میں اخبارات میں ایک اپیل شائع کرائی، اُسے انقلاب نے بھی شمارہ ۱۱ راگست میں شائع کیا۔[۵۳]

لندن جانے اور کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے اقبال نے اپنا پاسپورٹ بنوا لیا۔

۱۳ راگست کو امیر شیخ نے مری سے آپ کی خدمت میں تار بھیجا کہ یوم کشمیر کے جلوس کو مقامی حکام نے حکماً بند کر دیا ہے۔ آپ نے اسی روز گورنر پنجاب کو تار دیا اور لکھا کہ مسلمانان مری آپ سے مداخلت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔[۵۴]

۱۴ راگست کو بسلسلہ یوم کشمیر لاہور میں مسلمانوں نے ایک عظیم الشان جلوس نکالا۔ جلوس کے اختتام پر اقبال کی زیر صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم کے بعد آپ نے صدارتی تقریر میں فرمایا:

کشمیر میں جو مظالم برپا کیے گئے انھوں نے اہلِ پنجاب کو بھی بیدار کر دیا ہے...... مسلمانوں نے اب منظم طریق پر مطالبات پیش کرنے کی کوشش کی تو حکومت کشمیر اور ہندو اخبارات نے انھیں

بے بنیاد خبریں بتا کر اسے فرقہ وار فساد قرار دے دیا۔ اب ریاست نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے۔ مسلمانوں نے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کا مقاطعہ کر دیا ہے...... یاد رہے، بادشاہی خرید نے سے نہیں چل سکتی، اس کے لیے ضروری ہے کہ حکام اور حکومت رعایا کی رضا جوئی حاصل کرے۔[۵۵]

۲۰/ اگست کو جاوید نامہ کی کتابت مکمل ہوگئی۔[۵۶]

انقلاب لاہور میں ۲۱/ اگست کو مظلومین کشمیر کی امداد کے لیے اقبال اور چند بزرگان پنجاب کی ایک اپیل شائع ہوئی۔ اس میں درج تھا کہ امداد کا تمام روپیہ بذریعہ منی آرڈر، بیمہ یا چیک مسلم بینک آف انڈیا لمیٹڈ لاہور میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے حساب میں جمع کرایا جائے۔[۵۷]

انگریزی اخبار ٹریبون لاہور نے ۲۶/ اگست کو مسٹر راگھون کا ایک مضمون شائع کیا۔ اس میں مسٹر راگھون نے لکھا کہ ''بعض اشخاص کی نیتوں کا حال اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شورش کشمیر کے دوران برطانوی ہند کے ایک ممتاز لیڈر نے وزارت کشمیر میں کوئی عہدہ حاصل کرنے کے لیے درخواست دی ہے۔ مدیر انقلاب نے اس سلسلے میں اقبال سے استفسار کیا کہ یہ ممتاز لیڈر کون ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کون لیڈر ہے؟ لیکن چونکہ پہلے بھی ایک ہندو اخبار میرا نام لے چکا ہے۔ لہٰذا میں اپنے متعلق اس افواہ کی نہایت زور سے تردید کرتا ہوں۔ میں ایسی وزارت پر لعنت بھیجتا ہوں۔[۵۸]

علامہ محمد اقبال کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ طویل عرصہ سے آپ دانتوں کی تکلیف میں بھی مبتلا تھے۔ عرصہ دو سال سے دردِ گردہ کی تکلیف تھی۔ اس دوران انگریز حکومت کی جانب سے دوسری گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کے لیے شرکت کا دعوت نامہ بھی مل گیا۔ آپ کو یہ تشویش لاحق تھی کہ بحری سفر اور پھر قیامِ لندن کے دوران کوئی خطرناک واقعہ پیش نہ آ جائے۔ اس لیے آپ نے بذریعہ خط اپنی وصیت ۲۶/ اگست کو اپنی زوجہ سردار بیگم کے نام لکھی اور میاں امیر الدین کے حوالے کر دی تاکہ ان کی ناگہانی موت کے موقع پر سردار بیگم کو دے دی جائے۔ وصیت کے کچھ حصے ملاحظہ کیجیے:

چونکہ میں گول میز کانفرنس کے سلسلے میں ولایت جانے والا ہوں اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس واسطے لکھتا ہوں کہ صورت حال سے تم کو آگاہی رہے......

(۱) دو تین سال کا عرصہ ہوا جب میں دردِ گردہ کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا۔ زندگی کی امید منقطع ہو گئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے صحت عطا فرمائی۔ اس بیماری کے بعد میرے

خیالات میں بڑا تغیر رونما ہوا اور چند روزہ زندگی کی حقیقت مجھ پر واضح ہوگئی۔ صحت یابی کے بعد میں نے مبلغ دس ہزار روپیہ جاوید کے نام ہبہ کر کے پنجاب نیشنل بینک لاہور میں اس کے نام جمع کرا دیا ہے۔ چند ماہ ہوئے اس میں پانچ ہزار کا اور اضافہ کیا۔ اس رقم کے علاوہ پانچ ہزار روپیہ میں نے منیرا بیگم کے نام بھی ہبہ کر کے پنجاب نیشنل بینک لاہور میں جمع کر دیا ہے۔ یوں اب کل پندرہ ہزار روپیہ جاوید اور پانچ ہزار منیرا بیگم کے نام بینک مذکور میں جمع ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں، میں ان کا گارڈین ہوں، میری زندگی کے بعد تم دونوں کی گارڈین ہوگی۔ بینک کی رسیدیں تمھارے پاس ہیں۔

(۲) مندرجہ بالا رقوم کے علاوہ دس ہزار روپیہ میں نے تمھارے نام ہبہ کیا تھا۔ یہ روپیہ سینٹرل کوآپریٹیو بینک لاہور میں میرے اور تمھارے نام سے جمع ہے۔ حقیقت میں یہ روپیہ تمھارا ہے اور مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دس ہزار کے علاوہ مبلغ پندرہ سو روپیہ بھی اسی بینک میں میرے اور تمھارے نام سے جمع ہے۔ یہ روپیہ تمھارے بعض زیور فروخت کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی تمھاری ملکیت ہے اور مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) ان رقومات کے علاوہ مبلغ آٹھ ہزار روپیہ خالصتاً میرے نام سینٹرل کوآپریٹیو بینک لاہور میں جمع ہے۔ اس روپے میں سے کچھ میں اپنے ساتھ لندن لے جاؤں گا۔

(۴) مبلغ دو ہزار کے قریب منشی طاہرالدین کے پاس ہے۔ کچھ اور روپے آنے والے ہیں جسے وہی وصول کریں گے۔ اس رقم میں سے کچھ انکم ٹیکس ادا کرنا ہے۔ نیز میری عدم موجودگی میں بعض اخراجات پر بھی خرچ ہوگا۔ مثلاً کوٹھی کا کرایہ، ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ۔

(۵) جاوید نامہ میں نے شائع ہونے کے لیے دے دیا ہے۔ اس کے متعلق ضروری ہدایات منشی طاہرالدین اور چودھری محمد حسین صاحب کو دی ہیں۔ چونکہ یہ کتاب جاوید کے نام لکھی گئی ہے لہٰذا وہی اس کا مالک ہے۔ اشاعت و طباعت کے اخراجات نکال کر کتاب کی ساری آمدن اس کی ملکیت ہے۔

(۶) میں نے ایک بار زبانی تمھیں کہا تھا کہ تمھارا حق مہر میں نے پندرہ ہزار روپیہ باندھ دیا ہے کیونکہ وقت نکاح کوئی رقم مقرر نہ کی گئی تھی۔ لیکن اب میں اپنی مرضی سے تمھارا حق مہر مبلغ پندرہ ہزار روپیہ مقرر کرتا ہوں۔ شرعاً یہ روپیہ مجھ پر قرض ہے۔ تم یہ رقم میری ہر قسم کی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ سے وصول کر سکتی ہو۔ شرع شریف کی رو سے تم کو میری ہر قسم کی جائداد پر قابض و متصرف رہنے کا حق ہے جب تک کہ مذکورہ بالا رقم تمھیں وصول نہ ہو جائے۔

(۷) میں تم سے توقع رکھتا ہوں کہ میری عدم موجودگی میں تم بچوں کی تربیت سے غافل نہیں ہوگی اور بحیثیت ان کی ماں ہونے کے جو فرائض تم پر عائد ہوتے ہیں، انھیں ادا کروگی۔

محمد اقبال بیرسٹر لاہور ۲۶ اگست ۱۹۳۱ء۔[۵۹]

عزیز حسن بقائی، مدیر پیشوا دہلی نے اگست ۱۹۳۱ء میں رسالے کا رسول نمبر شائع

کیا۔ آپ نے اس نمبر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی ایک ایسا رسول نمبر ہے، جو تعلیم یافتہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔[۶۰]

انگلستان روانہ ہونے سے قبل مفتی اعظم فلسطین، سید امین الحسینی نے اقبال کو دسمبر ۱۹۳۱ء میں بیت المقدس میں منعقد ہونے والے موتمر اسلامی کے اجلاس میں برائے شرکت دعوت نامہ بھیج دیا تھا۔ اکادمی دانشورانِ روم کے صدر، مارکونی کی طرف سے بھی روم میں تقریر کرنے کا دعوت نامہ موصول ہو چکا تھا۔ چند روز بعد انگلستان سے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ، صدر ادبی انجمن انڈیا سوسائٹی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اقبال انڈیا سوسائٹی کی نائب صدارت قبول کر لیں۔[۶۱]

سیالکوٹ سے اقبال کے برادر اکبر شیخ عطا محمد آپ کے یہاں تشریف لے آئے تا کہ آپ کی غیر حاضری کے دوران گھر پر قیام کر سکیں۔

اقبال ۳۱/اگست کو لاہور سے روانہ ہونا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں بہ تاریخ ۲۷/اگست خط کے ذریعے نذیر نیازی کو دہلی اطلاع بھی دے دی۔ ۲۹/اگست کو اقبال نے نیازی صاحب کے نام مکتوب میں لکھا کہ بعض وجوہ سے ۳۱/اگست کو روانگی ممکن نہیں، لہٰذا یکم ستمبر کو فرنٹیر میل سے شام کے بعد سوار ہوں گا۔ ۲ ستمبر کی صبح دہلی پہنچوں گا۔ لیکن اقبال یکم ستمبر کو بھی روانہ نہ ہو سکے کیونکہ روانگی سے دو گھنٹے قبل آپ کو بخار ہو گیا۔ ۴ ستمبر کو آپ نے سید نذیر نیازی کے نام اگلے خط میں تحریر فرمایا کہ ۸/ستمبر کی شام فرنٹیر میل سے ان شاء اللہ لاہور سے روانگی ہے۔[۶۲]

۴/ستمبر بروز جمعہ پانچ بجے عصر کے وقت پروفیسر یوسف سلیم چشتی آپ سے ملاقات کرنے آئے۔ چشتی صاحب نے بتایا کہ وہ آپ کا خطبہ الہ آباد، اشاعت اسلام کالج کے طلبہ کو سبقاً سبقاً پڑھا رہے ہیں۔ اقبال نے جواب دیا، تم نے اچھا کیا مگر اس میں مستقل نوعیت کی چیز تو صرف شروع کا حصہ ہی ہے یعنی اسلام اور قومیات، اسے خاص توجہ سے پڑھنا چاہیے۔ اگر ہو سکے تو اس کی شرح بھی لکھنی چاہیے۔ اقبال نے پھر فرمایا شاید مسلمانوں نے کسی سیاسی خطبے کو اس ذوق وشوق سے نہیں پڑھا ہوگا جیسے اس خطبے کو پڑھا ہے...... ایمان اور عقل میں رشتہ کے متعلق جواب دیا کہ انھیں مخلوط نہ کیا جائے، دونوں کی اپنی اپنی جگہ ہے۔ پھر آپ نے اسلام، ایمان، احسان، قیامت خدا اور عقل وغیرہ کی وضاحت فرمائی۔[۶۳]

۵ ستمبر کو محمد علی جناح نے مسلم اسٹوڈنٹس یونین بمبئی کی ''ایٹ ہوم'' کی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا نئے دستور میں مسلمانوں کے حقوق کی معقول ضمانت مہیا نہ کی گئی تو وہ ہرگز

کامیاب نہیں ہو سکے گا۔[۶۴]

ڈاکٹر محمد عباس علی خان لاہور نے آپ کو ڈاکٹر کلیفورڈ مانشرڈٹ کی تصنیف بر در ہٹ بطور تحفہ ارسال کی۔ اقبال نے ۷ ستمبر کے خط میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ مجھے اس کتاب کی بہت ضرورت تھی۔[۶۵]

محمد علی جناح کی بمبئی والی تقریر انقلاب نے ۸ ستمبر کو شائع کی۔ اقبال نے یہ تقریر پڑھنے کے بعد لندن روانہ ہونے سے چند منٹ پیشتر مدیر انقلاب کی وساطت سے مسلمانان ہند کے لیے یہ بیان دیا کہ مسٹر جناح نے جو پیغام دیا ہے، مسلمانوں کے لیے کسی مزید پیغام کی ضرورت نہیں۔ کوئی ایسا دستور اساسی جو مسلمانوں کے لیے اجتماعی حیثیت سے موت کا پیغام ہو، ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا۔[۶۶]

علامہ محمد اقبال ۸ ستمبر کو فرنٹیر میل سے شام کے وقت روانہ ہو گئے۔ اگلے روز صبح ساڑھے سات بجے دہلی پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن پر سید نذیر نیازی کے علاوہ اور بہت سے نیاز مند برائے استقبال موجود تھے۔ جاوید اقبال اور علی بخش بھی دہلی تک آپ کے ساتھ آئے۔ آپ نے غلام رسول مہر کے ساتھ کوپ میں سفر فرمایا تھا۔ اسٹیشن پر بہت سی مسلم تنظیموں کے نمائندوں نے آپ کی خدمت میں سپاس نامے پیش کیے ان میں صوبہ مسلم کانفرنس دہلی، سینٹرل مسلم یوتھ لیگ دہلی، انجمن رفیق المسلمین، انجمن اتحاد و ترقی اور انجمن تیموریہ وغیرہ شامل تھیں۔ لیکن قلت وقت کے باعث اقبال نے تمام ایڈریس سننے سے معذوری ظاہر کر دی۔ صرف شمس العلما مولانا سید احمد، امام جامع مسجد دہلی نے صوبہ مسلم کانفرنس کی طرف سے سپاس نامہ پڑھ کر سنایا، جس پر ارکان کانفرنس کے دستخط تھے۔ سپاس نامہ کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''حضرت امام صاحب کی نسبت میں آپ حضرات کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ حضرت شاہ جہاں نے ان کے آباؤ اجداد کو بخارا سے شاہی مسجد کی امامت کے لیے بلایا تھا...... سیاسی مسائل کے حل کے لیے حق و صداقت کی ایک جامع کتاب (قرآن پاک) کی روشنی میں، میں مسلمانانِ ہند کے حقوق کی ترجمانی کرنے کی کوشش کروں گا...... اگر لندن میں بھی فرقہ وار اتحاد کی کوئی قابل اطمینان صورت نہ نکل سکی، مکمل صوبائی خودمختاری نہ دی گئی اور مرکزی حکومت میں ان کا بخوبی خیال نہ کیا گیا تو مسلمانانِ ہند کو اجتماعی زندگی پر انفرادی زندگی کو قربان کرنا پڑے گا۔ میں نوجوانوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھیں......''[۶۷]

۱۰ ستمبر کو آپ بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی تک صرف علی بخش آپ کے ساتھ آیا۔ آپ نے خلافت

ہاؤس میں قیام کیا۔ بمبئی میں افغانستان کے قونصل سردار صلاح الدین نے ظہرانہ دیا۔ شام کے وقت آپ عطیہ فیضی سے ملاقات کرنے ایوان رفعت تشریف لے گئے۔ وہاں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوئی۔ سماع کی محفل بھی رہی۔ دوران گفتگو اقبال نے ایک کاغذ طلب فرمایا جس پر فارسی کے چار اشعار لکھ کر عطیہ فیضی کو دیے۔

بہ طواف کعبہ رفتم بہ حرم رھم نہ دادند
کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

آخری تین اشعار ''برائے جریدہ'' تھے۔ ایک شعر اردو بھی تحریر فرمایا جس پر خصوصیت سے لفظ ''پرائیویٹ'' تحریر فرمایا۔

عالم جوش جنوں میں ہے روا کیا کیا کچھ
کہیے کیا حکم ہے؟ دیوانہ بنوں یا نہ بنوں

۱۲ستمبر کو دوپہر کے وقت اقبال ''ملوجا'' نامی بحری جہاز میں سوار ہوگئے۔ روانگی سے چند گھنٹے قبل آپ نے بمبئی کرانیکل کے نمائندہ خصوصی کو ایک انٹرویو دیا۔ آپ نے گفتگو کی ابتدا میں واضح کر دیا کہ وہ کسی فرقے یا قوم کے متعلق تعصب نہیں رکھتے بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستانی پر امن رہیں۔ یہ امن اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ ہر فرقے کو اپنی تہذیب اور انفرادیت برقرار رکھنے کا موقع دیا جائے...... پان اسلامزم اصطلاح ایک فرانسیسی صحافی کی اختراع ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں یورپی جارحیت کو جائز قرار دیا جاسکے...... اسلام ایک سوشلسٹ مذہب ہے۔ قرآن مجید انفرادی ملکیت اور مکمل اشتراکیت کے بین بین نظام قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے...... میں عرب ریاستوں کے وفاق پر یقین رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں ہندوستان کے مسلمان نے مستقبل میں اسلام کی سربلندی کے لیے نہایت اہم کردار ادا کرنا ہے۔ اقبال نے دوران انٹرویو بتایا کہ انگلستان سے واپسی پر وہ مصر جائیں گے اور جتنے مسلم ممالک کی سیاحت ممکن ہوسکی، کریں گے تاکہ وہاں کے حالات کا مطالعہ کرکے ایک کتاب بعنوان جدید دنیائے اسلام تحریر کرسکیں۔

۱۶ر ستمبر کی شام جہاز عدن پہنچا۔ شیخ عبداللہ وکیل جہاز پر آئے اور اقبال کو باصرار اپنے ساتھ اپنے گھر پر لے گئے۔ شہر میں پُر تکلف کھانا کھلایا۔ کھانے کے بعد یمن کی سیاہ مگر خوشگوار کافی کا دور چلا۔ رخصت کے وقت آغا فکری ایرانی نے دانہ عقیق یمنی بطور یادگار آپ کو دیا۔ گیارہ بجے رات کو

اقبال جہاز پر پہنچے۔ساڑھے گیارہ بجے جہاز روانہ ہوا۔نہر سویز سے گزر کر ۲۰ ستمبر کو تقریباً ۳ بجے شب پورٹ سعید پہنچ گئے۔وہاں مصری ڈاکٹر سلیمان اور شبان المسلمین کے مصری نوجوانوں سے ملاقات ہوئی۔پورٹ سعید ہی میں حاجی حکیم صدیق محمد، نمائندہ رائٹر آپ سے ملاقات کرنے آئے۔آپ نے انھیں کہا کہ میں چاہتا ہوں، مصری اخبارات کے مندوبین ہندوستان آکر حالات کا مطالعہ کریں۔قاہرہ کے بیرسٹر عطف بے نے ڈاکٹر سلیمان کی زبانی اقبال کو سلام بھیجا اور واپسی پر قاہرہ آنے کی دعوت دی۔

۲۱ ستمبر کو آپ نے ملوجا جہاز سے منشی حکیم طاہر الدین کو سفر کی روداد لکھ کر بھجوائی۔اس خط میں آپ نے ہم سفروں کے متعلق بھی لکھا۔آپ نے تحریر فرمایا کہ گول میز کانفرنس کے ہندو اور مسلمان نمائندے شاید سات آٹھ کی تعداد میں جہاز پر سوار ہیں۔راجا نریندر ناتھ صاحب بھی شامل ہیں۔نواب صاحب چھتاری اور خان بہادر ہدایت حسین، دونوں حافظ قرآن، سید علی امام، مسٹر جسٹس سہروردی، شیخ مشیر حسین قدوائی اور اودھ کے دو نوجوان تعلق دار بھی اقبال کے ہم سفر تھے۔آپ نے جہاز پر گوشت کھانا بالکل ترک کر دیا۔صرف سبزی، ترکاری، مچھلی، انڈے پر گزارا ہوا۔

۲۷ ستمبر جہاز لندن پہنچ گیا۔منزل پر پہنچ کر آپ نے اپنے فرزند جاوید اقبال کو تار بھیجا "میں بخیریت لندن پہنچ گیا ہوں۔جاوید نامہ چھپوانے میں عجلت سے کام لیا جائے" لندن میں آپ نے اس جگہ قیام فرمایا: 113, St. James Court, Buckingham Gate SW آپ قدرے تاخیر سے لندن پہنچے تھے۔آپ سے پہلے مہاتما گاندھی کانگریس کے واحد نمائندے کی حیثیت سے وہاں آ گئے تھے۔مسلمان مندوبین کے قائد، سر آغا خان لندن ہی میں مستقل قیام پذیر تھے۔

اقلیت کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۸ ستمبر کو منعقد ہوا۔اقبال اس اجلاس میں شریک تھے۔۳۰ ستمبر کو دوسرا اجلاس ہوا۔اس میں بھی شرکت فرمائی۔لندن پہنچتے ہی آپ نے بذریعہ خط جرمنی میں ویگے ناست کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دے دی۔

یکم اکتوبر کو مولانا غلام رسول مہر بھی آپ سے آملے۔اسی روز سیموئیل ہور، وزیر ہند آپ سے ملنے آئے۔انھوں نے ہندوستان کے دستور میں مسلمانوں کی حیثیت کے متعلق گفتگو کی۔اس روز اقلیتوں کی کمیٹی کا تیسرا اجلاس ہوا، لیکن گاندھی کی درخواست پر اسے مزید آٹھ دن کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔وہ مزید مشاورت کرنا چاہتے تھے۔

ایڈورڈ تھامسن نے ۳/ اکتوبر کو لندن ٹائمز میں ''پان اسلامی سازش'' کے عنوان سے اپنے مراسلہ میں خطبہ الہ آباد میں اقبال کی پیش کردہ مسلم ریاست کی تجویز پر منفی انداز میں تبصرہ کیا۔

۷/ اکتوبر کو آپ ایران کے سابق وزیر اعظم، سید ضیاء الدین طباطبائی کی دعوت میں شریک ہوئے۔ اس دعوت میں مولانا شوکت علی، مولوی شفیع داؤدی اور زاہد علی بھی شریک تھے۔ آپ نے اس موقع پر جاوید نامہ کے بعض اشعار سنائے۔ ۸/ اکتوبر کو عراق کے سفارت خانے میں دعوت طعام میں شرکت فرمائی۔ اگلے روز اقبال البانیہ کے سفیر کی دعوت میں شریک ہوئے۔ اسی روز سیٹرڈے ریویو کے ایڈیٹر پنکھرڈ نے آپ کو چائے پر بلایا۔ اس موقع پر آپ نے مختصر تقریر میں فرمایا کہ انگریزوں کو اہل فلسطین کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے اور اعلان بالفور منسوخ کر دینا چاہیے۔ بہ تاریخ ۱۰/ اکتوبر کو اقبال نے لندن ٹائمز کے ایڈیٹر کو مخاطب کرتے ہوئے ۳/ اکتوبر کو ڈاکٹر ای تھامسن کے شائع شدہ مضمون کی وضاحت میں ایک خط تحریر فرمایا۔

۱۰/ اکتوبر کو سر ظفر اللہ خان نے اقبال اور دیگر مسلم مندوبین کو شفیع ریستوران میں پُر لطف دعوت دی۔ اگلے روز مولانا فرزند علی، امام لندن مسجد نے اقبال اور آپ کے رفقا کو فضل مسجد میں بلوایا اور ان کا تعارف چند انگریز نو مسلموں سے کرایا۔ اس موقع پر ایک نو مسلم انگریز بچی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنائی۔ آپ نے اسے ایک پونڈ انعام دیا۔

اقبال نے ایڈورڈ تھامسن کے مراسلے کا جواب دیا جو لندن ٹائمز مورخہ ۱۲/ اکتوبر کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ۱۳/ اکتوبر کو متشرق سر ڈینی راس آپ سے ملاقات کرنے آئے۔ دو گھنٹہ تک اسلامیات کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ ۱۴/ اکتوبر کی شام محترمہ فاطمہ العابد نے رٹز ہوٹل میں ایک نہایت پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ علامہ اقبال کے علاوہ مولانا شوکت علی، زاہد علی، مولانا شفیع داؤدی، سفیر عراق، سفیر افغانستان وغیرہ اس میں شریک ہوئے۔ لندن میں گول میز کانفرنس کے متعدد مسلم مندوبین اور دوسرے حضرات نے سر آغا خان کی صدارت میں آپ کے اعزاز میں ایک جلسہ خیر مقدم منعقد کیا۔ اسی میں اقبال لٹریری ایسوسی ایشن کا افتتاح ہوا۔ ڈاکٹر نکلسن، سر عبدالقادر اور عبداللہ یوسف علی نے علامہ صاحب کو ان کے کارناموں پر خراج تحسین پیش کیا۔ اس موقع پر ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک سپاس نامہ پیش ہوا جس میں آپ کا مقصد شاعری اجمالاً بیان کیا گیا۔ سروجنی نائیڈو نے اقبال کی تعظیم بجالاتے ہوئے اقبال کو ایشیا کا ملک الشعرا قرار دیا۔

اقبال نے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو میکلوڈ روڈ لاہور والی کوٹھی کے پتے پر خیریت کا خط روانہ فرمایا۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ غیر مسلم ذرائع سے جو اخبار آتے ہیں ان کی خبروں پر اعتبار نہ کریں کیونکہ وہ مسلم مندوبین سے متعلق صحیح خبریں نہیں دیتے۔ شیخ عطا محمد نے آپ کو اس خط کا جواب دے دیا۔ اقبال نے ۱۵؍اکتوبر کو انھیں دوسرے خط میں تحریر فرمایا کہ ہندوستان کے اخبار پنجاب وغیرہ میں مہاتما گاندھی کے متعلق جو خبریں چھپتی ہیں، وہ سراسر غلط ہیں۔ تاہم یہ خط ملنے سے پہلے عطا محمد علالت کے باعث واپس سیالکوٹ چلے گئے اور اپنی جگہ اپنے چھوٹے بیٹے مختار احمد کو سردار بیگم کے پاس چھوڑ گئے۔ مختار احمد نے عطا محمد کے نام علامہ اقبال کا خط سیالکوٹ بھجوا دیا۔

جرمنی سے ویگے ناست نے اقبال کے خط کا جواب نہ دیا تاہم Herr Metzroth نے آپ کو ویگے ناست کا نیا ڈاک پتا بھجوا دیا۔ یہ خط آپ کو بہ تاریخ ۱۵؍اکتوبر موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز ویگے ناست کو خط لکھا کہ براہِ کرم مجھے خط لکھیے اور ان پچھلے برسوں کے دوران اپنی مصروفیات اور حالات سے مطلع کیجیے۔ مجھے آپ کا جواب پا کر بہت مسرت ہوگی۔ سالہا سال کے بعد آپ سے (قلمی) ملاقات کر کے مجھے بے انداز خوشی ہوگی۔

۱۶؍اکتوبر کو غازی رؤف آپ سے ملنے آئے۔ تین گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی۔ اسی دن اقبال نے افغان قونصل خانے میں سردار احمد علی خان، وزیر مختار کی عظیم الشان دعوت میں شرکت فرمائی جو نادر شاہ کی تاج پوشی کی سالگرہ کے موقع پر دی گئی تھی۔

ویگے ناست نے آپ کے خط کا جواب دیا جو آپ کو ۲۰؍اکتوبر کی صبح ملا۔ اقبال نے اسی روز ویگے کو جواب میں تحریر فرمایا کہ میں کوشش کروں گا، ہائیڈل برگ آؤں اور آپ سے اسی پرانے مقام پر ملاقات کروں۔ مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے، جس کے کنارے ہم دونوں ایک ساتھ گھوما کرتے تھے۔

کیمبرج سے آپ کو وہاں آنے کی دعوت موصول ہوئی۔ اسی طرح اٹلی سے بھی دوبارہ آنے کی دعوت دی گئی۔

۲۰؍اکتوبر کو عرب اور افریقہ کے بعض اسلامی ممالک کی مشہور سیاح خاتون، روزیٹہ فاربز نے مسز سروجنی نائیڈو کی وساطت سے اقبال کو اپنے ہاں بلایا۔ اس تقریب میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ اسی روز اقبال نے لیڈی ہارڈنگ کے ہاں بھی دعوت میں شرکت فرمائی۔ ۲۱؍اکتوبر کو لاہور کے سابق ڈپٹی کمشنر، کرنل فرید آپ سے ملنے آئے۔ وہ

ہندوستان اور عالمِ اسلام کی اسلامی تحریکات کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔

کیمبرج یونی ورسٹی سے چودھری رحمت علی، خواجہ عبدالرحیم اور دیگر مسلم طلبہ آپ سے ملاقات کرنے تشریف لائے۔ انھوں نے آپ کو بتایا کہ شمال مغربی ہند میں ان کی تجویز کردہ مسلم ریاست کا نام ''پاکستان'' رکھا گیا ہے۔ انھوں نے اس نام کی وضاحت بھی فرمائی۔

برطانیہ کے مشہور دانش ور، پروفیسر گپ آپ سے ملنے آئے۔ انھوں نے آپ کو لندن یونی ورسٹی میں لیکچر دینے کی دعوت دی، لیکن مصروفیت کے سبب اقبال اُسے قبول نہ کرسکے۔ پروفیسر گپ سے افریقا میں اسلامی تحریکات کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ چودھری محمد حسین نے آپ کو لندن خط لکھ کر گول میز کانفرنس کے سلسلے میں سرگرمیوں کی بابت دریافت کیا۔

جاوید اقبال نے اپنے والد کو لندن کے پتے پر پہلا خط لکھا۔ مختار احمد نے بھی اقبال کو خط لکھا۔ اس کے علاوہ منشی طاہرالدین نے بھی جاوید نامہ کی طباعت کے سلسلے میں بذریعۂ خط آپ سے رابطہ کیا۔ اقبال نے بہ تاریخ ۲۲ر اکتوبر مختار احمد کو جواب میں تحریر فرمایا کہ کتاب کے سرورق کے لیے جو کاغذ چودھری محمد حسین اور سالک صاحب پسند کریں، وہ لگا دیں...... جاوید کا خط دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ میری استانی نے جرمنی سے خط لکھا ہے کہ وہ جاوید کو دیکھنے کی خواہش مند ہے...... کانفرنس کا اجلاس شاید وسط نومبر تک ختم ہو جائے۔ میں غالباً وسط دسمبر تک لاہور پہنچ جاؤں گا۔

۲۳ر اکتوبر کو سعید شامل آپ سے ملاقات کرنے آئے۔ موصوف شمالی قفقاز میں روسی کمیونسٹوں کے خلاف جنگ آزادی لڑ چکے تھے۔ وہ ان مسلم علاقوں پر روسیوں کے مظالم کا ذکر کرتے رہے۔ اسی شام نواب احمد سعید خان چھتاری نے مسلم مندوبین کے لیے چائے کی دعوت کی تھی۔ اقبال بھی شریک ہوئے۔

۲۷ اکتوبر کو نیشنل لیگ آف انگلینڈ کی صدر، مس مارگریٹ فارقوہرسن نے اقبال اور مولانا شوکت علی کی دعوت کا اہتمام کیا۔ اس میں انھوں نے اپنے ہم خیال لوگوں کو مدعو کیا۔ اس روز برطانوی پارلیمان کے انتخابات ختم ہوگئے۔

۲ر نومبر کو فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں مسلم مندوبین نے فرقہ وارانہ فیصلہ ہونے تک دستور پر بحث میں شرکت سے انکار کر دیا۔ ۳ نومبر کو اقبال نے عبداللہ چغتائی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ سینارٹی کمیٹی کی میٹنگ تین دفعہ منعقد ہو چکی ہے مگر نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہندو اور سکھ

مسلمانوں کے مطالبات کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں۔

۴ رنومبر کو لندن میں انڈیا سوسائٹی نے اقبال کو مدعو فرمایا۔ سوسائٹی کے صدر، سر فرانسس ینگ ہسبنڈ نے حاضرین سے اقبال کا تعارف کرایا۔ بعد ازاں آپ نے اپنی شاعری کا مختصر تعارف کرایا۔ پھر ایک کی چند اپنی تصانیف کا ذکر کیا۔ آخر میں اپنی تازہ تصنیف جاوید نامہ کے موضوع کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ تقریر کے اختتام پر آپ نے انسانی خودی کے متعلق حاضرین کے چند سوالات کے جواب دیے۔ رات کو اقبال کھانے کے لیے لارڈ اور لیڈی ارون کے ہاں تشریف لے گئے۔

اقبال لٹریری ایسوسی ایشن کے سیکریٹری، نیاز محمد خان نے اپنی انجمن کے سرکردہ ارکان کے تعاون سے ۶ رنومبر کو اقبال کے اعزاز میں والڈورف ہوٹل میں عظیم الشان چائے پارٹی کا اہتمام کیا۔ اس میں تقریباً چار سو شخصیات کو مدعو کیا گیا تھا۔ دوسری گول میز کانفرنس کے تمام ارکان بھی تقریب میں مدعو تھے۔ ان میں مہاتما گاندھی، آغا خان، سر تیج بہادر سپرو، سروجنی نائیڈو، مرزا محمد اسمٰعیل، محمد علی جناح، سر عمر حیات خان ٹوانہ، سر محمد شفیع، سر ظفر اللہ خان، مولانا شوکت علی، سر اکبر حیدری اور سردار اجل سنگھ نمایاں تھے۔ یونی ورسٹیوں کے طلبہ کی بھی کثیر تعداد موجود تھی۔ ان میں چودھری رحمت علی اور خواجہ عبدالرحیم پیش پیش تھے۔ سر عمر حیات خان ٹوانہ نے ہر آنے والے مہمان سے اقبال کا تعارف کرایا۔ چائے کے بعد جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ سر عبدالقادر نے جلسے کی صدارت فرمائی۔ آغاز میں صاحبِ صدر کی خواہش پر ڈاکٹر نکلسن نے حاضرین سے اقبال کا بڑے خوب صورت الفاظ میں تعارف کرایا۔ انھوں نے کہا کہ میں آج سے تقریباً ۲۵ برس پیشتر ڈاکٹر اقبال سے کیمبرج میں ملا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں کوئی شخص کسی نوجوان کے شاندار مستقبل اور آئندہ اُسے ملنے والی عزت و شہرت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ مگر ڈاکٹر اقبال کے متعلق اس وقت بھی یقین ہوتا تھا کہ وہ بڑے مرتبے پر پہنچیں گے۔ اس کے بعد ڈاکٹر نکلسن نے آپ کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ان کی شاعری کا مقصد مولانائے روم کی اصطلاح کے مطابق ''جہادِ اکبر'' ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بعد ایسوسی ایشن کے سیکریٹری نیاز محمد خان نے اقبال کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا۔ بعد میں علامہ اقبال نے ایک پُر مغز تقریر فرمائی۔ اُس کے بعد شیخ نور محمد اور عبداللہ یوسف علی نے بھی اقبال کی شاعری و فکر کے متعلق تقریریں کیں۔ پھر سروجنی نائیڈو نے ایک نہایت دل کش تقریر کی۔ آخر میں سر آغا خان کی تقریر کے بعد تقریب

اختتام پذیر ہوگئی۔

۱۰؍نومبر کو برطانیہ کی نئی پارلیمان کا افتتاح ہوا۔

۱۳؍نومبر کو وزیراعظم برطانیہ نے اقلیتوں کی سب کمیٹی کا نیا اجلاس طلب کرلیا۔

۱۵؍نومبر کو مسلمانوں کے وفد نے وزیر ہند سے ملاقات کی۔

۱۶؍نومبر کو فیڈرل کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ وزیراعظم برطانیہ بھی اس میں شریک ہوا۔ لارڈ سینکی نے کہا کہ فوج، معاملات خارجہ اور فنانس وغیرہ سے متعلق ہندوستانیوں کی رائے معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس موقع پر محمد علی جناح نے کہا کہ ہم (فیڈرل کمیٹی کے مسلمان رکن) تنہا کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنے دوسرے رفقا سے مشورے کا موقع دیا جائے۔ آخر تقریباً دو گھنٹے کے لیے اجلاس برخاست ہوگیا۔ وہیں سے ٹیلی فون کر کے مسلم اکابرین کو رٹز ہوٹل بلایا گیا۔ ایک گھنٹہ تک اُن کا اجلاس ہوا۔ اسی روز آپ نے مسلم وفد کے صدر سر آغا خان کو ایک خط لکھ کر معاملات گول میز کانفرنس سے عملاً علیحدگی اختیار کرلی۔ بعد میں آپ نے سیکریٹری آف اسٹیٹ کو بھی اطلاع دے دی کہ اب ان کا لندن میں ٹھہرنا بیکار ہے۔

۱۸؍نومبر کو دو بجے کے قریب اقبال کیمبرج پہنچ گئے۔ مولانا غلام رسول مہر اور مولانا شفیع داؤدی آپ کے ہمراہ تھے۔ اسٹیشن پر چودھری رحمت علی، خواجہ عبدالرحیم اور دیگر اصحاب نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے پہلے یونی ورسٹی میں جا کر اپنے اساتذہ سے ملاقات فرمائی۔ اس کے بعد یونی ورسٹی آرمز ہوٹل میں آپ کے اعزاز میں پانچ بجے دعوت چائے کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں پروفیسر نکلسن، پروفیسر سارلے، پروفیسر بریتھ ویٹ، پروفیسر ایکس وڈ اور پروفیسر بفین موجود تھے۔ سب سے پہلے انٹرنیشنل مسلم ایسوسی ایشن کے صدر، ڈاکٹر سلیمان نے تقریب کے متعلق چند کلمات ادا کیے پھر علامہ اقبال اور دوسرے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ بعد ازاں پروفیسر سارلے نے ایک نہایت دل کش قلمی تصویر کے ذریعے کیمبرج یونی ورسٹی میں اقبال کے زمانہ طالب علمی کی جھلکیاں پیش کیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر نکلسن اور پروفیسر لیوی نے مختصر تقریریں کیں۔ ان کے بعد اقبال نے ایک فاضلانہ تقریر فرمائی۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا، ہمیں دہریت اور مادیت سے بچنا چاہیے۔

ایک روز لائسیم (Lyceum) کلب میں خواتین کی طرف سے آپ کے اعزاز میں تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ لیکن اقبال اپنی مصروفیات کی وجہ سے شریک محفل نہ ہو سکے۔ اس تقریب میں مسز

سروجنی نائیڈو نے اقبال کی بعض نظموں کا انگریزی ترجمہ سنایا۔ ایک روز اقبال اور مولانا شفیع داؤدی اور مولانا شوکت علی کے اعزاز میں لیڈی لارنس نے گھر پر تقریب منعقد فرمائی۔ اس میں بھی متعدد خواتین نے شرکت کی۔ آپ نے انھیں پیغام دیتے ہوئے فرمایا، انگلستان کی عورتوں کا فرض ہے کہ وہ آئندہ نسل کو دہریت اور مادیت کے چنگل سے بچائیں۔

ایک اتوار آپ مولانا شفیع داؤدی کے ہمراہ سر تھیوڈور ماریسن سے ملنے تشریف لیگئے۔ آپ تقریباً ۳ گھنٹے ان سے باتیں کرتے رہے۔

اقبال نے لارڈ لائیڈ، سابق گورنر بمبئی اور موجودہ ہائی کمشنر مصر سے بھی ملاقات فرمائی۔

۱۹ر نومبر کو آپ نے ویگے ناست کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ میرے پروگرام میں بعض ضروری تغیر یکا یک نمودار ہو گئے ہیں لہٰذا ان کے پیش نظر اب میرے لیے جرمنی آنا ممکن نہیں رہا۔ میں سیدھا روم جا رہا ہوں، جہاں مارکونی نے مجھے مدعو کیا ہے۔ وہاں سے پھر میں ۷ر دسمبر کو منعقد ہونے والی موتمر عالم اسلامی میں شرکت کرنے یروشلم روانہ ہو جاؤں گا۔

۲۱ر نومبر کو نو بجے صبح اقبال ''مولانا غلام رسول مہر اور مولانا شفیع داؤدی کے ہمراہ لندن کے ریلوے اسٹیشن وکٹوریہ سے پیرس جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔ متعدد اصحاب مثلاً غازی رؤف پاشا، عبدالرحمٰن پشاوری، مولوی یار محمد نائب امام مسجد ٹیئنی اور عبدالعزیز اسمٰعیل نے اقبال اور آپ کے ساتھیوں کو رخصت کیا۔ ریل گاڑی نو بجے روانہ ہوئی۔ دو گھنٹے بعد آپ انگلستان کی بندرگاہ، فوک سٹون (Folkestone) پہنچ گئے۔ وہاں فرانس جانے کے لیے بحری جہاز تیار کھڑا تھا۔ اس پر سوار ہو کر ساڑھے بارہ بجے فرانس کی بندرگاہ، بولون (Boulogne) پر پہنچے۔ وہاں سے پل مین (Pullman) ریل کار کے ذریعے دو بجے کے قریب روانہ ہوئے اور پیرس کے ریلوے اسٹیشن گاردونورد (Gare du Nord) چار بجے پہنچے۔ لندن ہی سے آپ نے سردار امراؤ سنگھ کو تار دے دیا تھا۔ سردار صاحب اسٹیشن پر برائے استقبال موجود تھے۔ وہاں سے روانہ ہو کر آپ گاردی لیان (Gare de Lyon) پہنچے جہاں سیالکوٹ کے اقبال شیدائی نے آپ کا استقبال کیا۔

مولانا شفیع داؤدی پیرس کی سیر سے لطف اندوز ہونے کے لیے شہر میں رک گئے۔ پانچ بجے شام کے قریب اقبال اور غلام رسول مہر بذریعہ ریل گاڑی پیرس سے روانہ ہو کر اگلے روز ۲۲ر نومبر کی شام پونے آٹھ بجے روم پہنچ گئے۔ روم میں آمد کی پہلے اطلاع دی جا چکی تھی۔ وہاں ڈاکٹر سکارپا (قونصل جنرل اٹلی مقیم بمبئی) اور اٹلی کی رائل اکیڈمی کی طرف سے روم یونی ورسٹی میں فلسفے

کے پروفیسر ایرسٹا کو استقبال کے لیے موجود تھے۔ انھوں نے اقبال اور غلام رسول مہر کو موٹر کار میں لے جا کر ایک اعلیٰ ہوٹل میں ٹھہرایا۔ رات کا کھانا ڈاکٹر سکارپا کے ساتھ کھایا گیا۔ ۲۳ر نومبر کی صبح ڈاکٹر سکارپا اقبال کو بعض علمی شخصیات سے ملوانے لے گئے۔ واپسی پر تقریباً ایک بجے رائل اکیڈمی کے نائب صدر فالمبکی آپ سے ملنے آئے۔ دو گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی۔ تین بجے اقبال ایک فاضل اطالوی خاتون سے ملنے تشریف لے گئے۔ شام کو ایک بینکر کی بیوی، پھر وزارت خارجہ کا ایک اہم رکن آپ سے ملاقات کرنے آیا۔ ۲۴ر نومبر کو اقبال نے محکمہ آثار قدیم کے ایک افسر اور انگریزی جاننے والی ایک جرمن خاتون کے ہمراہ کلوسیم [Colosseum] یعنی روم کا وہ عظیم الشان تھیٹر دیکھا جہاں بیک وقت پچاس ہزار افراد بیٹھ کر انسانوں اور درندوں کی لڑائی دیکھا کرتے تھے۔ آپ نے مہر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھو ایک طرف قدیم رومی بادشاہ تھے جنھوں نے ایک عظیم الشان عمارت محض اس غرض سے بنوائی کہ پچاس ہزار آدمی بیٹھ کر انسانوں اور درندوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھیں۔ دوسری طرف ہمارے لاہور کی شاہی مسجد اس غرض سے تعمیر کی گئی کہ ایک لاکھ بندگانِ خدا جمع ہو کر مساوات، اخوت اور محبت کے سچے اور مخلصانہ جذبات کا مظاہرہ کر سکیں۔ کلوسیم میں کچھ وقت گزارنے کے بعد اقبال اور ان کے ہمراہی قیصر اگسٹن کے باب فتح سے گزرتے ہوئے فورم (Forum) میں داخل ہوئے۔ وہاں بھی متفرق تاریخی مقامات دیکھے اور اڑھائی گھنٹے کے بعد لوٹے۔ کچھ دیر ہوٹل میں آرام کرنے کے بعد اقبال ساتھیوں کے ساتھ کیٹا کومب دیکھنے چلے گئے۔ یہ زمین دوز پر پیچ رستے میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ شام کو پانچ بجے اٹلی کے معروف عالم، پروفیسر جینٹلی آپ سے ملنے آئے۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک مختلف مسائل پر باتیں ہوتی رہیں۔ مترجم کے فرائض ڈاکٹر سکارپا نے انجام دیے۔ بعد میں اقبال انسائیکلو پیڈیا اطالیہ کے دفتر تشریف لے گئے۔ ۲۴ر نومبر کو روم سے مولانا غلام رسول مہر نے ایڈیٹر روزنامہ انقلاب کے نام اپنے سفر کی روئداد لکھ کر بھجوائی۔

۲۵ر نومبر کو تین بجے غلام رسول مہر کے ہمراہ اقبال افغانستان کے سابق شاہ امان اللہ خان سے ملاقات کرنے ان کی رہائش گاہ گئے۔ یہ ملاقات تین گھنٹے تک جاری رہی۔

۲۶ نومبر کو اقبال نے اٹلی کی رائل اکادمی میں ایک زبردست لیکچر دیا۔

جلسے میں روم کے اہل علم، دانشور اور یونی ورسٹی کے پروفیسر صاحبان مدعو تھے۔ علاوہ ازیں شہر کی دیگر معزز شخصیات بھی اس میں شریک ہوئیں۔ اگلے روز صبح کے وقت شاہ امان اللہ آپ سے

ملاقات کی غرض سے ہوٹل میں آئے۔ دو گھنٹہ تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

اقبال ابھی روم ہی میں تھے کہ اٹلی کے آمر مسولینی نے اپنے عملے کے ذریعے آپ کو کہلوا بھیجا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ نے دعوت قبول کر لی۔ ۲۷ رنومبر کو ڈاکٹر سکارپا کی معیت میں اقبال مسولینی سے ملنے تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر سکارپا نے اس موقع پر بطور مترجم فرائض انجام دیے۔ مسولینی ایک بڑے وسیع کمرے میں میز کے قریب بیٹھا تھا۔ میز پر کاغذوں کا انبار تھا۔ آپ کمرے میں داخل ہوئے تو وہ خیر مقدم کے لیے آگے بڑھا۔ اس کا قد بڑا نہیں تھا، لیکن بازو بھرے ہوئے تھے، سینہ کشادہ تھا اور آنکھیں شکرے کی مانند چمک رہی تھیں۔ رسمی مزاج پرسی کے بعد اس نے علامہ صاحب سے پوچھا، میری فاشسٹ تحریک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اقبال نے جواب دیا: آپ نے ڈسپلن کے اس اصول کا بڑا حصہ اپنا لیا ہے جسے اسلام انسانی نظام حیات کے لیے بہت ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسلام کے نظریہ حیات کو پوری طرح اپنا لیں تو سارا یورپ آپ کے تابع ہو جائے گا۔ آپ نے اسے یہ مشورہ بھی دیا:

Turn Your Back Towards Europe یعنی یورپ جس معاشرے کی ترقی کا داعی ہے، تم اس کی تقلید سے اجتناب کرو۔

مسولینی نے آپ سے دریافت کیا کہ میں دنیا کے مسلمانوں کی ہمدردیاں کس طرح حاصل کر سکتا ہوں؟

آپ نے جواب دیا، مفت تعلیم اور رہائش کا انتظام کر کے زیادہ سے زیادہ مسلمان طلبہ کو اٹلی بلایئے۔

مسولینی نے پھر آپ سے کوئی اچھوتا مشورہ طلب کیا۔ اقبال نے فرمایا ''ہر شہر کی آبادی مقرر کر کے اسے حد سے نہ بڑھنے دیں، یوں مزید بسنے والوں کو نئی بستیاں مہیا کی جائیں''۔ مسولینی نے حیران ہو کر پوچھا، اس میں کیا مصلحت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ شہر کی آبادی جس قدر بڑھتی جاتی ہے، اس کی تہذیبی و اقتصادی توانائی اتنی کم ہوتی جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ ثقافتی توانائی (Cultural Forces) کی جگہ شیطانی توانائی (Evil Forces) لے لیتی ہیں۔ آپ نے پھر وضاحت فرمائی کہ یہ میرا ذاتی نظریہ نہیں، میرے پیغمبرؐ نے آج سے تیرہ سو سال قبل یہ مصلحت آمیز ہدایت فرمائی تھی کہ جب مدینہ منورہ کی آبادی ایک حد سے تجاوز کر جائے تو مزید لوگوں کو وہاں آباد کرنے کے بجائے دوسرا شہر آباد کیا جائے۔ یہ حدیث سنتے ہی مسولینی کرسی سے اٹھ کھڑا ہو گا اور دونوں ہاتھ میز پر زور سے مار کر بولا:

What an Excellent Idea.۔(واہ کیا شاندار تجویز ہے)

ملاقات کے بعد اقبال رخصت ہوئے تو وہاں لوگوں کے اصرار پر آپ نے ان کے لیڈر کے متعلق فرمایا:

مسولینی بغیر بائبل کے لوتھر ہے۔

۲۷رنومبر کے دن ہی روم کے بعض اخباروں میں اقبال کی تصویریں چھپیں اور آپ کی شاعری وفکر پر مضامین شائع ہوئے۔آپ کی نظم ''سسلی'' کے چند حصوں کا اطالوی ترجمہ بھی اقبال کے رائل اکادمی میں لیکچر کے اقتباسات کے ساتھ شائع ہوا۔سسلی کی ایک متمول خاتون آپ سے ملاقات کرنے کئی بار آئی۔وہ آپ کو سسلی میں اپنے محل میں ایک ماہ کے لیے قیام کرنے پر مجبور کرتی رہی۔دراصل خاتون اقبال کو سسلی میں اسلامی تمدن کے آثار دکھانا چاہتی تھی۔لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے آپ یہ دعوت قبول نہ کر سکے۔لندن میں زمانہ طالب علمی سے اقبال کی واقف کار اور نیپلز کی رہائشی بیرنس کاؤنٹس کارنیواے(Baronius Countess) بھی آپ سے ملنے کئی بار تشریف لائیں۔ان کے بار بار تقاضا کرنے پر اقبال نے دعوت اس شرط پر قبول کر لی کہ وہ اس میں روم کی حسین ترین خواتین کو مدعو کریں گی۔بیرنس نے یہ دعوت ۲۷رنومبر کی شب روم میں اپنے ولا(Villa) میں دی۔

۲۸رنومبر کو آپ مہر کے ہمراہ نیپلز تشریف لے گئے۔دراصل اس شہر کے ایک رکن اسمبلی، بیرن رابرٹو ریکارڈی نے اقبال کو آنے کی دعوت دی تھی تاکہ وہ آپ کو پومپئی (Pompey) کے کھنڈرات اور آتش فشاں پہاڑ Vesuvius دکھا سکیں۔نیپلز میں بیرن ریکارڈو کے بیٹے نے آپ کا استقبال کیا۔آپ نے دو گھنٹے تک پومپئی کے کھنڈرات دیکھے۔تاہم تیز بارش کے باعث آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی نہ جا سکے۔شام کو نیپلز کا عجائب گھر دیکھا۔رات کا کھانا بیرن ریکارڈی کے ساتھ کھایا گیا۔بعد میں وہ آپ کو ریلوے اسٹیشن تک چھوڑنے آئے۔۲۸رنومبر کو رات ساڑھے گیارہ بجے نیپلز سے روانہ ہو کر اگلے روز اقبال برنڈزی (Brindisi) پہنچے، جو اٹلی کے جنوب میں واقع ایک بحری بندرگاہ ہے۔یہاں مولانا شفیع داؤدی آپ سے آملے۔۲۹رنومبر سہ پہر کے وقت تینوں اصحاب وکٹوریہ نامی بحری جہاز میں سوار مصری بندرگاہ اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

یکم دسمبر کو یہ قافلہ صبح نو بجے اسکندریہ پہنچا۔بندرگاہ پر شہزادہ عمر طیوسون کے خاص آدمی، جمعیۃ الشبان المسلمین کے چند ارکان، صدیق محمد ناڑو، مولانا شوکت علی اور دیگر اصحاب جو آپ کی

آمد سے قبل روم سے سیدھے یہاں پہنچ چکے تھے، برائے استقبال موجود تھے۔ شہزادہ عمر طیوسون کی کاروں میں سوار ہو کر اقبال اور ان کے ہمراہی شاہی محل گئے۔ انھوں نے محل میں کچھ دیر آرام کیا۔ اس کے بعد اسکندریہ شہر کی سیر کی گئی۔ شبان المسلمین کے دفتر میں جانا ہوا۔ بعض اہلِ علم سے ملاقات ہوئی۔ اخباروں کے لیے انٹرویو دیا۔ اس کے بعد تین بجے ریل گاڑی میں سوار ہو کر چھ بجے شام قاہرہ پہنچے۔ اقبال نے قاہرہ میں میٹرو پولیٹن ہوٹل میں قیام فرمایا۔ رات کا کھانا ڈاکٹر عبدالحمید سعید بے، رکن پارلیمنٹ کے ہاں کھایا گیا۔ وہاں شیخ الازہر، مفتی ازہر، محمد علی پاشا سابق وزیر اوقاف اور دیگر اکابرین سے ملاقات ہوئی۔ قاہرہ میں مشہور وکیل اور فلسفے پر متعدد کتب کے مصنف، لطفی بے جمعہ نے اپنا بیشتر وقت اقبال کے ساتھ گزارا۔

یکم دسمبر کو دوسری گول میز کانفرنس کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔

۲ر دسمبر کی صبح محمد صدیق نا ڑو، محمود احمد عرفانی اور ماسٹر امام دین کار میں اقبال کو آثارِ قدیمہ کی سیر کرانے لے گئے۔ قاہرہ سے دس میل دور واقع اہرام کی سیر کی گئی۔ اُس کے بعد ابوالہول دیکھا۔ دوپہر کا کھانا شام کے تاجر محی الدین الخطیب کے گھر پر کھایا گیا۔ وہاں اقبال کی ملاقات شامی مجاہد ڈاکٹر عبدالرحمٰن شہبندر سے ہوئی۔ مصر کے مشہور صاحب طریقت بزرگ، سید محمد ماضی ابوالعزائم بھی اپنے دو صاحبزادوں کے ہمراہ آپ سے ملاقات کرنے آئے۔ پروفیسر علی بے عبدالرزاق بھی ملنے آئے۔ بعد ازاں اقبال، مصطفیٰ نحاس پاشا سے ملاقات کے لیے بیت الامۃ تشریف لے گئے۔ بعد کو احمد ذکی پاشا شیخ العروبہ کے گھر گئے۔ رات کا کھانا ان کے ساتھ کھایا گیا۔

۳ر دسمبر کی دوپہر کھانے کی دعوت مرزا مہدی بے ایرانی کے ہاں تھی۔ مولانا شوکت علی، مولانا شفیع داؤدی، شیخ محمد ازہر اور دیگر اصحاب بھی مدعو تھے۔ چار بجے احمد ذکی پاشا کے گھر چائے کی پارٹی میں شرکت فرمائی۔ اس موقع پر محمود پاشا عبدالرزاق، حزب الاحرار کے رئیس محمود پاشا، محمد علی پاشا اور ڈاکٹر محمد حسین ہیکل سے ملاقات ہوئی۔ اقبال پھر سید ابوالعزائم کے گھر گئے اور وہاں ان کے مُریدوں سے ملاقات فرمائی۔

۴ر دسمبر کو قاہرہ کا عجائب گھر دیکھا۔ بعد ازاں عربی دور کے میوزیم بھی دیکھے۔ واپس آکر چار بجے شام کو جمعیۃ الرابطہ النہدیہ کی طرف سے چائے کی پارٹی میں شرکت فرمائی۔ تقریب میں صدیق محمد ناڑو اور محمود احمد عرفانی نے آپ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ اس کے بعد لطفی بے جمعہ اور منیر الحصنی نے خطاب کیا۔ اقبال نے جوابی تقریر میں میزبانوں کا شکریہ ادا فرمایا۔ بعد میں

آپ سات بجے شبان المسلمین کے دفتر گئے اور ارکان سے خطاب فرمایا۔ رات کا کھانا محمد علی پاشا کے ہاں کھایا گیا۔

۵ر دسمبر کی صبح سید ابوالعزائم نے اپنی کار مع ڈرائیور بھیج دی تا کہ اقبال مصر کا قدیم اسلامی دارالخلافہ شطاط دیکھ آئیں۔ آپ نے مولانا غلام رسول مہر اور شیخ محمود احمد عرفانی کے ہمراہ یہ قدیم اسلامی پایۂ تخت دیکھا۔ اس کے بعد جامعہ عمرو ابن العاصؓ ملاحظہ فرمائی۔ پرانے تاریخی کھنڈرات دیکھے گئے۔ پھر امام شافعی کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور دیر تک قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے۔ اس کے بعد اقبال جامعہ ازہر پہنچے جہاں جامعہ کے منتظم، محمد خالد حسنین انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے کچھ دیر طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر تفسیر، حدیث اور منطق کے درس سنے۔ پھر جامعہ کے مختلف حصے دیکھے گئے۔ پھر بعد ازاں شیخ الازہر شیخ مصطفیٰ المراغی کے دفتر ملاقات کرنے تشریف لے گئے۔ شام کو چھ بجے کی ریل سے فلسطین روانہ ہوئے۔ تین گھنٹے سفر کے بعد ریل گاڑی قنطرہ پہنچی۔ یہاں سے گاڑی بدلنی تھی لہٰذا لد کے لیے دوسری ٹرین میں سوار ہوئے۔ لد میں اقبال نے پھر گاڑی بدلی اور ۶ر دسمبر کی صبح نو بجے یروشلم پہنچ گئے۔ بارش ہو رہی تھی۔ ریلوے اسٹیشن پر مفتی سید امین الحسینی، مولانا شوکت علی اور موتمر اسلامی کے منتظمین برائے استقبال موجود تھے۔ اقبال اور غلام رسول مہر کو گرینڈ ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ یہ موتمر مفتی سید امین الحسینی اور ان کے رفقا کی طرف سے اتحاد اسلامی کا نصب العین پورا کرنے کی خاطر منعقد کی گئی تھی۔ اس میں متعدد ممالک سے مسلمانوں کے نمائندے شریک تھے۔

موتمر اسلامی کا تعارفی اجلاس ۶ر دسمبر کی شام چار بجے روضۃ المعارف کے وسیع و عریض ہال میں منعقد ہوا۔ پہلے اجلاس میں شریک مندوبین کو ایک دوسرے سے متعارف کرایا گیا۔ اجلاس کے اختتام پر مسجدِ اقصیٰ جاتے ہوئے اقبال نے مولانا محمد علی جوہر کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ نمازِ مغرب مسجدِ اقصیٰ میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد محفل اسراء منعقد ہوئی۔ نماز عشاء بھی وہیں پڑھی گئی۔ نماز کے بعد مفتی سید امین الحسینی نے اپنا افتتاحی خطبہ دیا۔ موتمر کے مقاصد کے متعلق تفصیلات بتائی گئیں۔ ان کے بعد اقبال سمیت دیگر مندوبین نے مختصر تقاریر کیں۔

۷ر دسمبر کے اجلاس میں مفتی سید امین الحسینی کو موتمر کا مستقل صدر منتخب کیا گیا۔ اقبال، مصر کے محمد علی پاشا، ایران کے ضیاء الدین طباطبائی اور یمن کے سید محمد زیارہ نائب صدور منتخب ہوئے۔ اس کے بعد سیکریٹری کا انتخاب کیا گیا۔ بعد ازاں مولانا شوکت علی کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے

سات مختلف کمیٹیوں کا قیام عمل میں آیا۔ اقبال نے ۷ر دسمبر سے لے کر ۱۴ر دسمبر تک موتمر کے اجلاسوں میں حصہ لیا۔ اس دوران پانچ کمیٹیوں کی رپورٹوں پر اپنی رائے کا اظہار بھی فرمایا۔ فارغ اوقات میں بیت المقدس کےمقامات مقدسہ کی زیارت کرتے رہے۔ ۱۴ر دسمبر کی شام اقبال نے موتمر کے مندوبین سے انگریزی میں خطاب کیا۔ اس کا عربی ترجمہ ساتھ ساتھ استاد عبدالرحمٰن عزام کرتے گئے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اسلام کو اس وقت دوطرف سے خطرہ ہے: ایک الحاد مادی کی طرف سے اور دوسرا وطنی قومیت کی طرف سے...... میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ دل سے مسلمان بن جایئے۔ مجھے اسلام کے دشمنوں سے زیادہ اندیشہ نہیں، بلکہ خود مسلمانوں سے اندیشہ ہے......

۱۵ دسمبر کو آپ غلام رسول مہر کے ہمراہ بیت المقدس سے روانہ ہو گئے۔ بذریعہ ریل گاڑی پہلے قنطرہ پہنچے۔ وہاں سے بذریعہ کار پورٹ سعید تشریف لے گئے۔ پورٹ سعید میں ۱۶ دسمبر کی رات کا کھانا ڈاکٹر سلیمان اور ان کی جرمن بیگم کے ساتھ کھایا گیا۔ ۱۷ر دسمبر کی شب صدیق محمد ناڑو کی دعوت میں شرکت فرمائی۔ اقبال اس رات تقریباً بارہ بجے ''پلسنا'' نامی جہاز میں سوار ہو گئے۔ ۱۸ر دسمبر کو صبح چار بجے جہاز پورٹ سعید سے روانہ ہوا۔ اسی جہاز میں مہاتما گاندھی، حیدرآباد دکن کے شہزادہ اعظم جاہ، معظم جاہ اور ان کی بیگمات شہزادی درشہوار اور شہزادی نیلوفر، ان کی والدہ اور معزول سلطان ترکی عبدالمجید خان کی بیگم، سر اکبر حیدری اور ان کی بیگم سفر کر رہی تھیں۔ جہاز عدن کی بندرگاہ پر چند گھنٹوں کے لیے رکا۔ اقبال جہاز سے اترے اور گھنٹہ بھر شہر کی سیاحت کرتے رہے۔[۷۴]

۲۸ر دسمبر کی صبح جہاز بمبئی پہنچ گیا۔ دس بجے کے قریب اقبال خلافت ہاؤس تشریف لے گئے۔ عطیہ بیگم نے آپ کے اعزاز میں ایوان رفعت میں ایک شاندار تقریب کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس میں معزز شخصیات مدعو تھیں۔ حاضرین کے اصرار پر آپ نے انگریزی میں ایک مختصر تقریر فرمائی اور فرمایا کہ بطور پیغام میں صرف ایک شعر پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں وہ شعر یہ ہے:

چناں بزی کہ اگر مرگ تست مرگ دوام
خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد

مطلب یہ ہے کہ تو ایسی حسین و جمیل زندگی بسر کر کہ اگر تیری موت فی الحقیقت دائمی موت کی شکل اختیار بھی کر لے تو خود خدائے تعالیٰ کو شرم محسوس ہو کہ ہائے کیسی پر عظمت چیز فنا کے گھاٹ

اتار دی گئی اور اسے ابدیت کیوں نہ بخشی گئی!

دوست احباب کے اصرار پر اقبال نے اس کا انگریزی ترجمہ کچھ یوں فرمایا:

Live so beautifully
That if death is the end of all,
God himself may be put to shame
For having ended thy career.

اس کے بعد چائے کا دور چلا۔ بعد میں رقص و سرود کی محفل بھی منعقد ہوئی۔ رقص و سرود کے دوران اقبال نے عطیہ بیگم کی خدمت میں فی البدیہہ فارسی کے تین شعر قلمبند کر کے پیش فرمائے:

ترسم کہ تومی رانی زورق بہ سراب اندر
زادی بہ حجاب اندر میری بہ حجاب اندر
برکشت و خیابان پیچ برکوہ و بیاباں پیچ
برقے کہ بخود پیچد میرد . سحاب اندر
ایں صوت دل آویزے از زخمۂ مطرب نیست
مہجور جناں حورے نالد بہ رباب اندر

یہ مخصوص نشست تقریباً دو گھنٹے بعد ختم ہوگئی۔ اقبال پھر بمبئی سے ریل گاڑی میں ۲۸ر دسمبر ہی کو سوار ہو گئے۔ روانگی سے قبل آپ نے اخبارات کے لیے صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات اور صوبائی مختاری کے حصول کے متعلق ایک بیان دیا۔[۱]

۲۹ر دسمبر کی رات دہلی پہنچے۔ اسٹیشن پر احباب کی بڑی تعداد استقبال کرنے آئی ہوئی تھی۔ اسٹیشن پر اقبال کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ وہیں دہلی کے رئیس حافظ محمد صدیق کی جانب سے پیش کردہ کھانا بھی تناول فرمایا۔ دہلی سے آپ پھر لدھیانہ پہنچے۔ بعد ازاں امرتسر سے ہوتی ہوئی ریل گاڑی ۳۰ر دسمبر کی صبح آٹھ بجے لاہور اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ اسٹیشن پر آپ کا استقبال کرنے کے لیے اتنے لوگ آ گئے کہ سپاس نامہ پیش کرنے والے اسے پڑھ ہی نہ سکے۔[۲]

اس سال کے ابتدائی دنوں میں مولانا محمد علی جوہر کے انتقال کے فوراً بعد کرول باغ دہلی میں مسلمان رہنما جمع ہوئے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکوں میں حصہ لیا تھا۔ حالات کی تبدیلی کے باوجود وہ اپنے مسلک پر قائم تھے۔ وہ بھی تھے جو کانگریس کے ہم خیال یا لیگ کے ساتھ تھے۔ دورانِ گفتگو کسی نے کہا "ارے صاحب! آپ نے

اقبال کا خطبہ صدارت بھی پڑھا ہے! واللہ کیا خوب شاعری کی ہے۔ آخر شاعر ہی تو ہیں، کیسی غزل کہہ گئے ہیں''، اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا۔

اس سال ہندوستان اکیڈمی، صوبہ متحدہ نے یونی ورسٹی کے طلبہ میں اردو اور ہندی زبانوں میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا کرنے کی غرض سے سو سو روپے کے چند انعامات مقرر کیے۔ چناں چہ اس سال کرائسٹ چرچ کالج، کانپور کے عظیم الحق جنیدی کو اقبال کے فلسفہ موت پر تنقیدی مضمون لکھنے پہ ایک سو روپیہ انعام میں دیا گیا۔[۳۷]

دسمبر ۱۹۳۱ء میں سر ظفر اللہ خان مسلم لیگ کے صدر بن گئے۔ تاہم اس پر دہلی کے مسلمانوں نے شدید احتجاج اور مظاہرہ کیا کیوں کہ وہ احمدی ہونے کی وجہ سے انھیں غیر مسلم کہتے تھے۔ اقبال نے اس احتجاج پر کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ اس سے قبل چند ماہ کے لیے سر محمد شفیع بھی مسلم لیگ کے صدر رہے تھے۔[۴۷]

اس سال اقبال کو ۱۶۸۹۴ روپے آمدن ہوئی جس پر آپ نے ۱۴۰۷ روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔[۵۷]

❀......❀......❀

حواشی

۱- زندہ رود، ص ۳۹۵
۲- ایضاً، ص ۳۲۴
۳- ایضاً، ص ۳۲۴
۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۱۶
۵- اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۱۸۱
۶- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۲۲۶
۷- اقبال اور گجرات، ص ۲۱۶
۸- ایضاً، ص ۲۱۷
۹- عبداللطیف اعظمی، مولانا محمد علی، ایک مطالعہ، علمی ادارہ، جامعہ نگر، نئی دلی ستمبر، ۱۹۸۰، ص ۷۳
۹A- محمد علی چراغ، اکابرین تحریک پاکستان، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، ۱۹۹۷، ص ۵۳۱
۱۰- زندہ رود، ص ۳۹۴
۱۱- ایضاً، ص ۳۹۴

۱۲- روز گار فقیر ،جلد اول،ص۱۸۱۔۱۸۲
۱۳- روح مکاتیب اقبال،ص۴۱۷
۱۴- ایضاً،ص۴۱۸
۱۵- روز گار فقیر ،جلد اول،ص۱۸۲
۱۶- زندہ رود،ص۴۷۲۔۴۷۳
۱۷- روح مکاتیب اقبال،ص۴۱۸
۱۸- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۲۲۷
۱۹- زندہ رود،ص۴۲۸؛مکتوبات اقبال،مرتبہ:سید نذیر نیازی،ص۵۲
۲۰- روح مکاتیب اقبال،ص۴۱۹
۲۱- ایضاً،ص۴۱۹
۲۲- اقبال اور ظفر علی خان،ص۲۸۵۔۲۸۶
۲۳- روح مکاتیب اقبال،ص۴۲۰
۲۴- ادبی دنیا ،لاہور،اپریل۱۹۳۱،ص۲۰۵
۲۵- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،ص۱۵۵
۲۶- گفتار اقبال،ص۱۱۶۔۱۱۷
۲۷- اقبال اور بھوپال،ص۸۱
۲۷B- مکتوبات اقبال،مرتبہ:سید نذیر نیازی،ص۶۷
۲۸- اقبال اور بھوپال،ص۷۵
۲۹- گفتار اقبال،ص۱۲۲
۳۰- ایضاً،ص۱۱۹
۳۱- روح مکاتیب اقبال،ص۴۲۱
۳۲- گفتار اقبال،ص۱۲۰۔۱۲۱
۳۳- ایضاً،حاشیہ ص۱۲۰
۳۴- مکتوبات اقبال،مرتبہ:سید نذیر نیازی،ص۶۹
۳۵- روح مکاتیب اقبال،ص۴۲۳
۳۶- ایضاً،ص۴۲۳
۳۷- ایضاً،ص۴۲۳
۳۸- ادبی دنیا،لاہور،مئی۱۹۳۱،ص۲۶۶
۳۹- گفتار اقبال،ص۱۲۲

۴۰- روح مکاتیب اقبال، ص۴۲۵
۴۱- انوار اقبال، ص۶۔۹
۴۲- روح مکاتیب اقبال، ص۴۲۵
۴۳- گفتار اقبال، ص۱۲۳۔۱۲۵
۴۴- انوار اقبال، ص۹۶
۴۵- ڈاکٹر صابر آفاقی، اقبال اور کشمیر، ص۷۸۔۷۹؛ اقبال اور ظفر علی خان، ص۵۳۔۵۴
۴۶- گفتار اقبال، ص۱۲۵۔۱۲۹
۴۷- روح مکاتیب اقبال، ص۴۲۶
۴۸- ایضاً، ص۴۲۶۔۴۲۷
۴۹- زندہ رود، ص۴۳۳۔۴۳۴
۵۰- ایضاً، ص۴۳۱۔۴۳۲
۵۱- ایضاً، ص۴۳۵
۵۲- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص۷
۵۳- گفتار اقبال، ص۱۲۹
۵۴- ایضاً، ص۱۳۰
۵۵- ایضاً، ۱۳۰۔۱۳۲
۵۶- مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص۴۳
۵۷- گفتار اقبال، ص۱۳۲
۵۸- ایضاً، ص۱۳۳
۵۹- زندہ رود، ص۴۳۵۔۴۳۷
۶۰- روح مکاتیب اقبال، ص۴۲۸
۶۱- زندہ رود، ص۴۳۷
۶۲- زندہ رود، ص۴۳۷؛ مکتوبات اقبال، مرتبہ: سید نذیر نیازی، ص۷۵۔۷۶
۶۳- اختر النساء، مقالات یوسف سلیم چشتی، ص۲۲
۶۴- گفتار اقبال، حاشیہ ص۱۳۴
۶۵- روح مکاتیب اقبال، ص۴۳۲
۶۶- گفتار اقبال، ص۱۳۴

۱۹۳۲ء......تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت

یکم جنوری ۱۹۳۲ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور کے نمائندے نے اقبال سے ملاقات کی۔ آپ نے دوسری گول میز کانفرنس اور موتمر عالم اسلامی کانفرنس سے متعلق اپنے خیالات ایک بیان کی صورت اس کے سامنے پیش کیے۔ اقبال نے فرمایا کہ سفر فلسطین میری زندگی کا نہایت دلچسپ تجربہ ثابت ہوا۔ شام میں نوجوان عربوں سے مل کر میں خاص طور پر متاثر ہوا۔ دورے کے دوران مجھے اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے بعض مشترکہ مقامات مقدسہ کی زیارت کا موقع ملا۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام ولادت دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ میں کئی ذیلی کمیٹیوں کا رکن رہا، جو بعض تجاویز زیر بحث لانے کے لیے مقرر کی گئی تھیں۔ میری بھرپور خواہش ہے کہ عرب صرف ایک نہیں بلکہ کئی یونی ورسٹیاں قائم کریں تا کہ وہ علوم جدیدہ اپنی زبان میں منتقل کر سکیں۔

گول میز کانفرنس سے جلد چلے آنے کے متعلق آپ نے فرمایا کہ میں نے کانفرنس سے استعفیٰ نہیں دیا بلکہ صرف مسلم وفد سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ میں نے یہ قدم آل انڈیا مسلم کانفرنس کے فیصلے کے تحت اٹھایا۔

۷ر جنوری کو سید نذیر نیازی کا کارڈ اقبال کے نام موصول ہوا۔ اسی روز آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں آج شام دہلی جا رہا ہوں۔ ۸ر جنوری کی صبح آٹھ بجے پہنچوں گا۔ اسٹیشن ہی میں ٹھہرنا ہے کیونکہ اسی شام کو واپسی ہوگی۔ آپ بارہ بجے دوپہر یا یہ خط ملنے کے بعد مجھ سے اسٹیشن پر مل لیجیے۔ کتاب کے متعلق وہیں گفتگو ہوگی۔[۱]

آل انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس ۸ر جنوری کو دہلی میں منعقد ہوا۔ اقبال نے بھی مذکورہ اجلاس میں شرکت فرمائی۔ سید نذیر نیازی سارا دن آپ کے ساتھ رہے۔ اسی رات آپ واپس لاہور چلے آئے۔[۲]

مسلم لیگ کے صدر، سر میاں محمد شفیع ۷ر جنوری کو دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اس سلسلے میں

اقبال نے ایک تعزیتی بیان جاری کیا جو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ۹ ر جنوری کو شائع ہوا۔[۳] اسی دن آپ نے ایک انگریزی اخبار کے نمائندے سے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ میاں صاحب دل سے مسلمانوں کے ہمدرد تھے۔ سیاست میں ان کا مسلک بڑا نرم تھا۔ وہ ایک اعتدال پسند سیاست داں تھے۔[۴]

۱۶ ر جنوری کو وِ یگے ناست کا خط موصول ہوا۔ اقبال نے بڑی مسرت سے خط کئی بار پڑھا۔ اور لطف اندوز ہوئے۔[۵]

اسی روز کراچی سے سیٹھ عبداللہ ہارون کا ایک مکتوب آپ کو موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز سیٹھ صاحب کو جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ انگلستان میں مسلمانوں کے مطالبات کے سلسلے میں جو کچھ ہوا، اس سے میں حددرجہ متاثر ہوں...... تجربے نے مجھے سکھایا ہے کہ بہت کم لوگ قابل اعتماد ثابت ہوتے ہیں...... لاہور میں جو کانفرنس منعقد ہو رہی ہے، اس کی صدارت میں کر رہا ہوں۔[۶]

خواجہ عبدالرحیم، بار ایٹ لا نے ایک خط کے ذریعے آپ سے کچھ فقہی سوالات دریافت فرمائے۔ اقبال نے ۱۷ ر جنوری کو خواجہ صاحب کو جواباً تحریر فرمایا کہ آپ میرے چھ لیکچر غور سے پڑھیے۔ اس کتاب میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب (سوائے سود کے) موجود ہے۔ میرے خیال میں سود ہر صورت میں حرام ہے۔ زمین کے متعلق تھوڑی سی بحث جاوید نامہ میں بھی ہے۔ وہ ابھی زیرِ طبع ہے۔[۷]

۱۷ ر جنوری ہی کو اقبال نے وِ یگے ناست کو مکتوب کا جواب دیا، آپ نے تحریر فرمایا کہ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں جرمنی نہیں آسکا۔ میں نے تمام عرصے آپ کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ میرے دل میں ہمیشہ یہ تمنا زندہ رہی ہے کہ دوبارہ آپ سے ملاقات کروں۔ میں نے بہت کچھ لکھا ہے اور اپنی تمام تحریریں شائع کر دی ہیں...... خود کو ہندی گرد و نواح میں تنہا سا پایا ہے۔ جوں جوں میری عمر بڑھ رہی ہے، اس تنہائی کا احساس اور بھی بڑھ رہا ہے...... آپ کے خط ایک جرمن لغت کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں...... جرمنی ایک طرح سے میرے لیے دوسرا روحانی وطن تھا۔[۸]

زمان و مکان کے مسئلے پر لکھنے کے لیے اقبال کو ایک کتاب سر السماء کی اشد ضرورت تھی۔ اس ضمن میں آپ نے محمد صالح کو خطوط بھی لکھے تھے۔ محمد شجاع ناموس نے آپ کو اس مخطوطے کی نقل ارسال کر دی۔ اُسے پڑھ کر معلوم ہوا کہ جس مواد کی تلاش میں آپ تھے، وہ اس میں موجود نہیں۔ ۲۰ ر جنوری کو آپ نے پروفیسر محمد شجاع ناموس کے نام خط میں لکھا کہ یہ کتاب

میرے مطلب کی نہیں ہے۔[۹]

آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس دہلی میں منعقد ہونے والا تھا۔ اس میں شرکت کے لیے اقبال نے تیاری بھی کر لی کہ ۲۹ر جنوری کو پاؤں میں تکلیف ہوگئی۔ اس کا علاج کرایا گیا کہ شاید ایک دو روز میں تکلیف رفع ہو جائے۔ لیکن ۳۰ر جنوری کو پاؤں میں گرگابی پہنی، تو تکلیف بڑھ گئی۔ اسی روز آپ نے غلام رسول مہر کو خط کے ذریعے مطلع فرمایا کہ میں دہلی نہیں جا سکوں گا۔[۱۰]

مولوی صالح محمد پنجاب یونی ورسٹی میں ملازمت کے خواہش مند تھے۔ مزید برآں وہ بطور ممتحن کام کرنا چاہتے تھے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے اقبال کو خطوط بھی لکھے۔ آپ نے ۱۱ر فروری کو انھیں تحریر فرمایا کہ ان کا یونی ورسٹی سے کوئی تعلق نہیں، خود رابطہ کریں تاہم اگلے روز آپ نے انھیں فارم برائے ممتحن ارسال کر دیا۔[۱۱]

ماہ فروری میں ہندوستانی اخباروں میں خبر شائع ہوئی کہ مصطفیٰ کمال ترک نے ترکی زبان میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور ادائی نماز کا حکم جاری کیا ہے۔ اس خبر نے برصغیر کے مسلمانوں میں بے چینی پھیلا دی۔ اس سلسلے میں انگریزی ہفتہ وار اخبار لائٹ کے نمائندے نے اقبال سے انٹرویو کیا، جو شمارہ ۱۶ر فروری میں شائع ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ عربی وحی کی زبان ہے۔ چونکہ نماز فرائض میں شامل ہے لہٰذا لازمی طور پر عربی زبان ہی میں ادا کی جانی چاہیے۔[۱۲]

سید مصطفیٰ حسن، وائسرائے ہند کے میر منشی، سید رجب علی کے نواسے تھے۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں بہت سے نوادرات محفوظ تھے۔ اقبال نے ۱۷ر فروری کو مصطفیٰ حسن کے نام مکتوب میں وہ نوادرات دیکھنے کی تمنا ظاہر کی۔[۱۳]

فرانس کے اسکالر میسی نیون (Massinon) نے ۱۸ر فروری کو اقبال کو خط لکھا کہ وہ ان سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔[۱۴]

محمد عباس علی خاں لمعہ وقتاً فوقتاً آپ کو اپنی نظمیں بھیجتے رہتے تھے، آپ نے انھیں ۲۴ر فروری کو خط لکھا کہ میں آپ کی نظموں کو بڑی دل چسپی سے پڑھتا ہوں، کیوں کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کس حد تک اپنی نظموں کو آپ معنویت یا روحانیت کا حامل بنا سکے۔[۱۵]

کشمیر کے مہاراجا نے اپنی ریاست کے مسائل کے حل کے لیے نواب صاحب بھوپال سے مدد طلب کی۔ نواب صاحب نے آپ کو ماہ فروری کے آخر میں دہلی بلوایا۔[۱۶] آپ نے دہلی جانے

کی تیاری کرلی کہ اچانک آپ کا لڑکا جاوید بیمار ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب کو دکھایا تو اُنھوں نے معیادی بخار قرار دیا۔ آپ نے دہلی جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ اور ۲۹؍فروری کے خط میں غلام رسول مہر کو اس کی اطلاع دی کہ میری طرف سے ہز ہائی نس کی خدمت میں معذرت کر دیں۔[۱۷] لگ بھگ دو ہفتہ جاوید اقبال بخار میں مبتلا رہے۔ ڈاکٹر یار محمد خاں معالج تھے۔ ماں باپ بڑے پریشان تھے۔ جاوید کے سرہانے نوٹ رکھے جاتے اور کھیلنے کے لیے ماں سردار بیگم اشرفیاں دیتیں جو جاوید کی ولادت کے موقعہ پر اقبال کے مختلف احباب نے بطور تحفہ دی تھیں۔ سردار بیگم کا خیال تھا کہ اگر بیمار بچے کو کھیلنے کے لیے روپے یا اشرفیاں دی جائیں تو وہ جلد صحت یاب ہو جاتا ہے۔[۱۸]

فروری کے ابتدائی دنوں میں آپ کو فارسی کا شاہکار جاوید نامہ چھپ کر منظر عام پر آیا۔ اس کے اعزازی نسخے احباب کو بھیجے۔[۱۹]

۶؍مارچ کو پہلی مرتبہ وائی ایم سی اے ہال لاہور میں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ''یومِ اقبال'' منایا گیا۔ پہلا اجلاس گیارہ بجے اور دوسرا پونے تین بجے شروع ہوا۔ پہلے اجلاس کی صدارت لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس سید آغا حیدر نے کی۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور، حکیم احمد شجاع اور سید محمد عبداللہ نے انگریزی میں تقاریر کیں۔ اجلاس میں جاوید کی صحت یابی کے لیے دعا کی گئی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر ایس ایس بھٹنا گری ڈی ایس سی نے کی۔ شیخ اکبر علی ارسطو، محمد دین تاثر اور ایم اے مجید نے انگریزی میں تقریریں کیں۔ ممتاز حسن نے بھی انگریزی میں تقریر کی۔ اگلے روز پانچ بجے سہ پہر انسٹی ٹیوٹ کی طرف آپ کو چائے کی دعوت دی گئی۔

۹؍مارچ کے انقلاب میں یومِ اقبال کی روئیداد شائع ہوئی۔[۲۰]

۱۱؍مارچ کو سر سموئیل میور وزیر ہند کے نام آپ نے ایک خط میں لکھا کہ گول میز کانفرنس میں مَیں نے کہا تھا کہ اچھوتوں کو کونسلوں میں نمائندگی دی جائے۔ ان کے ہر ایک مرد و زن کو خواہ ان کی تعلیم یا جائیداد کی قابلیت کچھ بھی ہو ووٹر قرار دیا جائے۔[۲۱]

۲۱؍ مارچ کو بیرون دہلی دروازہ لاہور آل انڈیا مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس آپ کی صدارت میں شروع ہوا۔ آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کی تحریک آزادی اور کشمیر کمیٹی کی کوششوں کا ذکر کیا۔

۲۲؍مارچ کے اختتامی اجلاس میں اقبال نے ایک مختصر تقریر فرمائی، حاضرین جلسہ کا شکریہ

ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا:

اس سارے شور شغب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں جائز مطالبات منوانے کے لیے ایک تڑپ موجود ہے۔ میں اس جوش کا خیر مقدم کرتا ہوں...... میں آپ کا ممنون ہوں کہ اس نازک مرحلے پر آپ نے مجھ پر اعتماد کیا...... مگر جن کی تم نمائندگی کرتے ہو، وہ فرد کی قدر و قیمت تسلیم کرتا اور اسے ایک ایسے نظم و ضبط کے تحت لیتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ خداوند تعالیٰ اور انسان کی خدمت میں صرف کر دے...... روحانی اعتبار سے ہم مسلمان خیالات و جذبات کے ایک ایسے زندان میں محبوس ہیں، جو گزشتہ صدیوں میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کیا ہے...... ضرورت ہے کہ ساری مسلم قوم کی موجودہ ذہنیت یکسر بدل دی جائے تا کہ وہ پھر نئی آرزوؤں، نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ محسوس کرنے لگے...... کسی فرمان سے توقعات وابستہ مت کرو۔ مسولینی کا قول ہے کہ جس کے پاس لوہا ہے، اس کے پاس روٹی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو خود لوہا ہے، اس کے پاس سب کچھ ہے۔

اجلاس میں یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ اگر حکومت برطانیہ نے اواخر جون تک فرقہ وارانہ فیصلے کا اعلان نہیں کیا تو مسلم کانفرنس کا ایگزیکٹو بورڈ ۳/ جولائی ۱۹۳۲ء کو جلسہ منعقد کر کے راست اقدام کا پروگرام بنائے گا۔[۲۲]

چودھری محمد احسن نے جماعت احمدیہ کے تبلیغی لٹریچر کا مطالعہ کیا تھا۔ پھر بذریعہ خط انھوں نے اقبال سے بعض دینی مسائل کا حل جاننا چاہا اور جماعت احمدیہ سے متعلق رائے دریافت کی۔ آپ نے ۷/اپریل کے خط میں انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تحریک احمدیت کی لاہوری جماعت میں بہت سے غیرت مند مسلمان شامل ہیں۔ میں اشاعت اسلام کی مساعی کے سلسلے میں ان کا ہمدرد ہوں...... کسی جماعت میں شریک ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہیے...... جو طریق مرزا صاحب نے اختیار کیا، وہ زمانہ حال کی طبائع کے لیے موزوں نہیں۔ میرے نزدیک مہدی، مسیحیت اور مجددیت کے متعلق جو احادیث موجود ہیں، وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں...... عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح روح سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔[۲۳]

۱۴/اپریل کو ادارہ معارف اسلامیہ کا پہلا اجلاس علامہ اقبال کی زیر صدارت پنجاب یونی ورسٹی میں منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے اپنی تقریر میں صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے ادارے کے اغراض و مقاصد پیش کیے۔ انھوں نے ان امور کی طرف توجہ بھی دلائی جو ادارے کے پیش نظر تھے۔ بعد میں علامہ صاحب نے خطبہ صدارت دیا۔ آپ نے فرمایا کہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اب ہم فقط خبریات کی چھان کرنے کی بجائے ان اہم شعبہ ہائے علوم کی طرف متوجہ ہوں جو تحقیق کے محتاج ہیں۔[۲۴]

لاہور کے روزنامہ انقلاب کے شمارہ ۲۰راپریل میں ایک بیان شائع ہوا۔اس میں پنجاب کے پانچ بڑے مسلم رہنماؤں نے پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے حقوق اکثریت کے متعلق اظہارخیال کیا۔

ان مسلم رہنماؤں میں علامہ اقبال، خان بہادر رحیم بخش، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، سید محسن شاہ اور مولوی غلام محی الدین شامل تھے۔ان رہنماؤں نے بیان میں فرمایا ''مسلمانوں کے لیے یہ قطعی طور پر ناممکن ہے کہ وہ کسی ایسے دستور کو تسلیم کر لیں جو مرکز اور دیگر صوبہ جات میں انھیں ایک مؤثر اور مستقل ہندو اکثریت کے ماتحت رکھ دے۔اس طرح ان دو پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریت کو بھی ضروری تحفظات سے محروم کر دے گا۔''[۲۵]

سید نذیر نیازی نے اپنی ملازمت سے متعلق اقبال کو ایک خط تحریر کیا۔اس کے علاوہ بیمہ سے متعلق رائے بھی دریافت کی۔ نیز خطبہ الہ آباد کی نقول طلب کیں۔آپ نے ۴رمئی کو نیازی صاحب کو جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اگر آپ کی ملازمت کا سلسلہ ہو جائے ،تو بہت بہتر ہے...... بیمہ کے متعلق مفتی محمد عبدہٗ مصر کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ یہ جائز ہے......خطبے کی اردو نقول ارسال کرنے کے سلسلے میں علی بخش سے کہہ دیا ہے......نکلسن اور سر ڈینی راس نے جاوید نامہ کے متعلق بڑے اچھے خط لکھے ہیں۔پروفیسر ہیل اس کا جرمن زبان میں ترجمہ کریں گے۔[۲۶]

پروفیسر سید نصیرالدین ہاشمی نے اپنی ایک تصنیف یورپ میں دکھنی مخطوطات برائے مطالعہ اقبال کو ارسال کی۔۹رمئی کے خط میں مذکورہ کتاب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اقبال نے انھیں تحریر فرمایا کہ یہ کتاب اردو زبان اور ادب کی تاریخ کے سلسلے میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔[۲۷]

محمد عبدالقوی فانی چشتی صابری، مورس کالج، ناگپور میں فارسی کے پروفیسر تھے۔انھوں نے اپنے فارسی مقالات کا مجموعہ گلزار عثمانی آپ کو ارسال کیا۔۲۱رمئی کو اقبال نے انھیں جواباً تحریر کیا کہ ایک نظر دیکھنے کے بعد محسوس کیا ہے کہ آپ کے مقالے بہت شاندار ہیں۔اس سے اگلے روز آپ نے مس فارقوہرسن کو ہندوستان کے سیاسی صورت حالات بتاتے ہوئے تحریر کیا کہ میں ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں خاصا مایوس ہوں۔بمبئی کے فسادات اب تک جاری ہیں۔مجھے خدشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا نتیجہ خونریزی کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلے گا...... بوڑھے شوکت علی نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کر لی ہے۔اب وہ امریکا جا رہے ہیں۔[۲۸]

۲۸ر مئی کو بمبئی سے ایک خط موصول ہوا۔ یہ خط پنڈت مدن موہن مالویہ کے نمائندے ایس وی للت نے اقبال کے نام لکھا تھا۔ للت نے لکھا تھا کہ ہم آپ کی اصطلاح ''مسلم اسٹیٹ'' سے اتفاق نہیں کرتے، لیکن انھی معانی کا اظہار ''مسلم صوبے'' کے عنوان سے کیا جا سکتا ہے......فی الحال ڈاکٹر مونجے علانیہ طور پر آپ کی تجویز کی حمایت نہیں کریں گے۔ تاہم انھوں نے مجھے بعض امور پر آپ سے خفیہ بات چیت کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔ مولانا شوکت علی نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ موجودہ حالات میں ایسے سمجھوتے کو کیا اہمیت دیں گے؟ آپ کا جواب ملنے پر میں بھائی پرمانند، ڈاکٹر چیت رام اور دیگر اکابرین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیوں کہ ڈاکٹر مونجے کا کہنا ہے، مناسب قدم اٹھانے سے پیشتر ان اصحاب کی اجازت لینا اشد ضروری ہے۔

اقبال نے للت کو جواب میں خط تحریر فرما دیا۔ ان کی طرف سے جواب موصول نہیں ہوا تو آپ نے ایک دوسرا خط بھجوایا۔ اس سلسلے میں مولانا شوکت علی کو بھی خط تحریر کیا۔ [۲۹]

اقبال نے رپورٹ آف انڈین Franchise کمیٹی سے متعلق ایک بیان دیا، جو ۵ر جون کے اخبارات میں شائع ہوا۔ [۳۰]

۸ر جون کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس شملہ میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے صدر علامہ اقبال تھے۔ اجلاس میں ریاستی امور کے متعلق اور صوبوں کو مالی خودمختاری دیے جانے کے بارے میں چند قراردادیں منظور کی گئیں۔ [۳۱]

اقبال نے تحریک خلافت کے ایک رہنما، مولانا محمد عرفان خان کو بہ تاریخ ۸ر جون خط تحریر فرمایا اور انھیں لکھا کہ میں نے مسٹر للت کو دو خطوط لکھے تھے۔ مگر یہ خط میرے پاس واپس آ گئے، مسٹر للت اب معلوم نہیں کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ [۳۲]

پنجاب یونی ورسٹی میں اسلامی تاریخ کا مضمون ۱۹۲۳ء سے پڑھایا جانے لگا تھا۔ چونکہ یونی ورسٹی میں ہندوؤں کی اکثریت تھی لہٰذا اس مضمون کو اہمیت نہ ملی حتیٰ کہ ۱۹۳۲ء میں شعبہ تاریخ کے پروفیسر جے ایف بروس نے یہ تجویز دے دی کہ اسلامی تاریخ کو بی اے پاس کورس سے خارج کر دیا جائے۔ یونی ورسٹی بورڈ میں ہندو و عیسائی کثرت سے تھے لہٰذا کثرت رائے سے تجویز منظور ہو گئی۔ پنجاب کے مسلمانوں نے اس اقدام کی شدید مذمت کی۔ اس سلسلے میں ۱۱ر جون کو باغ بیرون موچی دروازہ، لاہور مسلم انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا۔ علامہ اقبال نے

جلسے کی صدارت فرمائی۔ آپ نے خطبۂ صدارت میں مسٹر بروس کی تجویز پر سخت تنقید فرمائی۔ آپ نے کہا کہ میرے نزدیک یہ دعویٰ غلط ہے کہ ایک قوم کی تاریخ کو اس قوم کی تاریخ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اجتماعی حیثیت سے انسانی روح کی ایک حرکت ہے۔ روح انسانی کا کوئی ماحول نہیں تھا بلکہ تمام عالم اس کا ماحول ہے۔ اٹلی میں شہزادہ کیتانی نے تاریخ پر بہت کتب لکھی ہیں۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ اسلامی تاریخ عورتوں کو مرد بنا دیتی ہے۔ بعد میں اتفاق رائے سے یہ قرارداد منظور کی گئی کہ اسلامی تاریخ کو دوبارہ مضمون کی حیثیت دی جائے۔[۳۳]

مولانا محمد علی جوہر نے محمد عباس علی خان لمعہ کو قرآن مجید کا ایک ایسا نسخہ دیا تھا، جو مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے تحریر کیا تھا۔ عباس علی خان نے اقبال کی خدمت میں نسخہ پیش کر دیا۔ آپ نے ۱۳ رجون کو انھیں بذریعہ خط تحریر فرمایا کہ اس مقدس تحفے کے لیے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔ ان شاءاللہ جلد ہی نسخہ استعمال کروں گا۔ اس سے پہلے بھی عباس علی خان نے ڈاکٹر کلیفورڈ کی کتاب Brotherhood بھیجی تھی، جس کا آپ نے ۲۴ رفروری ۱۹۳۲ء کے خط میں شکریہ ادا کر دیا تھا۔[۳۴]

۱۹۳۲ء میں لاہور کا اردو روزنامہ زمیندار تیسری بار جاری ہوا۔ اخبار کے مدیر مولانا ظفر علی خان نے اس کے تین نمبر آپ کی خدمت میں ارسال کیے۔ اقبال نے مولانا کو بہ تاریخ ۲۶ رجون مکتوب تحریر فرمایا اور تین نمبر موصول ہونے پر شکریہ ادا کیا۔[۳۵]

زمیندار نے ۲۸ رجون میں ''فکاہات'' کالم میں اقبال اور ٹیگور عنوان کے تحت لکھا کہ شاہ ایران نے سر رابندر ناتھ ٹیگور کی عزت فرمائی ہے، لیکن اس موقع پر اسلام کے جلیل القدر شاعر اقبال کو نظر انداز کرنا قابل افسوس ہے۔[۳۶]

۲۹ رجون کو اقبال نے ایگزیکٹو بورڈ آف آل انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس ملتوی کرنے کی تجویز دی جو الہ آباد میں ۳ رجولائی کو منعقد ہونے والا تھا۔ آپ نے اُسے جولائی کے آخر میں منعقد کرانے کا مشورہ دیا۔[۳۷]

سر ظفر اللہ خان ماہ جون میں وائسرائے کی کونسل میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ بعد ازاں پشاور کے میاں عبدالعزیز مسلم لیگ کے قائم مقام صدر منتخب ہوئے۔[۳۸]

زمیندار کے شمارہ ۳ رجولائی میں ''فکاہات'' کالم میں قادیانیت اور اقبال کے عنوان سے تحریر میں لکھا گیا کہ معلوم نہیں، قادیانی کس قسم کے انسان ہیں اور کس حوا کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔[۳۹]

۴؍جولائی کو الہ آباد میں مسلم کانفرنس کے بعض مقتدر ارکان نے ایک اجلاس عام منعقد کیا، اس میں اقبال کے اعلان التوا (بیان ۲۹؍جون) کے سلسلے میں احتجاج کیا گیا۔ اس اجلاس میں مولانا حسرت موہانی اور دیگر زعما نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلم کانفرنس کے اندر نئی جماعت بنائی جائے۔ مذکورہ تجویز پر اقبال نے ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ۶؍جولائی کے اپنے بیان میں مولانا حسرت موہانی کی تجویز کو سراہتے ہوئے نئی جماعت کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ یہ طرزِ عمل ان کی اپنی تجویز کے عین مطابق ہے، جو مسلم کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں پیش کی گئی تھی۔[۴۰]

زمیندار کے شمارہ ۶؍جولائی میں فکاہات میں ''قادیانیت اور اقبال'' کے عنوان کے تحت نقاش نے یہ لکھا کہ جب علامہ اقبال کو تحفہ گولڑویہ کی یہ عبارت پڑھ کر سنائی گئی کہ حوا نے شیطان کی قائم مقام بن کر آدم کو جنت سے نکال دیا تو علامہ اقبال نے فرمایا، یہ عقیدہ مسلمانوں کا نہیں البتہ عیسائی ضرور ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ رہے مرزا غلام احمد قادیانی، تعجب ہے کہ عورت ذات کے ساتھ عمر بھر کے تعلقات کے باوجود انھوں نے کس طرح گوارا کر لیا کہ حضرت حواؑ کو ایسے نازیبا الفاظ سے یاد کیا جائے۔[۴۱]

۱۶؍جولائی کو اقبال جالندھر تشریف لے گئے اور عید میلاد النبی کی ایک تقریب میں شرکت فرمائی۔ جالندھر کے مسلمانوں نے اس موقع پر ایک عظیم الشان جلوس نکالا۔ بعد ازاں ایک جلسہ ہوا جس میں اقبال نے نبی آخر الزماںؐ کی سیرتِ طیبہ پر ایک جامع تقریر فرمائی۔ اُسے لوگوں نے بہت سراہا۔ اس کے بعد آپ کے اعزاز میں چائے کی محفل سجائی گئی اور سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ شام کی گاڑی سے آپ واپس لاہور تشریف لے آئے۔[۴۲]

۲۵؍جولائی کو اقبال نے مسلم کانفرنس سے متعلق ایک اخباری بیان دیا۔ اسی روز اخبارات میں آپ کا وہ بیان بھی شائع ہوا، جو سِکھوں کے مطالبات کے سلسلے میں تھا۔ اس بیان سے سِکھ مسلم مفاہمت کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ اقبال کے دوست، سردار جوگندر سنگھ نے بہ تاریخ ۲۹؍جولائی بذریعہ خط آپ کو مطلع کیا کہ وہ (سِکھ) پنجاب کی کونسل میں مسلمانوں کو ایک نشست کی اکثریت دینے پر تیار ہیں۔ لیکن آپ نے یہ پیش کش مسترد کر دی اور سردار صاحب کو لکھا کہ وہ کونسل میں مسلمانوں کے لیے کم از کم اکاون فی صد نشستیں چاہتے ہیں۔ بعد ازاں سردار جوگندر سنگھ نے ایک اور مختلف اسکیم لکھ بھیجی لیکن اقبال نے اسے بھی رد کر دیا۔[۴۳]

محمد عباس علی خان لمعہ کو نارو کی بیماری چمٹ گئی۔ وہ رفتہ رفتہ طول پکڑ گئی۔ احباب نے

آپریشن کرانے کا مشورہ دیا، تو انھوں نے اقبال کی رائے طلب کی۔ آپ نے انھیں یکم اگست کو جواب میں تحریر فرمایا کہ ناروکا مرض اپنی مقررہ مدت پر ختم ہوتا ہے۔ اس لیے ابھی آپریشن نہ کرائیں۔ میں نے لاہور کے ایک حکیم سے دریافت کیا ہے، ان سے علاج ضرور کرائیے۔[۴۴]

پنجاب کونسل میں مسلمانوں کو نشستیں دینے سے متعلق سردار جوگندر سنگھ نے اقبال سے جو خط کتابت کی تھی، وہ بقول ان کے نجی تھی۔ لیکن بعد میں انھوں نے خود ہی اسے مورخہ ۴/اگست کے اخبارات میں شائع کرا دیا۔ پھر اقبال نے بھی اسی تاریخ کو خط کتابت کے سلسلے میں ایک بیان دیا۔[۴۵]

۷/اگست کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اقبال نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلمان سکھوں سے اپنی گفت وشنید کو اس وقت تک جاری رکھیں گے، جب تک حکومت فرقہ وارانہ مسئلے کے فیصلے کا اعلان نہ کر دے۔[۴۶]

۱۰/اگست کو اقبال نے یہ وضاحتی بیان دیا کہ آپ اس گفت وشنید میں حصہ نہیں لیں گے، کیوں کہ یہ مقصد فرقہ وارانہ فیصلے کے متعلق حکومت کے اعلان کو مزید تقویت دے ڈالتا ہے۔[۴۷]

۱۶/اگست کو وزیر اعظم برطانیہ نے فرقہ وارانہ فیصلے کا اعلان کر دیا۔ اس کے سبب سارے ہندوستان میں بحث ونزاع کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔[۴۸]

اسی روز اقبال کو پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک تار موصول ہوا۔[۴۹]

آپ نے بہ تاریخ ۱۷/اگست جواب میں پنڈت صاحب کو ایک تار بھجوایا۔[۵۰]

اسی روز اقبال نے غلام رسول مہر کے نام خط میں ان تاروں کی تفصیلات تحریر فرمائیں اور لکھا کہ پنڈت صاحب کے تار کا مقصد یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کر دوں، جو آج کے انقلاب میں بھی شائع ہوا تھا۔ میں نے جوابی تار میں لکھا کہ میں پہلے ہی اس متحدہ بیان پر دستخط کر چکا ہوں جو لاہور سے شائع ہوا ہے۔ افسوس کہ اب میں کسی دوسرے بیان پر دستخط نہیں کر سکتا۔[۵۱]

۱۷/اگست کو ہی مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس اقبال کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس میں کشمیر ایجی ٹیشن کے سلسلے میں احرار کے کارکنوں کی گرفتاری، قید و بند پر احتجاج اور ان کی رہائی کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔[۵۲]

گاندھی جی نے وزیر اعظم برطانیہ کے نام مورخہ ۱۸/اگست کو ایک خط لکھا اور اس میں اچھوتوں کو نمائندگی دینے کی شدید مخالفت کر دی۔[۵۳]

محمد شجاع ناموس نے دیارِ غیر سے اقبال کو ایک خط تحریر کیا۔ اس میں انگلستان کی ارسطوئی سوسائٹی (Aristotelian Society) نے آپ کو لیکچر دینے کے لیے لندن مدعو کر رکھا تھا۔

۲۱ر اگست کو اقبال دہلی سے واپس لاہور تشریف لائے تو یہ ناموس صاحب کے خطوط ملے۔ آپ نے اسی روز ناموس صاحب کو جواب دیا کہ جس طرح آپ نے ایران میں رہ کر فارسی سیکھی ہے۔ اسی طرح غزل سیکھنے کا بھی یہ خوب موقع ہے۔[۵۴]

۲۳ر اگست کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک اور اجلاس ہوا۔ صدر جلسہ علامہ اقبال ہی تھے۔ اس میں فرقہ وارانہ فیصلے کے متعلق ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اگلے روز آپ نے قرارداد کی تائید میں ایک بیان دیا۔ بیان میں آپ نے فرقہ وارانہ فیصلے پر اپنے اعتراضات کی وضاحت فرمائی۔ اس فیصلے سے مسلمانوں کو جو نقصان ہو رہا تھا، اس کی تلافی کے لیے آپ نے دو تجاویز پیش کیں۔ اوّل یہ کہ بنگال میں دو ایوانی مقنّنہ بنائی جائے اور ایوان بالا میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نشستیں دی جائیں۔ دوم یہ کہ صوبوں کو حقیقی اختیارات زیادہ سے زیادہ دیے جائیں اور مرکز کے پاس چند برائے نام اختیارات ہی ہوں۔[۵۵]

اگست کے مہینے میں فرقہ وارانہ فیصلہ پیش کیا گیا۔[۵۶]

ایران سے سعید نفیس نے بذریعہ خط اقبال کو ایران آنے کی دعوت دی اور آپ کے فارسی کلام کی تعریف فرمائی۔ آپ نے نفیس صاحب کو بہ تاریخ ۲۶ر اگست جواب میں تحریر فرمایا کہ کئی سال سے ایران جانے کی تمنا اور آرزو دل میں ہے...... میرے لیے یہ بات باعث فخر ہے کہ میرا فارسی کلام آپ جیسے فاضل دانش مند کی نگاہ میں قابل قبول ٹھہرا۔ اسی ہفتے میں آپ کو پیام مشرق روانہ کر رہا ہوں۔[۵۷]

مولانا محمد عبدالسمیع خان نکہت شاہ جہان پوری مقیم، ممبئی نے یکم ستمبر کو اپنی کتاب موازنہ صلیب و ہلال شائع کر دی۔ اس میں اقبال کی رائے بھی شامل تھی کہ موازنہ صلیب و ہلال تاریخی و سیاسی معلومات کا زبردست مخزن ہے۔[۵۸]

لکھنؤ کے رسالہ ہمدم کے مدیر نے آپ کو ایک شمارہ ارسال کیا، اور اپنے رسالے کے مقاصد سے آگاہ کیا۔ اقبال نے ۷ر ستمبر کے خط میں انھیں تحریر فرمایا کہ ہمدم نے مسلمانوں کو ہمیشہ بے لاگ مشورہ دیا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کرانے کے لیے دوبارہ کوشش کرنے کی تجویز بھی اسی رسالے کے ذریعے سامنے آئی...... اگر آج مسلمان قبل از وقت جداگانہ انتخابات سے دست بردار ہو گئے تو مورخ ان کے ہندوستان میں سیاسی اعتبار سے مٹ جانے کے لیے حکومت برطانیہ کو ہرگز مطعون نہیں کریں گے۔[۵۹]

فرقہ ورانہ فیصلے سے اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب کا حق مل گیا تھا۔ لیکن مہاتما گاندھی نے

برطانوی وزیر اعظم سے مطالبہ کیا کہ یہ فیصلہ واپس لیا جائے، ورنہ وہ مرن برت رکھ دیں گے۔ گاندھی اور برطانوی وزیر اعظم کے مابین خطوط ''گاندھی۔ وزیر اعظم مراسلت'' کے عنوان سے اخباروں میں شائع ہوئے۔ اقبال نے ۱۳ر ستمبر کو اس مراسلت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خطوط شخصی نفسیات کا دلچسپ مظہر ہیں۔ ان خطوط میں مجھے جو چیز سب سے نمایاں نظر آئی، وہ یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کے نزدیک ہندو مذہب کی صداقت اخلاقی اور مذہبی مسائل پر مشتمل ہے۔ ذاتی طور پر میں ان خیالات کا بے حد مداح ہوں۔ ہندو اخبارات نے میرے متعلق بدگمانیاں پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، اس کے باوجود میرا ہمیشہ یہی خیال رہا ہے کہ سیاسی مسائل، بالخصوص ہندوستان میں مذہبی اور اخلاقی معاملات کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک گاندھی جی کی خودکشی کی دھمکی کا تعلق ہے، مذہب اسلام نے خودکشی کو خواہ وہ کسی حالت میں بھی ہو، نامردی کا ثبوت قرار دیا ہے...... مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وزیر اعظم نے اپنے خط میں فرقہ وارانہ اعلان کے متعلق وضاحت سے لکھا ہے۔[۶۰]

گاندھی جی نے فرقہ وارانہ فیصلے میں اچھوتوں کو جداگانہ نیابت دیے جانے کے خلاف ۳۱ر دسمبر کو مرن برت رکھا دیا۔ حکومت نے بعدازاں میثاق پونہ کے تحت فیصلے میں تبدیلی کر دی۔[۶۱]

۲۲ر ستمبر کو اقبال نے محمد رفیع الدین کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ مقبوضہ کشمیر سے متعلق جو ان کے پاس دستاویزات محفوظ ہیں، وہ بھجوا دی جائیں تاکہ ان سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت نکالی جائے۔[۶۲]

۲۴ر ستمبر کو پونا معاہدہ وجود میں آیا۔ یہ دو منسلک اقوام یعنی اونچی ذات کے ہندوؤں (برہمنوں) اور اچھوت قوم کے درمیان راضی نامہ تھا۔ اقبال نے معاہدے کے سلسلے میں یہ بیان دیا کہ اس کی روح سے نہ اچھوتوں کی جداگانہ نیابت میں فرق آیا ہے اور نہ ہی ہندو دھرم سے کوئی قرب حاصل ہوا ہے۔ یہ بیان انقلاب کی اشاعت ۲۸ر ستمبر میں شائع ہوا۔[۶۳]

لاہور کے انگریزی رسالے *Muslim Revival* کے شمارہ ستمبر میں اقبال کا مضمون ''Corporeal Resurrection'' شائع ہوا:[۶۴]

سید نذیر نیازی نے بذریعہ خط اقبال سے دریافت کیا کہ آپ کب یورپ جا رہے ہیں؟ نیازی صاحب نے آپ کو یہ بھی لکھا کہ ان کی طبیعت آج کل خراب رہتی ہے۔ اقبال نے انھیں

۲۹ر ستمبر کو خط تحریر کیا اور لکھا کہ میرے یورپ جانے کا ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ اگر گیا تو اسی اکتوبر میں جاؤں گا ورنہ آئندہ سال۔ ڈاکٹر جرمانوی کا خط مجھے بھی آیا تھا، اگر میں یورپ گیا تو ان سے بھی ضرور ملاقات کروں گا۔ لندن کی ارسطوئی سوسائٹی کے لیے فلسفیانہ مضمون آج مکمل کر لیا ہے۔ اگر زبانی لیکچر نہ دے سکا تو ڈاک کے ذریعے بھیج دوں گا۔ [۶۵]

اکتوبر کے شروع میں بمبئی میں ہندوؤں، نیشنلسٹ اور خلافتی رہنماؤں کے درمیان ہندو مسلم مفاہمت پر بات چیت ہوئی۔ [۶۶]

۴ر اکتوبر کو راغب احسن کا تحریر کردہ خط اقبال کو موصول ہوا۔ آپ نے اسی روز انھیں جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ میں آج رات امور وفد کے سلسلے میں شملہ جا رہا ہوں۔ [۶۷]

۶ر اکتوبر کو اقبال کے ساتھ دیگر مسلم رہنماؤں مثلاً مولانا شفیع داؤدی، شفاعت احمد خان، سر ذوالفقار علی خان، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، سر محمد یعقوب، سید عبدالحفیظ، ایس ایم پاشا، سر معظم، غلام بھیک نیرنگ اور خلیفہ شجاع الدین نے شملہ میں یہ بیان دیا کہ اس وقت جداگانہ اور مخلوط انتخاب کا مسئلہ چھیڑنا قطعی نامناسب ہے۔ اکثریتی قوم کی طرف سے واضح تجاویز پیش ہونی ضروری ہیں۔ ان راہنماؤں کا یہ بیان ۷ر اکتوبر اور ۱۰ر اکتوبر کے اخبارات میں شائع ہوا۔ [۶۸]

۸ر اکتوبر کو آپ نے لکھنؤ کانفرنس کے سلسلے میں ایک اخباری بیان دیا۔ یہ کانفرنس نیشنلسٹ مسلم رہنماؤں نے منعقد کی تھی۔ [۶۹]

ہندو اور مسلم رہنماؤں کے مابین مذاکرات جاری تھے کہ مولانا شوکت علی اور شیخ عبدالمجید سندھی نے اعلان کیا، مسلم رہنماؤں کی ایک کانفرنس ۱۵ر اکتوبر کو لکھنؤ میں منعقد ہوگی۔ اس میں شرکت کے لیے اقبال کو بھی دعوت نامہ ارسال کیا گیا۔ جواب میں آپ نے بہ تاریخ ۸ر اکتوبر متعلقہ رہنماؤں کو لکھا کہ ہندوؤں کی طرف سے قطعی تجاویز پیش ہوئے بغیر ایسی کانفرنس منعقد کرنا نقصان دہ ہے۔ افسوس کہ میں ایسے حالات میں شریک نہیں ہوسکتا۔ اسی روز اقبال نے اس ضمن میں ایک اخباری بیان بھی جاری کیا۔ ڈاکٹر انصاری اور صدر خلافت کمیٹی کے تار ملے، تو اقبال نے انھیں بھی جواب دیا۔ [۷۰]

سردار سلیمان قاسم مٹھا نے اقبال کو تار دے کر پیغام دیا کہ آپ کی لکھنؤ کانفرنس سے علیحدگی نہایت مضر ثابت ہوگی۔ اقبال نے ۱۱ر اکتوبر کو تار کے ذریعے یہ پیغام بھجوایا کہ کانفرنس کو اس وقت تک منعقد نہ ہونے دیجیے جب تک اکثریت کی طرف سے تجاویز پیش نہ ہو جائیں۔ آپ

پنجاب، بنگال اور سندھ کی رائے مدنظر رکھیں اور اس مسلم اتحاد کو ضائع نہ کریں۔ [۱]

۱۶؍اکتوبر کو مجوزہ کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی لیکن اقبال اس میں شریک نہ تھے۔ کانفرنس میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے ہندوؤں اور سکھوں سے بات چیت کرنی تھی۔ آپ نے لکھنؤ کانفرنس کی قرارداد پر اگلے روز ایک اخباری بیان دیا۔ [۲]

لندن میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے اقبال کو اکتوبر کے شروع میں دعوت نامہ مل چکا تھا۔ حکومت برطانیہ نے بادل ناخواستہ آپ کو شرکت کی دعوت دی تھی کیوں کہ آپ مسلمانان ہند کی سیاسیات میں اہم مقام حاصل کر چکے تھے۔ ورنہ انگریز آپ کی تنقید سے سخت خائف تھے۔ [۳]

۱۷؍اکتوبر کو اقبال نے لاہور میں ادارہ معارف اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ آپ نے اس موقع پر نئے ادارے کا قیام مسلمانوں کو موجودہ دور جمود سے نکالنے اور ان میں معنوی بیداری کی روح پھونکنے کے لیے ضروری قرار دیا۔ اورینٹل کالج کے پروفیسر محمد اقبال خازنِ ادارہ مقرر ہوئے۔ ایک قرارداد کے ذریعے اعلیٰ حضرت حضور نظام کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا گیا، جنھوں نے ادارے کو دو ہزار روپیہ سالانہ کی گرانٹ عطا فرمائی تھی۔ [۴] یورپ روانہ ہونے سے قبل اقبال نے ۱۷؍اکتوبر کو ایک اخباری بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ میں مسلمانانِ ہند اور اپنے غیر مسلم ہم وطنوں کو یقین دلاتا ہوں، مسلم وفد اپنی طاقت اسلام اور ہندوستان کی خدمت میں صرف کرے گا۔ لکھنؤ کے رسالے ہمدم کے ڈائریکٹر کے نام اپنے ایک خط کے ذریعے بھی اقبال نے اپنے سیاسی موقف کی تشریح فرمائی اور یہ واضح کیا کہ مسٹر محمد علی جناح بھی اس بات سے متفق ہیں، مفاہمت کی تجاویز ہندوؤں کی طرف سے پیش ہونی چاہییں۔ خواہ ان کی اساس مخلوط انتخابات کا اصول ہی ہو۔ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے تمام مطالبات کے لیے اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ جداگانہ انتخابات کو غیر مشروط طور پر رکھ کر حکومت نے مسلمانوں کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اپنا مستقبل آپ طے کرلیں۔ وہ چاہیں تو اکثریت میں جذب ہوجائیں اور چاہیں تو کم از کم ہندوستان کے بعض علاقوں میں اپنی جداگانہ ہستی برقرار رکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجائیں۔ اگر آج مسلمانوں نے قبل از وقت جداگانہ انتخاب سے دست برداری اختیار کرلی تو آئندہ کا مؤرخ ہندوستان میں ان کے سیاسی اعتبار سے مٹ جانے پر حکومت برطانیہ کو ہرگز مطعون نہ کرے گا۔ [۵]

لکھنؤ کانفرنس سے متعلق اقبال نے روزنامہ خلافت کے نمائندے کو بہ تاریخ ۲۱؍اکتوبر

ایک انٹرویو دیا جو بمبئی کرانیکل میں بھی شائع ہوا۔[۷۶]

حکیم یوسف حسن نے اردو رسالہ نیرنگ خیال کا شمارہ ستمبر، اکتوبر اقبال نمبر کے طور پر شائع کیا، اس میں ۲۸ نثری مضامین جبکہ ۱۸ منظومات شامل تھیں۔ اس میں علامہ صاحب کی وہ تصویر بھی شائع کی گئی جو ایجپشن فوٹو کمپنی، لاہور نے ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء کو کھینچی تھی۔[۷۷]

ایران سے سعید نفیسی نے اقبال کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ انھیں پیام مشرق اور زبور عجم بہت پسند ہیں ...... ایران کے دانش مند آپ سے ملنے کے متمنی ہیں۔ اقبال نے ۴؍ نومبر کو نفیسی صاحب کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ ان کی پسندیدگی پر انھیں فخر محسوس ہوا ہے۔ تھوڑے عرصہ بعد افغانستان کا سفر درپیش ہے۔ آرزو ہے کہ ایران کو بھی دیکھ لوں۔[۷۸]

تیسری گول میز کانفرنس[۷۹] کا آغاز ۱۷؍ نومبر کو ہونا تھا، لیکن اقبال ایک ماہ قبل ۱۷؍ اکتوبر کو یورپ روانہ ہو گئے۔ دراصل آپ لندن پہنچنے سے پیشتر یورپ کے بعض علمی مراکز میں چند روز قیام کرنا چاہتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن لاہور سے بذریعہ فرنٹیر میل آپ بمبئی روانہ ہوئے۔ مسلم وفد کے اعزازی سیکریٹری، سید امجد علی آپ کے ہم سفر تھے۔ ریل بمبئی ریلوے اسٹیشن پر ۱۸؍ اکتوبر کو پہنچی اور صلاح الدین سلجوقی، افغان قونصل نے اقبال کا استقبال کیا۔ بمبئی میں مختصر قیام کے دوران اقبال نے عطیہ بیگم اور ان کے شوہر فیضی رحمٰن کے ساتھ کچھ وقت گزارا۔ اس کے بعد آپ سید امجد علی کے ہمراہ بحری جہاز ''کونٹے روسو'' کے ذریعے یورپ روانہ ہو گئے۔ اس بحری جہاز میں ہندوستان کا مشہور ماہر طبیعیات پروفیسر سی وی رامن بھی آپ کا ہم سفر تھا۔ جب جہاز اطالوی بندرگاہ وینس پر رکا، تو اقبال ریل کے ذریعے پیرس روانہ ہو گئے۔

پیرس میں سردار امراؤ سنگھ نے آپ کا استقبال کیا۔ پیرس میں اقبال نے ایک معمولی ہوٹل میں قیام فرمایا۔ امراؤ سنگھ کی بیوی ہنگری کی رہنے والی تھی۔ اس سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ تب ان کی دو بیٹیاں، امرتا اور اندرا بھی موجود تھیں۔ امراؤ سنگھ اور سید امجد علی کے ساتھ اقبال نپولین کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اگلے روز فرانسیسی مستشرق میسی نیون (Massignon) سے ملاقات فرمائی۔ دوران گفتگو میسی نیون نے کہا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ پر مسلمانوں کے عظیم احسانات ہیں۔ مسلم دانشوروں نے تہذیبی اعتبار سے یورپ کو بیدار کیا اور تعلیم و معاشرت کے کئی شعبوں میں مغرب کی ترقی کے لیے نت نئے مواقع عطا کیے۔

یہ ملاقات بڑی دیر تک جاری رہی۔ اقبال پیرس میں مقیم شیدائی اور ان کی بیگم سے بھی ملے۔ فرانسیسی فلسفی برگساں سے بھی ملنے کا ارادہ تھا، لیکن وہ پیرس میں موجود نہ تھے۔ اس لیے طے پایا کہ کانفرنس سے واپسی پر ان سے ملاقات کی جائے گی۔ پیرس میں چند روز قیام کے بعد اقبال بذریعہ ریل لندن پہنچے۔ وکٹوریہ اسٹیشن پر انگریز نومسلم خالد شیلڈریک نے آپ کا استقبال کیا۔ اس موقع پر انھوں نے آپ کو مشہور برطانوی سیاست دان جان برائٹ کی تقاریر کا مجموعہ پیش کیا، جو لندن سے ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا تھا۔ انھوں نے اقبال سے درخواست کی کہ گول میز کانفرنس کے مباحث میں حصہ لینے سے قبل یہ کتاب ضرور پڑھ لیں۔ اقبال نے راتوں رات یہ کتاب پڑھ لی۔

۲۴ رجون ۱۸۵۸ء کو جان برائٹ نے برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کے متعلق تقریر کرتے ہوئے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان میں کم از کم پانچ صوبے بنائے جائیں۔ ان کے دارالحکومت کلکتہ، مدراس، بمبئی، آگرہ اور لاہور ہونے چاہییں۔ یہ صوبے بالکل خودمختار مملکت کی طرح ہوں۔ اس کانفرنس میں کانگریس کی طرف سے کوئی شریک نہ ہوا۔ محمد علی جناح کو بھی نامزد نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ علامہ اقبال نے لندن میں قیام کے دوران جناح صاحب سے کئی بار ملاقاتیں کیں۔

لندن میں علامہ اقبال ملکہ این کے محل میں رہائش پذیر رہے۔ عبداللہ چغتائی بھی ان دنوں لندن میں ہائی گیٹ کے ایک مکان میں مقیم تھے۔ سید امجد علی کے ذریعے انھیں اقبال کے آنے کی اطلاع ملی، تو فوراً ملاقات کرنے چلے آئے۔ چغتائی صاحب جب اقبال سے ملنے پہنچے، تو وہ کیمبرج میں زیرِ تعلیم ایک پنجابی نوجوان سے پنجابی زبان میں محوِ گفتگو تھے۔ چغتائی کو دیکھ کر اقبال بہت خوش ہوئے۔ اسی اثنا میں ایک اور صاحب آ گئے۔ آپ نے حاضرین سے ان صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ سردار اقبال علی شاہ ہیں۔ علامہ صاحب پھر سردار اقبال علی شاہ سے افغانستان اور جنرل نادر شاہ کے متعلق بات چیت کرنے لگے۔

اسی روز شام کے وقت طلبہ کا ایک گروہ اقبال سے ملنے آیا۔ اس میں فیروز سنز کے (مستقبل کے سربراہ) عبدالوحید بھی شامل تھے۔ اگلے روز عبداللہ چغتائی فلسطین کے ایک عرب طالب علم، اسحاق حسینی کو لے کر اقبال سے ملنے آئے۔ چغتائی صاحب نے علامہ صاحب سے عرب طالب علم کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ صاحب ان دنوں ابن تیمیہ کی کتاب المعارف پر ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر اقبال فوراً ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے ابن تیمیہ کی ایک اور کتاب الامامة و

السیاسۃ کا ذکر کیا، جس کے مصنف کے بارے میں علما میں شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔ اسحاق حسینی نے بھی آپ کی بات سے اتفاق کیا۔

۲۲ر نومبر کو اقبال نے علیحدگی سندھ کے متعلق ایک یادداشت پارلیمنٹ کے سبھی ارکان کو ارسال فرمائی۔

۲۴ر نومبر کو مس فارقوہرسن نے نیشنل لیگ آف انگلینڈ کی جانب سے اقبال کے اعزاز میں ایک شاندار استقبالیہ دیا۔ اس تقریب میں گول میز کانفرنس کے مندوبین اور برطانیہ کی بعض مقتدر شخصیات موجود تھیں۔ تقریب کے آغاز میں مس فارقوہرسن نے اقبال کا مختصر تعارف کرایا۔ بعدازاں لارڈ لیمنگٹن نے آپ کی شعری تخلیقات کی تعریف کی اور دنیائے اسلام کی بیداری کے سلسلے میں آپ کی خدمات کو سراہا۔ آخر میں اقبال نے مختصر سی تقریر فرمائی جس میں یہ فقرہ بڑا معنی خیز تھا:

If Britain trusted India, she would trust Britain.

یہ تقریب سینٹ جیمز پیلس میں بمبئی کے سابق گورنر، لارڈ لیمنگٹن کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ اس یادگار تقریب کے اختتام پر ایک گروپ فوٹو بھی کھینچا گیا۔

۱۲ر دسمبر کو اقبال نے ایف ویگے ناست کے نام جرمنی مکتوب میں تحریر فرمایا کہ میں مختصر عرصے کے لیے دوبارہ انگلستان آ گیا ہوں۔

۱۵ر دسمبر کو اقبال نے نیشنل لیگ آف انگلینڈ کے ایک اور اجلاس سے خطاب فرمایا۔ یہ اجلاس کمیٹی روم نمبر ۱۰ میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ارکان، غیر ملکی سفیر اور مسلم وفد کے کئی رہنما شریک تھے۔ اقبال نے اپنی تقریر میں فرمایا، میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے مسئلے کا یہ ممکن حل تجویز کیا تھا کہ مغربی ہند میں ایک مسلم ریاست قائم کر دی جائے۔ میری تجویز مسلمانوں کے مطالبات میں شامل نہیں، لیکن میری ذاتی رائے میں یہی تجویز واحد ممکنہ حل ہے۔

اس موقع پر اقبال کی ملاقات لارڈ لوتھین سے بھی ہوئی۔ انھوں نے آپ کو بتایا کہ ہندوستان کے مصائب کا حل وہی ہے جو آپ بتاتے ہیں، لیکن اس تک پہنچنے میں ۲۵ سال لگ جائیں گے۔

لندن میں اقبال بیمار ہوگئے۔ اس زمانے میں ایبٹ آباد کے ڈاکٹر رحمت اللہ قریشی لندن میں پریکٹس کرتے تھے، انھوں نے آپ کا علاج کیا۔ سر اکبر حیدری، ملک عمر حیات خان ٹوانہ، سر ظفر اللہ خان، شفاعت احمد خان ارکان کانفرنس آپ کی عیادت کرنے آئے۔

اقبال کے مشورے سے عبداللہ چغتائی چند احباب کے ہمراہ کیمبرج گئے۔ وہاں انھوں نے

پروفیسر نکلسن سے درخواست کی کہ وہ آپ کے چیدہ اشعار کا انگریزی میں ترجمہ کردیں تاکہ انھیں عبدالرحمٰن چغتائی کی تصاویر سے مزین کر کے شائع کیا جا سکے، مگر پروفیسر نکلسن نے اپنی مصروفیات اور خصوصاً کہنہ سالی کے باعث معذرت کر لی۔

لندن کی ارسطوئی سوسائٹی کی ایک تقریب میں اقبال نے ایک مقالہ "Is Religion Possible?" پیش کیا، جسے بے حد سراہا گیا۔

اقبال نے تیسری گول میز کانفرنس میں محض ایک تماشائی کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور اس کی کارروائیوں میں سرگرمی سے حصہ نہ لیا۔ آپ کو اینگلو انڈین فرقے کی تعلیمی کمیٹی کا رکن بنایا گیا تھا، لیکن اقبال کمیٹی کے کسی بھی اجلاس میں شریک نہ ہوئے۔ وجہ یہ کہ کانفرنس کے بیشتر مباحث کل ہند وفاق یا مرکزی حکومت کے امور سے تعلق رکھتے تھے، جب کہ اقبال وفاق میں کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ صوبوں کو مکمل خودمختاری مل جائے اور ہر صوبے کا تعلق براہ راست لندن میں وزیر ہند سے قائم رہے۔ اس کانفرنس کے دوران چودھری رحمت علی اور کیمبرج یونی ورسٹی میں زیر تعلیم مسلم طلبہ نے پاکستان اسکیم سے متعلق انگریزی پمفلٹ *Now or Never* (اب یا کبھی نہیں) مندوبین میں تقسیم کیا۔

لندن میں قیام کے دوران اقبال نے ''اسلام میں عورتوں کے حقوق'' سے متعلق ایک انٹرویو دیا جو اخبار لیور پول پوسٹ میں شائع ہوا۔

جرمنی سے ویگے ناست نے اقبال کے خط کا جواب دے دیا۔ آپ نے انھیں ۲۹ر دسمبر کو بذریعہ خط تحریر فرمایا کہ لندن سے میں ۳۰ر دسمبر کو روانہ ہوں گا۔ پروگرام کے مطابق ہائیڈل برگ ۸ر جنوری ۱۹۳۳ء کو رات دس بج کر تیس منٹ پر پہنچوں گا۔ ہائیڈل برگ آنے کا واحد مقصد آپ سے کئی سال بعد دوبارہ ملاقات کرنا ہے۔

گول میز کانفرنس ۲۴ر دسمبر کو ختم ہوگئی، لیکن اقبال ۳۰ر دسمبر تک لندن ہی میں مقیم رہے۔ اس دوران آپ نے سردار بیگم کے لیے چند زیورات خرید فرمائے۔ فرزند ارجمند جاوید اقبال نے آپ کو گراموفون لانے کا لکھا تھا، لیکن آپ وہ خرید نہ سکے۔ اقبال نے جاوید اور مختار احمد کو بذریعہ خط اپنے واپسی کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ اسی خط میں جاوید کے لیے پانچ اشعار پر مشتمل ایک نظم ''جاوید نامہ'' بھی درج تھی۔ یہ خط لندن سے ۲۹ر دسمبر کو بھجوایا گیا۔ اسی روز آپ نے غلام رسول مہر کو اپنے واپسی کے پروگرام سے آگاہ کیا اور لکھا کہ وہ ۲۲ر فروری کو بمبئی پہنچ جائیں گے۔ علی بخش ایک آدھ روز پہلے بمبئی پہنچ جائے اور میرا بستر لیتا آئے۔

کانفرنس کے دوران ایک تصویر کھینچی گئی، جس میں علامہ اقبال کے علاوہ محمد علی جناح شطرنج کے چیمپین سلطان خان، ڈاکٹر رحمت اللہ قریشی، چودھری رحمت علی، پیر احسن الدین اور میاں عبدالحق موجود تھے۔

لندن میں قیام کے دوران ہی اقبال نے جرمن شاعر گوئٹے کی صد سالہ تقریب میں شرکت فرمائی۔ اس عرصے میں عبداللہ چغتائی کے ہمراہ ایک جرمن لڑکی، ایلزا ہریفنز آپ سے ملنے آئی، جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ لندن کے رسالے *Indian Art and Letters* نے ۱۹۳۲ء میں اپنے پہلے شمارے میں اقبال کا ایک مقالہ "McTaggart's Philosophy" شائع کیا۔

۳۰ر دسمبر کو آپ لندن سے دوبارہ پیرس کے لیے روانہ ہوئے۔[۸۰]

اقبال نے احباب کے اصرار پر ماہ رمضان کے اختتام پر عید الفطر کے روز بادشاہی مسجد میں ایک خطبہ دیا تھا۔ عید کے موقع پر اس خطبے کو انجمن اسلامیہ پنجاب، لاہور نے فیروز پرنٹنگ ورکس، لاہور سے پمفلٹ کی صورت میں چھپوا کر تقسیم کیا۔[۸۱]

اس سال دلی میں خواجہ حسن نظامی نے ایک انگریز آئن اسٹیفنز نامی کو ایک محفل مشاعرہ و سماع میں اپنے ہاں مدعو کیا۔ اس دعوت طعام میں علامہ اقبال کے علاوہ سر محمد یعقوب اور سر ظفر اللہ خان بھی موجود تھے۔ اسٹیفنز صاحب پنجابی مسلمانوں جیسا لباس پہن کر آئے۔ وہ علامہ صاحب سے کیمبرج اور آپ کے اساتذہ مثلاً ڈاکٹر میک ٹیگرٹ کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔[۸۲]

۱۹۳۱۔۱۹۳۲ء میں اقبال کو ۶۵۷۶ روپے آمدن ہوئی۔ ۱۴۶ روپے ٹیکس ادا کیا۔[۸۳]

❋……❋……❋

حواشی

۱- زندہ رود، ص ۴۷۱۔۴۷۲

۲- مکتوبات اقبال، ص ۷۹

۳- زندہ رود، ص ۴۷۳

۴- اوراق گم گشتہ، ص ۲۰۷۔ تاریخ ارائیاں، ص ۴۰۷

۵- اقبال یورپ میں، ص ۱۳۷

۶- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۳۶

۷- انوار اقبال،ص۲۴۸

۸- اقبال یورپ میں،ص۱۳۷

۹- روح مکاتیب اقبال،ص۴۳۷

۱۰- انوار اقبال،ص۹۹

۱۱- روح مکاتیب اقبال،ص۴۳۸

۱۲- زندہ رود،ص۴۷۴

۱۳- انوار اقبال،ص۳۰۷

۱۴- زندہ رود،ص۴۹۵

۱۵- روح مکاتیب اقبال،ص۴۳۹

۱۶- زندہ رود،ص۴۷۴

۱۷- انوار اقبال،ص۹۸

۱۸- زندہ رود،۴۷۵

۱۹- تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ،ص۱۵۵

۲۰- اوراق گم گشتہ،ص۱۹۷

۲۱- اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۳۵۸-۳۵۹

۲۲- گفتار اقبال،ص۱۴۷-۱۴۸؛اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۳۲۹-۳۳۰-۳۳۹

۲۳- روح مکاتیب اقبال،ص۴۴۰

۲۴- گفتار اقبال،ص۱۷۰

۲۵- ایضاً،ص۱۴۸-۱۵۱

۲۶- روح مکاتیب اقبال،ص۴۴۰-۴۴۱

۲۷- ایضاً،ص۴۴۱

۲۸- ایضاً،ص۴۴۲

۲۹- ایضاً،ص۴۴۴

۳۰- مجلّہ اقبال،بزم اقبال،لاہور،جولائی ۱۹۸۸-ص۱۲۲

۳۱- انوار اقبال،ص۲۰۷-۲۰۹؛اقبال کا سیاسی کارنامہ،ص۳۴۸-۳۴۹

۳۲- روح مکاتیب اقبال،ص۴۴۴

۳۳- گفتار اقبال،ص۱۵۱-۱۵۴

۳۴- اقبالیات،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،جنوری،مارچ ۱۹۸۸ء،ص۱۵۵

۳۵- اقبال اور ظفر علی خان،ص۴۷

۳۶- ایضاً، ص ۲۶۷۔۲۶۸
۳۷- حرف اقبال، لطیف احمد شروانی، ص ۱۷۴
۳۸- زندہ رود، ص ۳۴۱
۳۹- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۲۷۱۔۲۷۲
۴۰- زندہ رود، ص ۴۸۲
۴۱- اقبال اور ظفر علی خان، ص ۲۷۳۔۲۷۴
۴۲- زندہ رود، ص ۴۸۴
۴۳- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۳۵۲۔۳۵۳۔۳۵۴
۴۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۴۵
۴۵- زندہ رود، ص ۴۸۴؛ اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۳۵۴
۴۶- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۳۵۵
۴۷- ایضاً، ص ۳۵۵
۴۸- ایضاً، ص ۳۵۶
۴۹- انوار اقبال، ص ۱۰۰
۵۰- ایضاً، ص ۱۰۰
۵۱- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۴۵
۵۲- زندہ رود، ص ۴۸۵
۵۳- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۳۶۱
۵۴- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۴۶
۵۵- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۳۵۶؛ حرف اقبال، ص ۱۸۵
۵۶- ایضاً، ص ۳۶۷
۵۷- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۴۶
۵۸- اوراق گم گشتہ، ص ۷۰
۵۹- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۴۷
۶۰- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص ۳۶۳۔۳۶۴؛ گفتار اقبال، ص ۱۵۵۔۱۵۷
۶۱- ایضاً، ص ۳۶۳
۶۲- روح مکاتیب اقبال، ص ۴۴۷
۶۳- گفتار اقبال، ص ۱۵۷۔۱۵۸
۶۴- *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, P.188

۶۵- روح مکاتیب اقبال، ص۴۴۸

۶۶- گفتار اقبال، ص۱۵۸

۶۷- اقبال۔ جہان دیگر، ص۳۹

۶۸- گفتار اقبال، ص۱۵۸

۶۹- ایضاً، ص۱۵۹۔۱۶۰

۷۰- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۳۶۹۔۳۷۰؛ گفتار اقبال، ص۱۵۸

۷۱- گفتار اقبال، ص۱۶۱

۷۲- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۳۷۲

۷۳- زندہ رود، ص۴۸۸

۷۴- ایضاً، ص۴۹۰، گفتار اقبال، ص۱۶۹۔۱۷۰

۷۵- گفتار اقبال، ص۱۶۲، زندہ رود، ص۴۸۸

۷۶- *Speeches, Writings and Statements of Iqbal*, P.267

۷۷- نقوش، لاہور۔ نومبر۱۹۷۷ء۔ اقبال نمبر؛ نیرنگ خیال، ۱۹۳۲ء

۷۸- روح مکاتیب اقبال، ص۴۵۰

۷۹- تیسری گول میز کانفرنس کے سلسلے میں ان کتب سے مدد لی گئی:

(i) زندہ رود، ص۴۹۰۔۴۹۴۔۴۹۵

(ii) مفکر پاکستان، ص۳۰۱۔۳۰۴۔۳۰۶

(iii) روزگار فقیر، جلد اوّل، ص۱۴۲۔۱۴۳۔ جلد دوم، ص۲۶۶

(iv) اقبال کی صحبت میں، ص۲۷۴۔۲۷۵۔۲۶۸۔۲۶۹

(v) ذکر اقبال، ص۱۸۰

(vi) اقبال یورپ میں، ص۱۳۹۔۱۴۰

(vii) اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۳۸۴۔۳۸۶، ۳۹۱

(viii) انوار اقبال، ص۱۰۰۔۱۰۱

(ix) صحیفہ، اکتوبر دسمبر۱۹۸۷ء، ص۱۳

۸۰- زندہ رود، ص۲۹۵

۸۱- سید عبدالواحد معینی، مقالات اقبال، آئینہ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور ۱۹۸۸ء، ص۲۸۲

۸۲- اقبال یورپ میں، ص VX

۸۳- زندہ رود، ص۵۴۳

۱۹۳۳ء......فرانس، ہسپانیہ اور افغانستان

اقبال بذریعہ ریل پیرس پہنچ گئے۔ اس بار آپ نے مشہور فرانسیسی فلاسفر، ہنری برگساں سے ملاقات فرمائی۔ یہ ملاقات خاصی طویل رہی۔ اس میں برگساں کے نظریہ ''واقعیت زمان'' پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ گفتگو کے دوران اقبال نے اللہ تعالیٰ کے متعلق رسول اللہؐ کی یہ حدیث بیان فرمائی۔ لاتسبوا الدھر ان الدھر ھو اللہ۔ (زمانے کو بُرا مت کہو، میں خود زمانہ ہوں) اُسے سن کر برگساں بہت متاثر ہوئے اور بار بار اقبال سے پوچھتے رہے کہ کیا یہ قول واقعی درست ہے؟ کچھ دیر برکلے (Berkeley) پر تبادلہ خیال کیا۔ برگساں نے آپ کا لیکچر Is Religion Possible? پڑھ رکھا تھا۔ برگساں نے دوران ملاقات اعتراف کیا کہ ان کا اپنا فلسفہ بھی اسی سمت حرکت کر رہا ہے۔ برگساں سے دورانِ ملاقات گفتگو سردار امراؤ سنگھ شیر گل کے توسط سے ہوئی انھوں نے اس کی تفصیل بھی قلمبند کر لی۔

پیرس سے اقبال ۵ یا ۶ رجنوری کو اسپین کے دارالحکومت میڈرڈ (Madrid) تشریف لے گئے۔ میڈرڈ میں آپ کے ساتھ ایک دبلی پتلی انگریز لڑکی رہی، جو پرائیویٹ سکریٹری (مترجم) کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ وہ لڑکی آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئی۔ میڈرڈ میں اقبال کے میزبان پروفیسر آسین پیلا کیوس بنے جنھوں نے دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اور اسلام پر ایک کتاب تحریر کی تھی۔ انھوں نے ہی اقبال کو میڈرڈ آ کر یونی ورسٹی میں لیکچر دینے کی دعوت دی تھی۔ میڈرڈ پہنچتے ہی اقبال کی اسپین کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی۔ چند روز میڈرڈ ٹھہرنے کے بعد آپ اسپین کے جنوبی علاقے، اندلس چلے گئے۔ آپ نے وہاں قدیم تاریخی مقامات دیکھے۔ واپسی پر چند روز میڈرڈ میں قیام فرمایا اور ان پروفیسروں اور دانشوروں سے ملاقاتیں کیں، جو عربی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے یا جن کا موضوعِ تحقیق اسلامی تمدن تھا۔ میڈرڈ ہی میں عرب محقق محمود خضیری سے بھی ملاقات ہوئی۔

۲۱؍جنوری کو اقبال جنوبی ہسپانیہ کا دورہ کر کے میڈرڈ واپس پہنچے۔ اسی روز آپ نے ویگے ناست کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اس مرتبہ میرے لیے ہائیڈل برگ آنا ناممکن ہوگا۔ مجھے وہ سارے ٹکٹ منسوخ کرنے پڑے ہیں جو میں نے لندن سے خریدے تھے۔ میرے لیے لازمی ہے کہ میں وینس سے دس فروری کو روانہ ہونے والا جہاز، کونتے وردی پکڑلوں۔

۲۴؍جنوری کو میڈرڈ یونی ورسٹی میں پروفیسر آسین پیلاکیوس کی صدارت میں ''اسپین اور فلسفہ اسلام'' کے موضوع پر اقبال نے ایک لیکچر دیا جو نہایت پسند کیا گیا۔

میڈرڈ سے اقبال نے مدیر انقلاب کے نام خط تحریر کیا اور لکھا کہ وہ جمہوریہ ہسپانیہ کے وزیر تعلیم اور پروفیسر آسین سے ملاقاتیں کر چکے ہیں۔

اقبال نے ہسپانیہ میں قیام کے دوران قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کی سیاحت فرمائی۔ حدیقۃ النہرہ کے کھنڈرات دیکھے۔ یہ محل عبدالرحمٰن اوّل (وفات ۷۸۸ء) نے اپنی چہیتی بیوی، زہرہ کے لیے ایک پہاڑ پر تعمیر کرایا تھا۔ مسجد قرطبہ بھی تشریف لے گئے۔ آپ نے ناظم آثار قدیمہ کی معیت میں اجازت لے کر اس مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ چوں کہ اقبال نے سرکاری طور پر مسلمانوں کی یہ قدیم مسجد دیکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، لہٰذا آپ کے ہمراہ فوٹو گرافر بھی تھا۔ اس نے نماز کی ادائیگی کے دوران اور بعد میں آپ کی کئی تصویریں مسجد کے اندر کھینچیں۔ مسجد کی زیارت نے اقبال کے جذبات کو ایسی رفعت تک پہنچا دیا، جو آپ کو پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مسجد قرطبہ میں بیٹھ کر اقبال نے ایک دعائیہ نظم تخلیق فرمائی:

ہے یہی مری نماز، ہے یہی مرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

بعد ازاں اقبال نے مدیر انقلاب کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ مرنے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھ لیجیے گا۔ میڈرڈ سے آپ نے اپنے بیٹے جاوید اقبال کو دو تصویری کارڈ بھجوائے جن پر مسجد قرطبہ کے عکس چھپے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی لکھا کہ میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ یہ مسجد دیکھنے کے لیے زندہ رہا۔ یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے۔ خدا کرے کہ تم بھی جوان ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرلو۔

۲۶؍جنوری کی شام آپ واپس پیرس پہنچ گئے۔ اقبال شیدائی آپ سے ملاقات کرنے آئے۔ انھوں نے روزنامہ انقلاب کے کئی پرچے آپ کو برائے مطالعہ دیے۔ یکم فروری کو اقبال

نے غلام رسول مہر کے نام خط تحریر فرمایا۔ اگلے روز ڈاکٹر محمد عباس علی خان لمعہ کو ان کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اپنے جملہ کلام کا موزوں نام ''تقدیرِ امم'' مناسب رہے گا۔ پیرس میں چند روز قیام کے بعد آپ وینس پہنچے، وہاں سے ۱۰رفروری کو بحری جہاز Conte Verdi پر سوار ہوئے اور ۲۲رفروری کو بمبئی پہنچ گئے۔ وہاں اقبال نے سردار بیگم کے لیے خریدے گئے زیورات پر قانون کے مطابق ٹیکس ادا کیا۔ بعدازاں اخبار خلافت کے نامہ نگار کو سیاحت ہسپانیہ کے متعلق ایک انٹرویو دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح یہودیوں کے لیے ارض موعود فلسطین ہے، اس طرح عربوں کے لیے غالباً اسپین کی سرزمین موعود ہے، وہ بہت خوب صورت، حد درجہ پر فضا اور آرام دہ ملک ہے۔

۲۵فروری کو آپ فرنٹیر میل سے لاہور پہنچ گئے[۲] ریلوے اسٹیشن پر جاوید اقبال اور دوسرے احباب خیر مقدم کے لیے موجود تھے۔ پلیٹ فارم پر لاہور کی تنظیم جمعیۃ الاسلام کی طرف سے خواجہ فیروز الدین بیرسٹر نے آپ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ اس میں کانفرنس میں مسلمانانِ ہند کی ترجمانی کرنے پر اقبال کی خدمات کو سراہا گیا۔ سپاس نامہ کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میری زندگی کا یہ نظریہ رہا ہے کہ مسلمان اپنی موجودہ پستی کی حالت سے نکل کر بلندی پر پہنچ جائیں۔ ان میں جو کمزوریاں اور اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، وہ دُور ہو جائیں۔ جہاں تک ہو سکا، میں نے گول میز کانفرنس میں اسلامی حقوق کا تحفظ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

۲۶رفروری کو اقبال کے نام لندن سے مس فارقوہرسن کا خط موصول ہوا۔ اس میں ڈیلی ایکسپریس کے تراشے بھی ملفوف تھے۔[۳]

۲۷رفروری کو اقبال نے مسلم نیوز سروس کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں، ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں اس آئین کو جو گول میز کانفرنس میں وضع کیا گیا، کامیاب بنانے کی کوشش کریں گی۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو انتخابات لڑنے کے لیے منظم کریں اور اپنی جماعت میں تفرقہ پیدا نہ ہونے دیں...... گول میز کانفرنس سے پرانی قوم یعنی اچھوتوں کو نئی زندگی ملی ہے۔ اسپین کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسپین کے جنوب میں آباد قوم اپنے مورثِ نسل ہونے اور وہاں اسلامی تہذیب کے ان آثار کی موجودگی پر فخر کرتی ہے۔[۴]

اقبال نے اسی روز مس فارقوہرسن کو لندن ان کے خط کا جواب دیا۔ آپ نے انھیں تحریر فرمایا کہ ان کے ارسال کردہ تراشے اپنے نوٹ کے ساتھ اخبارات کو بھیج دیے گئے ہیں۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ وہ جلد وائسرائے سے ملنے دہلی جائیں گے۔[۵]

ڈاکٹر انصاری نے ترک دانشور غازی رؤف بے کو جامعہ ملیہ دہلی میں توسیعی لیکچر دینے ماہ مارچ میں مدعو کیا تھا۔ خواجہ عبدالوحید نے علامہ اقبال سے یہ خواہش ظاہر کی کہ غازی صاحب لاہور میں بھی ایک لیکچر دیں۔ اقبال نے اس سلسلے میں جامعہ ملیہ کے ارباب سے رابطہ کیا۔ اس دوران ڈاکٹر انصاری صاحب نے آپ کو بذریعہ تار مطلع کیا کہ آپ ان لیکچروں کی صدارت کریں گے۔[6]

یکم مارچ کو اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے اقبال کے اعزاز میں ٹاؤن ہال، لاہور کے باہر باغ میں چائے کی دعوت دی گئی۔ اس میں شہر کے معززین شریک ہوئے۔ ان میں خواجہ عبدالوحید پیش پیش تھے۔

انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے عبدالمجید سالک نے آمد پر علامہ اقبال کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے جواباً مختصر خطاب میں فرمایا کہ اسلام موجودہ تمدن کے مقابلے میں ایک کمزور طاقت ہے۔ میری رائے میں اسے یوں پیش کرنا چاہیے کہ موجودہ تمدن کو کس طرح اسلام کے قریب لایا جائے۔ دورانِ خطاب آپ نے انسٹی ٹیوٹ کی دعوت پر شکریہ ادا کیا۔ اسی جلسے میں لاہور کے مشہور و معروف بیرسٹر، ماہر بینکاری اور لکھ پتی تاجر، لالہ ہرکشن کے لڑکے کنہیا لال گابا نے اسلام قبول کیا۔ بعدازاں خورشید منزل، بلال گنج میں نو مسلم کے اعزاز میں نہایت پُر تکلف دعوت کا انتظام کیا گیا جس میں علامہ اقبال نے بھی شرکت فرمائی۔[7]

۲/ مارچ کو اقبال نے مس فارقوہرسن کو بذریعہ خط لاہور کے مسلم اخبار ایسٹرن ٹائمز کا ایک تراشہ ارسال فرمایا۔ خط میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ اردو اخبارات نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے۔[8]

رؤف پاشا نے توسیعی لیکچر ۴، ۶ اور ۸/ مارچ کو دینے تھے لیکن بعدازاں اس پروگرام میں تبدیلی کرنی پڑی۔ وجہ یہ تھی کہ علامہ اقبال کی روزمرہ مصروفیات آڑے آ رہی تھیں۔ اس سلسلے میں سید نذیر نیازی کو بہ تاریخ ۸/ مارچ خط کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ کوشش کریں، آخری لیکچر ۱۸/ مارچ کو میری صدارت میں دیا جائے۔[9]

علامہ صاحب ۱۱/ مارچ کی شام کو بذریعہ ریل دہلی روانہ ہو گئے۔ دہلی میں آپ نے ترکی کے پرنس جمی سے ملاقات فرمائی۔ ۱۲/ مارچ کو بعد نماز مغرب جامعہ ملیہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے کی صدارت اقبال نے فرمائی۔ اس میں ارکان اسمبلی اور دہلی کے تعلیم یافتہ ہندو، مسلمان اور چند خواتین بھی موجود تھیں۔ اس موقع پر غازی رؤف پاشا نے پُر مغز تقریر فرمائی۔ تقریر کا

موضوع ''وطنیت اور اتحاد اسلامی'' تھا۔

بعدازاں علامہ صاحب نے بھی تقریر فرمائی۔آخر میں آپ نے اپنی نظم ''مسجد قرطبہ'' کا آخری بند سنایا۔[۱۰]

۱۳/ مارچ کو خواجہ حسن نظامی، بہادر یار جنگ کے ہمراہ اقبال سے ملنے تشریف لائے۔ دہلی میں آپ ڈاکٹر انصاری کے ہاں قیام پذیر تھے۔خواجہ صاحب نے بہادر یار جنگ کا ان الفاظ میں تعارف کرایا:

اگر آپ بادشاہ ہیں تو یہ آپ کے سپہ سالار ہیں۔ اگر آپ شمع ہیں تو یہ آپ کے پروانے ہیں۔اور اگر آپ ڈاکٹر ہیں،تو یہ آپ کے دیوانے ہیں۔

اس وقت مولانا شفیع داؤدی بھی وہاں موجود تھے۔ دیر تک نہایت دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران غازی رؤف بھی تشریف لے آئے۔ ان سے بھی گفتگو ہوئی۔ بعدازاں مانگرول کے ولی عہد خواجہ حسن نظامی کی وساطت سے اقبال سے ملنے آئے۔شہزادہ نے آپ کو مانگرول آنے کی دعوت دی۔[۱۱]

۱۴/ مارچ کو دوسرے جلسہ کی صدارت بھی اقبال نے فرمائی۔ موضوع تقریر جنگ عظیم تھا۔خطبے کے اختتام پر آپ نے تقریر نہ کی۔ دہلی میں دوران قیام آپ نے سید عبدالغنی سے بھی ملاقات فرمائی۔[۱۲]

۱۶/ مارچ کی صبح واپس لاہور تشریف لے آئے۔ واپسی پر لندن سے لارڈ لوتھین کا مکتوب موصول ہوا۔لارڈ صاحب نے اقبال کے خطبات کی تعریف کی تھی۔ بہ تاریخ ۱۶/ مارچ اقبال نے بذریعہ خط مس فارقوہرسن کو واپسی کی اطلاع دی۔[۱۳]

۱۷/ مارچ کو اقبال نے لارڈ لوتھین کے خط کا جواب دیا۔آپ نے خط تحریر فرمایا کہ پیرس میں دوران قیام برگساں سے ملاقات ہوئی۔ہم جدید فلسفے اور تمدن پر تقریباً دو گھنٹے گفتگو کرتے رہے۔ ہندوستان کے مسلمان یہ معلوم کرنے کے لیے بہت بے چین ہیں کہ وفاق میں ان کی کیا حیثیت ہوگی؟[۱۴]

مارچ کی دوسری دہائی میں لاہور میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی۔اقبال سوچنے لگے کہ کسی سرد مقام کی طرف کوچ کر جانا چاہیے۔

۱۹/ مارچ کو محمد عباس علی خان لمعہ کے نام مکتوب میں ان کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے اقبال نے تحریر فرمایا کہ آپ بھی جوان ہیں اور آپ کی شاعری بھی جوان! مجھے آپ کی نظروں میں خاص جذبہ نظر آتا ہے۔[۱۵]

ماہ مارچ میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان کے آئندہ دستور کا خاکہ وائٹ پیپر (White

(Paper) کی صورت شائع کر دیا۔ اس دستاویز کو ہندوستانی سیاست دانوں نے کڑی نکتہ چینی کا نشانہ بنایا۔ علامہ اقبال نے بھی بہ تاریخ ۲۰/ مارچ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ قرطاس ابیض میں مسلمانوں کی حق تلفی کر کے ریاستوں کو عطا کیا گیا ہے...... مسلمانوں کے شخصی قانون کے لیے مناسب تحفظات نہیں رکھے گئے...... بلوچستان کی اسکیم سے نہ تو بلوچی مطمئن ہیں اور نہ عام مسلمان۔[16]

۲۱/ مارچ کو دہلی میں وسیع پیمانے پر مسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔ ایک ہوٹل میں سیکڑوں مسلمان جمع ہوئے۔ سر محمد یعقوب اس کے کنویز تھے۔ اقبال نے جلسے کی صدارت فرمائی۔ اس اجتماع میں غالب اکثریت مسلمان وزیروں، سرداروں اور خان بہادروں کی تھی۔ جلسے میں کچھ بدمزگی سی بھی رہی، جلسے کے اختتام پر آپ مولوی محمد شفیع داؤدی، رکن اسمبلی کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔[17]

۲۱/ مارچ کو اقبال نے غلام رسول مہر کے نام مکتوب میں لکھا کہ عطیہ بیگم نے جو تراشے اسلام میں تعلیم نسواں کے متعلق دو سال قبل دیے، وہ واپس ارسال کر دیجیے۔[18]

اسپین کے سفر سے متعلق اقبال نے ایک خط بہ تاریخ ۲۷/ مارچ شیخ محمد اکرام کو تحریر فرمایا۔ اقبال نے لکھا کہ ہسپانیہ پر نظم یوں تو ساری کی ساری پُرسوز ہے، لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دل گداز ہیں...... میں اپنی سیاحت اندلس سے بے حد لطف اندوز ہوا۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر بھی ہو گئی۔ الحمرا کا مجھ پر زیادہ اثر نہیں ہوا، لیکن مسجد قرطبہ کی زیارت نے میرے مجھے جذبات کو ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔[19]

۲۶/ مارچ کو سید نذیر نیازی کے والد اور مولوی سید میر حسن کے چھوٹے بھائی، سید عبدالغنی دہلی میں فوت ہو گئے۔ یہ خبر علامہ اقبال کو علی بخش کے ذریعے بہ تاریخ ۲۸/ مارچ سلامت اللہ شاہ سے ملی۔ اسی روز سید نذیر نیازی کو تعزیت نامہ تحریر فرمایا۔[20]

۳۱/ مارچ کو اقبال نے سید نذیر نیازی کے نام خط میں لکھا کہ سید ذاکر حسین صاحب سے کہہ دیجیے، میں ۴/اپریل کی شب روانہ ہو کر ۵/اپریل کی صبح دہلی پہنچوں گا۔ ۶/اپریل کو مسئلہ ایجوکیشن پر وائسرائے کے ہاں کانفرنس ہے...... ڈاکٹر صاحب ۵/اپریل کی شام میرا لیکچر رکھ سکتے ہیں۔ اس کا عنوان یہ ہوگا: From London to Granada[21] (لندن سے غرناطہ تک)

ڈاکٹر صوفی کے ایک کرنل دوست علامہ اقبال کی بعض نظموں کا انگریزی ترجمہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ ۳۱/ مارچ ہی کو اقبال نے ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ بہتر طریق یہ ہے، بانگ درا سے بعض نظمیں انتخاب کر لی جائیں۔ باقی زبور عجم اور پیام

مشرق سے منتخب کی جائیں۔اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ جاوید نامہ کا تمام وکمال ترجمہ ہو جائے۔مترجم یوں یورپ میں یقیناً شہرت حاصل کر لے گا۔پیام مشرق کا ترجمہ جرمن زبان میں ارلانگ یونی ورسٹی کے پروفیسر ہل کر رہے ہیں۔[۲۲]

ماہ مارچ میں راجا سلیم پور کی زیرِ صدارت لکھنؤ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔اس میں مسلم کانفرنس جمعیۃ العلما ہند اور مسلم نیشنلسٹ کانفرنس کے بعض ارکان نے مسلم یونٹی بورڈ کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنالی۔[۲۳]

۵راپریل کی صبح اقبال دہلی پہنچ گئے۔اسی دن شام کو سید ذاکر حسین کی زیرِ صدارت جامعہ ملیہ میں لندن سے غرناطہ تک کے موضوع پر آپ نے لیکچر دیا۔اگلے روز وائسرائے کے ہاں ایک تقریب میں شریک ہوئے۔یہ تقریب اینگلو انڈین کمیٹی برائے تعلیم سے متعلق تھی،جس کے آپ لندن میں رکن مقرر کیے گئے تھے۔[۲۴]

۶راپریل ہی کو اقبال دوبارہ جامعہ ملیہ تشریف لے گئے۔مولانا جیراج پوری نے وہاں آپ کا استقبال کیا۔اس بار آپ نے جامعہ ملیہ کے طلبہ سے خطاب فرمایا۔اس موقع پر انجمن اتحاد طلبۂ جامعہ کی رکنیت قبول فرمائی اور سپاس نامہ کے جواب میں بڑے حوصلہ افزا کلمات ادا کیے۔اگلے روز آپ لاہور تشریف لے آئے۔گھر پہنچے تو کلکتہ سے راغب احسن ایم اے کا خط موصول ہوا۔ ۸راپریل ہی کو اقبال نے ان کی خواہش کے مطابق یہ تعارفی خط لکھ کر روانہ کر دیا کہ اگر راغب احسن کو یورپ میں علم عمرانیات کے مطالعہ کا موقع فراہم کیا جائے،تو وہ اسلام اور ہندستان کے لیے بہت قیمتی اثاثہ ثابت ہوں گے۔[۲۵]

۱۵راپریل کی سہ پہر ہیلی ہال، پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں ادارہ معارف اسلامیہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔اقبال نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔آپ نے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ یہ وقت کا تقاضا ہے،اب ہم فقہی خیالات کی چھان بین کرنے کے بجائے ان اہم شعبہ ہائے علم کی طرف متوجہ ہوں جو تحقیق کے محتاج ہیں۔مذکورہ اجلاس میں سید سلیمان ندوی بھی شریک تھے۔سید صاحب نے اس میں ایک مقالہ بہ عنوان ''ایک مہندس خاندان ـــ جس نے تاج محل اور لال قلعہ، بنایا'' پڑھا۔دوسرا اجلاس شام کو ساڑھے سات بجے لا کالج میں پروفیسر محمد شفیع کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔۱۶راپریل کو تیسرا اجلاس دس بجے زیرِ صدارت ڈاکٹر برکت علی قریشی پرنسپل اسلامیہ کالج منعقد ہوا، چوتھا اجلاس سہ پہر تین بجے شمس العلما مولوی عبدالرحمٰن کی زیرِ صدارت ہوا، پانچواں اجلاس

رات کو سات بجے زیر صدارت ڈاکٹر محمد سعید اللہ، پروفیسر اسلامیہ کالج منعقد ہوا۔ ۱۶؍اپریل کے اجلاس میں ایک گروپ فوٹو کھینچا گیا اس میں اقبال بھی شامل تھے۔[۲۶]

اسی دن خواجہ حسن نظامی اقبال سے ملنے آپ کی کوٹھی تشریف لائے۔ خواجہ صاحب اس سلسلے میں لکھتے ہیں: ''پنجاب میں راجہ پورس کو شکست دینے والے سکندر سے رخصت ہو کر میں ڈاکٹر سر محمد اقبال سے ملنے گیا۔ ایشیا کا سب سے بڑا شاعر کمرے کے اندر دکھائی دیا۔ اس کا انیس حقہ بھی سامنے موجود تھا۔ مجھ کو یہ شخص ٹیگور اور شیکسپیئر سے کئی ہزار فٹ اونچا نظر آ رہا ہے...... سخن فہم مجھ سے یہی کہیں گے کہ ٹیگور اور شیکسپیئر سے یہ شخص کئی ہزار فٹ نہیں البتہ چھ فٹ ضرور زیادہ اونچا ہے۔[۲۷]

مئی کے ابتدائی دنوں میں سر فضل حسین، راجا نریندر ناتھ اور سر جوگندر سنگھ نے پنجاب کا فرقہ وارانہ فارمولا تشکیل دے دیا۔ ہندو اور سکھ لیڈر اس کی سخت مخالفت کرنے لگے۔ علامہ اقبال نے بھی چند رفقاء کے ساتھ اس فارمولے کے خلاف آواز بلند کر دی۔ ان دنوں یہ افواہ بڑی سرگرم تھی کہ علامہ اقبال کہیں سے پچھتر ہزار روپیہ حاصل کر کے انگریزی اخبار ایسٹرن ٹائمز خریدنے لگے ہیں تا کہ مذکورہ فارمولہ کے خلاف مہم چلا سکیں۔ سر شہاب الدین نے مورخہ ۴؍مئی کو سر فضل حسین کے نام اپنے مکتوب میں لکھا کہ میں سمجھتا ہوں، ڈاکٹر اقبال، مولوی فیروز الدین، مالک ایسٹرن ٹائمز سے اخبار اپنی تحویل میں لینے کے لیے گفت و شنید کر رہے ہیں۔ چند دن قبل سردار حبیب اللہ میرے پاس آئے تھے۔ انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ہم کہیں سے پچیس ہزار روپیہ اکٹھا کر لیں، تو یہ اخبار اقبال کے بجائے ہمیں مل سکتا ہے۔ اسی طرح کل ایک ریٹائرڈ مسلم سب جج مجھے ملنے آیا۔ گفتگو کے دوران اس نے مجھے بتایا کہ صرف اقبال ہی مسلم قوم کے قابل اعتماد اور مقبول لیڈر ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان کسی اور کی بات نہیں سنے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ڈاکٹر اقبال کے علاوہ مسلمانوں کے بقیہ نام نہاد لیڈر خود غرض ہیں۔ اگر ڈاکٹر اقبال مشترکہ انتخاب کے مخالف ہیں تو کوئی بھی انھیں قبول نہیں کرے گا۔[۲۸]

یکم مئی کو سر فضل حسین کا خط اقبال کے نام موصول ہوا۔ آپ نے انھیں جواب دیتے ہوئے لکھا کہ آپ کے خط سے مجھے بے حد اطمینان حاصل ہوا...... ماسٹر تارا سنگھ کا فارمولا اگر سکھوں نے مان لیا تو اُن کے لیے خودکشی کے مترادف ہوگا۔[۲۹]

اقبال نے لندن میں سر آغا خان اور مسلم وفد کے دیگر ارکان کے نام فارمولے کے سلسلے میں تار روانہ کر دیے۔ سر آغا خان نے فضل حسین کے نام اپنے خط مورخہ ۱۰؍مئی میں فارمولے پر

شدید تنقید کی۔ فضل حسین نے علامہ اقبال کو بھی خط لکھ کر فارمولے کی وضاحت کی۔ [۳۰]

ماہ مئی میں چینی ترکستان میں حکومت اور مسلمانوں کے مابین جھڑپیں ہوئیں۔ لڑائی کی خبریں ہندوستان کے اخبارات میں بھی شائع ہوئیں۔ یہ خبریں پڑھ کر اقبال ایک اور مسلم ملک کے قیام کا خواب دیکھنے لگے۔ اس ضمن میں آپ نے ۱۶ رمئی کو ایک اخباری بیان دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر چینی ترکستان کا انقلاب کامیاب ہو گیا تو اس کا اثر یقیناً افغانی اور روسی ترکستان پر بھی پڑے گا۔ انقلاب کی کامیابی کا یہ مطلب بھی ہے کہ چینی ترکستان صدیوں پرانے چینی استعمار سے نجات حاصل کر کے ایسی خوش حال اور مضبوط مسلم مملکت بن جائے گا، جہاں ننانوے فی صد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہوگی۔ [۳۱]

الہ آباد یونی ورسٹی کے پروفیسر معاشیات، ڈاکٹر ریاض الحسن نے اقبال کو اپنا ایک مضمون، اکنامک تھیوری آف اسلام برائے مطالعہ اور رائے کے لیے ارسال کیا۔ اقبال نے انھیں ۲۹ رمئی کو جواب میں تحریر فرمایا کہ میں آپ کا مضمون پڑھنے کے لیے وقت نہیں نکال سکا۔ البتہ میں یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ مسولینی کے نظریات کا بغور مطالعہ کیجیے۔ اسلامی معاشیات کی روح یہ ہے کہ سرمائے کی مقدار میں بڑا اضافہ ناممکن بنا دیا جائے۔ مسولینی اور ہٹلر کا انداز فکر بھی یہی تھا۔ [۳۲]

۲۹ رمئی کو آپ نے عطیہ فیضی کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اسپین میں میری پرائیویٹ سیکریٹری ایک انگریز لڑکی تھی۔ اس کا رویہ اچانک بدل گیا اور وہ ایک مرید کی طرح میری خدمت کرنے لگی۔ میں نے رویے میں اچانک تبدیلی کی وجہ پوچھی، تو اس نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا، اس پر منکشف ہوا ہے کہ میں کوئی آسمانی مخلوق ہوں۔ [۳۳]

۵ رجون کو غلام محی الدین صوفی کے نام خط میں تحریر کیا کہ ایک ہی دفعہ بہت سی رباعیات نہ بھیجیے۔ تھوڑی تھوڑی بھیجا کریں...... انھیں رباعیات کہنا غلط نہیں۔ [۳۴]

۸ رجون کو بذریعہ خط سالک صاحب سے فرمایا کہ مسودہ جلد ارسال کر دیجیے۔ اقبال کشمیر کمیٹی کے صدر تھے۔ وہ کشمیر کے معاملات سے متعلق ایک اخباری بیان جاری کرنا چاہتے تھے۔ اس کا مسودہ تیار کرنے کے لیے ہی آپ نے سالک صاحب سے کہا تھا۔ [۳۵]

۱۶ رجون کو اقبال نے غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کے نام یہ رقعہ بھجوایا کہ آج معمول سے سویرے لاہور تشریف لائیے اور دفتر جانے سے قبل مجھ سے ملتے جائیے۔ کیوں کہ آپ لوگوں سے مشورے کے بعد ان تاروں کا جواب دینا ہے، جو شملہ سے آئے ہیں۔ [۳۶]

وادی کشمیر میں حالات دن بدن خراب ہو رہے تھے۔ حکومت نے کشمیر کی دو سیاسی

جماعتوں، کشمیر مسلم کانفرنس اور کشمیر نیشنل کانفرنس کے قائدین کو گرفتار کر لیا، یوں وہاں اور زیادہ بے چینی پھیل گئی۔ اقبال نے ۷/جون کو اپنے ایک بیان کے ذریعے حکومت کشمیر کی توجہ اس بے چینی کی طرف مبذول کروائی اور کشمیری مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ آپس میں متحد رہیں اور صرف ایک ہی سیاسی ادارہ قائم رکھیں۔ اقبال ان دنوں کشمیر کمیٹی کے عارضی صدر تھے۔ کمیٹی کے اصل کرتا دھرتا قادیانی تھے۔ لیکن مرزا بشیرالدین محمود صدارت سے مستعفی ہو گئے تو وہ معاملات میں کم دلچسپی لینے لگے، اس لیے کشمیر کمیٹی کا کام سست پڑ گیا۔ ان حالات میں علامہ اقبال نے بھی کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہو جانا بہتر سمجھا۔ چنانچہ آپ نے ۲۰/جون کو استعفیٰ دے کر کمیٹی کی تحلیل کا اعلان کر دیا۔

اقبال نے پھر دیگر کشمیری مسلم رہنماؤں سے مل کر ایک نئی کشمیر کمیٹی بنائی جس کا نام آل انڈیا کشمیر کمیٹی تھا۔ اس کے صدر علامہ اقبال جبکہ ملک برکت علی ایڈووکیٹ سیکریٹری مقرر ہوئے۔ دونوں رہنماؤں نے کشمیری مسلمانوں کی امداد کے لیے ایک اپیل ۳۰/جون کو شائع کرائی اور مسلمانانِ ہند سے درخواست کی کہ وہ چندے کی رقوم مسلم بینک، انارکلی، لاہور کو بھجوائیں۔[۳۷]

۳۰/جون کو اقبال نے ڈاکٹر محمد عباس علی خان لمعہ کے نام خط میں انھیں دوستانہ مشورہ دیا کہ آپ شعر و سخن میں اپنا وقت عزیز ضرور صرف کریں۔[۳۸]

۲/جولائی کی رات باغ بیرون دہلی دروازہ، لاہور اقبال نے کشمیر کمیٹی کے زیر اہتمام ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے سیاسی انجمنوں میں قادیانیوں کی شمولیت پر مذہبی حیثیت سے کوئی اعتراض نہیں، اگرچہ میں ان کے عقائد غلط سمجھتا ہوں۔[۳۹]

۳/جولائی کو راغب احسن کا خط موصول ہوا۔ اقبال نے اسی روز اپنے جوابی مکتوب میں تحریر فرمایا میرا ایک مدت سے عقیدہ ہے کہ علماء اور صوفیہ قرآن کے اصل مقاصد سے بے خبر ہو چکے ہیں۔ نئی نسل میں سے چند لوگوں نے فرنگی تعلیم کے باوجود اس حقیقت کو محض اپنی سلیم فطرتی کی وجہ سے پا لیا ہے۔[۴۰]

۶/جولائی کو اقبال نے ڈاکٹر محمد عباس علی خان لمعہ کے نام جوابی خط میں تحریر فرمایا کہ ڈاکٹر رینالڈ نکلسن، پروفیسر کیمبرج یونی ورسٹی کا ترجمہ اسرار خودی میسرز میکملن اینڈ کو نے شائع کیا تھا۔ انھوں نے پیام مشرق کی بھی بعض نظمیں ترجمہ کی تھیں، جو جرمنی کے رسالہ اسلامیکا میں شائع ہوئی ہیں۔[۴۱]

زمیندار اخبار تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں عارضی طور پر بند رہنے کے بعد پھر جاری ہو گیا۔ اقبال نے مولانا ظفر علی خان مدیر زمیندار کو ۸/جولائی کو مبارک باد کا خط رقم فرمایا۔[۴۲]

دہلی سے بذریعہ خط سید نذیر نیازی نے خطبات کی اشاعت اور کشمیر کمیٹی سے متعلق استفسار کیا۔ اقبال نے انھیں ۱۱رجولائی کو جواب میں تحریر فرمایا، میں نے آکسفورڈ خط لکھا ہے کہ خطبات کے متعلق انھوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ اس کی طباعت شروع ہوگئی یا نہیں؟...... آپ فی الحال کتاب کا ترجمہ شائع کردیں۔ ترمیمات معمولی ہیں۔ جب آپ اگست کے اوائل میں لاہور آئیں گے، تو نظرثانی کے وقت ان کی بابت بتادوں گا...... کشمیر کمیٹی کا اجلاس اس اتوار کو ہوگا۔[۴۳]

رفتہ رفتہ پنجاب فارمولے سے متعلق اقبال کے نظریے میں کچھ تبدیلی آگئی، لیکن اسے آپ پنجاب کے مسئلے کا حل نہیں سمجھتے تھے۔ اس ضمن میں آپ نے ۱۴رجولائی کو ایک اخباری بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ فارمولہ پنجاب کے مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ اس کے برعکس یہ مختلف فرقوں کے مابین ان دیکھے تنازعات کا سرچشمہ بن جائے گا۔ یہ اسکیم شہری اور دیہی آبادیوں کے نقطہ نظر سے نہایت قابل اعتراض ہے۔ میرا یہ پختہ خیال ہے کہ یہ اسکیم ہر فرقے کے بہترین مفادات کے لیے نقصان دہ ہے۔[۴۴]

لاہور کے رسالہ *Light* نے ۲۴رجولائی میں اقبال کا ایک مضمون Position of Woman in The East شائع کیا۔[۴۵]

۲۷رجولائی کو اقبال نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام خط میں تحریر کیا کہ آپ نے اپنے اخبار میں میرے ایک مضمون کا ذکر کیا ہے، جو انگریزی اخباروں میں شائع ہوا تھا۔ یہ اصل میں ایک انٹرویو تھا، جو میں نے ہنگری کے ایک اخباری نامہ نگار کو دیا تھا۔[۴۶]

ایڈورڈ ٹامسن نے بذریعہ خط آپ کے لیکچر ''کیا مذہب ممکن ہے'' سے متعلق کچھ وضاحت دریافت کی۔ اقبال نے انھیں ۲۹رجولائی کو جواب میں تحریر فرمایا کہ میں نے اپنے لیکچر میں جدید نفسیات کی زبان میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارا تصوف کیا ہے؟ پروفیسر برگساں نے بھی یہ لیکچر پڑھا تھا، انھوں نے ملاقات کے وقت میرے سامنے اعتراف کیا کہ ان کا اپنا فلسفہ بھی اسی سمت حرکت کررہا ہے۔[۴۷]

جولائی میں حکومت کشمیر نے گلانسی کمیشن کی تمام سفارشات پر عمل کرنے کا اعلان کردیا۔ علامہ اقبال نے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ۳راگست کو یہ تجویز پیش فرمائی کہ کشمیری مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے کشمیری حکومت میرپور اور بارہ مولا کے سیاسی کارکنوں کے خلاف دائر کردہ فوجداری مقدمات واپس لے لے۔[۴۸]

۸راگست کو ایک خط کے ذریعے اقبال نے سید سلیمان ندوی سے حقیقت زمان اور دوسرے

چند امور کی وضاحت طلب فرمائی۔[۴۹]

اسی روز آپ نے گولڑہ کے پیر سید مہر علی شاہ کو بھی خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی، وہ وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر لندن جانے کا ارادہ ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ چاہتا ہوں۔ لیکن چند امور دریافت طلب ہیں۔ (۱) حضرت شیخ اکبر نے تعلیمِ حقیقت زمان کے متعلق کیا فرمایا ہے؟ (۲) یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے۔ (۳) حضرات صوفیہ میں سے کسی اور بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو، تو ان بزرگ کے ارشادات بھی مطلوب ہیں۔[۵۰]

ماہ اگست میں انگریزی فوج نے ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں مقیم قبائل کو زیر کرنے کے لیے ان پر بم باری کر دی۔ اس بم باری کے خلاف بعض شہروں میں مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ لاہور میں بھی ایک احتجاجی جلسہ ہونے والا تھا جو ملتوی ہو گیا۔ ۱۱ر اگست کو اقبال نے وائسرائے ہند کے نام ایک تار دیتے ہوئے فرمایا، مسلمان یہ پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ بمباری فوراً بند کر دی جائے اور امور متنازع کے تصفیے کے لیے پُرامن طریقہ اختیار کیا جائے۔[۵۱]

اس سے قبل اقبال نے اپنے بیان مورخہ ۳ر اگست میں تجویز پیش فرمائی کہ کشمیری مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے حکومت کشمیر میرپور اور بارہ مولا کے سیاسی کارکنوں کے خلاف دائر کردہ فوجداری مقدمات واپس لے لے۔[۵۲]

۱۵ر اگست کو لاہور ریلوے اسٹیشن پر اقبال نے غلام رسول مہر کے ہمراہ نواب صاحب بھوپال سے ملاقات فرمائی۔ نواب صاحب شعیب قریشی کے ساتھ کشمیر تشریف لے جا رہے تھے۔[۵۳]

۴ر ستمبر کو سید سلیمان ندوی کے نام مکتوب میں اقبال نے تحریر فرمایا کہ رسالہ اتقان علی ماھیۃ الزمان آج مل گیا...... ہندی فلسفی ساکن پھلواری مصنف تسویلات فلسفہ کا نام کیا ہے؟ اگر کتاب مذکور طبع نہیں ہوئی، تو اس کا قلمی نسخہ کہاں سے دستیاب ہوگا؟[۵۴]

۱۰ر ستمبر کو اقبال نے بذریعہ خط سید سلیمان ندوی سے ایک اور کتاب جواہر الفرد مصنف مُلّا محبت اللہ بہاری کے بارے میں دریافت کیا اور پوچھا کہ یہ کتاب کہاں سے ملے گی؟ مزید تحریر فرمایا کہ شاہ افغانستان آپ سے مذہبی تعلیم کے متعلق مشورہ چاہتے ہیں۔ شاید اسی ماہ ستمبر میں کابل سے آپ کو دعوت نامہ آ جائے۔ ممکن ہے، سید راس مسعود اور اقبال بھی آپ کے ساتھ کابل جائیں۔[۵۵]

۱۱ر ستمبر کو سید نذیر نیازی کے نام خط میں اقبال نے انھیں اطلاع دی کہ کتاب کی طباعت آکسفورڈ یونی ورسٹی نے شروع کر دی ہے اور میں نصف کے قریب پروف دیکھ چکا ہوں۔[۵۶]

۱۲ر ستمبر کو اقبال نے لاہوری احمدی جماعت کے سرگرم کارکن مرزا یعقوب بیگ کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ان کے خط کے ساتھ مہر صاحب کا ایک خط بھی ملا، آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں ان کا خط پیش کرنے کے بغیر میں جواب عرض نہیں کر سکتا۔[۵۷]

اقبال کے بھتیجے، شیخ اعجاز احمد ۱۹۳۳ء میں ضلع لاہور کی تحصیل ہیڈ کوارٹر چونیاں میں سب جج مقرر ہوئے تھے۔ لاہور کے ایک گوردوارے کے ایک گرنتھی جو گورونانک کی اولاد میں سے تھے، چونیاں سول ہسپتال کے سکھ اسسٹنٹ سرجن سے ملنے جاتے تھے۔ ایک روز گرنتھی نے تخلیے میں شیخ اعجاز احمد سے کہا کہ وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے اور اس نے علامہ اقبال سے ملاقات کرانے کی استدعا کی۔ گرنتھی کا نام بیدی تھا۔ ستمبر کی تعطیلات میں اعجاز احمد سیالکوٹ گئے تو انھیں جموں توی سے بیدی صاحب کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا کہ مسلمان ہونے کے بعد اس کی معاش کا کچھ ذریعہ بھی ہونا چاہیے۔ اعجاز احمد نے بیدی صاحب کا خط علامہ صاحب کو لاہور بھجوا دیا۔ اقبال نے ۱۳ر ستمبر کو اعجاز احمد کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ مسلمانوں کے ہاں ایسی کوئی منظم جماعت نہیں جو نو مسلموں کے لیے انتظام معاش کر سکے۔[۵۸]

۱۴ر ستمبر کو اقبال نے بذریعہ خط نواب بہادر یار جنگ کو مظلومین کشمیر کی امداد کی طرف متوجہ کیا۔ یہ خط خلیفہ عبدالحکیم، پروفیسر عثمانیہ یونی ورسٹی حیدر آباد کی معرفت بھجوایا گیا، کیوں کہ آپ کو نواب صاحب کا پتا معلوم نہ تھا۔[۵۹]

۱۹ر ستمبر کو اخبارات میں ''پان اسلامزم'' سے متعلق اقبال کا ایک بیان شائع ہوا۔ یہ بیان سر فضل حسین کے بیان کی حمایت میں تھا جو انھوں نے پنجاب کونسل میں دیا تھا۔[۶۰]

۲۴ر ستمبر کو مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام جوابی مکتوب میں اقبال نے فرمایا کہ گزشتہ چار پانچ سال کے تجربوں نے مجھے بہت دردمند کر دیا ہے۔ اسی لیے جلسوں میں اب میں کوئی کشش محسوس نہیں کرتا۔[۶۱]

۲۸ر ستمبر کو اقبال نے ''پان اسلامزم'' کی وضاحت میں بیان دیا کہ یہ لفظ فرانسیسی صحافت کی ایجاد ہے۔ پان اسلامزم کا ہوّا پیدا کرنے والوں کا منشا صرف یہ ہے کہ اس کی آڑ میں یورپ کی چیرہ دستیاں جو اسلامی ممالک میں کی جا رہی ہیں، جائز قرار دی جائیں۔ ایک مقامی ہندو اخبار نے ہندوستانی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی خواہش کا نام پان اسلامزم رکھا ہے۔ یہ ایک اصطلاح کا غلط استعمال ہے۔[۶۲]

ماہ ستمبر میں نادر شاہ، والی افغانستان نے تعلیمی امور کے سلسلے میں مشورے کے لیے علامہ

اقبال، سید راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔[۶۳]

۲راکتوبر کو ایک بیان میں اقبال نے وہ وجوہ بیان فرمائیں جن کے باعث پرانی آل انڈیا کشمیر کمیٹی توڑ کر نئی کشمیر کمیٹی بنانی پڑی۔

فلسطین کے مفتی اعظم، امین الحسینی ہندوستانی مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور چندہ جمع کرنے لاہور تشریف لائے اور تاج کمپنی کے دفتر میں قیام فرمایا۔ اس دوران مفتی صاحب نے علامہ اقبال کو خط لکھا کہ وہ لاہوری مسلمانوں سے مخاطب ہونا چاہتے ہیں۔ علامہ صاحب نے وہ خط غلام رسول مہر کو بہ تاریخ ۲راکتوبر کو بھجوا دیا اور انھیں لکھا کہ اگر مفتی صاحب کی تقریر کا اہتمام انجمن حمایت اسلام لاہور کرے، تو بہتر ہے۔[۶۴]

اگلے روز اقبال نے مس فارقوہرسن کو لندن خط لکھتے ہوئے فرمایا کہ بہاول پور کے فرمانروا یورپ جا رہے ہیں وہ انگلستان کا چکر بھی لگائیں گے۔ میری خواہش ہے کہ نیشنل لیگ ان کے لیے ایک شایان شان استقبالیہ کا اہتمام کرے اور انھیں انگریز شرفا اور انگلستان میں دوسری ریاستوں کے وزراء سے متعارف کرائے۔[۶۵]

۶راکتوبر کو پنجاب یونی ورسٹی سنڈیکیٹ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ یونی ورسٹی کی جوبلی کے موقع پر ایک خصوصی جلسہ تقسیم اسناد منعقد کیا جائے۔ اس میں اقبال کے علاوہ دیگر نو افراد کو اعزازی ایل ایل ڈی کی ڈگری دی جائے۔[۶۶]

شیخ عبداللہ نے سری نگر میں ایک کانفرنس بلانے کا اہتمام کیا تاکہ کشمیری مسلمانوں کے اختلافات دُور کیے جاسکیں۔ شیخ صاحب نے اقبال کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی۔ آپ خود تو نہ جاسکے تاہم ۱۲راکتوبر کو شیخ صاحب کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا۔[۶۷]

صلاح الدین سلجوقی، قونصل جنرل افغانستان نے اقبال، سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو دعوت نامے ارسال کر دیے۔ سید سلیمان ندوی کو بہ تاریخ ۷راکتوبر دعوت نامہ ملا۔ ۱۷راکتوبر تک تینوں کو پاسپورٹ مل گئے۔ روانگی سے قبل علامہ اقبال نے ۱۹راکتوبر کو ایک اخباری بیان میں سفر افغانستان کے متعلق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم یافتہ افغانستان ہندوستان کا بہترین دوست ثابت ہوسکتا ہے۔ شاہ افغانستان نے ہمیں اس لیے دعوت دی ہے کہ ہم افغان وزیر تعلیم کو کابل یونی ورسٹی کے قیام کے سلسلے میں مشورہ دے سکیں۔ ہم نے اس دعوت کو قبول کرنا اپنا فرض سمجھا۔ ہمیں امید ہے کہ اپنے تعلیمی تجربے کی روشنی میں ہم انھیں مفید مشورہ دے سکیں گے۔[۶۸]

۱۹؍ اکتوبر ہی کو عبداللہ چغتائی اقبال سے ملاقات کرنے آئے۔ اس دن آپ کی ڈاک میں ایک خط میں کسی نے خاقانی کے چند اشعار کا مطلب دریافت کیا تھا۔ چوں کہ اقبال عجلت میں تھے، لہٰذا چغتائی صاحب کے مشورے پر آپ نے پروفیسر حافظ محمود شیرانی کو یہ خط تحریر فرمایا ''ڈیر شیرانی صاحب! میں کل کابل جا رہا ہوں۔ اس لیے بالکل فرصت نہیں۔ آپ مہربانی فرما کر اس خط کا جواب دے دیجیے اور انھیں یہ بھی لکھ دیں کہ میں کابل جا رہا ہوں، اس واسطے خود جواب نہیں دے سکا''۔

اقبال اور سر راس مسعود ۲۰؍ اکتوبر کو لاہور سے بذریعہ ریل پشاور کے لیے روانہ ہوئے۔ وہ رات کو پشاور پہنچے۔ پشاور میں حکومت افغانستان کے نمائندوں نے آپ کا استقبال کیا۔ پشاور چھاؤنی میں اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام ہوا۔ ۲۳؍ اکتوبر کو موٹر سے کابل پہنچے۔ کابل میں انھیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔

سید سلیمان ندوی ۲۳؍ اکتوبر کو دو بجے دوپہر پشاور کے لیے ریل گاڑی سے روانہ ہوئے۔ ۲۴؍ اکتوبر کی رات تقریباً نو بجے پشاور پہنچے۔ اسٹیشن پر حکومت افغانستان کے نمائندے، متعدد احباب اور جمعیۃ العلمائے سرحد اور بھارت سبھا کے چند ارکان برائے استقبال موجود تھے۔ ۲۵؍ اکتوبر کو افغان حکومت کے پاسپورٹ افسر اور صوبہ سرحد کے چیف سیکریٹری سے متعلقہ کاغذات پر دستخط کرائے گئے۔ پھر نماز ظہر کے بعد ۳ بجے سہ پہر سید صاحب کابل روانہ ہوئے۔ نو بجے کے قریب جلال آباد پہنچے۔ وہاں باغ شہید نامی سرکاری مہمان خانے میں قیام کیا۔ ۲۶؍ اکتوبر کی صبح آٹھ بجے جلال آباد سے آگے بڑھے۔ مغرب کے وقت کابل کی حدود ''بت خاک'' نامی مقام پر پہنچے۔ کابل شہر کے چنگی خانے پر موٹر کا نمبر، ڈرائیور اور مسافر کے نام کا اندراج ہوا۔ چند منٹ بعد افغان حکومت کی وزارت خارجہ اور وزارت تعلیم کے نمائندے استقبال کرنے شاہی موٹر سے پہنچ گئے۔ وہ انھیں موٹر میں بٹھا کر شاہی مہمان خانے میں لے گئے۔ باغ کے پھاٹک پر سرور خان گویا نے آپ کو خوش آمدید کہا۔

مہمان خانے کی دوسری منزل پر ٹھہرایا گیا۔ وہیں علامہ اقبال اور سید راس مسعود سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ علامہ صاحب کے ساتھ غلام رسول خان، بیرسٹر لاہور بطور سیکریٹری اور راس مسعود کے سیکریٹری پروفیسر ہادی بھی موجود تھے۔ مہمانوں نے ۲۶؍ اکتوبر کی رات نو بجے سردار ہاشم خان، صدر اعظم کے ہاں دعوت میں شرکت فرمائی۔ کھانے کی میز پر علمی و ادبی اور افغانستان کی تاریخ پر

گفتگو ہوئی۔ کھانے سے فارغ ہو کر مہمانوں کی کافی، سگریٹ وغیرہ سے تواضع کی گئی۔ اس دوران قوالوں یا فوجی نغمہ نوازوں نے سازوں کے ساتھ بیدل اور حافظ کی غزلیں سنائیں۔ یہ سلسلہ رات گیارہ بجے تک جاری رہا۔

۲۷/ اکتوبر کو جمعہ کا دن تھا۔ مہمان شہر کابل میں جامع مسجد، پل خشتی میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے۔ نادر شاہ بھی وہیں آ گئے۔ اگلی صف میں شاہ کو جگہ دی گئی۔ وہیں سید سلیمان ندوی کی ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ سردار فیض محمد خان نے تعارف کرایا۔ نادر شاہ نے سید صاحب سے مصافحہ کیا اور اپنے پہلو میں جگہ دی۔ نماز اور دعا کے بعد سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ نادر شاہ نے مہمانوں سے فرمایا کہ میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا، اگر آپ لوگ پسند فرمائیں تو میرے ساتھ ہی کھانا تناول کریں۔'' ضروری مصروفیت کے سبب مہمانوں نے معذرت کر لی۔ شام ۴ بجے نور المشائخ یعنی ملائے شور بازار سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد مہمان اللہ نواز خان کے مکان پر گئے، جہاں ہندوستانی مسلمانوں (مقیم کابل) نے ان کے اعزاز میں چائے کی دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ کابل کے تمام ہندوستانی پارٹی میں شریک تھے۔

چائے سے فارغ ہو کر مجمع کی تصویر لی گئی۔ علامہ اقبال نے اس موقع پر ایک مختصر تقریر فرمائی۔ اگلے روز موزۂ کابل یعنی کابل کا عجائب خانہ دیکھا گیا۔ اسی روز سردار محمد ہاشم خان، صدر اعظم ملاقات کرنے آئے۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ سید راس مسعود نے ملک میں معدنیات تلاش کرنے اور سڑکوں کی تعمیر پر زور دیا۔ علامہ صاحب نے بھی سڑکوں کی تعمیر کے کام پر بہت زور دیا اور فرمایا کہ آئندہ تجارتی آمد و رفت کے سلسلے میں وسطی ایشیا اور افغانستان مرکز کی حیثیت اختیار کر جائیں گے۔ دو بجے تک گفتگو ہوتی رہی۔ پھر سب نے کھانا کھایا۔ تین بجے نادر شاہ سے سید سلیمان ندوی کی ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ سرور خان گویا انھیں قصر دل کشا لے گئے۔ نادر شاہ سے ملاقات کے دوران سید صاحب نے تعلیم کے متعلق مفصل خیالات عرض کیے۔ نادر شاہ دیر تک باتیں توجہ سے سنتے رہے۔ شاہ نے چوں کہ ڈیرہ دودن میں تربیت پائی تھی، لہٰذا اردو بہت اچھی بولتے تھے۔ گفتگو کا آغاز فارسی میں ہوا، لیکن پھر بہت جلد اردو میں ہونے لگی۔ آخر میں شاہ نے فرمایا: ''میری کوشش ہے کہ افغانستان میں دین و دنیا جمع کر لوں اور ایک ایسے اسلامی ملک کا نمونہ پیش کروں جس میں قدیم اسلامی اور جدید تمدن کے محاسن یکجا ہو جائیں''۔ سلسلہ گفتگو میں شام کے سات بج گئے، اس کے بعد کابل ہوٹل میں رائل اکیڈمی کی طرف سے دعوت طعام میں شرکت

کی گئی۔ کھانے سے قبل رئیس انجمن ادبی کابل نے فارسی میں خیر مقدمی تقریر پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد افغانستان کے مشہور شاعر، قاری عبداللہ خان نے فارسی کی خیر مقدمی نظم پڑھی۔ بعدازاں مہمانوں کی طرف سے پروفیسر ہادی حسن نے فارسی زبان میں ایک مفید تقریر کی۔ اس کے بعد سید راس مسعود، سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال نے تقاریر فرمائیں۔

۳۰ر اکتوبر کو یہ قافلہ غزنی دیکھنے روانہ ہوا۔ ایک بجے کے قریب غزنی کی حدود میں داخل ہوئے۔ چار بجے غزنی کی سیر کے لیے جانا ہوا۔ ملاّ قربان نامی ایک بزرگ کی رہنمائی میں پرانے غزنی کی سیر کی گئی۔ علامہ اقبال حکیم سنائی کا مزار دیکھنے کا بہت اشتیاق رکھتے تھے۔ آپ پیادہ حکیم موصوف کے مزار کی طرف گئے۔ مزار پہنچ کر بطریق مسنون دعا پڑھی۔ علامہ اقبال مزار کے سرہانے کھڑے کھڑے بے اختیار ہو گئے۔ دیر تک زور زور سے روتے رہے۔ اس کے بعد عہدِ سلطان محمود کے دو مینار، بہلول دانا، سلطان ابراہیم غزنوی اور سلطان سبکتگین کے مزارات دیکھے گئے۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی کا مزار دیکھا۔ بعدازاں ملا قربان کے ہمراہ علامہ اقبال نے حضرت داتا گنج بخش کے والد ماجد کے مزار کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی۔ ۳۱ر اکتوبر کی صبح مہمان غزنی سے روانہ ہو گئے۔ ۱۱ بجے مقر یعنی پرانا بیہق پہنچے۔ اس قدیم تاریخی شہر میں بڑے بڑے ائمہ حدیث، مورخین، اور اہل ادب و انشا پیدا ہوئے ہیں۔ مقر سے ایک بجے چل کر ۴ بجے شام قلات غلزئی پہنچے۔ رات وہاں بسر ہوئی۔ یکم نومبر کی صبح ۸ بجے قندھار روانہ ہوئے اور چار گھنٹے میں پہنچ گئے۔ یہ شہر غلزئی پٹھانوں کا خاص مرکز اور پشتو زبان بولنے والی قوموں کی خاص آبادی ہے۔ قندھار کے شاہی قلعہ ارک میں مہمانوں نے قیام فرمایا۔ یہاں عبدالحئی خان ملاقات کے لیے آئے۔ انھوں نے علامہ اقبال سے پشتو زبان پر گفتگو فرمائی۔ قندھار کے گورنر باوجود بخار میں مبتلا ہونے کے ملاقات کرنے آئے۔ وہ چلے گئے، تو خرقہ شریف اور احمد شاہ درانی کا مقبرہ دیکھا گیا۔ مقبرے کے سرہانے بلندی پر موٹے حروف میں لکھا ہوا قرآن پاک کا وہ نسخہ بھی دیکھا جو اخیر عمر میں بادشاہ کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ یہ نسخہ ۱۱۷۹ء میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد دلکش مقام، ارغنداب کی سیاحت ہوئی۔ چہل زینہ کی سیر بھی ہوئی۔ یہاں شہنشاہ بابر کا اپنی ہندوستانی فتوحات کے سلسلے میں لگایا ہوا کتبہ دیکھا۔ راس مسعود کو واپسی کی جلدی تھی۔ اس لیے مہمان ۱۲ بجے سہ پہر روانہ ہوئے اور طلوع آفتاب سے کچھ پہلے افغانی سرحد سے بخیر و خوبی ہندوستان میں داخل ہو گئے۔

اقبال اور ندوی صاحب نے رات قندھار ہی میں بسر فرمائی۔ ۲ر نومبر کو صبح نو بجے کے قریب

ارک شاہی سے روانہ ہوئے۔ ۱۲ بجے کے بعد قلعہ جدید پہنچے۔ یہ افغانستان کی آخری سرحد ہے۔ یہاں رفیق سفر اور حکومت افغانستان کے نمائندے سرور خان گویا نے مہمانوں کو الوداع کہا۔ افغانی دستے کے سپاہیوں نے فوجی قاعدے سے رخصتی سلام کیا۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد مہمانوں کی موٹر افغانستان کی سرحد پھاند کر انگریزی علاقے میں داخل ہوگئی۔ چمن شہر کے دروازہ پر مقامی مسلمانوں نے اقبال اور سید صاحب کا استقبال کیا اور ایک ریستوران میں لا بٹھایا۔ اس دوران چمن کے پولیس افسر سے پاسپورٹ پر دستخط کرائے گئے۔ چمن میں علامہ اقبال کے اسکول کے زمانے کے ایک ہندو ہم جماعت یہاں ڈاکٹر تھے۔

۲؍نومبر کو مسافر ۴ بجے عصر کے وقت چمن سے کوئٹہ کے لیے موٹروں پر روانہ ہوئے۔ پہاڑوں کی وجہ سے راستہ خطرناک تھا۔ اس دوران علامہ اقبال روحانیت کے ذاتی مشاہدات اور ایک سچے پیر کی تلاش پر گفتگو فرمانے لگے۔ آپ نے اپنے اوائل زندگی اور طالب علمی عہد کے قصّے، پھر اپنے والد مرحوم کا تذکرہ کیا کہ وہ خود ایک صاحب دل صوفی تھے۔ اثنائے گفتگو آپ نے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ سنایا۔ ایک دن وہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے کہ والد مرحوم آئے اور بیٹے سے کہنے لگے ''جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن تمھارے قلب پر بھی اسی طرح اترا ہے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہوا تھا تو تلاوت کا مزہ نہیں۔'' اقبال نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ جب بی اے پاس کرلو گے تو بتاؤں گا۔ کچھ دن بعد جب آپ نے بی اے پاس کرلیا، تو اس خوش خبری کے معاوضے میں ماضی کی گفتگو کا حوالہ دے کر اس مقام کے حصول کی تدبیر پوچھی۔ مرحوم نے بیٹے کو کچھ طریقے اور دعائیں تلقین کیں اور اقبال سے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اپنی زبان و قلم سے ملت محمدیؐ کی خدمت بجالاتا رہے گا۔

رات کے وقت قافلہ کوئٹہ پہنچ گیا۔ افغانی سفارت متعینہ دہلی کے نمائندہ نے ان کے لیے ڈاک بنگلے میں تین کمرے لے رکھے تھے۔ وہیں قیام کیا۔ ۳؍نومبر کو کوئٹہ ریلوے اسٹیشن سے گیارہ بجے کی گاڑی میں لاہور جانے کے لیے سوار ہوئے۔ اگلے روز ۱۲ بجے کے قریب ملتان پہنچے۔ وہاں تک سید سلیمان ندوی اور اقبال کا ساتھ رہا۔ سید سلیمان ندوی پھر ملتان ٹھہر گئے۔ وہاں ان کے ایک عزیز، مولوی سید عبدالباری مدت سے ریلوے دفتر میں ملازم تھے۔ ان کا تقاضا تھا کہ جب کبھی ملتان تشریف لائیں تو ان کے یہاں چند روز ضرور قیام کریں۔ اقبال ملتان سے لاہور کے لیے ریل گاڑی میں سوار ہوئے اور اسی رات اپنے گھر پہنچ گئے۔ نادر شاہ اور دیگر افغان معزز

شخصیات نے آپ کو کئی تحفے دیے تھے۔ مثلاً سردے، انگور، انار، خشک میووں کی بہت سی پیٹیاں، افغانی پتھر کی بنی ہوئی اشیا اور قالین وغیرہ۔ نادر شاہ نے جاوید اقبال کے لیے ایک طلائی گھڑی بھیجی تھی۔ [۶۹]

۶رنومبر کو اقبال نے سفر افغانستان کے متعلق ایک اخباری بیان جاری فرمایا۔ بیان کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ ہم اس یقین کے ساتھ واپس آئے ہیں کہ اگر موجودہ حکام کو دس سال تک کام جاری رکھنے کا موقع مل گیا، تو بلا شک وشبہ افغانستان کا مستقبل روشن ہے۔ [۷۰]

اسی روز اقبال نے وائسرائے ہند کو بذریعہ تار یہ پیغام بھجوایا کہ فلسطین کی صورت حال نے مسلمانان ہند میں زبردست ہیجان اور اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ جلد از جلد روکا جائے اور اعلان بالفور واپس لیا جائے۔

۶رنومبر کو سید سلیمان ندوی لکھنؤ پہنچ گئے۔ اگلے روز صبح سویرے انھیں ایک دوست نے آ کر اطلاع دی کہ شاہ افغانستان نادر شاہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ دس بجے اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔ [۷۱]

نادر شاہ دل کشا محل میں طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے آئے ہوئے تھے کہ ایک طالب علم نے انھیں گولی ماردی۔ ان کی شہادت سے علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی اور سید راس مسعود کو انتہائی دکھ ہوا۔ [۷۲]

سید سلیمان ندوی کے کابل پہنچنے سے قبل علامہ اقبال، سید راس مسعود اور آپ کے سیکریٹری وہاں پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے تعلیمی مشاورت کے سلسلے میں چند اجلاسوں میں شرکت بھی کی تھی۔ ان اجلاسوں میں حکومت افغانستان کے بعض سرکردہ افراد بھی شریک ہوئے۔ ان کی کارروائی راس مسعود نے نوٹ کر لی تھی۔ ایک اجلاس میں علامہ اقبال اور نادر شاہ کی ملاقات ہوئی تو وہ عصر کا وقت تھا۔ نماز عصر کے موقع پر نادر شاہ نے اقبال سے امامت کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ''نادر! میں نے اپنی عمر کسی شاہ عادل کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی تمنا کرتے ہوئے گزار دی۔ آج جب کہ خدا نے فقیر کی مراد پورا کرنے کے اسباب مہیا کر دیے، تو کیا تو مجھے اس نعمت سے محروم کرنا چاہتا ہے؟ آج میں تیری اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ امامت تمھیں ہی کرنی ہوگی''۔ [۷۳]

نادر شاہ کے بعد اس کا انیس سالہ بیٹا ظاہر شاہ بادشاہ بن گیا۔ [۷۴]

۸رنومبر کو اقبال نے سید نذیر نیازی کو خط لکھ کر مطلع کیا کہ رہوڈز لیکچروں کا موضوع ''زمان و مکان فلسفہ اسلام کی تاریخ میں'' ہے، میں نے یہ لیکچر دینے کی دعوت قبول کر لی ہے۔ [۷۵]

اقبال نے جدہ اور مکہ کے درمیان ریلوے لائن بچھنے کے سلسلے میں ایک اخباری بیان دیا جو

۱۲ر نومبر کے انقلاب میں شائع ہوا۔ آپ نے بیان میں فرمایا کہ خوشی ہوئی، ایک ہندوستانی کمپنی نے جدہ اور مکہ کے درمیان ریلوے لائن بچھانے کا ذمے لے لیا ہے۔ اس کمپنی کی کامیابی عربوں کے لیے بے حد فائدے کا موجب ہوگی۔[۷۶]

افغانستان کے نئے حکمران کے نام اقبال نے تعزیت نامہ تار کی صورت میں ارسال کیا اور لکھا کہ محمد نادر شاہ کے قتل کی خبر سے مجھے ذاتی طور پر بے حد صدمہ پہنچا۔ اعلیٰ حضرت شہید کی خدمت میں مجھے گزشتہ کئی سال سے نیاز حاصل تھا اور میں ان کی شفقت اور محبت کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔[۷۷]

افغانستان کے وزیر اعظم کے نام بھی آپ نے ایک تعزیتی پیغام ارسال فرمایا۔ یہ پیغامات ۱۲ر نومبر اور ۱۵ر نومبر کے انقلاب میں بالترتیب شائع ہوئے۔[۷۸]

افغانستان سے واپس آتے ہی اقبال بخار میں مبتلا ہو گئے۔ اسی لیے ایک تو ناسازی طبیعت اور دوسرے دلی دکھ وغم کی وجہ سے فوراً تعزیت نامہ نہ تحریر کر سکے۔ ۱۶ر نومبر کو ظاہر شاہ نے تار کا جواب دیا۔ وزیر اعظم کی طرف سے بھی جواب موصول ہو گیا۔[۷۹]

۱۸ر نومبر کو اقبال نے بذریعہ خط سید سلیمان ندوی کو یاددہانی کرائی کہ آپ نے حضرت محی الدین ابن عربی کے مسئلہ زمان ومکان کی تلخیص ارسال کرنی ہے۔[۸۰]

۲۲ر نومبر کو اقبال نے صدر نیشنل لیگ لندن کے نام تار دیا اور لکھا کہ مسلمانوں میں مسئلۂ فلسطین کے سلسلے میں بہت جوش پایا جاتا ہے اور ناخوش گوار نتائج پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی روز آپ نے مس فارقوہرسن کو لندن میں ایک کتاب نجات دہندہ گاندھی ارسال فرمائی۔[۸۱]

۲۴ر نومبر کو کابل سے فارسی اخبار اصلاح موصول ہوا۔ اسی روز آپ نے راغب کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اصلاح اخبار میں سردار محمد ہاشم کی ایک تقریر شائع ہوئی ہے، جو نہایت دردناک ہے۔ مجھے اس تقریر نے بہت رلایا ہے۔[۸۲]

اسی دن اقبال کے پاس حمید احمد خان ایک سفارشی رقعہ لکھوانے آئے۔ آپ نے انھیں اسلامیہ کالج، لاہور میں شعبہ انگریزی ادب اور فلسفہ میں لیکچرر مقرر کیے جانے کے لیے سفارشی خط لکھ دیا۔ یہ خط ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کالج کمیٹی کے اعزازی سیکریٹری کے نام تحریر کیا گیا تھا۔[۸۳]

پنجاب یونی ورسٹی ۱۴ر اکتوبر ۱۸۸۲ء میں معرض وجود میں آئی تھی۔ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں اس کی گولڈن جوبلی کے سلسلے میں تقریبات منائی گئیں۔ ۴ر دسمبر کو صوبے میں عام تعطیل ہوئی۔

ملحقہ کالجوں میں ۵، ۶؍ دسمبر کو بھی تعطیل ہوئی۔ ۴؍ دسمبر بروز پیر پنجاب یونی ورسٹی کا کانووکیشن ہوا۔ اس میں درج ذیل اصحاب کو اعزازی ڈگریاں دی گئیں:

ڈی لٹ:	ڈاکٹر سر محمد اقبال	اے سی وولنر
ڈی ایل ڈی:	میاں سر فضل حسین	سر شادی لال
ڈی او ایل:	سر سکندر حیات خان	سر سندر سنگھ مجیٹھہ [۸۴]

اوائل دسمبر میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک اخباری بیان کے ذریعے گول میز کانفرنس میں شریک مسلم وفد کے ارکان کے رویے پر شدید نکتہ چینی کر دی۔ اقبال نے اپنے اخباری بیان مورخہ ۶؍ دسمبر میں ان کے ہر الزام کا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ مہاتما گاندھی کانگریس کے رہنماؤں تو کجا لندن میں موجود وفد کے ہندو اور سکھ ارکان کو بھی اپنا قائل نہیں کر سکے۔ بعد میں انھوں نے ایک اور نہایت غیر منصفانہ شرط عائد کرنے کی کوشش کی اور وہ یہ کہ مسلمان اچھوتوں کے علیحدہ نیابت کے مطالبے کی مخالفت کریں۔ مسلم وفد کے ارکان کا موقف یہ تھا کہ جب مسلمان اپنے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کر رہے ہیں تو وہ اچھوتوں کے لیے ایسے ہی مطالبے کی مخالفت کس طرح کر سکتے ہیں؟ آپ نے مزید فرمایا کہ ہندوستان کے مسئلے کا واحد حل یہی ہے کہ ملک کو مذہبی، تاریخی اور تمدنی بنیادوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ [۸۵]

۹؍ دسمبر کے خط میں سید سلیمان ندوی کے نام مکتوب میں اقبال نے رقم فرمایا کہ عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہیں کر سکے گا۔ [۸۶]

۱۴؍ دسمبر کی رات سید سلامت شاہ اقبال سے ملنے آئے۔ باتوں باتوں میں انھوں نے آپ کو بتایا کہ نذیر نیازی جامعہ ملیہ سے کچھ دل برداشتہ ہیں۔ بعد ازاں اس سلسلے میں جامعہ نے اقبال کو ایک خط بھی بھجوایا۔ آپ نے اگلے روز نذیر نیازی کو جامعہ کا وہ خط ارسال کر دیا اور فرمایا کہ آپ کا جواب ملنے پر جامعہ کو خط تحریر کروں گا۔ [۸۷]

اقبال کی خواہش پر سید سلیمان ندوی نے آپ کو اپنی عربی کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص ارسال فرما دی۔ آپ نے ۱۵؍ دسمبر کو سید سلیمان ندوی کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ تلخیص دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوا، اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو پھر مکان کیا چیز ہے؟ جس طرح زمان دہر کا ایک طرح سے عکس ہے، اسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہیے۔ کیا یہ خیال ابن عربی کے نقطۂ نظر سے صحیح ہے؟ [۸۸]

۱۷؍دسمبر کو اقبال نے شیخ محمد اکرام کے نام مکتوب میں تحریر کیا کہ میں نے لارڈ لودین کی دعوت قبول کر لی ہے۔ میرا موضوع ''فکر اسلامی میں تصور زمان و مکان'' ہوگا۔ یہ موضوع کافی تفتیش اور تحقیق کا متقاضی ہے۔[۸۹]

۲۱؍دسمبر کے خط میں اقبال نے سید نذیر نیازی کو قطعات شائع کرنے کی اجازت دے دی۔ اسی روز آپ نے سید محفوظ علی بدایونی کو خط تحریر کرتے ہوئے سوال کیا کہ کیا مسلمان ریاضی دانوں میں کوئی اس بات کا بھی قائل رہا ہے کہ مکان کے ابعاد تین سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں؟ شاید نصیرالدین طوسی نے ایسے امکان کا کہیں ذکر کیا ہے، مگر مجھے حوالہ یاد نہیں۔ آپ کے بدایوں میں ایک بزرگ نے کچھ مدت پہلے ایک رسالہ علم ہیئت پر شائع کیا تھا، ان سے دریافت فرما کر مطلع فرمائیے۔[۹۰]

۲۵؍دسمبر کو اقبال نے لندن مس فارقوہرسن کے نام شکریہ کا خط تحریر فرماتے ہوئے لکھا کہ آپ اور لارڈ ازلنگٹن نے فلسطینی عربوں کے لیے نہایت ہی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں...... آکسفورڈ یونی ورسٹی نے مجھے روڈز لیکچرز کے لیے دعوت دی ہے جو میں نے قبول کر لی ہے۔ اسی روز آپ نے سید نعیم الحق 'پٹنہ' بہار کو خط میں تحریر فرمایا کہ اگر میں کانفرنس میں شمولیت کے لیے پٹنہ آسکا، تو یقیناً آپ سے ملاقات میرے لیے باعث مسرت ہوگی۔ لیکن پٹنہ میرا آنا غیر یقینی ہے کیوں کہ اواخر مارچ ۱۹۳۴ء میں مجھے لیکچر دینے آکسفورڈ جانا ہے۔[۹۱]

اس برس تین سال بعد ماہ دسمبر میں محمد علی جناح ہندوستان واپس آ گئے۔[۹۲]

اس سال پشاور کے میاں عبدالعزیز کو مسلم لیگ کی قائم مقام صدارت سے الگ کر کے ان کی جگہ حافظ ہدایت حسین کو صدر منتخب کر لیا گیا۔[۹۳]

اس سال سر فضل حسین نے یہ تجویز پیش کی کہ اقبال کو حکومت ہند کے نمائندے کی حیثیت سے جنوبی افریقا بھیج دیا جائے، مگر آپ نے یہ پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کا کہنا تھا کہ میری بیگم باپردہ خاتون ہے اور وہ مخلوط محفلوں میں شرکت نہیں کر سکتی۔[۹۴]

اس سال اقبال احمدیوں سے من حیث الجماعت مایوس ہو گئے۔[۹۵]

لاہور ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج، سر سید عبدالرؤف اپنے احباب سے ملنے لاہور آئے تو جسٹس سید آغا حیدر کے ہاں ٹھہرے۔ ایک شب جسٹس سید آغا حیدر نے شیخ عبدالقادر اور علامہ اقبال کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت پر بلایا۔ کھانے کے بعد سید عبدالرؤف نے اپنی آرزو بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ اقبال سے ان کا کلام سننا چاہتے ہیں۔ یہ بھی کہا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں، معلوم نہیں پھر آؤں یا نہ آؤں۔ ان کی خواہش پر اقبال نے اپنا کلام سنا دیا۔ اُسے سن کر سب کی

آنکھوں میں آنسو آ گئے۔[۹۶]

محمد تاثیر نے اپنے رسالہ کارواں میں اقبال کی ایک غزل شائع فرمائی۔

زلف آوارہ، گریباں چاک ، اے مست شباب
تیری صورت سے تجھے درد آشنا سمجھا تھا میں

چغتائی نے اسے نقش و نگار سے مرصع کیا تھا۔[۹۷]

اس سال اقبال کو ۴۶۵۷ روپے آمدنی ہوئی۔ اس پر آپ نے ۱۸۱ روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔[۹۷]

❋......❋......❋

حواشی

۱- ان کتب سے مدد لی گئی ہے:
(i) زندہ رود، ص۴۹۶۔۵۰۴
(ii) روح مکاتیب اقبال، ص۴۵۱۔۴۵۳
(iii) انوار اقبال، ص۱۰۲۔۱۰۳
۲- زندہ رود، ص۵۰۴
۳- روح مکاتیب اقبال، ص۴۵۵
۴- گفتار اقبال، ص۱۶۷۔۱۶۹
۵- روح مکاتیب اقبال، ص۴۵۵
۶- ایضاً، ص۴۵۹
۷- گفتار اقبال، ص۱۶۸۔۱۶۹
۸- روح مکاتیب اقبال، ص۴۵۵
۹- مکتوبات اقبال، ص۹۵
۱۰- اوراق گم گشتہ، ص۲۸
۱۱- ایضاً، ص۲۷۔۲۸
۱۳- روح مکاتیب اقبال، ص۴۵۶
۱۴- ایضاً، ص۴۵۷
۱۵- ایضاً، ص۴۵۸
۱۶- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۳۹۸

۱۷- اوراق گم گشتہ، ص۲۷۶؛اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۴۲۵
۱۸- روح مکاتیب اقبال ، ص۴۵۸
۱۹- ایضاً، ص۴۵۸
۲۰- ایضاً، ص۴۵۹
۲۱- ایضاً، ص۴۵۹
۲۲- ایضاً، ص۴۶۰
۲۳- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۲۵۸-۲۵۹
۲۴- زندہ رود، ص۵۰۶
۲۵- ایضاً، ص۵۰۷
۲۶- گفتار اقبال، ص۱۷۰
۲۷- اوراق گم گشتہ، ص۲۹
۲۸- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۴۰۱
۲۹- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۳
۳۰- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۴۰۲
۳۱- زندہ رود، ص۵۰۷
۳۲- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۲
۳۳- زندہ رود، ص۴۹۷
۳۴- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۳
۳۵- ایضاً، ص۴۶۳
۳۶- ایضاً، ص۴۶۴
۳۷- زندہ رود، ص۵۰۹-۵۱۱
۳۸- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۴
۳۹- اقبال اور ظفر علی خان، ص۶۴
۴۰- اقبال- جہان دیگر، ص۴۵
۴۱- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۵
۴۲- اقبال اور ظفر علی خان، ص۴۷
۴۳- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۵
۴۴- اقبال کا سیاسی کارنامہ، ص۴۰۴؛ حرف اقبال، ص۲۰۶
۴۵- *Speeches, Writings and Statements of Iqbal, p.*191

۴۶- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۶
۴۷- زندہ رود، ص۴۹۷
۴۸- ایضاً، ص۵۱۱
۴۹- اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۲۰۱
۵۰- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۸
۵۱- گفتار اقبال، ص۱۷۷
۵۲- زندہ رود، ص۵۱۱
۵۳- روح مکاتیب اقبال، ص۴۶۹
۵۴- اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۲۰۲
۵۵- ایضاً، ص۲۰۴
۵۶- مکتوبات اقبال، ص۱۱۷
۵۷- انوار اقبال، ص۲۱۲
۵۸- مظلوم اقبال، ص۳۶۳۔۳۶۵
۵۹- روح مکاتیب اقبال، ص۴۷۳
۶۰- گفتار اقبال، ص۱۷۷۔۱۷۹
۶۱- روح مکاتیب اقبال، ص۴۷۴
۶۲- زندہ رود، ص۵۱۵
۶۳- ایضاً، ص۵۱۶
۶۴- روح مکاتیب اقبال، ص۴۷۴
۶۵- ایضاً، ص۴۷۵
۶۶- مفکر پاکستان، ص۱۷۴
۶۷- زندہ رود، ص۵۱۱
۶۸- سفر افغانستان کے لیے ان کتب سے مدد لی گئی:
(i) سید سلیمان ندوی، سیر افغانستان، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی ۱۹۸۷ء
(ii) زندہ رود، ص۵۱۷۔۵۲۸
(iii) اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں
(iv) انوار اقبال، جلد اوّل، خطوط سید سلیمان ندوی کے نام، ۱۹۳۳ء میں
۶۹- زندہ رود، ص۵۲۸
۷۰- گفتار اقبال، ص۱۷۸۔۱۷۹

۷۱- سیر افغانستان، ص۱۴۰
۷۲- روزنامہ، جنگ، لاہور، ۲۵ر نومبر۔ یکم دسمبر ۲۰۰۱ء، سنڈے میگزین، ص ۷
۷۳- زندہ رود، ص۵۱۸
۷۴- ایضاً، ص۵۲۹
۷۵- ایضاً، ص۵۳۲
۷۶- گفتار اقبال، ص۱۸۰
۷۷- روح مکاتیب اقبال، ص۴۸۰
۷۸- گفتار اقبال، ص۱۸۰۔۱۸۱
۷۹- اقبال جہان دیگر، ص۶۱
۸۰- روح مکاتیب اقبال، ص۴۸۱
۸۱- گفتار اقبال، ص۱۸۳
۸۲- اقبال - جہان دیگر، ص۶۶
۸۳- اوراق گم گشتہ، ص۱۵۹
۸۴- ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، صد سالہ تاریخ جامعہ پنجاب، ص۱۹۴۔۱۹۵
۸۵- زندہ رود، ص۵۳۰
۸۶- روح مکاتیب اقبال، ص۴۸۳
۸۷- مکتوبات اقبال، ص۱۲۱
۸۸- روح مکاتیب اقبال، ص۴۸۳
۸۹- ایضاً، ص۴۸۴
۹۰- ایضاً، ص۴۸۵
۹۱- ایضاً، ص۴۸۶
۹۲- زندہ رود، ص۳۴۲
۹۳- ایضاً، ص۳۴۱
۹۴- ایضاً، ص۴۰۵
۹۵- ایضاً، ص۵۸۹
۹۶- ملفوظات اقبال، ص۳۵
۹۷- اقبال کی صحبت میں، ص۳۵۹۔۳۵۰
۹۸- زندہ رود، ص۵۴۳